

أحنا

AHNAF.COM

ISLAMIC MULTIMEDIA LIBRARY

اَسْمُ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِاللَّهِ مَدَدُ

سُنَّی شیعہ مسائل پر
”تحفہ اشاعریہ کے سر پر جامع کتاب“

تحفہ امامیہ

تصنیف

محقق المصنّف
مولانا حافظ
محمد میاں زوالی مدظلہ العالی

ناشر

مکتبہ عثمانیہ بن حافظ حجّے
ضلع میانوالی

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

یا اللہ مدد

خلافت راشدہ

حق چار یار

سُنِّي شَيْعَةَ مَسَائِلِ پر
پیغمبر ﷺ سے روایت شدہ احادیث پر

”تحفہ اثنا عشریہ“ کے طرز پر جامع کتاب

تحفہ امامیہ

جس میں خلفاء راشدین کی حقانیت اور اہل سنت
والجماعت کی صداقت پر بیسیوں کتب کی ورق گردانی
سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ووافض کے متم
مطالعن کے تحقیقی اور الزامی جواب دیئے گئے ہیں۔

مؤلفہ: حافظہ مہر محمد میاں والوی

ناشر مکتبہ عثمانیہ بن حافظ جی ضلع میانوالی

”تحفہ امامیہ“ وغیرہ کے متعلق قارئین کے تاثرات

۱۔ تبصرہ ہفت روزہ ”خدام الدین“ لاہور۔ مولانا سعید الرحمن علوی رقم طراز ہیں:

..... چنانچہ انھوں (مسنف) نے غایت درجہ محنت کے ساتھ شیعہ سکول کی اہل کتابوں کی طرف مراجعت کر کے پیغمبر کتاب تیار کر دی جس کے متعلق یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ فریقین

کے اختلافی مسائل پر ایک ٹھوس مستند اور ذمہ دارانہ کتاب ہے جس میں جدید اسلوب کا بھی لحاظ کیا گیا ہے۔ چند سال پہلے کے ایرانی انقلاب اور بعض دوسرے عوامل کے سبب برادرانِ اہل سنت

کے ذہنوں میں شیعہ سکول کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ان کا آزار ہو جائے گا اور اس سکول کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا۔ ہم اس

دستاویز کی تیاری پر اپنے فاضل دوست کو مستحق تبریک سمجھتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ برادرانِ اہل سنت اس کی زبردست پذیرائی کریں گے۔ دوسری کتاب عدالت حضرات صحابہ کرامؓ، ایک

عرصہ قبل چھپ کر اہل علم سے خارج تحسین حاصل کر چکی ہے..... (خدام الدین ۲۴ ستمبر ۱۹۸۲ء ۲۸۶ ج ۱۲)

۲۔ عظیم محقق اہل سنت مولانا محمد نافع جامعہ محمدیہ جنگ رقم طراز ہیں:-

.... آپ نے اپنی تصنیف ”تحفہ امامیہ“ بندہ کو کئی ایام سے ارسال فرمائی تھی..... دیگر

گزارش ہے کہ آپ بڑے عمدہ لائق فاضل نوجوان ہیں اور اس میدان (مدح صحابہؓ) میں خوب کام کر رہے ہیں اور بڑی قیمتی تصانیف کے آپ مصنف ہیں۔ میری حقیر سی تالیفات

(درحار بنیم وغیرہ) میں کوئی مسئلہ قابل اصلاح نظر آئے تو اس سے مرہانی فرما کر مجھے مطلع فرمادیا کریں یہ آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔ (مکتوب ۲ جون ۱۹۸۲ء)

۳۔ یہ حضرت کی ذرہ نوازی اور کس نفسی ہے ورنہ احقر آپ کی کتب کا خوشہ چین ہے) بریلوی مکتب فکر کے فعال کارکن مولانا غلام نبی صدر تحریک حقوق اہل سنت و الجماعت

۳۲، بلڈنگ فیروز سنہ صدر راولپنڈی چند خطوط میں رقم طراز ہیں:-
۱۔ جناب محترم حافظ مہر محمد صاحب مدظلہ السلام علیکم۔ تعلیمات اہل بیتؑ (مسئلہ عباداری)

پڑھ کر خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کو قائم و دائم رکھے اور حضور و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم محترمہ بریلوی خیال کے لوگوں کو اگلی صفوں میں لانے کیلئے کوشاں ہیں و عافریائیں کامیابی ہو۔ آپ کا مخلص: حافظ غلام نبی صدیق تحریک اہل سنت راولپنڈی، ۱۰ جون ۱۹۸۵ء

ب۔ پاکستان اسلامک مشن: جناب محترم حافظ محمد صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کی اسلامی خدمات قابل تحسین ہیں۔ خدا آپ کو صحت، تندرستی اور توفیق سے نوازے میں نے پاکستان اسلامک مشن کی اس بھاری ذمہ داری کو سنبھالتے ہی دیوبندی بریلوی عقائد پر زور دیا کہ آپس میں اتحاد ہو جائے کچھ دیوبندی اور بریلوی علماء کو یہ بات پسند نہ آئی فاس کر بریلوی مکتبہ کے چند علماء کو سخت تکلیف ہوئی بلکہ تحریک اہل سنت کی طرف سے میں نے ان کو امام باڑوں سے نکالا مثلاً....

.... شیعہ سنی اتحاد نامکن ہے بلکہ بریلوی دیوبندی عقائد کا اتحاد آسان ہے جیسے نورانی صاحب اور مفتی صاحب کا، ۱۹۷۷ء میں اتحاد ہوا تھا..... تو دین کی سربلندی اور باطل قوتوں سے نپٹنے کیلئے اتحاد بہت ضروری ہے۔ (۱۲ جولائی ۱۹۸۵ء)

ج۔ ہم..... مولانا عبد الوحید ربانی ملتان کے علاوہ مولانا محسن رضا سابق شیعہ عالم کی تقریریں بذریعہ کیسٹ نشر کر رہے ہیں جن کا اثر بریلوی خیال میں پھیل رہا ہے۔ دیوبندی تو ویسے ہی صحابہ کرامؓ کے حوالہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کی محبت نصیب فرمائے آپ کی خدمات اللہ کے فضل سے بہت عروج پر ہیں..... (۲۳ جولائی ۱۹۸۵ء)

۴۔ ساہی وال سرگودھا سے مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم کہتے ہیں: یہ تحفہ امامیہ جب بھی نظر عام پر آجائے مجھے ارسال کریں جب تک اس کتاب کو پڑھ نہ لوں گا مجھے الطینان نہ آئے گا۔

۵۔ ماتلی سندھ سے محمد ایوب نظامانی میڈیکل سٹور لکھتے ہیں: ”ہم سنی کیوں ہیں؟ اور شیعہ حضرات سے ایک سو سو سوالات“ پڑھیں۔ آپ نے بہت مدلل جوابات دیئے ہیں۔

۶۔ مولانا عبد العلی فاروقی ایڈیٹر البدر، لکھنؤ انڈیا ایک خط میں لکھتے ہیں: ”اپنی تازہ تصانیف بھیجتے رہا کیجئے اس طرح ہم لوگوں کو استفادہ کا موقع بھی مل جایا کرے گا اور کتابوں کا اپنے حلقہ میں تعارف بھی ہوتا ہے گا۔“ (۲ دسمبر ۱۹۸۱ء)

فہرست مضامین

باب اول

سوال ۱۔ شعب ابی طالب میں محسوری

۱۷

شعب میں محسوری کی وجہ

۱۸

حضرت عمرؓ کا اسلام اور انقلاب

۱۹

تمام مسلمان بنو ہاشم کی طرح محسور تھے

۱۹

کوئی مسلمان خوراک کی لدا دہنیں کر سکتا تھا

۲۰

مظلومین فی سبیل اللہ کے نام

۲۱

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے مصائب

۲۱

حضرت ابوالعاصؓ خوراک پہنچاتے تھے

۲۳

سوال ۲۔ حضرت فاطمہؓ کی تدفین

۲۵

آپ کی تدفین وصیت کے مطابق تھی

۲۶

غسل حضرت اشما زوجہ صدیقؓ نے دیا

۲۷

مدفن فاطمہؓ جنت البقیع میں ہے

۲۸

مدفن کے متعلق شیعہ کا اختلاف

۲۸

روضہ میں عدم تدفین کے وجوہ

۳۰

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اجازت کے رد فن کی نصیحت کی

۳۲

دفن شیخینؓ کا باطنی سبب

۳۳

شیخینؓ کی تدفین روضہ اقدسؓ حضرت علیؓ کی رضا

۳۴

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا حضورؐ کی مٹی سے پیدا ہونا

۳۵

حضرت علیؓ سے شیخینؓ کے مناقب

۳۵

پیغمبرؐ کی صاحبزادیاں چار ہیں

۳۶

قرآن سے ثبوت

۳۷

پیغمبرؐ اور حضرت علیؓ کے ارشادات

۳۸-۳۹

حضرت فاطمہؓ کا ارشاد اور نکیرین دختران پر لعنت

۴۰

حضرت حسینؓ کا ارشاد

۴۰

حضرت باقرؓ و جعفرؓ کے ارشادات

۴۰

شیعہ مجتہدین کے فیصلہ جات

۴۲

شیعی و سادس کا ازالہ

۴۶

حضرت زینبؓ کی شان

۴۹

رقیہ و ام کلثومؓ کی شان

۵۰-۵۰

حضرت فاطمہؓ کی شان

۵۲

فضائل فاصہ کے اسباب

۵۵

باب دوم

۵۸

سوال ۳۔ دعوت ذی العشیرہ

۵۸

روایتی جرح۔ روایت ثابت

۶۰

چھ باتیں شیعہ کے خلاف ہیں

۶۲

سوال ۴۔ قصہ موافات مضطرب ہے

۶۵

اجتماع اور موافات کتب سیرت سے

۶۷

اخوت حضرت ابوبکرؓ اور زیدؓ بن حارثہ

۶۷

کے لیے بھی ثابت ہے

۶۷

صرف نسبی فضیلت کا رآد نہیں

۶۸

حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت پر دلائل قاطعہ

۶۹

۱۰۶	قاتل اہل بیتؑ شیعہ ہی کو قاتل بتایا	۶۹	آپؐ صاحب پیغمبرؐ کے تاجدار میں
۱۰۸	شیعہ خود اقبالِ جرم کر کے روتے ہیں	۷۲	واقعہ ہجرت کتب شیعہ میں
۱۰۹	شیعہ کا مذہب رنگ بدتر از گناہ ہے	۷۶	آپؐ مصدقین کے امام ہیں
۱۱۰	صاحبِ تجلیاتِ صداقتؑ کی غلط بیانیوں کا محاسبہ	۷۸	آپؐ مساجد میں سب سے اعلیٰ ہیں
۱۱۲	اہلِ کوفہ کا تشیع	۷۸	سب سے اعلیٰ اور ازکی ہیں
۱۱۴	خود و نفاق کی اہم وجہ	۸۰	آپؐ حکیمِ نبیؐ امامِ نماز ہیں
۱۱۵	اہلِ سنتؑ امام کی نصرت کیوں نہ کی؟	۸۱	حضرت علیؑ آپؐ کے پیچھے مقتدی ہیں
۱۱۶	شہدِ ادریکار کے اجمالی نام	۸۲	تمام امتؑ کا آپؐ کی افضلیت پر اتفاق ہے
۱۱۷	یزید کا اہلِ بیتؑ سے حسن سلوک	۸۴	عبداللہؑ ہی آپؐ افضل سمجھے جاتے تھے
۱۲۰	سوال: حضرت علیؑ کے خلفائے ثلاثہ سے تعلقات	۸۵	آپؐ کے متعلق بشارتِ خلافت پچی ہوئی
۱۲۱	شیخینؑ کا اتباع	۸۸	انبیاءؑ ہی تمام کائنات سے افضل ہیں
۱۲۴	حضرت علیؑ اور مدحِ شیخینؑ	۹۱	سوال: اہلِ سنتؑ کے کثیر الروایہ حضرات
۱۲۸	طبری کے مکالموں کی حقیقت	۹۲	اہلِ بیتؑ سے کئی روایت کے اسباب
۱۲۸	سندِ لغویں	۹۳	مکثرین سے کثرت کے اسباب
۱۲۹	معنا شیعہ کو غیر مفید ہیں	۹۶	شیعہ نے حضرت علیؑ سے علم کیوں روایت نہ کیا
۱۳۰	سوال ۵: قصہ قرطاس	۹۷	پیش کردہ حدیثیں موضوع ہیں
۱۳۰	حدیثِ قرطاس		باب سوم
۱۳۲	ردِ وحی کے الزام کے تین جوابات	۹۷	سوال ۱: قاتلینِ امام کون ہیں؟
۱۳۴	نسبتِ ہدیان کی حقیقت	۹۷	قاتلینِ امام شیعانِ کوفہ ہیں
۱۳۷	تحریر نہ ہونے سے امت کی گمراہی کا افسانہ	۹۸	امام کی امن پسندی اور سیاست کنارہ کشی
۱۳۸	مقصود تحریر کیا تھا؟	۹۹	شیعہ ہی نے آپؐ کو خط لکھ کر بلایا
۱۳۹	مسئلہ کے متعلق چند سوالات	۱۰۰	امامتؑ کے متعلق آپؐ کا اور اہلِ سنت کا نظریہ
۱۴۰	ایک لغو رسالہ کا محاسبہ	۱۰۱	امام سے برسرِ پیکار شیعہ ہی تھے

۲۰۰	ایک نور سالہ کا جائزہ	۱۴۵	سوال ۹: قبل تدفین خلیفہ کا انتخاب
۲۱۰	جنازہ سیدہ اور شیخین	۱۴۶	سابقہ امام پر قیاس لغو ہے
۲۱۳	آخری گزارش	۱۴۷	شیعہ کا امام قبل از موت ہی خلیفہ بن جاتا ہے۔
۲۱۴	باب پنجم	۱۴۸	جنازہ رسول میں سب صحابہ کرام کی شرکت
۲۱۴	سوال ۱۱: عہد مرقوم کی خانہ جنگیاں	۱۵۰	حضرت ابو بکر و عمر کی صریح موجودگی
۲۱۴	اہل سنت کا معتدل فیصلہ		باب چہارم
۲۱۴	بطور الزام تحقیق و تشریح	۱۵۲	سوال ۱۲: قصہ فدک
۲۱۵	اہل نہروان کے قاتل	۱۵۲	مسئلہ فدک کیوں پیدا کیا گیا ؟
۲۱۶	شیعہ کا خارجی بن کر قاتل علی ہونا	۱۵۳	مسئلہ کی سادہ تفہیم
۲۱۸	اہل جبل کے قاتل	۱۵۶	ناراضی پر دس قسمی گزارشات
۲۲۰	حضرت علی کا خلفائے ثلاثہ کی تعریف کے تاریخ سے	۱۶۱	مسئلہ کی علمی تفتیش
	حضرت عائشہ صدیقہ (ام المؤمنین) کے جاں نثاروں	۱۶۲	مال فے اور فدک کی حقیقت
۲۲۲	کی جاں نثاری اور جنگ کا خاتمہ	۱۶۷	اموال فے میں حضور کا طرز عمل
۲۲۴	پس منظر جنگ صفین		حضرت صدیق اکبر کا اہل بیت کو فدک
۲۳۱	شیعہ پر حضرت علی کی ناراضی	۱۷۰	دینا اور ان کا راضی ہونا
۲۳۲	ایک شبہ کا ازالہ	۱۷۳	حضرت فاطمہ کے سوال کا منشا کیا تھا ؟
۲۳۳	عہد مرقوم پر ایک نظر	۱۷۷	حدیث الانورث متفق علیہ ہے۔
۲۳۶	حضرت علی کا قطعی فیصلہ	۱۷۸	کتب شیعہ سے ثبوت
۲۳۷	سوال ۱۳: منافقین کی تحقیق	۱۸۲	ایک شبہ کا ازالہ
۲۳۸	صحابی کی تعریف اور ان کی تعداد	۱۸۳	لفظ غضبت راوی کا مدرج ہے
۲۳۸	منافق بہت کم تھے	۱۸۵	کتب اہل سنت سیدہ کی رضامندی
۲۳۹	قرآن میں پیشین گوئیاں	۱۸۸	شیعہ کے دلائل فراشت اور ان کے جوابات
۲۴۱	منافق مخذول و مردود ہوئے	۱۹۶	روایات ہبہ کی حقیقت

۲۹۷	الزامی جواب	۲۲۳	قرآن میں منافقوں کی علامات
۲۹۸	سوال ۱۵: تنقہ کے لیے آنکھیں دلوں میں اتھاڑ دینی ہے	۲۲۵	قرآن میں منافقوں کی علامتیں پر منطبق ہیں
۲۹۹	صحابہ کرام کی ان جگہوں میں خطا و صواب کا معنی	۲۲۶	سوال ۱۳: دلائل اربعہ
۳۰۰	کالمین پر سو و نیاں کا وقوع	۲۲۷	مذہب اہل سنت کے چار دلائل ہیں
۳۰۱	شیعہ بزرگوں میں اختلافات کی چودہ مثالیں	۲۲۷	قرآن و سنت کی صداقت
۳۰۷	سوال ۱۷: انت و شیعہ تک موضوع ہے	۲۲۸	اجماع و قیاس کی حقیقت
۳۱۰	بارہ ائمہ کے شیعوں کی تعداد	۲۵۰	امت کا معصوم از گمراہی ہونا
۳۱۲	فائدہ مہمہ	۲۵۳	شیعہ دلائل اربعہ کے منکر ہیں
۳۱۳	شیعہ کی موضوع احادیث	۲۵۳	قرآن کریم کا انکار اور مسئلہ تحریف
۳۱۶	اہل سنت ہی فائز المرام ہیں	۲۵۶	ایک شبہ کا ازالہ
سوال ۱۸: حضرت عائشہ کے حضرت عثمان سے	۲۵۸	حدیث مصطفیٰ کے منکر ہیں	
۳۱۹	بہتر تعلقات	۲۶۱	شیعہ اور اہل سنت میں فرق
۳۲۰	حضرت علی سے بہتر تعلقات	۲۶۲	اجماع و قیاس کے کھلے منکر ہیں
۳۲۲	اقتلوا العترة کا قصہ وضعی ہے	۲۶۵	خلافت راشدہ پر ۱۲ قرآنی آیات
سوال ۱۸: مسلمانوں کے ائمہ اربعہ کی	۲۷۹	احادیث مصطفیٰ اور خلافت راشدہ	
۳۲۴	امامت کی حقیقت	۲۸۰	احادیث شیعہ
۳۲۷	امت محمدیہ گمراہی پر جمع نہ ہوگی	۲۸۲	اہل سنت کی بارہ احادیث
۳۲۹	چاروں ائمہ کے مقلدین ایک دوسرے کے پیچھے اقتدار کرتے ہیں۔	۲۸۷	خلافت اور اجماع امت
۳۳۰	شیعہ پانچ وحدتوں کے دشمن ہیں		باب ششم
۳۳۱	پیغمبر پر حضرت علیؑ کو عملاً فضیلت	۲۹۱	سوال ۱۲: خلیفہ کی مخالفت
۳۳۲	پیغمبر سے باطن دشمنی کی مثالیں	۲۹۲	اُم المؤمنین کا موقف
۳۳۳	وحدت قرآن سے دشمنی	۲۹۴	حضرت طلحہ و زبیر کا موقف
		۲۹۶	شیعہ اکابر کے اختلافات

۳۶۰	قرآن حکیم کی اشاعت	۳۳۳	وحدت کلمہ سے دشمنی
۳۶۱	سنت و فقہ کی اشاعت	۳۳۳	وحدت کلمہ سے دشمنی
۳۶۳	فتوحات تبلیغ اسلام کے لیے تھیں	۳۳۵	وحدت امت سے دشمنی
۳۶۳	حدود اسلام کی وسعت	۳۳۵	سوال ۱۹: حضرت عائشہؓ کی تحقیق و فائزات
۳۶۵	مورک جنگ میں تبلیغی فرائض	۳۳۶	ام المؤمنینؓ کے فضائل قرآن میں
۳۶۶	خلفاء اربعہ کا ذاتی خوبیوں میں تقابل	۳۳۶	ام المؤمنینؓ کا مقام حضورؐ کی نظر میں
۳۶۶	شجاعت صدیقیؓ	۳۳۷	ذاتی حالات و علمی خدمات
۳۶۸	جرات فاروقیؓ	۳۳۸	قتل کا سانحہ غلط ہے
۳۶۰	جرات عثمانیؓ و مرتضویؓ		باب ہفتم
۳۶۱	شجاعت کے اثرات میں تقابل		سوال ۲۰: خلفاء راشدینؓ کے اوصاف
۳۶۲	علم میں موازنہ	۳۳۵	کا تقابلی مطالعہ
۳۶۲	علم صدیقیؓ	۳۳۶	شیعہ کے ہاں افضلیت کا معیار
۳۶۲	علم فاروقیؓ	۳۳۶	افضلیت کے وجوہ چار ہیں
۳۶۶	علم عثمانیؓ	۳۳۸	مرہبی فیصلہ کر دے
۳۶۶	علم مرتضویؓ	۳۳۸	مرہبی وہ کام لے جو سب فضل لے جاتا ہے
۳۶۸	عبادت میں موازنہ	۳۳۹	طلباء جماعت کسی کو مانیٹر بنالیں
۳۸۱	سخاوت میں موازنہ	۳۵۰	ذاتی اوصاف میں کوئی فائق ہو
۳۸۵	امانت	۳۵۱	خلفاء اربعہ کا اوصاف میں موازنہ
۳۸۶	حضرت شاہ ولی اللہؒ کا اقتباس	۳۵۲	قوت ایمانی حضرت ابوبکرؓ کا ایمان
	باب ہشتم	۳۵۶	حضرت عمرؓ کا ایمان
۳۸۶	مسئلہ امامت در پردہ انکار ختم نبوتؐ ہے	۳۵۶	حضرت عثمانؓ کا ایمان
۳۸۶	سوال ۲۱: بارہ خلفاء کی بحث	۳۵۹	۲۔ کثیر الہدایت ہونا
۳۸۶	اہل سنت کا معیار امامت	۳۶۰	حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے بڑے ہادی ہیں

۲۰۳	محمد شیت کا دعویٰ	۳۸۸	شیعہ کے بارہ ائمہ ہرگز مراد نہیں
۲۰۳	باطن نبوت کا اعتراف	۳۸۹	ما فوق البشر شیعہ ائمہ کے خواص
۲۰۳	منکر جنسی ہیں	۳۸۹	امام مثل نبی مرسل من اللہ ہے
۲۰۴	لفظی ختم نبوت کا اقرار	۳۸۹	امام مثل نبی حجۃ اللہ ہے
۲۰۴	مسلمانوں سے قطع تعلق	۳۹۰	امام پر ایمان اور اس کی طرف رجوع ضروری ہے
۲۰۴	معاملات میں قطع تعلق	۳۹۱	امام کی اطاعت بھی فرض ہے
۲۰۵	کلمہ میں علیحدگی	۳۹۱	وہ اللہ کی شریعت کا والی و فائز ہے
۲۰۵	تمام مسلمان کنجریوں کی اولاد ہیں	۳۹۲	ائمہ اللہ کا نور ہیں
۲۰۵	تمام مسلمان سؤر اور لعنتی ہیں	۳۹۲	ائمہ نبوت کا درخت و مضبوط لٹنگہ ہیں
۲۰۵	تمام مخالفین مسلمانوں کے قتل کے منصوبے	۳۹۳	ائمہ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں
۲۰۵	انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کی توہین	۳۹۴	ائمہ عالم الغیب ہیں
۲۰۶	مکہ و مدینہ کی توہین	۳۹۴	ائمہ موت و حیات میں مختار ہیں
۲۰۶	مکہ کے سوا دوسری جگہ کا حج	۳۹۵	ائمہ پیغمبروں کے ساتھ علم میں مساوی ہیں
۲۰۶	قادیانیت کے متعلق قومی اسمبلی کا فیصلہ	۳۹۵	ائمہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں
۲۰۸	شیعہ پر بھی صادق آتا ہے	۳۹۵	ائمہ حلال و حرام میں مختار ہیں
۲۰۹	شیعہ کے ائمہ مراد نہ ہونے پر دوسری دلیل	۳۹۶	ائمہ درجہ میں حضور کے مساوی ہیں یا افضل ہیں
۲۱۰	حضرت علیؑ کا اپنی خلافت میں معذور ہونا	۳۹۶	حق صرف ائمہ کے پاس ہے
۲۱۲	ائمہ اہل بیتؑ مراد نہ ہونے پر تیسری دلیل	۳۹۷	ائمہ کا منکر و مخالف بھی کافر و مرتد ہے
۲۱۲	حدیث کا مفہوم	۳۹۹	ائمہ سب انبیاء سے افضل ہیں
۲۱۸	حدیث کے مصداق کون سے بارہ افراد ہیں	۴۰۰	شیعہ در باطن ائمہ کو انبیاء مانتے ہیں
۲۱۹	حدیث من مات کی بحث	۴۰۱	شیعہ ائمہ کے دعاوی اور مرزا قادیانی کے دعاوی کا سرسری جائزہ
		۴۰۲	دعویٰ نبوت میں تضاد

۴۲۱	باب دوم	حدیث من مات کے معانی
۴۲۵	سوال ۲۲۲: کلمہ طیبہ	جاہلیت کی موت کیوں ہوگی؟
۴۲۶	اسلام میں کلمہ طیبہ کی اہمیت	ایم زمان کا ایک اور مصداق
۴۵۱	کلمہ اہل سنت ہی قرآن نے سکھایا	باب پنجم
۴۵۵	شیعی شبہات کا ازالہ	سوال ۲۲۳: دین میں بدعت کا موجد کون ہے؟
۴۵۶	آیت انما اولیکم اللہ کے تین جوابات	اہل سنت دین میں کمی بیشی کے قائل نہیں
۴۵۸	آیت اولی الامر سے استدلال کا جواب	عقائد و اعمال کا شیعی امانہ
۴۵۸	کتب شیعہ کے کلمہ پر ۵۱ شہادتیں	حضرت عمرؓ کا دامن بدعت پاک ہے
۴۵۸	کلمہ اہل سنت ہی رسول اللہؐ نے سکھلایا	الصلوة خیر من النوم کا ثبوت
۴۶۰	صحابہ اہل بیتؑ نے یہی کلمہ پڑھا پڑھایا	تراویح کا ثبوت
۴۶۱	حضرت باقرؑ و جعفرؑ نے بھی یہی کلمہ پڑھایا	پار تبخیر نماز جنازہ کا ثبوت
۴۶۲	ائمہ اہل بیتؑ نے یہی کلمہ ولادت کے وقت پڑھا	متعہ کی حرمت خود حضورؐ سے ثابت ہے۔
۴۶۳	سب کائنات یہی کلمہ پڑھتی ہے	شیعہ کے ہاں متعہ کے شرائط و ارکان
۴۶۵	اذان و اقامت وغیرہ میں کلمہ طیبہ	حضرت علی المرتضیٰؑ سے ممانعت
۴۶۵	شہادتین کا کلمہ ہی کامل ایمان ہے	ایک شبہ کا ازالہ
۴۶۷	شیعہ علماء کا اعترافِ حقیقت	طلاق ثلاثہ معاً بائن میں
۴۶۸	شیعی شبہات کا ازالہ	قیاس شرعی حجت ہے
۴۷۰	سبط ابن جوزی کی کتابیں و ابی ہیں	قیاس کی حجیت کا شیعہ سے ثبوت
۴۷۱	التحیات و شمار بھی ثابت ہے	سوال ۲۲۴: اجماع سے انتخاب
۴۷۲	نمازیں ہاتھ باندھنا قرآن سے ثابت ہے	قرآن سے ثبوت
۴۷۵	ترتیب وضو بھی قرآن سے ثابت ہے	تاریخ سے ثبوت
۴۷۶	سنی بدعات کی وجہ	ابن فلدون کا قیمتی حوالہ
۴۷۸	کتب مراجع و مصادر	الزامی سوالات

نقشِ آغا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَنَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ امانت

۱۹۷۶ء میں تحفۃ الاخیار، ایک رسالہ راقم نے لکھا تھا جس میں سابقہ سوال کے ایک پٹواری نام نہاد نو شیعہ مجتہد کے نتائج کردہ اشتہار کے چوبیس سوالات کا جواب خالص تحقیقی زبان میں دیا تھا اور وہ بار بار چھپ کر اہل علم و سنت سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ چونکہ بڑی بڑی اہم کتابوں سے مواد لیا تھا۔ توجہ چاہا کہ ان تمام مباحث کو اصل عبارات سمیت بالوضاحت لکھ کر دیا جائے تو اہل علم و فن کو بہت فائدہ ہوگا۔ چنانچہ دوبارہ تحقیق کے ساتھ جب اسے مرتب کیا تو ایک ضخیم کتاب میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس کا نام ”تحفۃ امامیہ“ تجویز کر کے قارئین سے اشاعت کا وعدہ بھی کر دیا گیا۔ جبکہ اس کا ضخیمہ ”شیعہ حضرات سے ایک سو سوالات“ پانچ مرتبہ الگ چھپ کر مذہب کا عالمی مبلغ بن چکا ہے۔ بحمد اللہ پانچ سال کے بعد مزید اضافوں اور جدید مباحث کے ساتھ حاضر خدمت ہے۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر تمام کتب قدیمہ و جدیدہ سے افضل ہے تاہم یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ بحمد اللہ سنی شیعہ اختلافی مسائل پر سنجیدہ اور تحقیقی اسلوب میں عصر حاضر کی ناگزیر اور تشنگی بھانے والی کتاب ہے۔ جس کا مطالعہ اہل سنت کے دین و ایمان کے تحفظ کا باعث ہوگا تو فریق مخالف کے سنجیدہ اور متدل افراد کو بھی غور و فکر اور اپنے نظریات پر نظر ثانی کی دعوت دے گا۔ کیونکہ خود ان کے ہی مسلمہ اصول ”تصلین کی اتباع“ اور ”ائمہ اثناعشر“ کے فرامین کی پیروی کی دعوت دیگا۔ تصنیف کے دوران یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ پاکستان میں جن شیعہ مؤلفین نے اختلافی مسائل پر طبع آزمائی کی ہے ان کے لاجینی دلائل کا توڑ تو کر دیا مگر تعارف کے ساتھ مفصل تردید کی ضرورت نہ سمجھی۔ الا ماشاء اللہ۔

یہ کتاب چونکہ مخالف کے پیش کردہ خاص مسائل کے دفاع پر مبنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قاری کے ذہن میں کسی خاص مسئلہ کا حل یا جواب اس میں نہ ملے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مشاجرات کی بحث

میں کتب شیعہ یا تاریخ سے الزامی اور دفاعی مواد دیکھ کر کہہ دوںی صاحب ہیں "حضرات اہلبیت کرام" کے حق میں قاصر تباہیں تو انشاء اللہ اس بڑی سے چھپیں کیونکہ حضرت علیؑ اور آپ کے اہل بیت و رفقاء ہمیں اسی طرح پیارے اور سربا ئیہ ایمان میں جیسے تمام عشرہ مبشرہ اور مہاجرین و انصار ہمارے مقتدا، پیشوا اور آنکھوں کا نور، دل کا سرور ہیں۔ صرف یہ نکتہ ذہن میں رکھیے کہ یہ کتاب اہل تشیع کے غلو و جہالت کے دفاع میں ہے۔ ناصبیت و ختم نبی اس کا موضوع نہیں ہے۔ ہاں بعض جزوی مقامات پر ان کی گمراہی کی نشاندہی کر دی ہے۔ ان کا مفصل رد ان شاء اللہ کسی اور کتاب میں ہو گا۔

اس کتاب کے ڈسپچ اور قابل مطالعہ چند خاص مسائل میں ہیں۔ فضائل خلفاء راشدین۔ مسئلہ نبوت۔ حضرت علیؑ کے خلفائ ثلاثہ شیعہ سے بہترین تعلقات۔ قاتلان حسینؑ کا انکار قرطاس۔ باغ فدک۔ خلافت۔ حادثہ جمل و صفین۔ تحریف قرآن۔ امامت و ختم نبوت میں تقابلی مطالعہ۔ ۱۲ خلفاء کی بحث۔ مذہب شیعہ کی تصویر۔ اصلی کلمہ طیبہ کا کتب شیعہ سے متواتر ثبوت ہر بحث قرآن و سنت اور امامیہ کی احادیث سے مزین۔ افراط و تفریط سے پاک اور دانشمندانہ تحریر کا اثبوت ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | ہمارے عام سنی مسلمان ہمارے اس دفاعی اقدام کو بھی فرقہ واریت کہہ کر ناپسند جاننے ہیں جبکہ باقی تمام فرق باطلہ اپنے مقررین و مؤلفین کو نہ صرف سر آنکھوں پر بٹھاتے بلکہ باطل نظریہ کی اشاعت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ موضوع ہی آپ کے غلط اور برحق مسلمان ہونے کی ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں فرقہ بندی کی مذمت آئی ہے۔ ہم خود اسی نظریہ کے حامی ہیں کسی فرقہ وارانہ رسم اور گروہی امتیاز کو روا نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہمارے اسلام اہل سنت اور اکابر علماء و دیندار نے اپنے امتیاز و پہچان کے لیے کسی مسئلے کو جولا نگاہ اور ذریعہ امامت نہیں بنایا جس کا ثبوت قرآن و سنت اور فقہ حنفیہ سے نہ ہو۔ اور کسی مسئلے کو اپنا مخالف جان کر اس سے اعراض و سکوت نہیں کیا جس کا ثبوت اخبار صحیحہ اور اقوال سلف صالحین میں ضرر ملتا ہو۔

فرقہ دراصل فرق اور فرقہ سے مشتق ہے یعنی جو گروہ یا مسئلہ نکال کر امامت کے

معمول ہمسکھ کو نظر انداز کر کے ایک جدا راستے پر چلے گئے اور باقی مسلمانوں کو گمراہ بتائے۔ یہاں
 فردوسی فقہی مسائل کی آڑ میں اپنے مخالف تمام مسلمانوں کو نشانہ طعن بنائے تو وہ فرقہ اور مذہب
 کا مصداق ہو گا جیسے شیعوں کی ایجاد و ترویج سے صلاۃ و سلام کا اذان میں اضافہ نماز کے بعد
 ذکر الہم کی پابندی، نوحہ حیدری کا رواج، شیعوں کی طرح ماتم و تحریک داری اور مذہبی جلوسوں
 کی نمائش چند برسوں سے نام نہاد سنیوں میں چل نکلی ہے اور جو شریعت و سنت کا پابند قدیم طرز
 کا مسلمان ان کو ناپسند کرے تو فوراً اس پر ”وہابی و گستاخ“ ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے
 یعنی سنی شیعہ کے مقابل نہ رہا۔ اپنا قومی وجود و تشخص کھو بیٹھا۔ ہاں غیر شعوری طور پر شیعہ کے خصائص
 اپنا کر خالص سنی مسلمانوں کو کافر و گمراہ بنانے میں سرگرم عمل ہے اور اپنے سادہ لوح عوام کو شیعت
 کا شکار بلکہ ان کی ترقی کا میدان بنا رہا ہے۔ فوا اسفا۔

میں تمام سنی مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ایسی مذہبی منافرت اور بغضت سے بچتے ہوئے
 مندرجہ ذیل طبقات سے اپنا جہاد جاری رکھیں۔

۱۔ کمیونسٹ و بے دین طبقہ جو خدا کے وجود اور مذہب و عمل کی ضرورت کے بھی منکر ہیں۔

۲۔ منکرین حدیث یعنی پر دیزی قسم کے لوگ جو مسلمہ ضروریات دین کا بھی انکار کر جاتے ہیں۔

۳۔ فرقہ مندرہ مرزائیہ جو مرزا قادیانی کو (معاذ اللہ) نبی، مجدد و ماسیح موعود مانتے ہیں۔

۴۔ اعدائے صحابہ و افضاء جو قرآن کو صحیح اور واجب العمل نہیں جانتے۔ سنت رسول کو نقل

دوم اور حجت دین نہیں مانتے۔ تمام تلامذہ نبوت صحابہ کرام کو مرتد یا منافق کہتے ہیں ختم نبوت و

رسالت کے بجائے امامت کے قائل ہیں اور کلمہ۔ اذان۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ۔ پیشوائے مصوم وغیرہ

میں تمام ملت محمدیہ سے جدا مذہب رکھتے ہیں۔

ہر شخص کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں توحید۔ نبوت اور آسمانی کتاب و شریعت کی دعویٰ دار

تین قومیں ہیں مسلمان۔ عیسائی اور یہودی۔ تینوں کا امتیاز کلمہ کے آخری جز۔ صاحب وحی مصوم

ہادی اور جدا کتاب و قانون سے ہوتا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔ ”اے اہل کتاب آؤ اس کام کہ طیف

جو ہمارے اور تمہارے درمیان کیساں (مسلمہ) ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں۔

اور اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو نہ کریں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا کار

و مشکل کشانہ بنائے رہا (۱۵۶) جبکہ یہی اصولی فرق و اختلاف شیعہ دوسرے مسلمانوں سے رکھتے ہیں
ملاحظہ ہو۔

۱۔ مسلمان جو کلمہ شہادتین پڑھتے ہیں یہی قرآن نے پ ۶۶۲ - ۱۲ میں سکھایا اور حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو لاکھ مسلمانوں کو پڑھایا مگر اس کے قائل کو شیعہ ہرگز مومن و ناجی
نہیں مانتے۔ بلکہ وہ ”علی ولی اللہ و صی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل“ سے کلمہ کی تکمیل کرتے ہیں۔
حالانکہ یہ نہ قرآن و سنت میں ہے نہ اہل بیت سے کسی معتبر کتاب میں ثابت ہے کسی دین و ملت
کا کلمہ ایک ہی ہوتا ہے اس میں کمی بیشی کفر ہے۔ ایک جز کے اضافہ سے یا شیعہ مسلم بددوسری سے
الگ ہو گئے یا اسے نہ مانتے سے ۹۵٪ سنی ان کے ہاں مسلمان نہ رہے۔

۲۔ پانچ نمازیں پانچ وقت میں فرض ہیں۔ جیسے ارشاد قدرت ہے ”نماز مومنوں پر اپنے
اپنے وقت میں پڑھنا لازم ہے۔“ پ ۱۲۶۲۵ مگر شیعہ صرف تین اوقات میں پڑھتے ہیں۔
۳۔ نماز کے بعد اسلام کا بڑا رکن زکوٰۃ ہے کہ سال گزرنے پر صاحب نصاب کو ایک حصہ
نکالنا فرض ہے۔ مگر شیعہ بلاسکہ سونا چاندی کرنسی نوٹ اور مال تجارت پر زکوٰۃ کے قائل نہیں۔
ہاں منافع کے بعد اس کی بچت پر عمر میں صرف ایک مرتبہ پانچواں حصہ امام کے نام پر نکالتے اور ذکر و
مختندوں کی مالی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ اور زرعی پیداوار کی کچھ اقسام پر عشرہ کے قائل
ہیں۔

۴۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے حج سب سے افضل عبادت ہے۔ مگر شیعہ عقیدہ یہ ہے ”جو
مومن عید کے دن کے علاوہ حضرت حسینؑ کی قبر کی زیارت کرنے حق پہچان کر اٹھے اس کو ۲۰ حج میر و
اور ۲۰ مقبول عمروں کا ثواب ملے گا۔ اور ۲۰ ان حجوں کا جو نبی مرسل یا امام عادل کے ساتھ کیے ہوں۔
(فروع کافی ج ۱ ص ۵۸)

۵۔ تمام مسلمان از الحمد تا والناس ۱۱ سورتوں کے ۳۰ پارے قرآن کو تہیہ و تحریف سے
پاک اصلی کتاب اللہ مانتے ہیں مگر شیعہ اسے ناقص اور کمی بیشی والا مانتے ہیں جو مسلمانوں کا منسوخ
تورات و انجیل کے متعلق عقیدہ ہے۔ شیعہ اصلی واجب الاتباع قرآن اس کتاب کو کہتے ہیں جو
ان کے عقیدہ میں حضرت علیؑ نے لکھی اور پیدائش سے آپ کو یاد تھی وہ ہر دور میں ہر امام کے

پاس رہی۔ اب وہ امام محمدی کے پاس غار میں ہے وہ جب ظاہریوں کے تو ۱۳ شیعوں کو وہ اصلی قرآن پڑھائیں گے۔ ہر شیعہ کا یہ عقیدہ ہے۔ (مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۳۴۵)

۶۔ شیعہ حضور خاتم النبیین کے ہاتھ پر ۵۔ ۱۱ آدمیوں کو بھی ہدایت یافتہ و مومن نہیں مانتے وہ ہدایت و ایمان کا فیح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں اور ان کو بلا واسطہ رسول عالم لدنی، امام اور ایک قسم کا رسول مانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو۔ اصول کافی ج ۱ ص ۱۰۸ و ۱۰۹)

۷۔ شیعہ محمد بن سید محمد باقر حسین جعفری رسول مسئلہ قرآن ۱۔ ۱۰ پر لکھتا ہے۔
وہ بہر کیف حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول بھی ہیں، امام بھی ہیں اور حضرت محمد کے وزیر بھی ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ۱۲ کے ۱۲ ہی رسول اور امام تھے رسول مسئلہ مطبوعہ ادارہ علوم الاسلام ساندہ کلاں لاہور)

۸۔ تمام صحابہ کو مرتد کہتے ہیں۔ ”امام باقر نے فرمایا کہ حضور کے بعد تمام صحابہ مرتد ہو گئے سوائے تین کے۔ ابوذر۔ مقداد۔ سلمان رضی اللہ عنہم۔ (رجال کشی ص ۱۷۰ اصول کافی ج ۲ ص ۳۴۴ مجالس المؤمنین منتہی الآمال وغیرہ)

۹۔ چونکہ نور اللہ شوستری کا اعتراف ہے کہ ”مکہ اور مدینہ کے باشندوں پر ابوبکر و عمر شریک محبت غالب ہے۔“ (مجالس المؤمنین ص ۵۶) لہذا ان پر امام باقر و جعفر نے فتویٰ یہ لگایا ہے ”اہل مکہ خدا کے کھلے منکر ہیں اور اہل مدینہ مکہ والوں سے ستر گنا زیادہ بلیغ ہیں (اصول کافی ج ۲ ص ۱۰۸)۔
۱۰۔ مرزا قادیانی کی طرح تمام مسلمانوں کو ولد ازنا کہتے ہیں کہ امام باقر نے فرمایا۔

”اے ابو حمزہ اللہ کی قسم سب لوگ بنایا کنوئیں کی اولاد ہیں سوائے ہمارے شیعوں کے (روضہ کافی ص ۲۸۵) اندکے پیش تو کفتم حال دل تر سیدم کہ از وہ شوی رنہ دبر ارجا سخن بسیار
اب آپ ضمیر کو ٹٹول کر فیصلہ کیجیے کہ شیعوں کی مائمی مجالس جلوس اور مذہبی تقریبات میں شریک ہونا چاہیے یا نہیں اور یہ کہ آپ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو ماننے کے باوجود کسی گرجا کی فحل میں شرکت نہیں کرتے مگر آپ حضرت علی حسین سے محبت کی آڑ میں ایسے لوگوں کی مجالس عزائم میں شریک ہو جاتے ہیں۔ عقائد کے لحاظ سے دونوں میں کیا فرق ہے؟ عاقل را اشارہ کافی ست۔

خادم اہل سنت مہر محمد میاں نوالوی گوجرانوالہ۔ ۵ ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ

باب اول



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العلمين الذي اصطفى من خلقه انبياء ورحمة للعلويين
والسفليين وجعلهم ذروة للمؤمنين وقادة هداة للمسلمين فوفقهم لرفقة
شان الدين والصلوة والسلام على افضلهم واقامهم محمد سيد المرسلين وخاتم
النبيين الذي نزل على قلبه روح الامين بتنزيل رب العلمين وعلى اله العترة الطيبة
والازواج الطاهرة واصحابه الكرم البررة المتقين سيما العظام الراشدين
المهديين الذين انشأهم المولى لنصرة دينه القوى المتين ورياهم الرسول على
الهدى والتقى والنقاء هداية لخير امته الى يوم الدين وعلمهم الكتاب والسنة اذكى
تعليم من الاسلاف الى الخلفين وزكاهم احسن تزكية من الاولين والاخرين فصاروا
بتربيته شموسا ونجوما في الهداية والتعليم والتزكية ملته اجمعين فنصر الله من
اتبعهم بالاحسان مرضييين وخذل من في قلبه زيغ وبغض لهؤلاء سادة
المسلمين رضي الله عنهم اجمعين

سوال :- تاریخ شہادت ہے کہ قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل طور پر بائیکاٹ
کر لیا تھا۔ اس بائیکاٹ کا عرصہ تین سال کا ہے حضرت ابوطالب تمام بنو ہاشم کو شعب ابیطالب
میں لے گئے تھے یہ تین برس کا عرصہ بنی ہاشم نے نہایت عسرت اور کٹھن تکالیف سے گزارا۔ ان
تین سال کے دوران حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کہاں تھے اگر یہ بزرگ مکہ ہی میں تھے تو انہوں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ اگر یہ بزرگ شعب ابی طالب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ
نہ جاسکے تو کسی وقت ان بزرگوں نے آپ و دائرہ ہی سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی
ہو۔ جب کہ کفار مکہ میں سے زہیر بن ابیہ بن مخیرہ نے پانی کھانا پہنچانے اور عمد نامہ کو توڑنے پر

دوستوں کو آمادہ کیا۔

جواب: چند باتیں پیش نظر رکھنے سے اعتراض کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

شعب میں قید کا یہ واقعہ کیوں پیش آیا۔ آیا غیر نبوہاشتم مسلمان بھی محصور تھے۔ کیا غیر محصور مسلمان نبوہاشتم کو درہ میں کھانے پینے کی امداد دینا چاہتے تھے، پہلی بات کے متعلق تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیبہ الشہداء حضرت حمزہ اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما اسلام لے آئے اور دنیا کے کفر و شرک میں زکزلہ برپا ہو گیا اور علی الاعلان تبلیغ اسلام سے کفار کو کھلاٹھے تو سب نے بالاتفاق یہ تجویز پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو الیاء ذی القربیٰ قتل کر دیا جائے۔ جناب ابوطالب نے دستور عرب کے موافق برادری سسٹم پر تمام نبوہاشتم اور بنو عبد المطلب کو جمع کر کے شعب میں چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ کفار دفعۃً حملہ نہ کر دیں تو کفار نے تمام قبائل عرب کے اتفاق سے ایک عہد نامہ تیار کیا۔ اور کتبہ شریف میں آویزاں کر دیا جس کی رو سے نبوہاشتم کے ساتھ لین دین، رشتہ ناطہ اور خوراک وغیرہ پر پابندی لگادی۔

تاریخ کی مشہور کتاب طبری ج ۲ ص ۳۴۲ پر ہے۔

فلما اسلم عمر وجعل الاسلام
یفشوا فی القبائل وحی النجاشی من صنوی
الی بلدہ منهم اجتمعت قریش فامرت
بینہما ان یتکتوبا بینہما کتابا یتعاقدون
فیہ علی ان لا ینکحوا الی بنی ہاشم و
بنی المطلب ولا ینکحوہم۔
ان کو رشتہ دے گا۔

جب حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے اور اسلام
قبائل میں پھیلنا شروع ہو گیا جو مسلمان نجاشی
کے پاس پناہ گزیں گئے اس نے ان کی حفاظت
کی تو قریش نے اجتماع کیا اور یہ طے کیا کہ ایک
عہد نامہ لکھیں جس میں یہ شرط رکھیں کہ نبوہاشتم
و بنو مطلب سے نہ کوئی رشتہ لگا اور نہ کوئی

نیز ج ۲ ص ۳۴۵ پر ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب - اللہ کی ان پر ہزاروں رحمتیں ہوں
جب اسلام لے آئے۔ آپ طاقتور، مضبوط اور پر شکوہ شخصیت تھے اور اس سے پہلے حضرت
حمزہ بن عبد المطلب بھی اسلام لاکچھے تھے تو صحابہؓ رسولؐ نے اپنے اندر بڑی طاقت دیکھی اور

اسلام قبائل میں پھیلنا شروع ہو گیا۔

حافظ ابن کثیر المتوفی (۶۸۰) ابن اسحاق کے حوالے سے البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۶۹ پر رقمطراز ہیں۔

”حضرت عمرؓ اسلام لے آئے آپؓ بڑے دبدبہ والے تھے آپؓ کے آگے کوئی چوں وچرا نہ کر سکتا تھا۔ صحابہؓ رسولؐ آپؓ کے ذریعے اور حضرت حمزہؓ کے ذریعے محفوظ ہو گئے۔ حتیٰ کہ قریش غضبناک ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے ہم کعبہ شریف کے پاس نماز نہ پڑھ سکتے تھے جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو کفارہ قریش سے جنگ کی اور کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھی اور آپؓ کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جب سے عمرؓ اسلام لائے ہم غالب ہوتے چلے گئے نیز فرمایا حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا فتح اسلام تھی۔ آپؓ کی ہجرت الی المدینہ نصرت اسلام تھی۔ آپؓ کی خلافت رحمت تھی۔ ہم پہلے کعبہ کے پاس نماز نہ پڑھ سکتے تھے حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو قریش سے جنگ کی۔ کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپؓ کے ساتھ پڑھی۔

شیعہ کتاب روضۃ الصفا ج ۲ ص ۴۹ میں بھی قیدِ شعب کا یہی سبب لکھا ہے۔

”قواعد شریعت بمظاہرت حمزہ وفاروق اعظمؓ استحکام نہ پریرفت وطنطنہ قوس نبوت بمسامع اقاصی وادانی قبائل عرب رسید بہمت برہلاک حضرت مقدس نبوی مصروف داشتند۔ واین خبر بابوطالب رسیدہ بنی ہاشم وبنی مطلب را جمع فرمودہ ودر حفظ حضرت رسالت پناہ ازایشان معاونت خواست مومنان برائے رفع درجہات آخرت وشرکال آل وقبیلہ بنا بر تعصب وحمیت کہ عادت عرب است کمر موافقت بر میاں بستند (بحوالہ کشف الاسرار ص ۱۵)

یعنی حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے اسلام کا غلطہ بلند ہوا تو قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پروگرام بنالیا۔ ابوطالب کو تپہ چلا تو اس نے ہاشمی اور مطلبی گھرانوں کو اکٹھا کر کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ میں اعانت طلب کی۔ ان کے اتفاق کرنے سے سب شعب ابوطالب میں چلے گئے۔

سنی شیعہ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضرت حمزہؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے اسلام لانے

سے ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ قبائل میں ہمہ گیر تبلیغ اسلام کو دیکھ کر کفار مشتعل ہو گئے اور یہ صور حال بدایا ہو گئی۔ اب عقلاً بھی یہ بعید ہے کہ جس شخصیت کے اسلام سے کفارت نے مشتعل ہوں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے ہوں خود اسے آزاد چھوڑ دیں۔ بلکہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۲ میں یہ تصریح ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے۔ ابو جہل وغیرہ صنادید قریش کو اپنے اسلام سے مطلع کیا اور تنہا کفار سے جنگ کی تو سب کفار نے آپ کو قتل کرنے کے لیے گھر کا محاصرہ کر لیا جن سے جنگل بھرا ہوا تھا۔ آپ گھر میں رہ و پوش ہو گئے۔ باہر سے آنے والے کفار کے ایک سردار عاص بن وائلؓ سہمی نے آپ کو پناہ دی اور کفار کو گھر دل میں واپس کیا۔

ہماری معلومات کے پیش نظر بالاتفاق تمام کفار نے یا شب ہجرت اور شب سے قبل قتل کا منصوبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا۔ یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کا بنایا۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کفار کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دشمنی تھی۔ وہ کیسے آپ کو آزاد چھوڑ سکتے تھے۔ اگر شعب میں ان کی محصور سی تسلیم نہ کی جائے۔ تو گھر کی محصور سی بدرجہ اولیٰ سخت تھی کہ ہر وقت تمام شہر کی تلواریں دروازے پر چمکتی تھیں۔ امر و دم کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ بنو ہاشم کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی قید شعب میں شریک ہو گئے تھے۔ انہوں نے اندر خود گھر میں محصور سی کے بجائے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قید ہونے اور فقر و مصائب سہنے کو سرمایہ افتخار جانا۔

اکبر خاں نجیب آبادی نے بار بار یہ جملے اپنی تاریخ قصہ شعب میں لکھے ہیں۔

”جس قدر مسلمان تھے وہ بھی ان (بنو ہاشم) کے ساتھ ہی اس در سے میں جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے چلے گئے۔ (تاریخ اسلام ص ۱۱۳) پھر ربائی کے متعلق لکھتے ہیں۔

”بنو ہاشم اور تمام مسلمان شعب ابی طالب سے تین سال کے بعد نکلے اور مکہ میں آکر اپنے گھروں میں رہنے لگے۔ شعب ابی طالب میں مسلمانوں کو کھجور سے بیتاب ہو کر اکثر درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے۔ بعض بعض شخصوں کی حالت یہاں تک پہنچی کہ اگر کہیں سوکھا چمڑہ مل گیا تو اسی کو صاف اور نرم کر کے اگ پر رکھا اور بخون کر چمایا۔ ص ۱۲۴۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں میں حضرت ابوبکر و عمرؓ بھی ہیں۔ وہ بھی شعب میں ساتھ گئے اور

قید ہوئے۔ امام اباسنت مولانا عبد الشکور کھنوی نے خلفاء راشدینؓ کے مناقب صدیقی میں صراحتہ حضرت ابو بکرؓ کی حضورؐ کے ساتھ گھاٹی میں قید و مصیبت کا ذکر کیا ہے۔

”حضرت صدیقؓ از خود اس مصیبت میں شریک ہو گئے۔ آپؓ کے ساتھ وہ بھی شعب میں چلے گئے اور وہیں رہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اس مصیبت سے نجات دی تو انہوں نے بھی نجات پائی۔ ابوطالب نے اس واقعہ کو اس شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

وہم رجعوا سہل بن بیضاء راضیا فسر ابو بکر بہادرمحمدؐ

انہوں نے جب سہل بن بیضاء کو نقصان پہنچا تو اس پر حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ اور حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔ اور یہ واقعہ علامہ ابن عبد البرؒ کی الاستیعاب میں بھی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ ابوطالب کے ہاں حضرت ابو بکرؓ مومن اور مخلص جان تھے تبھی تو دونوں

غیر ہاشمی حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران — یعنی سعد بن مالک بن وحیب بن عبد مناف بن زہر بن کلابؓ از عشرہ مبشرہ اور بنو ہاشمؓ وہ لوگ ہیں جو وہب کے بھائی ہاشمؓ کی اولاد سے ہیں۔

کامیاب ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چٹھہ ہاتھ آگیا اسی کو پانی سے دھو کر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا (رسول رحمتؐ ص ۴۹) وروض الاف سیلی بخوارہ سیرت النبیؐ ج ۱ ص ۲۲۵

حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۹۳ کے حوالے سے حیاۃ الصحابہ حصہ دوم ص ۳۲ پر ہے۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر ہم لوگوں کو اور خود حضورؐ کو تنگی مناش انتہا سے زیادہ پیش آئی۔ جب ہم اس مشقت میں (قید شعب کے وقت پر) پڑ گئے تو ہم لوگوں کو اس فقر و فاقہ اور سختی جھیلنے کی عادت پڑ گئی اور ہم لوگوں نے بڑے صبر اور تحمل سے کام لیا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں رہتے ہوئے یہ بھی دیکھا کہ رات کی اندھیری میں پینیا کے لیے اٹھا۔ کچھ کھرکھڑاہٹ کی آواز آئی تو اسے غور سے دیکھا وہ اونٹ کی کھال کا ٹکڑا تھا اسے اٹھایا اور اسے دھویا اور پھر اسے جلایا اور اسے دو پتھروں سے پیس کر سفوف سا بنایا اور اسے پھانک کر پانی پی لیا۔ اسی پر میں نے تین دن گزار دیئے۔

انتہائی متعصب شیعہ مؤرخ ملا باقر علی مجلسی بھی لکھتے ہیں۔

در تفسیر امام حسن عسکری منقول است امام حسن عسکری کی تفسیر میں منقول ہے کہ

کہ چوں کفار قریش حضرت رسول را ملجا گردانیدند جب کفار قریش نے حضور کو مجبور کر دیا کہ
 کہ پناہ لشعب ابی طالب برد وایشان بریں آپ شعب ابی طالب میں پناہ لیں۔ اور
 لشعب جیسے راہز کل گردند کہ مانع شوند از آنکہ انہوں نے شعب کے دروازے پر ایک جھا
 کیسے بایشان از وقت برساند و کار بر اصحاب پریدار مقرر کر دی جو اس بات سے منع کریں کہ
 آنحضرت بسیار تنگ شد و با حضرت شکایت کوئی شخص شعب والوں تک خوراک پہنچائے
 نہ کر دند از کمی از وقت حضرت دعا کرد تا قضا بہتر از من و سلویٰ بنی اسرائیل برائے ایشان
 فرستاد و ہر چہ ہر یک از ایشان از زمین و میکرو فرستاد و ہر چہ ہر یک از ایشان از زمین و میکرو
 از انواع طعام ہا و میوہ ہا و حلاوات و جاما از انواع طعام ہا و میوہ ہا و حلاوات و جاما
 نزد ایشان حاضر میشد (حیات القلوب ج ۲) اور ان میں سے جو بھی جس قسم کے میوے کھاتے

میٹھی چیزوں اور کپڑوں کی تمنا کرتا۔ ان کے پاس وہ چیز بھیج جاتی۔
 اس شئی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصحاب رسول شعب میں فقر و تنگی برداشت کرتے تھے اور
 باہر سے رسد و خوراک ہرگز نہیں بھیج سکتی تھی کیونکہ کفار نے پرہ لگا رکھا تھا۔ بالافرض کوئی مسلمان
 کوشش کرتا تو بھی ناکام ہوتا۔ مسلمانوں کے ساتھ خرید و فروخت بھی ممنوع تھی۔ امر سوم
 کے متعلق روئے الصفا ج ۲ ص ۲۹ میں بھی یوں تفصیل لکھی ہے۔

کہ شعب میں مسلمانوں کے داخلے کے بعد ان پر بڑی مصیبت آگئی۔ اگر اہل اسلام میں سے
 کوئی ایک بھی اس جگہ سے قدم باہر نکالتا۔ کفار اشرار سے خوب تکلیف پہنچاتے اور کسی قیدی
 کو جمال نہ تھی کہ موسم حج و عمرے کے علاوہ اس جگہ سے باہر قدم رکھیں اور موسم حج میں بھی
 ابو جہل، نضر بن حارث، ماص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط اور ان جیسے سنگ دل مشرکین نے
 راستوں پر پکھڑے ہو کر ان لوگوں سے کہتے جو اشیاء خوردنی بیچنے کے لیے مکہ لاتے کہ جو کوئی تم
 میں سے محمد اور اس کے صحابہ کے ہاتھ کچھ فروخت کرے گا اس کا مال و اسباب برباد کر دیا جا
 گا۔ اور اگر کبھی موسم زیارت و طواف میں دیکھتے کہ رسول اللہ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص
 خریداری کر رہا ہے تو وہ اس پر دام چڑھا دیتے حتیٰ کہ مسلمان بیچارہ مایوس ہو جاتا تھا۔

اب انصاف سے آپ ہی بتائیں کہ ان حالات میں کوئی مسلمان کس طرح یہ قدرت پاسکتا تھا کہ وہ کوئی چیز خرید کر حضور تک پہنچائے اور کفار کی گرفت سے بچ نکلے۔ اب وہی صورتیں تھیں یا تو بعد از قہم کے کفار یہ کام سرانجام دیں جیسے سوال میں مذکور ہے۔ یا پھر حوری چھپے کا کاراستہ تھا۔ بھلا معنی عمل ہم تک روایت ہو کر کیسے پہنچ سکتا تھا۔ بالفرض اگر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما یا کسی مسلمان نے کچھ دانہ پانی پہنچایا بھی ہو تو اس کی اطلاع ہم تک کیسے پہنچے۔ کفار کی ناکہ بندی کے علاوہ اس بنا پر بھی روایت کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ ہم مسک و ہم مشرب ایک دوسر کی اعانت کرتے ہی ہیں۔ البتہ زمہیر بن امیہ وغیرہ کا کھانا پہنچانا یا مقابلہ ختم کرنے کی کوشش کرنا مخالفین کی اپنی اور قابل روایت بات تھی اس کا تا یہی بڑبڑانا امر معقول تھا۔ شیدہ کے نزدیک مومن صحابہ حضرت عمار یا سر مقداد اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم بھی غیر ہاشمی ہیں کیا ان سے بھی اس عمل کا ثبوت مل سکتا ہے؟ اگر نہیں تو حضرت ابوبکر و عمر سے ہی یہ معنی برتھب مطالبہ کیے؟ اصل بات یہی ہے کہ شعب میں تمام بنو ہاشم۔ ماسوائے ابولہب اور اس کے بیٹوں کے۔ قید تھے۔ ان کے ساتھ دیگر صحابہؓ بھی بکثرت تھے۔ اور جو مسلمان اپنے گھروں میں تھے وہ بھی قید تھے۔ خرید و فروخت یا کاروبار میں کوئی بھی آزاد نہ تھا۔ نہ معلوم یہ لوگ اپنے بال بچوں کا گزارہ کیسے چلاتے ہوں گے۔ حضرات شیخینؓ شعب میں حضور کے ساتھ گرفتار قید و مصائب تھے۔ بالفرض گھر میں بھی ہوں تو بھی قید تھے۔ جب سیدے منہ نہ کوئی بات کرنا۔ نہ خرید و فروخت ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات پر سخت پابندی تھی۔ ان تکالیف کا تصور اصحاب عشق و درد بھی کر سکتے ہیں۔ بعض صحابہ و اہلبیتؑ نبوی سے محو کینہ میں اس کی رسائی کہاں۔ وہ تو صرف ملعون پر طعن کرنا اور رسول خدا کا دل دکھانا ہی جانتے ہیں۔

حضرات شیخینؓ کے مصائب و آلام | شیدہ مترض یہ تصور دلانا چاہتے ہیں کہ مکہ میں مصائب بنو ہاشم نے اٹھائے اور حضرت ابوبکر و عمر وغیرہم

رضی اللہ عنہم صحابہ کرامؓ نے تکلیفیں نہیں پائیں۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ بنو ہاشم کے کم افراد آغاز اسلام میں مشرف بایمان ہوئے اور وہ بھی بیشتر مواقع پر کفار کے مظالم سے اس لیے محفوظ رہے کہ جناب ابوطالب رئیس خاندان اور قریش کے ہم مذہب تھے۔ کفار ان کا احترام کرتے

ہوئے نبوہاشم سے کم تعرض کرتے تھے۔ صفاء و عذاب صحابہؓ اور غلاموں کا طبقہ مصائب کی بھٹی میں جھونکا گیا تھا۔ جیسے حضرت یاسر عمار بن یاسرؓ، بلالؓ، ابو نکیعہؓ، زبیرہؓ، خیاب بن الارتؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، سعید بن زیدؓ۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت خطابؓ، مصعب بن عمیرؓ، عثمان بن مظعونؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین ان میں سے حضرت ابوذر و عمارؓ کے سوا شیعہ کو کسی سے بھی ذرا عقیدت و الفت نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہما اگرچہ خاندانی محزون اور سرسراؤردہ قسم کے بزرگ تھے۔ تاہم اپنے محبوب و متبوع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع و علامی میں ان کو بڑے بڑے مصائب کا نشانہ بننا پڑا۔ بطور نمونہ چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ و نوفل بن خویلد کان من	کفار کا شیر نوافل بن خویلد حضورؐ کی دشمنی میں
اشد المشرکین عداۃ لدسول اللہ	کفار سے سخت تھا۔ اسی نے ہجرت سے قبل
صلی اللہ علیہ وسلم و هو الذی قون	مکہ میں حضرت طلحہ و ابو بکرؓ کو رسی میں باندھ کر
ابا بکر بطلحۃ قبل الہجرت بمکۃ و اوثقہا	پورے دن رات تک سخت سزا دی تھی حتیٰ کہ ان
بجمل وعدہما یوما الی اللیل حتی سئل	کی گندگی کے متعلق پوچھ گچھ ہونے لگی تھی۔
فی امویہما (شیبہ کتاب کشف الغمہ ص ۲۲۵)	

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتریں صحابہؓ ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس بات پر اصرار کیا کہ اب آپ کھلم کھلا تبلیغ کیجیے۔ آپ نے فرمایا اے ابو بکر ابھی ہم لوگ غصہ سے ہیں مگر حضرت ابو بکر بار بار اصرار کرتے رہے۔ چنانچہ حضورؐ نے علامیہ دعوت دینی شروع کر دی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تبلیغ کے لیے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسلام میں یہ وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف دعوت دی۔ مشرکین چاروں طرف سے حضرت ابو بکرؓ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور بڑی بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کو مارا پیٹا۔ حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کو مارا بھی اور روند بھی۔ عقبہ بن ربیعہ فاسق نے قریب اگر اپنے کئی تلوے جو تاسے حضرت ابو بکرؓ کو مارنا شروع کیا اور ان کو آپ کے چہرے پر مارتا۔ آپ کے پیٹ پر کودا بھی۔ حضرت ابو بکرؓ اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ ان

کا پہرہ اور ناک نہ پہچانی جاتی تھی۔ بے ہوش ہو گئے تھے۔ ہوش آنے پر سب سے پہلے حضور کی خیریت پوچھی تھی۔ (حیۃ الصحابہ ج ۷ ص ۲۹)

۳۔ حضرت عمرؓ جب مسلمان ہو گئے تو کفار کے مجموعوں میں جا جا کر علی الاعلان بتایا اور کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبیدہ ورسولہ۔ سب کفار آپ پر چڑھے۔ حضرت عمرؓ رشتہ ان سب سے لڑتے رہے یہاں تک کہ سوچ سر پہ آگیا۔ حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے اور کہتے تھے جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم مین سو آدمی ہو جائیں تو پھر یا ہم رہیں گے یا تم رہو گے۔ (حیۃ الصحابہ ج ۷ ص ۲۹)

۴۔ اسلام عمرؓ پر جب سارا شہر آپ کو قتل کرنے اٹھ آیا اور آپ مجبوراً گھر میں پناہ گزین ہو گئے تو آپ کے پاس ابو عمر عاص بن وائلؓ بھی آیا اس نے کفار کو آپ سے ہٹایا (بخاری)

۵۔ محمد بن ابراہیمؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ اسلام لے آئے تو ان کے چچا حکم بن ابوالحاص بن امیر نے ان کو پکڑا اور رسیوں میں باندھ دیا اور کہا تو اپنے باپ داداؤں کے دین سے ایک نئے دین کی طرف پھر گیا۔ خدا کی قسم میں تجھ کو بندھا رہنے دوں گا جب تک کہ تو اس دین کو نہ چھوڑے گا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کبھی بھی اس دین کو چھوڑنے والا نہیں۔ جب حکم نے ان کی پختگی دیکھی تو چھوڑ دیا۔ (ابن سعد ج ۳ ص ۳۴)

سرورِ کونین کے علاوہ حضرت علیؓ یا دیگر کسی ہاشمی بزرگ کے متعلق ایسے واقعات ہمارے علم میں نہیں۔

حضرت ابوالحاصؓ خوراک پہنچاتے تھے | خدا اور شعب کا برابر ہو۔ مترض نہ ہر بن امیہ وغیرہ مالی امداد پہنچانے والوں میں حضرت ابوالحاص بن

ربیع دامادِ رسولؐ کا ذکر نہیں کرتا۔ جو حضرت زینب بنت رسولؐ کے شوہر اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بھانجے تھے۔ مبادا ان کا ذکر ہو تو شبیہ مذہب خاک میں مل جائے۔

باقر علیؓ مجلسی بھی قصہ شعب میں ان کا ذکر خیر لیا کرتے ہیں۔

ابوالحاصؓ بن ربیع کہ دامادِ حضرت رسولؐ بود و شتران بردر شعب مے آوردر گندم اور ابوالحاص بن ربیع جو حضورؐ کے داماد تھے گندم اور کھجوروں سے اونٹ لاد کر شعب کے

دروازے بارگاہ بود و صد امیر دہاں شتران
 کہ داخل درہ مے شدند و بر میگشت لہذا حضرت
 فرمود کہ ابوالعاص حق دامادی مارا نیکو رعایت
 کرو۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۳۸)
 داماد ہونے کا بہت اچھا لحاظ کیا۔

شہید کتاب اعلام الوری ص ۶۱ مطبوعہ ایران میں بھی یہی الفاظ ہیں۔

”دامادی“ کے لقب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت ابوالعاصؓ کو نوازا
 یا پھر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر رقیہؓ دام کلثومؓ کے بد میری کوئی اور بھی
 صاحبزادی ہوتی تو حضرت عثمانؓ کو بیاہ دیتا۔ اور چونکہ انکھوں کی یہ ٹھنڈک حضرت کو تو ریشم
 حضرت فاطمہ الزہراءؓ اسلام اللہ علیہا و علیٰ ایہا و زوجہا سے حاصل نہ ہوئی تھی بلکہ دختر الوہب
 کی خواستگاری کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کے ناراض ہونے اور یکے چلے جانے پر حضور کو یوں
 فرمانا پڑا تھا۔ فاطمۃ بضعة منی فمن اذا ہا فقد آذانی فاطمہؓ میرے گوشت کا حصہ ہے جو
 اسے ستائے گیا اس نے مجھے ستایا۔ اور یہ قصہ طرفین کی تاریخ و سیرت میں متواتر ہے۔ لہذا شہید
 حضرت علیؓ کے ماسوا کسی کو داماد رسولؐ ماننے سے بدکتے ہیں حالانکہ یہ متواتر حقیقت ہے۔
 اس کا انکار صریح مکارہ ہے اور ہمارے علم میں کوئی مثال نہیں کہ کسی مستند شیعہ مؤلف یا مؤرخ
 محدث نے بنات رسولؐ اور آپ کے دامادوں کا انکار کیا ہو۔ جیسے اگلے سوال میں تمام عبارات
 مفصل آ رہی ہیں۔

سوال ۲ حضرت فاطمہؓ کا انتقال بقول اہلسنت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوا حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ۱۲ برس رسول خدا کے بعد ہوا۔ حضرت عمرؓ
 نے ۲۶ ذی الحجہ ۲ھ کو انتقال فرمایا تو کیا وجہ تھی کہ دونوں بزرگوں کو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و
 سلم کے بعد کافی عرصہ کے بعد انتقال کرتے ہیں۔ روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے کے لیے جگہ مل گئی۔
 اور رسول خدا کی اکلوتی بیٹی سیدہ طاہرہ مادر جنین کو باپ کے پاس قبر کی جگہ نہ مل سکی۔ کیا خود
 بتولؓ نے باپ سے علیحدگی قبر کی وصیت کی تھی یا حضرت علیؓ نے حکومت وقت کی پیشکش کو ٹھکرا

وہا تھا۔ یا مسلمانوں نے اپنے رسول کو قبر رسول کے پاس دفن نہ ہونے دیا۔ فاعتبہ وایا ولی الالباء۔
 جواب۔ شیعہ درست سخن سازی میں اپنے سلاف کی طرح خوب ماہر ہے۔ اسے کہتے ہیں۔
 مدعی سست گواہ چست۔ ورنہ حضرت فاطمہ الزہراء کی تجزیہ و تکفین اور تدفین بلا اختلاف ان
 کی اپنی مرضی اور وصیت کے مطابق ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰ حضرت عباس و دیگر صحابہ کرام
 نے تمام امور وصیت کے مطابق انجام دیئے۔ طبقات ابن سعد ج ۸ تذکرہ حضرت فاطمہ رضی
 ایک نظر میں تمام روایات ملاحظہ ہوں۔

- ۱۔ حضرت فاطمہ رضی سب سے پہلی خاتون ہیں جن کے لیے تشنہ رہا پر وہ چار پانی بنائی گئی
 جو اسما بنت عیسیٰ رضی و زوجہ ابوبکر صدیق رضی نے بنائی تھی (از ابن عباس رضی)
- ۲۔ فاطمہ رضی کے جنازے کی نماز عباس بن عبدالمطلب نے پڑھائی اور انہیں قبر میں عباس
 علی رضی اور فضل بن عباس رضی نے اتارا۔ (از عمرو)
- ۳۔ فاطمہ رضی کی قبر میں علی رضی، عباس رضی اور فضل رضی اتارے (از عائشہ رضی)
- ۴۔ حضرت فاطمہ رضی کی نماز علی رضی نے پڑھائی (از عروہ)
- ۵۔ فاطمہ رضی پر ابوبکر رضی نے نماز پڑھی تھی۔ (از شعبی)
- ۶۔ حضرت ابوبکر رضی نے حضرت فاطمہ رضی کے جنازے کی نماز پڑھائی اور چار کعبہ میں کہیں (از
 ابراہیم نخعی)

۷۔ حضرت فاطمہ رضی کورات میں علی رضی نے دفن کیا (از نہ ہری)

عروہ محمد بن علی، حضرت عائشہ رضی، یحییٰ بن سعید، حضرت ابن عباس رضی سے روایات ہیں کہ رات
 کے وقت حضرت علی رضی نے آپ کو دفنایا۔ ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ ہوا بلا نزاع و
 اختلاف ہوا اور بنو ہاشم کے ذمہ داروں نے تجزیہ و تکفین کی تھی، ظن غالب یہ ہے کہ حضرت
 فاطمہ الزہراء رضی نے رات کو اپنا جنازہ اٹھانے اور حجت البقیع میں دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔
 اور حضرت ابوبکر صدیق رضی نے چار کعبہوں سے آپ کا جنازہ پڑھایا۔

شیعہ کی معتبر کتاب اعلام الوری باعلام الہدیٰ ص ۵۸ پر تدفین کا ذکر یوں ہے۔

روایت ہے کہ آپ ۳ جمادی الاخرہ ۱۱ھ میں
 روی انھا توفیت لثالث من

جمادی الاخرہ احدی عشرۃ من
 الهجرة وبقيت بعد النبي خمسة و
 تسعين يوما وروى اربعة اشهر وتولى
 اميرالمؤمنين غسلها اسماء بنت عميس
 وانها قالت اوصت فاطمة ان لا يغسلها
 اذ ماتت الا انا وعلى فغسلتها انا وعلى
 وصلى عليها اميرالمؤمنين والحسن
 والحسين وعمار ومقداد وعقيل و
 الزبير والبوذر وسلمان وبيدة ونفدر
 من بنى هاشم في جوف الليل ودفنها
 على اميرالمؤمنين سرا بوصيته منها في
 ذلك -

فوت ہوئیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
 بعد ۵۹ دن یا مہ ماہ زندہ رہیں حضرت علی و
 حضرت اسماء بنت عمیس روزِ جمعہ ابو بکرؓ ہا غسل
 دینے والے تھے۔ اسماءؓ کہتی ہیں حضرت فاطمہؓ
 نے وصیت کی تھی کہ آپؐ کو غسل میں اور علیؑ ہی
 دیں۔ پس میں نے اور علیؑ نے غسل دیا۔ اور
 جنازے میں یہ لوگ لقینی تھے۔ حضرت علیؑ حضرت
 حسنؑ حسینؑ عمارؑ مقدادؑ عقیلؑ زبیرؑ ابوذرؑ
 سلمانؑ۔ بریدہؑ اور بنو ہاشم کے کچھ لوگ بھی
 اللہ عنہم اجمعین جنازہ رات کو ہوا اور حضرت
 امیرالمؤمنینؑ نے آپؐ کو وصیت کے مطابق
 پوشیدہ دفن کیا۔

اس اقتباس سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے غسل اور تدفین کے متعلق وصیت کی تھی اور حضرت علیؑ نے
 اسی پر عمل کر کے رات کو تدفین فرمائی۔ اگر وہ نہ ہوتی میں دفن کرنے کی وصیت کی ہوتی تو ضرور
 روایت میں تذکرہ ملتا اور پھر حضرت علیؑ اس کی خلاف ورزی کر کے کبھی جنت البقیع میں دفن نہ
 کرتے۔ اگر شیعہ معتز فی کے پاس اس کا ثبوت ہوتا تو باحوالہ کتب تاریخ فریقین سے واضح کرتے یہ
 کس قدر تہنکی اور اصول منظرہ سے جہالت پر مبنی بات ہے کہ خصم سے یہ ثبوت مانگا جائے۔ کیا
 خود قبول نے باپ سے علیحدگی قبر کی وصیت کی تھی؟ وصیت ایجابی امور میں ہوتی ہے کہ ایسا کرنا۔
 سلبی امور میں تو اس وقت ہوتی ہے۔ جب متوفی کو ظن غالب ہو کہ میرے ورثہ یا یہ غلط کام ضرور
 کریں گے تو وہ اس سے روک جائے۔

۲۔ حضرت علیؑ نے آپؐ کو وصیت کے مطابق ہی رات کے وقت اور پوشیدہ طور پر دفنایا
 اگر مجبرہ عائشہ صدیقہؓ میں دفن کی وصیت ہو تو دونوں میں تضاد ہے۔ مسجد نبویؐ میں اور

روضة اقدس میں تدفین کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ مسجد میں کھلتا ہے۔ نمازیوں اور نفل پڑھنے والوں سے مسجد بھری رہتی ہے اور صلاۃ و سلام پڑھنے والوں کا تائبانہ رہتا ہے۔

۳۰۔ رات کو اور پوشیدہ تدفین اس لیے نہیں ہوئی کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور صحابہ کرامؓ (الایاد باللہ) جنازہ میں شرکت نہ کریں جیسا کہ شیعہ کا باطل خیال ہے۔ بلکہ اس کی وجہ محض ستر پوشی اور عوام کی نظروں سے سرِ مبارک کو بھی بچانا ہے۔ جیسے البیہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۳۳ پر ہے۔

و دفنت بالبقیع وہی اول من سند آپ کو خبۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ وہ پہلی خاتون ہیں جن کا جنازہ ڈھانپا گیا۔

رات کو تدفین کی وصیت میں تیار نہ بھی دلانا ہے کہ سیدہ خاتونِ جنت دنیا کو شبِ تاریک میں چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ اور اللہ کے مقبرہ بن بندہ دل کے علاوہ دنیا میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ۴۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے غسل کے لیے حضرت اسماءؓ بنت عمیس کو مقرر کیا اور حضرت علیؓ کو ان کا معاون نامزد کیا۔ یہ اسماءؓ خلیفہ بلا فصل امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ ہیں اور وفات صدیقی کے بعد حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئی تھیں۔

یہیں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صدیقی گھرانہ کو خاندانِ اہلبیت کے ساتھ کس قدر محبت و وفاداری ہے۔ کہ حضرت اسماءؓ اپنے خاوند کی اجازت سے نہ صرف مدتِ دراز تک حضرت فاطمہؓ کی تیماردار اور خدمتگار رہیں بلکہ غسل کا شرف بھی بنابر وصیت آپ کو حاصل ہوا جو سونے پر سماگ کی مثل ہے اور خاندانِ اہلبیت کے گھرانہ صدیقی پر اعتماد کا اعلیٰ ترین ثبوت ہے۔

۵۔ اس سعادتِ بزرگوار و نیست تانہ بخشِ خدا ئے بخشندہ اور یہیں سے شیعہ کے وہ ہفوات پادر ہوا ہو جاتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ کو تو وفاتِ فاطمہؓ و جنازہ کی اطلاع نہ دی گئی تھی یہ کیسے ممکن ہے۔ خاتونِ جنت کی وفات و جنازہ ہوا اور لوگوں کو تپہ نہ چلے۔ بیوی غسل و تکفین تک کی خدمت سرانجام دیں اور خلیفہ المسلمین خاوندِ بخیر ہو۔ دراصل اس قسم کے باطل نظریات سے یہ مفاد پرست ٹوکہ۔ اہل بیتِ نبویؐ کی عزت و توقیر کو خاک میں ملاتا ہے۔ ورنہ ہمارے نزدیک جنازہ پوری جیسے نہ تھا۔ جیسے قاتل اپنے مقتولوں

کے ساتھ کرتے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد شریعت کی نفی۔ ہاں جنازہ کس نے پڑھایا؟ اس میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں آپ کے خاوند حضرت علیؓ کا نام ہے۔ ایک میں حضرت علیؓ کے چچا حضرت عباسؓ کا ہے۔ ایک میں آپ کے نانا ابوبکر صدیقؓ کا ہے۔ کوئی بھی ہو ہر ایک بزرگ اور مستحق تھا کیا ہی خوش قسمت جنازہ تھا اور کیا خوش بخت جنازہ پڑھنے والے تھے۔ صلوات اللہ علی نبیہم وعلیہم اجمعین۔

شیعہ عالم نجم الحسن کرار وی آپ کی وفات کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔
 ”جب رات ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اور کفن پہنایا نماز پڑھی اور جنت البقیع میں لے جا کر دفن کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کو منبر اور قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دفن کیا گیا۔ (چودہ ستارے ص ۲۵۲)

روایت ثانی پر تو اعتراض بنانے کی حاجت نہیں رہی۔ روایت اولیٰ پر ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ سب کام وصیت کے مطابق کیے۔ اگر حجرہ عائشہؓ میں دفن کی وصیت ہوتی تو آپ ایسا ہی کرتے۔ اس اقتباس میں حضرت علیؓ کے غسل دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ پانی لانے بھانے میں معاون تھے۔ ہاتھوں سے غسل حضرت اسماءؓ و جبر ابوبکرؓ دے رہی تھیں۔

اہل سنت کے برعکس۔ مدفون فاطمہؓ میں شیعہ روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں جنت البقیع ہے جو

مدفن فاطمہؓ میں شیعہ کا اختلاف

دنیا کے سب قبرستانوں سے افضل ہے اور جہاں دس ہزار صحابہ کرامؓ۔ اہمات المؤمنینؓ۔ بنات رسولؐ اور آپ کے صاحبزادے ابراہیمؓ مدفون ہیں۔ یہی روایت سب سے صحیح اور اہل سنت کا مذہب قوی ہے معتد علماء شیعہ بھی یہی کہتے ہیں۔ جیسے کرار وی صاحب کا حوالہ کرنا۔ جنت البقیع میں آپ کی اور حضرت حسنؓ۔ عباس بن عبد المطلبؓ۔ زین العابدینؓ۔ حضرت باقرؓ و جعفر رضوان اللہ علیہم کی قبور صحیح سالم ایک گول احاطے میں ہیں۔ ایران کے بڑے بڑے فاضل شیعہ کو راقم نے وہاں صلاۃ و سلام پڑھتے دیکھا ہے۔

دوسرا مقام بیت فاطمہؓ ہے جو مسجد نبویؐ کے بالکل قریب تھا اور دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ تیسرا مقام آپ کی قبر اور منبر کے درمیان روضۃ من ریاض الجنۃ میں ہے۔ یہ دونوں مقام

اب مسجد نبوی میں شامل ہیں۔ یہاں بھی احتیاطاً صلاۃ و سلام پڑھ لینا چاہیے۔
اب شیعہ روایات ملاحظہ کریں۔

نقد قال علی یا اسماء اغسلیہا و خطیہا و کفینہا قال فغسلوہا و کفنوہا و خطوہا و صلوا علیہا لیلۃ و دفنوہا بالبقیع و مات بعد العصر قال ابن بابویہ جاء هذا الخبر هكذا والصحيح عندی انها دفنت فی بیتہا فلما زاد بنو امیۃ فی المسجد صار فی المسجد (کشف الغمہ ص ۱۲۹)
پھر حضرت علیؑ نے اسماءؓ سے کہا فاطمہؓ کو غسل دے خوشبو لگا اور کفن پہنا۔ راوی کہتا ہے غسل دیا کفن پہنایا اور خوشبو لگائی اور رات کو سب نے جنازہ پڑھا اور جنۃ البقیع میں فن کیا۔ آپ عصر کے بعد فوت ہوئی تھیں۔ ابن بابوؒ کہتے ہیں یہ حدیث اسی طرح نقل ہو کر آئی ہے میرے ہاں صحیح یہ ہے کہ آپ اپنے گھر میں دفن کی گئیں جب بنو امیہؓ نے مسجد میں اضافہ کیا تو یہ حصہ مسجد میں آگیا۔

۲۔ واما موضع قبرہا فاختلف فیہ قال بعض اصحابنا انها دفنت بالبقیع و قال بعضهم انها دفنت فی بیتہا... و قال بعضهم انها دفنت فیما بین القبر والمنبر (اعلام الورع ص ۵۹ بحوالہ کشف الاستار ص ۳۳)
آپ کی جائے قبر میں اختلاف ہے بعض حضرات کہتے ہیں جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں بعض کہتے ہیں اپنے گھر میں دفن ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قبر نبویؐ اور منبر کے درمیان دفن ہوئیں جو جنت کا ٹکڑا ہے۔

پھر مصنف کہتے ہیں پہلا قول بحید ہے اور دوسرے دو اقرب الی الصواب ہیں۔
اس روایت کی رو سے اگر آپ واقعی اپنے گھر یا مسجد نبوی کے حصے ”روضۃ من ریاض الجنۃ“ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں مدفون ہوئیں تو پھر عز و شرف کا کیا کہنا؟ یہاں تدفین کسی صورت میں مخفی نہ ہو سکتی تھی۔ یہ مسلمانوں کی خلافت کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ہر وقت سینکڑوں مسلمان نماز پنجگانہ۔ نوافل۔ صلاۃ و سلام کے لیے شب و روز موجود رہتے تھے۔ اصحاب صفہ کی رہائش گاہ یہی تھی اگر یہ مراحمہ کرتے تو تدفین کیسے ہو سکتی تھی۔ ان روایات اور اس مدفون کے پیش نظر خفیہ تدفین کا افسانہ خلیفہؒ اور مسلمانوں پر سیدہ کی ناراضی کے وضعی قصے اور اس قسم کے تمام شیعہ شبہات خود بخود دفن ہو جاتے ہیں۔

روضہ پاک میں دفن نہ کرنے کی وجہ | یہاں تک توسیدہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے

دفن کا بیان ہوا کہ خود ان کی وصیت کے مطابق مہر کے مقام پر تدفین ہوئی۔ اب رہا یہ امر کہ مسلمانوں نے روضہ رسول میں کیوں دفن نہ کیا تو وضاحت یہ ہے کہ ایک تو وصیت کے خلاف ہوتا۔ دوم یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا حجرہ قبرستان نہ تھا۔ نہ جلے وقف تھی۔ وہ تو نبص قرآنی وَ اذْكُرْ اَنَّمَا اُنْتَبِیْ فِیْ بُیُوتِكُمْ مِّنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ۔ (احزاب) اور اسے نبی کی اہل بیت بیویو اہل بیت میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد کرتی رہا کرو حضرت عائشہؓ کی ملکیت خاصہ تھی۔ حضرت عائشہؓ کی جلالت و عظمت کے پیش نظر اللہ پاک نے آپ کے حجرے وراثت گاہ کو مدفن نجیر ہوئے سے مشرف کیا جس طرح آپ کی گود میں حضورؐ کی وفات ہوئی۔ آپ نے اپنے دانتوں سے چبا کر مسواک کر لیا اور آخری دنوں میں تیمار داری و خدمت کا فرضیہ سر انجام دیا۔ تو یہاں انہوں نے دفن کرنے کا سوال نہ تھا۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یہ منظور ہوتا کہ میری اور میری اولاد کی قبر یکجا ہو۔ تو آپؐ وصیت میں یوں فرمادیتے کہ مجھے جنت البقیع میں میری صاحبزادیوں اور صاحبزادہ ابراہیمؑ کے پاس دفن کرنا یا جب حضرت فاطمہ الزہراءؑ کو اپنے بعد جلدی ہی وفات اور ملاقات کی بشارت دی تھی تو فرمادیتے کہ انہیں میرے ساتھ دفن کرنا۔ اس قسم کی کوئی روایت سنی شیعہ ذخیرہ تاریخ میں سے نہیں مل سکتی۔

بالفرض اگر حضرت سیدہ وصیت فرمائیں تو بھی اپنی ماں اور مالکہ حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا و علیٰ زوجہا سے اجازت درکار تھی۔ بالفرض اگر نہ ملتی تو بھی کوئی شرعاً و عرفاً ناروابات نہ ہوتی۔ اس کے برعکس حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اپنی صاحبزادی سے اجازت مانگی اور عند الرسولؐ کی وصیت کی (بخاری) اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اجازت مانگی پھر دفن کی وصیت کی (بخاری ج ۲ ص ۱۰۹) بنا بریں مسلمانوں کے ذمے ان حضرات کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا لازم ہو گیا تھا۔ اور حضرت فاطمہؓ کے متعلق ایسی کوئی بات نہ تھی۔ حضرت ابو بکر و عمرؓ کی تدفین در روضہ اقدس کے موقع پر حضرت شیر خدا علی المرتضیٰؑ، حضرت حسینؑ، عباسؑ و دیگر سب اہل بیت و بنو ہاشم رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ وہی

روکا وٹ ڈال دیتے۔ کیا ذرا بھی اس کا شوشہ کہیں ملتا ہے؟ بلکہ وہ تو خود شریک عمل نظر آتے ہیں۔

دفن شیخین کا باطنی سبب | یہ تو ظاہری سبب ہوا اصلی سبب تدفین مع الرسول وہ انتظام خداوندی ہے جس پر سنی و شیعہ کا مشترکہ ایمان ہے مگر ہر شخص کی قبر وہاں بنتی ہے جہاں سے اس کا خمیہ تیار کیا جاتا ہے۔

شیعہ کے مستند مترجم مولوی مقبول صاحب دہلوی آیت منہا خلقنا کم کے تحت لکھتے ہیں۔
 ”کہ کافی میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ نطفہ جب رحم میں پہنچ جاتا ہے تو خدا تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج دیتا ہے کہ اس مٹی میں جس میں یہ شخص دفن ہونے والا ہے تھوڑی سی لے آئے پچنانچہ وہ فرشتہ لاکر نطفہ میں بلا دیتا ہے اور اس شخص کا دل ہمیشہ اس مٹی کی طرف مائل ہوتا رہتا ہے (اس بخیر حسی میلان کا ہر شخص کو پتہ نہیں لگ سکتا، جب تک کہ اس میں دفن نہ ہو جائے۔ (پ ۱۶ ص ۳۷)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ اسی میں دفن ہو جائے اور میں، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوئے گئے (المفتق والمفترق الخطیب)

یہ حدیث فرقہ بریلویہ کے پیشوا مولوی احمد رضا خان صاحب نے بھی اپنے فتاویٰ افریقہ میں نقل کی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ امام حکیم ترمذی کی نوادر الاصول سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

وياخذ التراب الذی یدفن فی
 بقعته وتقعن بہ نطفته فذلک
 قولہ تعالیٰ منہا خلقنا کم وفيہا نعبدکم
 (فتاویٰ افریقہ ص ۸۵)

جس جگہ کوئی دفن ہوگا فرشتہ اس جگہ سے
 مٹی لے کر نطفہ کے ساتھ گوندھتا ہے اللہ تعالیٰ
 کے قول کا یہی مطلب ہے ہم نے مٹی سے تم
 کو پیدا کیا اور مٹی میں لوٹائیں گے۔

یہ حوالہ اس لیے دیا ہے کہ آج نادان بریلوی حضرات نور و بشر کا مشکہ کھڑا کر کے آنحضرت

اور شیخین میں غیر شعوری طور پر تفریق کرتے ہیں تو دوسری طرف انہر رسالت کے متصل انہر
 حیدری لگاتے اور اسے بعد جواب میں دفعہ دہراتے ہیں۔ یہی خلفاء ثلاثہ کا انکار اور تبراہے
 جو رفض و تشیع کا شعار ہے مگر اب سادہ لوح سنی بھی شبیہ پر و پیگندہ سے ان کی چالوں میں
 آرہے ہیں وہ اپنے امام کے نقل کردہ حوالہ بالا سے حضرات شیخین کی حضور سے جوہری وحدت
 اور مقام رفیع کا اندازہ لگائیں اگر انہرے لگانا کارنواب ہے تو ان کا انہر بھی ضرور لگائیں تاکہ سنی
 ہونے کا ثبوت ہو۔

تذفین حضرت علیؑ کے بیمار سے ہوئی | حضرت ابو بکر و عمرؓ کی تذفین پر آج شیخہ کو حسد و
 اعتراض ہو تو ان کا مذہب ان کو مبارک مگر حضرت
 علیؑ شیر خدا تو اس پر راضی بلکہ رائے دینے والے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث
 ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔ میں اس جماعت میں کھڑا تھا جو حضرت عمرؓ بن الخطاب کے لیے دعا مانگ
 رہے تھے۔ جبکہ آپ کی میت چار پائی پر رکھی ہوئی تھی اچانک ایک شخص میرے پیچھے سے آیا میرے
 کندھے پر کھینی رکھی۔

یقول یرحمک اللہ ان کنت لارحوا ان
 یجعل اللہ مع صاحبیک لانی کثیرا ما
 کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یقول کنت وابدیک و عمر و فعلت و ابوبکر
 و عمر و انطلقت و ابوبکر و عمر و ان
 کنت لارحوا ان یجعلک اللہ معہما
 فالتفت فاذا علی بن ابی طالب۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۱۹)
 وہ علیؑ بن ابی طالب تھے۔

معلوم ہوا کہ منشا پیغمبر کے مطابق حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کی قبر حضور کے پاس بنانے
 کی اجازت دے دی۔

اس خطبہ کی تفصیل محب طبری نے ریاض النضرۃ فی مناقب الحشرۃ میں یوں پیش کی ہے۔
 ذرا غور سے پڑھیے۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ سے حضرت علیؓ کو جس قدر عقیدت و محبت تھی وہ اس سے
 عیاں ہے۔ عبد الرحمن کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے جنازہ کے پاس آئے آپ کی طرف سے
 ڈھانپے ہوئے تھے تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھے پسند نہیں کہ اس کفن میں لپٹے ہوئے شخص کے
 نامہ اعمال سے زیادہ اچھے کسی کے نامہ اعمال کے ساتھ اللہ سے ملاقات کروں (یعنی اس کا نامہ اعمال
 سب موجودین سے بہتر اور یہ سب سے افضل ہے)۔ اے ابن خطاب! اللہ کی تجھ پر رحمت ہو۔
 آپ اللہ کی آیتوں کے بڑے عالم تھے۔ آپ کے سینے میں اللہ کی بڑی عظمت تھی۔ آپ اللہ سے خوف
 کھاتے تھے۔ اور اللہ کے بارے میں لوگوں سے خوف نہ کھاتے۔ آپ حق کے لیے فیاض بالمل
 کے لیے بخیل۔ دنیا سے بھوکے رہنے والے اور آخرت سے پیٹ بھرنے والے تھے۔

اور بن حکیم کہتے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ فوت ہو گئے۔ تو حضرت علیؓ بیماری کی حالت
 میں آگے سلام کہا (صد سے) ہر جگہ کیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ عمرؓ پر رونے والی (آنکھ) کیا اچھی
 ہے۔ وہ عمرؓ نے کئی کوسیدھا کیا۔ اور عمل کو مضبوط کیا۔ ہائے عمرؓ! پاکدامن ہو کر فوت
 ہوا۔ کمتر عیب والا تھا۔ ہائے عمرؓ! سنت پر چلتا رہا اور فتنہ سے بچتا رہا۔ اللہ کی قسم ابن خطاب
 نے بھلائی پائی اور شر سے نجات پائی پھر فرمایا۔ وہ اپنی وفات سے قافلہ کو تارکی میں جھوڑ گئے۔
 کہ متعدد راستے ہو گئے۔ نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے اور نہ ہدایت یافتہ کو یقین ہوتا ہے (ریاض النضرۃ
 ج ۲ ص ۱۲۶)

اسی قسم کا خطبہ نبی البلاغہ میں ہے جو اپنے موقع پر آئے گا۔
 حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے دن آپؓ نے فرمایا۔

اسید بن صفوان عمدر رسالت کو پانے والے کہتے ہیں جس دن حضرت ابوبکرؓ کی وفات
 ہوئی تو مدینہ پہنچ و پکار سے لڑا تھا۔ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن لڑے
 برپا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے آئے اور فرمایا۔ آج خلافت نبوت
 ختم ہو گئی۔ پھر جنازہ صدیقی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق
 خاص مونس و جدے اکرام تھے۔ راز دان مشیر اور قابل اعتماد تھے آپ سب سے پہلے مسلمان سب سے

خالص ایمان والے، سب سے بڑے یقین والے سب سے زیادہ خوف کھانے والے۔ اللہ کے دین میں سب سے بڑی دلچسپی لینے والے۔ سب سے بڑھ کر حضورؐ کی اور اسلام کی حفاظت کرنے والے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ مہربان۔ سب سے بہترین مہجبت والے۔ سب سے زیادہ قبولی والے۔ سلیقت اسلام و ایمان میں سب سے افضل۔ سب سے بلند رتبہ۔ سب سے زیادہ قرب والے۔ سب سے زیادہ خلق عادت۔ رحمت اور فضیلت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ۔ مرتبے اور عزت میں سب سے ارفع۔ حضورؐ کے سب سے بڑھ کر قابلِ بھروسہ تھے۔

پس اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور پیغمبرؐ کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آپ حضورؐ کے لیے بمنزلہ آنکھ اور کان کے تھے۔

اسی طرح طویل خطبے کے آخر میں ہے۔ رسول اللہ کے بعد آپ سے بڑھ کر مسلمانوں کو کسی موت کا صدمہ نہیں پہنچا۔ آپ دین کا وقار۔ امان۔ غارِ پناہ۔ جماعت۔ قلعہ اور فریادرس تھے۔ منافقوں پر شدید سخت تھے۔ اللہ پاک آپ کو اپنے رسولؐ کے ساتھ ملائے۔ یہیں آپ کے صدمہ وفات کے ثواب سے محروم نہ کرے۔ آپ کے بعد گمراہ نہ کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (ریاض النضرہ ۲۳۹-۲۴۰)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیاں چار ہیں۔

مسترفض کا حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو حضورؐ کی اکلوتی بیٹی کہنا۔ قرآن کریم ارشادات پیغمبر اقول اُمّہ اہل بیتؑ کی کھلی تکذیب ہے۔ اور چودھویں صدی تک کے تمام علماء مجتہدین شیعہ کی تصریحات کا انکار ہے۔ ہمارے علم میں اس صدی سے قبل کوئی شیعہ عالم نہیں جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیوں کا انکار کیا ہو یا کسی مستند متداول کتاب میں اس موقف کو مبرہن کیا گیا ہو۔ چنانچہ متداول شیعہ لٹریچر سے دیسول حوالے صدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں جس سے قارئین کو یقین ہو جائے گا۔ کہ قرآن کریم اور ارشادات نبویؐ سے

اپنے زعم کے خلاف انحراف تو شدید کاموں ہے ہی پیغمبروں سے افضل اپنے ائمہ کی تصریحات اور شیعہ مذہب کے مؤسس و مجتہد علماء کے اتفاق کو بھی نہیں مانتے۔ ان کا مذہب بس اتنا ہی ہے کہ زمانے کی حالت اور رُخ کو دیکھ کر جس بات کو چاہا مجز و دین بنا ڈالا خواہ ائمہ سے اس کا ثبوت بالکل نہ ہو جیسے عزاداری کی تمام اقسام تعزیر و ڈکیر پرستی، اسپ نوازی وغیرہ اور جس موافق اہلسنت اپنے ائمہ و علماء سے ثابت شدہ حقیقت کا چاہا انکار کر دیا اور ادھر ادھر کی باتوں سے کچ بچتی کرتے گئے۔ مسئلہ بنات اربعہ، حقانیت خلفاء راشدین، تکمیل شریعت پر پیغمبر آخر الزمان، صداقت مذہب اہلسنت وغیرہ مسائل اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

بنات رسول کا قرآن سے ثبوت

سورت اتراب ع ۸ میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔
 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوْجِكَ ذَبْكَ
 وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ
 جَلَّةِ بُيُوتِهِنَّ (پ ۵۶ پہلی آیت)
 اسے نبی تم اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے
 اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ
 اپنی چادروں سے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔
 (ترجمہ مقبول ضلہ ط لاہور)

اس آیت کریمہ میں ایک دوسرے پر موقوف تین لفظ ہیں۔ ازواج۔ بنات ان کی نسبت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ۳ مؤمنوں کی عورتیں۔ تینوں جمع کے لفظ ہیں اور معنی و ترجمہ بھی جمع والا ہے۔ عربی میں دو سے زیادہ افراد کے لیے جمع کا لفظ استعمال ہوتا ہے معلوم ہوا کہ جیسے ازواج رسول ۲ سے زائد ہیں جن کی تاریخ و سیرت میں تعداد المتفقہ اور یقینی ہے۔ اسی طرح بنات رسول بھی دو سے زائد ہیں جنکی تاریخ و سیرت کے اتفاق سے تعدادم یقینی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف ایک زوجہ رسول کو مانے بقیہ کا انکار کرے وہ قرآن کا منکر اور کافر سمجھا جائے گا۔ اسی طرح ایک صاحبزادی رسول کو مان کر بقیہ کا انکار کرنے والا یا العیاذ باللہ اور باپ تجویز کرنے والا۔ قرآن کا منکر و کافر سمجھا جائے گا۔ اپنی بیوی کی پہلے خاوند کی لڑکیوں کو ربیبہ (پالی ہوئی) کہا جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي فِي حُجُودِكُم مِّنْ
 اور تمہاری ربیبہ بیٹیاں جو تمہاری ان ازواج

نَسَاكُمْ اَللّٰہِیْ دَخَلْتُمْ بِہِیْ (نساء ۷۴) کی گود میں ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو۔

(ترجمہ مقبول)

لہذا نبات رسولؐ سے حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی سابق خاوندی کی پروردہ لڑکیاں مراد لینا۔ قرآن کے برخلاف ہوا۔ اسی طرح نبات سے نواسیاں مراد لینا بھی باطل ہے۔ کیونکہ لغت عرب میں بنت صلبی بیٹی کو ہی بطور حقیقت و لغت کہا جاتا ہے۔ نواسی یا پوتی کو بنت البنت یا بنت الابن کہتے ہیں۔ ان کو بنت کننا مجازی اور ثانوی ہے۔ نیز پر دے کا حکم جو ان ہونے کا اتفاق کرتا ہے نزولِ آیت کے وقت نواسیوں کی پیدائش بھی یقینی نہیں چہ جائیکہ وہ جوان اور خطاب پروردہ کی اہل ہوں۔ پیغمبرؐ اور روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے امت کی لڑکیاں بھی مراد نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ان کے لیے نساء المؤمنین کا مستقل تیسرا لفظ موجود ہے۔ انحصار قرآن پاک سے قطعی طور پر حضورؐ کی متعدد صاحبزادیوں کا ثبوت ہوا اور شیعہ کے لیے فرار کا موقع نہ رہا بالآخر سلاشیعی لٹریچر ایک صاحبزادی ہونے کا ثبوت دے۔ حالانکہ وہ بھی چار ہی بتاتا ہے۔ تو بھی اس سب کا انکار کرنا اور قرآن کے آگے جھک کر کئی صاحبزادیاں ماننا فرض ہوا بشرطیکہ شیعہ قرآن پاک کو مانتے ہوں۔

پیغمبرؐ کے ارشادات | شیعہ کے خاتم المحدثین باقر علی مجلسی رقمطراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱۔ و خدیجہؓ رضا خدا اور ارحمت کند از من طاہر و مطہر را بہر سانید کہ او عبد اللہ بود و قاسم را آورد و فاطمہ و زینب و ام کلثوم از وہم سیدند (حیات القلوب ص ۸)

۲۔ نیز بسند معتبر امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ کو لوگوں نے کہا کہ آپ فاطمہؑ کو کیوں زیادہ چومتے ہیں اور گود میں اٹھاتے ہیں اور اپنے پاس بہت بلاتے اور اتنی شفقت فرماتے ہیں

کہ نسبت با سائر دختران خود دینیمائی کہ باقی اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ یہ شفقت

نہیں کرتے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں نے بہشت کا سیب کھایا۔ اس کا لطف بنا جس سے فاطمہؑ پیدا ہوئیں۔ (جلال العیون ص ۸۹)

۳۔ حضرت حسنینؑ کی فضیلت میں حضورؐ نے فرمایا۔... وغالہ ایشان زینبؑ است
وغالہ ایشان زینبؑ دختر رسول خدا است (جلال العیون ص ۲۳۱-۲۹۱) کہ ان کی خالہ رسول خداؐ کی صاحبزادی زینبؑ ہے۔

حضرت علیؑ کے ارشادات
حضرت علیؑ نے وزیر کی حیثیت سے حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ کو فہمائش اور مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

۴۔ وصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما صاحبہ او ما بن ابی قحافة ولا ابن الخطاب باولی یعمل الحق منک وانت اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشيعة دحم منہما وقد نلت من صہرہ مالہ مینالا۔
جس طرح ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ویسے تم بھی رہے ہو۔ اور حق پر عمل پیرا ہونے میں ابوبکر صدیقؓ اور عمر بن خطابؓ تم سے اولیٰ ذمہ دار تھے جبکہ آپؐ خونی رشتہ کے لحاظ سے حضورؐ کے زیادہ قریبی ہیں۔ اور حضورؐ کی دامادی کا وہ شرف بھی پایا ہو۔

(نجم البلاغۃ ص ۲۹۲ مترجم مرزا یوسفین)
حضورؐ کی غیر فاطمہؑ صاحبزادیوں۔ حضرت عثمانؓ کے داماد نبی ہونے اور شیخینؓ کی طرح عامل بالحق ہونے کا حضرت علیؑ المرتضیٰؑ نے فیصلہ فرما دیا۔ گواندازہ کلام میں بعض باتوں سے اختلاف اور اصلاح مقصود ہے۔

حضرت فاطمہؑ کا ارشاد
آپؐ نے وفات کے وقت حضرت علیؑ کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد میری بہن زینبؑ بنت رسولؐ کی صاحبزادی امامہ بنت ابوالعاصؓ سے شادی کرنا۔

چوں مرض فاطمہؑ شدید شد علیؑ ضرا طلبید وگفت وصیت میکنم ترا کہ بعد از من امامہ دختر خواہر من زینبؑ بخوابی۔
جب حضرت فاطمہؑ کی بیماری زیادہ ہو گئی علیؑ کو بلایا اور کہا میں تجھے وصیت کرتی ہوں کہ میرے بعد امامہؑ میری بہن زینبؑ کی لڑکی

اللھم صل علی رقیۃ بنت نبیک واللعن من اذی نبیک

حضرت فاطمہ منکبرین دختران نبی پر لعنت بھیجتی تھیں

نبیک فیہا اللھم صل علی ام کلثوم بنت نبیک واللعن من اذی نبیک فیہا
دفع ذیبا الاحکام ج ۱ ص ۱۵۲۔ استنبصار ج ۱ ص ۲۲۵۔ زاد المعاد مجلسی ص ۲۲۵ بحوالہ رسالہ داماد
علی و داماد نبی ص ۱۰ ترجمہ۔ اے اللہ حضرت رقیہ و ام کلثوم حضور کی صاحبزادیوں پر رحمت
بھیج اور ان لوگوں پر لعنت فرما جو ان کا باپ اور تجویز کر کے تیرے رسول کو سناتے ہیں۔

حضرت حسین کا ارشاد | حضرت حسین نے مدینہ سے کوچ کرتے وقت تمام نبوہاشم کو
صبر کی وصیت کی اور اپنے یوم شہادت کو سابقہ ایام غم سے
تشبیہ دے کر فرمایا۔

اور وہ دن اسی طرح مصیبت والا ہوگا جس
دن کہ حضرت رقیہ، زینب اور ام کلثوم (حضور
و مانند روزیست کہ رقیہ و زینب و
ام کلثوم وفات یافتند۔) اجلدار الیون ص ۲۵۳
کی صاحبزادیوں نے وفات پائی تھی۔

۸۔ و مانند روزیست کہ امیر المومنین
علیہ السلام و فاطمہ و رقیہ و زینب و ام کلثوم
دختران پیغمبر از دنیا رفتند منتہی الآمال ج ۱
ص ۲۳ مطبوعہ جاویدان ایران،
اس دن کی طرح ہے جس دن امیر المومنین
حضرت فاطمہ، رقیہ، ام کلثوم پیغمبر کے
صاحبزادیوں نے دنیا سے انتقال کیا۔

۹۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات میں آپ کی چار صاحبزادیوں کا صریح ثبوت موجود ہے۔
تحفۃ العوام ص ۱۱۲۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۱۸۷۔ اصول کافی ص ۲۷۸۔ صافی کتاب الحجہ ج ۳
مرآۃ العقول شرح الاصول والفروع ج ۳ ص ۳۵۲۔ قول ابن عباس در مرآۃ العقول بحوالہ
مذکورہ۔ تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۵۲۔ استنبصار ج ۱ ص ۲۲۵۔ تاریخ الأئمہ ص ۶ بحوالہ البنت پاکٹ بک ص ۱۸۱

۱۰۔ امام باقر و حجر کے ارشادات | دونوں میں سے ایک امام سے روایت ہے کہ
”جب رقیہ بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں

تو حضور نے فرمایا اے رقیہ! ہمارے نیک صحابی عثمان بن مظعونؓ اور ان کے ساتھیوں سے مل جا حضرت فاطمہ الزہراءؓ قبر کے کندے پر بیٹھی آنسو قبر میں گرا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کپڑے سے جھپٹ رہے تھے اور کھڑے ہوئے دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں اس کی کمزوری کو جانتا ہوں تو اسے قبر کے جھکے سے بچانا اور فردوس کافی جہاں ۲۴) ملان

۱۱۔ باسند معتبر از حضرت صادقؑ روایت کردہ اند کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شد طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ را کہ حضرت بامیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تزیین نمود و ام کلثوم را با عثمان و بعد از وفات او حضرت رقیہ را با و تزویج نمود۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۱ ط ایران)

معتبر سند کے ساتھ حضرت صادقؑ سے روایت ہے کہ رسول خدا کی حضرت خدیجہ سے یہ اولاد ہوئی۔ طاہر۔ قاسم۔ فاطمہ۔ ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب رضی اللہ عنہم۔ فاطمہ کا نکاح حضور نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اور ام کلثوم کا حضرت عثمانؓ سے کیا اور اس کی وفات کے بعد حضرت رقیہ کا نکاح عثمانؓ سے کیا۔

۱۲۔ نیز ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔ وابن بابویہ بسند معتبر از آنحضرتؐ روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا متولد شد از خدیجہ قاسم و طاہر و نام طاہر عبد اللہ بود و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۱)

ابن بابویہ نے معتبر سند کے ساتھ حضور سے روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہ سے رسول خدا کی اولاد قاسم۔ طاہر جس کا نام عبد اللہ تھا۔ ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب اور فاطمہ ہوئی۔

۱۳۔ شیخ صدوق امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ خدیجہ سے رسول اللہ کی اولاد۔ قاسم۔ طاہر یعنی عبد اللہ اور ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب اور فاطمہ رضی اللہ عنہن ہوئیں حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فاطمہؓ سے نکاح کیا۔ ابو العاصؓ بن ربیع بنو امیر کے فرد نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ عثمانؓ بن عفان نے ام کلثومؓ سے نکاح کیا۔۔۔۔۔ وہ جب فوت ہو گئیں بدر کے موقع پر تو حضور نے ان کو رقیہ بیاہ دی۔ پھر آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ! ٹھہر اللہ نے محبت کرنے والی اور بچے جننے والی میں برکت ڈالی ہے خدیجہ رحمہا اللہ نے مجھ سے طاہر یعنی عبد اللہ

مطہر اور قاسم۔ فاطمہ رقیہ۔ ام کلثوم اور زینب جنی ہیں (مخالف شیخ صدوق ج ۲ ص ۱۶)
 ۱۴۔ مصدقہ امام محمدی۔ کافی کلینی باب مولد النبی میں ہے۔

وتزوج خدیجۃ وهو ابن بضع وعشرين سنة فولد له منها قبل مبعثہ علیہ السلام القاسم ورقیۃ وزینب وام کلثوم وولد له بعد المبعث الطیب والطاهر وفاطمۃ علیہا السلام وروئے ایضاً انه لم یولد له بعد المبعث الا فاطمۃ علیہا السلام وان الطیب الطاهر ولد اقبل مبعثہ (کافی ص ۴۳۹ ج ۱)

حضور نے خدیجہؓ سے نکاح کیا جب آپ بیس سال سے زائد عمر کے تھے تو بخت سے پہلے ان سے آپ کی اولاد حضرت قاسم۔ رقیہ۔ زینب اور ام کلثوم ہوئی اور بخت کے بعد طیب۔ طاہر اور فاطمہ علیہا السلام ہوئیں اور یہ بھی روایت ہے کہ بخت کے بعد صرف حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں اور طیب و طاہر وغیرہ بخت سے پہلے پیدا ہوئے۔

حضرت رسول مقبولؐ اور عند الشیخہ ائمہ معصومین کے ان ارشادات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ ثابت ہو گیا کہ حضورؐ کی اپنی صلیبی بیٹیاں حضرت خدیجہؓ سے چار تھیں۔ اور ان کے نکاح خود آپؐ نے حضرت ابوالعاص، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے کیے۔ اب ان کو سابقہ خاوند کی اولاد اور پروردہ پیغمبر کونا۔ رسولؐ و امام کا کھلا انکار ہے۔ اللہ شیعہ بھائیوں کو ہدایت دے۔

۱۵۔ قرب الاسناد میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد طاہر قاسم۔ فاطمہ۔ ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب پیدا ہوئیں۔ فاطمہؓ کی حضرت امیر المومنینؓ سے اور زینبؓ کی ابوالعاص بن ربیع اموی سے اور ام کلثومؓ کی حضرت عثمان بن عفان سے شادی کی۔ پھر رقیہؓ کی ان سے شادی کی۔ پھر شیخ عباس قمی فرماتے ہیں کہ مشہور مؤرخین کا نوشتہ یہ ہے کہ ام کلثومؓ کی تزویج حضرت عثمانؓ سے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ۲ھ میں جنگ بدر کے موقع پر ہوئی۔ (منتی الآمال ج ۱ ص ۱۸)

۱۶۔ ملا باقر علی مجلسی فرماتے ہیں۔
 شیعہ مجتہدین کے ارشادات

والعاص واما حضرت رسولؐ ابوالعاص حضرت رسولؐ

بود... لہذا حضرت فرمود کہ ابوالواص بحق
وامادی مارانیکور عایت کرد (حیات القلوب
۲۷ حصہ ۳۱۱ قصہ قبیلہ شعب)

— چوں بجائے عثمان اہمندانم کاشوم دختر حضرت
رسول نشان داد کہ اور در فلاں موضع نہاں
کرده است (حیات القلوب ص ۳۸۲)

۱۷۔ حیات القلوب ص ۵۹۱-۵۹۲ پر حضرت رقیہ کے تفصیلی حالات میں لکھا ہے۔

ابن ادریس بسند صحیح از حضرت امام
محمد باقر روایت کرده است کہ رسول خدا دختر
بدو منافق (العبا ذب اللہ) داد کہ نیچے ابوالواص
پہر ریح و آں دیگرے کہ عثمان بود... عیاشی
روایت کرده است کہ از حضرت صادق پر سید
آیا رسول خدا دختر خود را عثمان داد حضرت
فرمود بے۔ راوی گفت... باز دختر دیگر
با و داد حضرت فرمود بے (حیات القلوب ص ۵۹۲)

۱۸۔ شیخ طوسی در امالی روایت کرده
است کہ زفاف حضرت امیر و فاطمہ شانزدہ
روز بعد از وفات رقیہ بود بعد از رجوع جنگ
بدر (جبلہ و الحیون ص ۱۱۲)

کے بعد ہوا تھا۔

کے داماد تھے و شعب ابی طالب میں غلام بننے
کی وجہ سے حضور فرمایا کرتے تھے کہ ابوالواص
تم ہماری دامادی کا اچھا حق ادا کیا
جب عثمان کے گھر میں آئے تو بنت پیغمبر حضرت
ام کلثوم نے بتایا کہ اس چیز کو فلاں جگہ چھپایا
ہے۔

ابن ادریس نے سند صحیح کے ساتھ امام محمد باقر
سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے اپنی لڑکیاں
(العبا ذب اللہ) دو منافقوں کو دیں ایک
ابوالواص ریح کے بیٹے کو۔ اور دوسرا عثمان
تھا۔ عیاشی نے روایت کی ہے کہ حضرت صادق
سے لوگوں نے پوچھا کہ رسول خدا نے حضرت عثمان
کو لڑکی دی۔ حضرت نے فرمایا ہاں۔ راوی نے
کہا پھر دوسری لڑکی بھی دی فرمایا ہاں
شیخ طوسی نے امالی میں روایت کی ہے کہ حضرت
علیؑ و فاطمہؑ کی شادی و ملاپ حضرت رقیہؑ کی
وفات کے ۱۶ دن بعد۔ جنگ بدر سے لوٹنے
کے بعد ہوا تھا۔

۱۹۔ اس سوال کے جواب میں کہ حضرت حسینؑ باوجود اپنی شہادت کے علم کے کہ بلا میں کیوں
گئے۔ مجلسی فرماتے ہیں کہ امام ظاہر شرع و احکام کا مکلف ہے باطن کا ذمہ دار نہیں جب اہل
کوفہ نے تشیع و ایمان کا دعویٰ کر کے بلایا تو جانا ہی تھا۔
اگرچہ میں نے بود رسول خدا دختر عثمان نے داد اگر اس طرح ہونا یعنی ظاہر اسلام و ایمان کا

و عائشہ و حفصہ را بجالانہ نکاح خود دینی آورد
 و ہر گاہ چنین باشند پس امام بحسب ظاہر مکلف
 بود رجلاء المیون (مذہب)
 سے جنگ کے مکلف تھے۔

صدافوس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عثمان و عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہم کے
 ظاہری ایمان و اسلام کا اعتبار کیا اور ان سے برضا و خداوندی رشتے کیے۔ مگر ان کو ان کے
 باطنی احوال کا علم نہ ہو سکا اور اب شیعہ کو ہو گیا کہ ان کے نفاق و بے ایمانی کا الجیاذ بانہ ڈھنڈورا
 پیٹ رہے ہیں۔

۲۰۔ و از جملہ آنها بودند عثمان و رقیہ
 دختر حضرت رسول کہ زن او بود۔ زیر بن عوام
 عبد اللہ بن مسعود۔ عبد الرحمن بن عوف الخ
 رجاء القلوب ج ۲ ص ۳۵ ہجرت حبشہ مفاتیح
 الجنان شیخ قمی و نفعہ العوام ص ۱۱۳

۲۱۔ تزوج خدیجۃ و ہوا بن بضم
 و عشرین ستہ فولدت لہ قبل المبعث
 رقیۃ و ام کلثوم و زینب۔
 (تذکرۃ المعصومین ص ۶)

۲۲۔ اگر نبی دختر عثمان و ادولی دختر
 بصر فرستاد و مجالس المؤمنین ص ۸۸
 کو اپنی لڑکی ام کلثوم بیاہ دی۔

۲۳۔ رقیہ و ام کلثوم یکے بعد دیگرے
 و عقد نکاح عثمان بن عفان آمدند۔ تاریخ
 آل اجداد ص ۹ شفاء الصدور و اکبر ص ۲۴ منتی الامال ج ۱ ص ۱۱۱

اعتبار نہ کیا جاتا تو رسول خدا عثمان کو لڑکیاں
 نہ دیتے اور عائشہ و حفصہ کو نکاح میں نہ لاتے
 جب ایسا تھا تو امام حسین بھی بحسب ظاہر منافقوں

مہاجرین حبشہ میں عثمان اور آپ کی بیوی رقیہ
 بنت پیغمبر بھی تھیں۔ اور زیر بن عوام عبد اللہ
 بن مسعود۔ عبد الرحمن بن عوف (اکابر صحابہ
 بھی تھے۔

آپ نے حضرت خدیجہ سے ۲۰ سال سے زائد
 عمر میں شادی کی تو بعثت سے پہلے ان سے
 آپ کی اولاد رقیہ۔ ام کلثوم اور زینب پیدا
 ہوئیں۔

اگر نبی نے حضرت عثمان کو صاحبزادی دی تو
 ولی پیغمبر (علیؑ) نے و با اتباع پیغمبر حضرت عمرؓ

رقیہ اور ام کلثوم ایک دوسرے کے بعد
 حضرت عثمان بن عفان کے نکاح میں آئیں۔

۲۲۔ زوج النبی بنتیہ عثمان
بن عفان (مسالك الافهام تنقیح
شرائع الاسلام ۵۳۲)

۲۵۔ شیعہ کی مشہور کتاب اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ از علامہ طبرسی میں ہے۔
یعنی زینب بنت رسول اللہ کی شادی ابوالعاص بن ریح سے ہوئی اور ایک لڑکی امامہؓ
پیدا ہوئی جس کی شادی فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ سے ہوئی حضرت زینبؓ کا انتقال
مدینہ میں ہجری میں ہوا۔ رقیہ بنت رسولؐ کی شادی۔ یعنی صرف نسبت اور نگینی۔ اس حضرت
کے چچا زاد عقبہ بن ابی لہب سے ہوئی لیکن اس نے خلوت سے پہلے طلاق دے دی حضورؐ نے
اس کے لیے بد دعا فرمائی چنانچہ اسے شیر اٹھا کر لے گیا۔ پھر رقیہؓ کی شادی عثمان بن عفان سے
ہوئی اور ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا جو بچپن میں (چھ سال کی عمر میں) فوت ہو گیا۔ زمانہ بدر میں
رقیہؓ کا انتقال ہوا۔ ان کے مرض اور کفن و دفن کے باعث حضرت عثمانؓ جنگ بدر میں شریک
نہ ہو سکے۔ حضرت عثمانؓ نے جب حبشہ ہجرت کی تھی تو رقیہؓ ساتھ تھیں۔ پھر ام کلثومؓ کا نکاح بھی
حضرت عثمانؓ سے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ہوا اور وہ بھی کچھ عرصہ بعد وفات پا گئیں۔ فاطمہؓ
کا ذکر مستقل آئے گا۔ (اعلام الوریٰ)

۲۶۔ امامہ بنت ابی العاص وہی
بنت بنت رسول اللہ تزوجہا بعد
موت خالتہا البتول علی علیہ السلام
(کشف الغمہ ص ۱۳۲ العلی بن عیسیٰ اردبیلی)

۲۷۔ کتاب المحبر لابن حبیب میں ہے۔

فولدت خدیجۃ للنبی القاسم وزینب و
ام کلثوم وفاطمۃ وعبد اللہ وهو الطاهر
والطیب اسم واحد (بحوالہ کشف الاسرار ص ۲۴)

پس خدیجہؓ نے حضورؐ سے القاسم، زینب، ام
کلثوم، فاطمہ اور عبداللہ جو طاهر و طیب کہلا
ہیں۔ بخنے۔

تیرھویں صدی کے محقق شیعہ شیخ عباس قمی نے منبر کتاب منتہی الامال ج ۱۱۸ حضورؐ

کی اولاد امجاد میں پیشہ بھی لکھا ہے کہ

۲۸۔ ابو نصر فراہی نے حضورؐ کی اولاد امجاد کی تعداد کے متعلق فرمایا ہے۔

فرزند نبیؐ فتاسم و ابراہیم است پس طیب و طاہر ز راہ تعظیم است
 با فاطمہ و رقیہ و ام کلثوم و زینب شہر از اسر تعظیم است
 یعنی اگر تعلیم پانچا خیال ہے تو چار صاحبزادیوں کے نام یاد کر لو

شیعی و سائوس کا ازالہ حضرت احسن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار صاحبزادیوں کا بیعت

پیر تمام حوالہ نہ کا متبع کیا جائے تو منجم جلد تیار ہو سکتی ہے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضرت فاطمہ الزہراءؑ حضرت علیؑ حسنینؑ حضرت باقرؑ و جعفر تمام شیعہ مجتہدین کی تصریحات آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں کسی ایک شخصیت کا انکار کرے اور ان کی بات سے انحراف مذہب

تشیع کا خاتمہ ہے مگر ضد اور نصیب اور اسلام و خلفاء دشمنی کا ستیاناس ہو اس کی موجودگی میں آدمی حق کو قبول نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ہر حوالہ قطعی الثبوت۔ ناقابل تردید مستند ترین

شیعی ماخذ کا ہے۔ مگر میرا گمان نہیں ہے کہ عام و خاص شیعہ ان کو پڑھ کر رجوع الی الحق کرے گا۔

اور چار صاحبزادیوں کو مان کر ان کے مثالی شوہروں کی تعظیم کرنے لگ جائے گا۔ اس لیے اس کا

ایمان فاسق و فاجر بے نماز و بے شرع ذکر و دل گویوں اور قصیدہ خوانوں پر ہے یا شرعی چہرے

اور وضع سے محروم نام نہاد مجتہدوں اور مولویوں پر ہے۔ ان لوگوں نے عوام شیعہ کو بتایا

کہ نبیؐ کی صاحبزادی ایک تھی۔ اب ایک عامی پختہ شیعہ قرآن و سنت اور ارشاداتِ ائمہؑ کی صریح

تکذیب کر کے کھلی خلاف ورزی تو کر سکتا ہے۔ مگر اپنے ذاکر یا مفاد پرست شیعہ مولوی یا سید

کی غلطی یا اگر ہی تسلیم نہیں کر سکتا جن کے ہاتھ پر اس نے محمدی اسلام چھوڑ کر شیعہ اسلام قبول

کیا ہے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ شیعہ ایمان اور اس کی پختگی کا معیار کیا ہے یعنی جتنا کوئی شخص

پختہ شیعہ ہوگا اسی قدر وہ اپنے قریبی دینی پیشوا ذکر و مجتہد کو غلطی اور گمراہی سے پاک تصور

کرے گا۔ اس پیشوا کے قول کے سامنے۔ بناتِ رسولؐ کا مسد ہو یا مروجہ عباداری وغیرہ کی

حرمت کا۔ حرمِ نبویؐ اہمات المؤمنین کی عزت کا سوال ہو یا حضورؐ کے غمروں و دامادوں

اور خلفاء راشدینؓ وغیرہم کے مقام کا مسئلہ ہو۔ سینکڑوں ارشاداتِ قرآنی۔ فرامینِ نبویؐ بقول
 ائمہ اہل بیتؑ تصریحات اسلاف شیعہ پیش کر دیے جائیں بہر صورت شیعہ انکار پر انکار کرے گا۔
 اور کبھی ان دلائلِ حقہ کو نہیں مانے گا۔ کیونکہ ان کے ماننے میں موجودہ ذاکر و مجتہد کی تخلیط لازم
 آئے گی اور یہ شیعہ کو کسی قیمت پر منظور نہیں۔ دراصل صاف لفظوں میں ایمان اس کے لیے
 قربانیاں۔ یہ صرف ذاکروں اور ان کی بدعات سے محقق ہیں۔ حضراتِ اہل بیتؑ کا نام صرف جہلاء
 کو پھینسانے کا پھندا اور دام ہے۔ اب معلوم کیجیے کہ مسئلہ زیر بحث پر شیعہ کے پاس کون سی عقلی نقلی
 دلیل ہے جس کے سامنے قرآن حکیم سنت و حرمتِ نبویؐ۔ ارشاداتِ ائمہ اور اجماعِ مجتہدین کا
 خون کیا جاتا ہے۔ آپ یقین جانے مسئلہ ہذا پر کسی بھی شیعہ کے پاس نہ قرآن کی آیت ہے نہ
 ارشادِ نبویؐ نہ فرمانِ امامِ معصوم۔ لے دے کے چودھویں صدی کے ملاؤں کے چند مندرجہ ذیل
 ڈھکوسلے ہیں۔

شعبہ ۱۔ اہل سنت اپنے خطبات میں صرف ایک صاحبزادی کا نام لیا کرتے ہیں۔
 جواب۔ چونکہ بعض دلائل کی وجہ سے حضرت فاطمہ الزہراءؑ کا مقام باقی تین بہنوں
 سے اونچا ہے اور اہل سنت کا اس پر ایمان ہے لہذا حضرت فاطمہؑ کا نام صراحتہ اور بقیہ کا و
 بناءً سے اشارہ لیتے ہیں۔ خطبہ میں ان کا نام نہ لینا فحش کی دلیل ہرگز نہیں۔ بالاتفاق حضرت
 قاسم۔ طاہر۔ ابراہیم حضورؑ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ مگر ان کا نام بھی خطبہ میں لیا جاتا۔ سنی
 خطباء کو چاہیے کہ ایسے غلط فہمی کے مقام پر چاروں صاحبزادیوں کا نام لیا کریں تاکہ شہار
 تنبیح نہ بن جائے

شعبہ ۲۔ بعض ذاکرین کہتے ہیں کہ اگر چار بیٹیاں ہوتیں تو مباہلہ کے دن ضرور لاتے۔
 جواب۔ مباہلہ ۹ھ میں پیش آیا جو بالآخر ہوانہ تھا اور حضورؐ نے آلِ عبا کو شرکت
 کے لیے تیار کیا تھا۔ جبکہ باقی صاحبزادیاں اس سے پہلے وفات پا گئی تھیں۔ بیاتِ القلوب ج ۲
 ص ۱۹ میں ہے کہ زینبؑ کی وفات ۸ھ یا ۹ھ میں ہوئی۔ حضرت رقیہؑ جبکہ بدر کے سال وفات پا
 گئیں۔ ام کلثومؑ ۸ھ میں رحلتِ الہی سے واصل ہوئیں۔

شعبہ ۳۔ جس زینبؑ کا نام بناتِ نبویؐ میں ملتا ہے وہ آپؐ کی پروردہ تھی۔

جواب۔ بالکل انورناطہ ہے۔ حضرت زینب کا حضور کے صلب سے، خدیجہ الکبریٰ کی لطن سے نسا اور حضرت ابوالحارث بن ربیع کے نکاح میں آنادسیوں حوالہ جات سے مبرہن کیا جا چکا ہے۔ جس کا انکار امام معصوم و پیغمبر معصوم کا انکار ہے۔ آپ کی ربیہ زینب نامی اور لڑکی تھی۔ جو آپ کی اہلیہ حضرت ام سلمہ کے لطن سے تھی۔ اس کے والد کا نام ابوسلمہ تھا۔ اسی کو ہمارے علماء زینب ربیہ النبی کہتے ہیں۔ اور زینب بنت محمد کی ماں کا نام خدیجہ الکبریٰ ہے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۸۵) جو حضرت سیدہ خاتونِ جنت کی ماں ہے۔ اسی زینب بنت النبی کے متعلق آپ نے فرمایا ہے۔

ھی افضل بناتی اُصیبت فی دحاوی ج ۱ ص ۱۵۲ ذخائر العقبیٰ ص ۱۵۸) یہ میری سب سے افضل بیٹی ہے۔ میرے لیے اس کو دکار کی جانب سے مصیبت پہنچی۔
شہد ۱۔ یہ حضرت خدیجہ کے لطن سے سابق خاوند سے تھیں اور بعض کہتے ہیں ہالہ بن خدیجہ کی بیٹیاں تھیں۔

جواب۔ صریح جھوٹ ہے۔ آپ کی کوئی صاحبزادی سابق خاوند سے حضور کے گھر میں نہیں آئی۔ صریح ارشادات نبوی و فرامین جعفر صادقؑ پھر ملاحظہ کریں اور شیعہ کو جھوٹ کی مبارک دیں۔ الاستیعاب میں ہے کہ مورخین کا اتفاق ہے کہ ان سب کی پیدائش بعد از نکاح خدیجہ حضرت کے گھر میں ہوئی۔ پھر یہ مآذ اللہ سابق خاوند سے کیسے ہوئیں؟ علامہ مجلسی یہ دو قول نقل کر کے کہتے ہیں۔ دربنفی اس دو قول روایات متبرہ دلات می کند۔ (روایات متبرہ ان دو قول کو غلط بتاتی ہیں)

شہد ۵۔ اگر چار ہوتیں تو مرتبہ اور مقام میں برابر ہوتیں۔

جواب۔ خدا پنچ انگشت برابر نہ کر دے۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں کئی لحاظ سے فرق مشاہدہ کی بات ہے۔ حضرت فاطمہؑ اگر بعض امور میں اپنی بہنوں سے ممتاز ہیں تو اس کا یہ معنی کہاں سے نکلا کہ باقی صاحبزادیوں کا وجود ہی نہیں ایسے گمراہ قیاس سے خدا سے بچائے۔
شہد ۶۔ اگر پیغمبر کی صاحبزادیاں ہوتیں تو ان کے کچھ فضائل منقول ہوتے۔
جواب۔ فضائل میں کمی بیشی تو غیر اختیاری اور قدرتی عطیہ ہے۔ تاہم غیر کسی فضائل

کو چھوڑ دیا۔

یہی وہ زینبؓ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی محبوب تھیں۔ حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبا فیہا اسلمت وھا جدت جین ابی زوجھا ولدت من ابی العاص غلاما یقال لہ علی وجادیۃ اسمھا امامۃ (الاستیعاب)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے خوب محبت کرتے تھے۔ یہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کی جب کہ ان کے خاوند ابوالعاصؓ نے انکار کیا تھا بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، علی نامی لڑکا اور امامہ نام کی لڑکی جننی تھی۔

یہی وہ زینبؓ ہیں جن کی صاحبزادی امامہؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کندھے پر اٹھاتے جب سجدے جاتے تو اتار دیتے۔ جب اٹھتے تو اٹھالیتے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک تحفہ دیا گیا جس میں موتیوں کا ہار تھا آپؐ نے فرمایا یہ تو میں اپنے گھرانے کی سب سے پیاری لڑکی کو دوں گا۔ پھر حضورؐ نے امامہ بنت زینبؓ کو بلایا اور اس کے گلے میں ہار ڈال دیا حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں نجاشیؓ بادشاہ نے ایک زیور تحفہ بھیجا اس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس کا ٹیکہ حبشی عقیق کا تھا آپؐ نے وہ امامہؓ کو دیدہ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے بعد امامہؓ سے حضرت علیؓ نے نکاح کیا۔ زبیر بن عوامؓ نے بیاہ کر کے دی کیونکہ اس کے والد ابوالعاصؓ نے اسے وصیت کی تھی۔ (الاصباہ ج ۴ ص ۲۳۶)

یعنی حضرت زینبؓ حضرت علی المرتضیٰؓ کی سالی ہو کر پھر خوشدامن بھی بنیں۔ شیعہ علیؓ کہلا کر حضرت علیؓ کی ساس سے بھی نفرت و انکار؟ خدا ایسے مذہب و عقیدہ سے ہر مسلمان کو بچائے۔

حضرت زینبؓ کی شان

حضرت رقیہؓ بھی قدیم الاسلام اور مہاجرہ فی سبیل اللہؓ ہیں جب اپنے خاوند حضرت عثمانؓ کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کر کے جا رہی تھیں حضورؐ کو کئی دنوں تک خبر خیر نہ پہنچ سکی تو عقیاب تھے۔ تو حضورؐ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا میں نے ان کو دیکھا ہے۔

فقال منحها الله ان عثمان اول
من هاجر باهله من هذا الامت
(الاصابه ج ۴ ص ۳۵)

وفی رواية والذی نفسی بید
انه اول من هاجر بعد ابراهيم و لوط

اللہ پاک میاں بیوی پر انعام کی بارش برائے
بلا شہ عثمانؓ اس امت کے وہ پہلے شخص ہیں
جنہوں نے بیوی کے ساتھ ہجرت کی۔

اور ایک روایت میں ہے اس خدا کی قسم جس کے
قبضے میں میری جان ہے حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ
علیہما السلام کے بعد عثمانؓ بیوی کے ساتھ ہجرت کرنے والے پہلے شخص ہیں۔

جنگ بدر کے موقع پر حضرت رقیہؓ بیمار تھیں۔ ان کی تیمارداری کی خاطر آپؐ حضرت عثمانؓ
کو مدینہ چھوڑ گئے۔ مگر حضرت رقیہؓ اس بیماری میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ جب آپؐ کو دفن کیا جا
رہا تھا اس وقت حضرت زبیرؓ حارثہ حضورؐ کی اونٹنی عبدعزیزؓ کے قتل اور
فتح اسلام کی بشارت لائے۔ جب حضورؐ واپس آئے تو آتے ہی حضرت رقیہؓ کی قبر پر اشکبارانہ
حاضری دی اور دعا مانگی۔

فروع کافی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جب حضرت رقیہؓ کو دفنایا جا رہا تھا تو حضرت
فاطمہؓ کناسے پر بیٹھی رو رہی تھیں اور حضورؐ ان کے آنسو جھپٹ رہے تھے۔ مگر یہ واقعہ حضرت
ام کلثومؓ کے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ رقیہؓ سے چھوٹی ہیں اور بدر کے موقع پر رقیہؓ کی تدفین سے
حضورؐ کی غیر حاضری واضح بات ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ ام کلثومؓ نے ہجرت الی المدینہ حضورؐ صلی اللہ
حضرت ام کلثومؓ کی نشان علیہ وسلم اور حضرت فاطمہؓ وغیرہ عیال نبویؐ کے ساتھ کی بنیز
حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام کلثومؓ
کی قبر پر دیکھا آنسو بہ رہے تھے اور فرمایا وہ شخص قبر میں اترے جس نے کج رات صحبت نہ کی
ہو تو ابو طلحہؓ نے کہا میں ایسا ہوں۔ پھر حضورؓ نے ان کو اترنے کا حکم دیا۔ (الاصابه ج ۴ ص ۴۹)
علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں۔

مجھے اس کے متعلق کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ حضرت زینبؓ سب صاحبزادوں سے بڑی ہیں۔
ہاں۔ رقیہؓ۔ فاطمہؓ۔ ام کلثومؓ رضی اللہ عنہن میں میرٹ نگاروں کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء اسی

ترتیب سے قائل ہیں (یعنی سب سے چھوٹی حضرت ام کلثومؓ نہیں اور ان سے بڑی حضرت فاطمہؓ ہیں)

جرجانی سے منقول ہے کہ رقیہؓ سب سے چھوٹی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی ہیں۔ (الاستیعاب والاصحاب ج ۱ ص ۳۲۰)

سبقتِ ایمان۔ ہجرت۔ مکارمِ اخلاق کے علاوہ حضرت ام کلثومؓ کے مرفوع فضائل بھی منقول ہیں۔ ام عیاشؓ مولائہ رقیہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ ليقول ما رواه جت عثمان ام كلثوم فأتاه فحضر في عثمان كأم كلثوم في مساحته الابو جحى من السماء قال ابن منداه لا يعرف الا بهذا الاسناد بروايت ابن منداه

۲۱۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ میرے پاس جبریلؑ آئے اور کہا اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ عثمانؓ کو ام کلثومؓ، رقیہؓ کے مہر کے برابر سپہ بیاہ دیں اور اسی معاشرت پر دیں۔ (قال ابن مندہ غریب الاصلہ)

شہدہ شہیدہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رقیہؓ و ام کلثومؓ پہلے عقبہ و عتیبہ سپرانِ بولہب سے بیابسی گئی تھیں تو پھر حضرت عثمانؓ کے نکاح میں کوئی فضیلت کی بات نہ رہی۔

جواب۔ یہ غلط ہے۔ قبل از دعویٰ نبوت برادری سسٹم کے تحت حضورؐ کے چچا کے بیٹوں کے ساتھ نسبت اور منگنی تھی۔ اسی کو سیرت نگاروں نے عقد اور نکاح سے تعبیر کر دیا۔ ورنہ باقاعدہ شادی اور رخصتی ہرگز نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ مبعوث کے تھوڑے دنوں بعد سورت ثبت الی لب کے نازل ہونے اور سپرانِ بولہب کے رشتہ سے انکار کے وقت ان کا جوان ہونا ہی یقینی نہیں۔ اکثر علماء حضرت فاطمہؓ کو ام کلثومؓ سے بڑا کہتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کافی کے بیان کے مطابق مبعوث کے بعد پیدا ہوئیں اور سسٹم میں غزوہ بدر کی بعد حضرت علیؓ سے شادی ہوئی۔ اس وقت حضرت ام کلثومؓ نہ کنوا سی حضورؐ کے گھر میں تھیں اور کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دینا چاہتے تھے تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں عثمانؓ کو حفصہؓ سے بہتر نبوی اور حفصہؓ کو عثمانؓ سے بہتر خاندان دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ سے خود نکاح کر لیا

اور ام کلثومؓ سب سے چھوٹی۔ صاحبزادیؓ ۳۷ھ میں حضرت عثمانؓ کو بیاہ دی (الاستیعاب) اگر حضرت ام کلثومؓ فاطمہؓ سے بڑی ہوتیں تو حضرت علیؓ سے ان کا نکاح ہوتا۔ بڑی بقول شیعہ کئی سالوں سے جوان کو بھٹلا کر چھوٹی کو بیاہ دینا تو دستور کے خلاف ہے اس لحاظ سے حضرت ام کلثومؓ کی عمر ۳۷ نبوت نزول سورت نبت کے وقت ۳، ۴ سال ہی قرین قیاس ہے۔ اور حضرت رقیہؓ ان سے ۳ سال یا چھ سال بھی بڑی مانی جائیں تب بھی شادی و رخصتی کی عمر میں نہ تھیں۔ واقعی نے لکھا ہے ”جب سورت نبت نازل ہوئی تو ابولہب نے کہا میرا سہرا تمہارے اندر حرام ہے اگر محمدؐ کی بیٹیوں کو چھوڑ دے دو پس انہوں نے چھوڑ دیا۔ دخول اور رخصتی سے پہلے“ حافظ ابن حجرؒ سے بہتر بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ابن مسعودؓ کی اتباع میں ابن عبد البرؒ کے اس بیان سے اولیٰ ہے جس میں نبوت سے قبل رقیہؓ و ام کلثومؓ کی تزویج بتائی گئی ہے کیونکہ ابو عمروؒ نے اس پر مؤرخین کا اتفاق نقل کیا ہے کہ زینبؓ سب صاحبزادیوں سے بڑی ہیں۔ وہ نبوت سے ۱۰ سال پہلے پیدا ہوئیں تو ان سے بھی چھوٹیوں کے ساتھ شادی کیسے ہو سکتی ہے ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ عقد نکاح تا حصول اہلیت۔ یعنی صغر سن کی منگنی۔ ہوگا تو شادی سے پہلے جدائی ہوگئی۔ ابن مندہؒ کہتے ہیں کہ عتبہ ام کلثومؓ کی رخصتی و دخول سے پہلے مر گیا۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۲۸۹) اس تحقیق کی رو سے جب شادی و رخصتی ہوئی ہی نہیں۔ نہ طرفین نے ایک دوسرے کو دیکھا تو سیدہ رقیہؓ و ام کلثومؓ رضی اللہ عنہما کی شان میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو یکے بعد دیگرے دامادی کا شرف اسی طرح حاصل ہوا جس طرح حضرت علیؓ کو ۶ سال بعد ۲۷ھ میں حاصل ہوا۔

اور اس سے شیعہ کا یہ شبہ بھی باطل ہو گیا کہ پیغمبرؐ زادیاں ہو کر کافروں سے کیسے بیاہی گئی تھیں کیونکہ یہ کفر و اسلام کی تفریق نبوت کے بعد ہوئی اور اسی وقت منگنی والی پختہ بات چیت بھی خود کافروں کی طرف سے ختم کر دی گئی۔ جسے انہوں نے تغلیظ کے طور پر طلاق سے تعبیر کیا۔

علاوہ ازیں مسلم و غیر مسلم میں نکاح کی حرمت تو بہت بعد میں تقریباً ۷ھ کے لگ بھگ مدینہ میں انری اس سے قبل کوئی تفریق نہ تھی۔ رشتے ناٹے ہوتے رہتے تھے۔

حضرت فاطمہ الزہراءؑ کی شان | سبقت ایمان، ہجرت، زہد و ورع، عبادت و سخاوت وغیرہ اوصاف میں اشتراک کے علاوہ بلاشبہ حضرت فاطمہؑ کے چند مخصوص فضائل بھی ہیں۔

۱۔ حضرت فاطمہؑ اصحاب کسا میں سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و فاطمہؑ حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو چادر میں داخل فرما کر ان کو اہل بیتؑ فرمایا اور ان کے تطہیر اور ازالہ رجس کی دعا فرمائی۔ (ترمذی)

بعض حضرات کو اس کی صحت میں کلام ہے کہ سند میں کوئی نہ کوئی راوی رافضی آجاتا ہے۔
۲۔ حضرت فاطمہؑ کو مرض و وفات میں اپنی وفات کی خبر دی تو وہ رو پڑیں۔ پھر اپنے سے جلدی ملنے کی یعنی فاطمہؑ کی جلدی وفات کی، خبر دی تو وہ مہنس پڑیں تاہم وہ غمگین ہستی تھیں تو حضورؐ نے یوں تسلی دی۔

یا فاطمة الا تزینین ان تلکونی سیدۃ نساء اهل الجنة و نساء المؤمنین (بخاری و مسلم)

۳۔ فاطمہؑ بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی (بخاری و مسلم)

۴۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون پسند تھا۔
قالت فاطمة فقیل من الرجال قلت زوجها (ترمذی) وفی رواية انه کان ماعلمتہ صوا ما قواماً۔
تو فرمایا فاطمہؑ تھیں پوچھا مردوں میں سے فرمایا ان کے خاوند کہ وہ میری واپسنت کے مطابق روزہ دار اور شب بیدار تھے۔

۵۔ شادی کے وقت وضو کر کے حضورؐ نے پانی حضرت علیؑ و فاطمہؑ پر چھڑکا اور یہ دعا دی۔
اللهم بارک فیہما وبارک علیہما وبارک فی نسلہما (الاصحاب)

۶۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جہان کی عورتوں میں چار کامل ہوئی ہیں۔ مریم بنت عمرانؑ۔

اسیہ زوجہ فرعون۔ خدیجہ بنت خویلد۔ فاطمہ بنت محمد (ترمذی)

بخاری شریف ج ۱ ص ۵۳۲ کی اس جیسی حدیث میں مریم بنت عمرانؑ اسیہ زوجہ فرعون کے بعد یہ لفظ ہیں۔ اور عائشہؓ کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے شریک کی تمام کھالوں پر۔

فضائل خاصہ کے اسباب | اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ فضائل خاصہ مواقع اور اسباب کے تحت ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر وہ مواقع اور اسباب لقیہ تین صاحبزادوں کو درپیش آتے تو دریائے رحمت سے وہ بھی بہرہ ور ہوتیں۔ واقعہ مباہلہ اور کسا و متعلقہ باتوں کے نزول کے بعد تھا۔ اور یہ واقعہ ۹ھ میں پیش آیا۔ اور حضرت رقیہؓ و ام کلثومؓ و زینبؓ ۱۲ھ۔ ۱۳ھ۔ ۱۴ھ یا ۱۵ھ میں جنت میں پہنچ چکی تھیں۔

عورتوں کی سردار ہونے کا لقب بھی آخر عمر میں وفاتِ نبویؐ کی خبر کے صدمہ پر مرحمت ہوا۔ اور اس کی روایت ام المؤمنین عائشہؓ سے ہوئی اور ان کے ذریعے سب امت کو معلوم ہوا اور ہمارا اعتقاد بنا۔ ورنہ حضرت فاطمہؓ کو بطورِ رازہ تنہائی میں بتایا تھا۔ حضرت عائشہؓ و فاطمہؓ کی آپس میں الفت و محبت واضح ہے۔ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جو اس ماں بیٹی میں بھی نبض وحد کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

”فاطمہؓ کے جگر گوشہ“ ہونے کا شانِ نزول تو کتبِ تاریخ و شیعہ میں متواتر ہے کہ حضرت علیؓ کے فاطمہ بنت ابی جہل سے ارادہ نکاح کے وقت اور دیگر حضرت فاطمہؓ کی گھریلو نیکیات کے پیشِ نظر بار بار آپؐ نے فرمایا۔ لقیہ تین صاحبزادیاں بھی اجنبہ رسولؐ تھیں۔ مگر اس کے بیان کی ضرورت خاوندوں کیساتھ کون ماسترتی زندگی کی وجہ سے نہ سمجھی گئی حضرت ابوالحسنؓ کو بہتر و اماد۔ و امادی کا سخی ادا کرنے والا فرمانا اور حضرت عثمانؓ کے متعلق کمنا کہ اگر میری اور لڑکی ہوتی تو وہ بھی عثمانؓ کو بیاہ دیتا۔ سابقہ گزر چکا ہے۔

چوتھی روایت کے متعلق عرض یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، عائشہؓ، فاطمہؓ، علیؓ حنین رضی اللہ عنہم سب ہی رسولِ خداؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ یہ لوگ اپنے متعلق محبوبیتِ الیٰ الرسولؐ کو بیان نہیں کر سکتے دوسرے ہی بیان کرتے ہیں۔ جیسے حضرت انسؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوہریرہؓ

دویم نم نے حضرت عائشہؓ و صدیق اکبرؓ کی محبوبیت مرفوعاً بیان کی اسی طرح ام المؤمنینؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ اور سیدہ کی محبوبیت بیان کی فی نفسہ ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اہل بیت نبویؐ سے عظیم عقیدت تھی۔ اور یہ حدیث انہی تاثرات کا نتیجہ ہے حضرت علیؓ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی و غلط فہمی نہ تھی۔ وہ بر ملا آپ کو صائم اور قائم اللیل فرماتی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کا بقا اور اولاد فاطمہؓ سے اللہ کے ہاں مقدر تھا۔ تو آپ کی شادی کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مذکورہ بالا دعا کرادی۔ اگر دوسری صاحبزادیوں کے لیے بھی ایسی دعا ہو جاتی تو وہ بھی صاحب اولاد باقیہ نہ بنیں۔ کچھ لوگ حضرت زینہؓ کی اولاد کے قائل ہیں چھٹی حدیث کا معارض موجود ہے۔ ورنہ چار کے بجائے ۵ سب جہان سے افضل اور کامل تواتر مانی جاتیں تو کیا ترجیح ہے۔ حضرت خدیجہؓ و عائشہؓ بنوں یا حضرت فاطمہ الزہراءؓ سب ہی حضور علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سرور، کاشانہ کی زینت، دین کی معلمہ مرہبہ، عزت نبویؐ کا ثزانہ اور تمام مومنوں کی مائیں اور ان کے دل کا نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کے محبت نصیب فرمائے اور بدخواہوں و دشمنوں کو برباد کرے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ہم نے تشیع کے قدیم و جدید لٹریچر سے کافی تتبع و تلاش جاری رکھی کہ حضور علیہ السلام کی ایک صاحبزادی یا اکلوتی ہونے پر کوئی آئینہ فریاد پیغمبرؐ، ارشاد امام یا کوئی فتویٰ مجتہدین ہی مل جائے مگر ایسی کوئی چیز نہ مل سکی البتہ دو باتیں ملی ہیں سابقہ شبہات سے مربوط کر کے ان پر آپ غور فرمائیں۔

شبہ ۱۔ ارجح المطالب میں بحوالہ فردوسِ دہلی اور مسند علی رضائے روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنے سے بھی بڑھ کر حضرت علیؓ کے فضائل میں فرمایا اذیت صہامثلی و لحد اذیت انامثلی کہ تجھے مجھ جیسا خسر ملا ہے اور مجھے مجھ جیسا خسر نہیں ملا۔ اس میں حضورؐ کے حضرت علیؓ کے بے مثال اور سب سے اعلیٰ شان والے خسر ہونے کا اقرار ہے مگر ایسا کوئی کلمہ حصر اور غیر کے لیے خسر نہ ہونے کی صراحت نہیں ہے اور حضرت علیؓ کی خصوصیت میں اس کا ذکر باعتبار کثرت کے ہے کہ فاطمہؓ جیسی صدیقہ کا حضرت علیؓ کی زوجہ ہونا اور حسینؓ کا فرزند ہونا

ہونے کے بجائے فرزند علیؑ ہونا حضرت علیؑ کا خاصہ ہے تو خیر سب رسولؐ کو بھی اسی انداز سے ذکر کر دیا۔ کیونکہ باقی دو خاص باتوں کے لیے علت اور وجہ یہی بنی تھی۔ یہ روایت کو کچھ ماننے کے مفروضہ پر مبنی ہے ورنہ ایسی ہو گس حوالوں کی بلا سند روایت قرآن و سنت کے صریح دلائل کے سامنے کیا جھڑپت رکھتی ہے۔

شعبہ ۹۔ حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں تھیں ان کو قرآن نے بنات کہا تو اسی طرح ایک کو احزاب میں بنات کہا ہے۔

جواب اولاً قرآن و سنت اور تاریخی متواتر دلائل کے سامنے ایک اختلافی بات اور فرضی استدلال پیش کرنا دیانت نہیں۔ قرآن میں حضرت لوطؑ کی صاحبزادیوں کے لیے ھُوْلَاۤءُ - بَنَاتِیْ - ھُنَّ - رَفِیْ بَنَاتِکَ - سب جمع کے صیغے آئے ہیں۔ ایک اختلافی تقریری قول سے انہیں نظر انداز کر دینا اور دو کا قائل ہونا قرآن کے ساتھ ایسا ظلم ہے جو ہر گمراہ فرقے کو یہ موقع دے گا کہ واحد و جمع کی تمام اصطلاحات ختم کر دے اور ہر جگہ حسب منشا واحد سے جمع اور جمع سے واحد مراد لیتا پھرے۔ (معاذ اللہ)

ثانیاً۔ اس قول کی غلطی کا سبب یہ ہوا کہ قوم لوط کے دو بڑے مطاع سید اور چودھری تھے ان کو دو بیٹیاں نکاح میں دینا چاہیں تاکہ ان کے برائی سے رکنے سے سب رک جائیں تو اس سے حصر کا مفہوم برآمد کرنا کہ لڑکیاں ہی دو تھیں غلط ہوا کیونکہ دو کی تصریح دو سراؤں کی تصریح کے ساتھ ملی ورنہ مجرم اور مجنی تھے۔ آپ ان کو بھی دھماکوں کی عزت بچانے کے لیے بیٹیاں دینا چاہتے تھے۔

ثالثاً۔ مفسرین نے دو والے قول کا رد بھی کیا ہے۔ تفسیر غرائب القرآن و غریب الاثر بر حاشیہ تفسیر طبری ۱۲ ص ۵۸ پر ہے۔

”ایک قول یہ ہے کہ قوم کے مقتدر و سردار تھے۔ ان کو اپنی دو بیٹیاں دینی چاہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی بیٹیاں دو سے زیادہ تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیٹیاں حقیقتاً نکاح کے لیے پیش نہ کی ہوں بلکہ ان کو شرم و حیا دلانے کو یہ بات کہی ہو۔“

رابطاً۔ بیٹیوں سے مراد جمع ہی ہے۔ ان تفسیریں دو ہیں۔ اقوام لوط کی منکوحہ بیویاں

۱۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸
۲۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸
۳۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸
۴۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸
۵۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸
۶۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸
۷۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸
۸۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸
۹۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸
۱۰۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۸

باب دوم

سوال ۳ دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے وعدہ نصر کیوں نہ فرمایا کیا یہ دونوں بزرگ دعوت ذوالعشیرہ میں شامل تھے اگر شامل نہ تھے تو یہ حضرات رسول اللہ کے قریبی کیونکر ہو سکتے ہیں؟

جواب - شبیہ بے چارے کتنے لاوارث اور دلائل سے یتیم ہوتے ہیں اور انتہائی کم قسم کے تاریخی افسانے ان کے بلحین کا شاہکار ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک تاریخی موضوعِ روایت ہے احادیث کا متفقہ الطرفین یا مستند واقعہ نہیں اس کی حقیقت درج ذیل ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ یہ روایت نہ سنن میں ہے نہ معازی میں اور نہ مسانید میں ہے یہ موضوع بات ہے بنی عبدالمطلب کی تعداد نزولِ آیت کے وقت چالیس نہ تھی۔ آپ کی زندگی میں بھی وہ اس تعداد کو نہ پہنچ سکے۔ (المنتقى من المناہج)

اس کے واضح کا نام عبد الغفار بن قاسم ابو مریم کوفی ہے جو راضی تھا۔ شبیہ کی اکثر تصانیف میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ امام قاضی نے بھی نتیجہ المقال ج ۲ ص ۵۸ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یہ اجماعاً منسوخ راوی ہے۔ ابن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث وضع کیا کرتا تھا انسائی اور حاتم نے اسے منسوخ الحدیث قرار دیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں اس کی اکثر روایات باطل ہوا کرتی تھیں۔ سماک بن حرب اور ابو داؤد نے اسے کاذب اور ابن حبان نے شری قرار دیا ہے۔ (حاشیہ المنتقى)

روایتی جرح کے بعد اب درایت کے لحاظ سے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

”جب آیت اُنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ رآپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں (داد وھیال) کو ڈرایے (نازل ہوئی) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ عبدالمطلب کی تمام اولاد کو بلا لاؤ تاکہ میں انہیں تبلیغ کروں۔ آپ بلا لائے۔ وہ چالیس آدمی تھے ان میں آپ کے چچا۔ ابوطالب۔ حمزہؓ۔ عباسؓ۔ ابولہب وغیرہم بھی تھے۔ پہلے دن دعوت کھلا چکنے کے بعد بات نہ ہو سکی۔ دوسرے دن اسی طرح دعوت کھلا کر فرمایا۔ اسے عبدالمطلب

کی اولاد میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو دعوت الی اللہ دوں۔ اس بات پر کون تم میں سے میری مدد کرے گا۔ جبکہ وہی میرا بھائی۔ وصی اور تم میں میرا جانشین ہوگا۔ سب قوم خاموش رہی حضرت علیؑ ابولے۔ اے اللہ کے نبی! میں آپ کا مددگار رہوں گا۔ حالانکہ میں سب سے چھوٹا۔ باریک آنکھوں والا۔ چھوٹی نیند آئیوں اور بڑے پیٹ والا تھا۔ آپ نے میری گردن کپڑ کر فرمایا۔ یہ میرا دینی بھائی اور وصی ہے اور تمہارے اندر میرا جانشین ہے۔ تم اس کی بات سنو اور فرمانبرداری کرو اس کے بعد لوگ اٹھ کر چلے گئے اور ابو طالب سے مذاقا کہنے لگے کہ تمہیں محمدؐ نے بیٹے کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے نوحہ طلب! میں نے تمہاری طرف خصوصیت سے اور دیگر لوگوں کی طرف عموماً بنی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم میرا دعویٰ اور عزم دیکھ چکے ہو۔ تم میں سے کون اس شرط پر میری بیعت کرے گا کہ وہ میرا بھائی مساکنی اور وارث بنے۔ آپ نے تین مرتبہ یہ فقرہ دہرایا۔ جب کوئی نہ اٹھا تو میں سب سے چھوٹا ٹھا، اٹھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جا۔ تیسری مرتبہ میں نے بیعت کی۔ پس اسی وجہ سے میں چچا کے بیٹے کا وارث (علمی) ہوں اور چچا کا نہیں ہوں۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۲۱-۳۲۲ ملاحظہ) کتب شیعہ میں سے حیات الصلوب ج ۲ ص ۲۷۹، ۲۸۰ پر اسے مفصلاً بیان کیا گیا ہے اور شیعہ تفسیر مجمع البیان و تفسیر قمی میں بھی ہے۔ ”کہ یہ دعوت تین دن تک ہوتی رہی۔ بنو عبدالمطلب برادر ہی سے کسی نے حامی نہ بھری تو میرے دل حضرت علیؑ نے اس پر لبیک کہی۔ حالانکہ آپ صغیر سن تھے۔ ابولہب مذاق اڑاتا تھا۔ غالباً دیگر حاضرین نے ”خلیفتی فی الہی“ میرے گھر والوں میں میرا جانشین ہوگا۔ کے منصب کو اپنے شایان شان نہ جانا اور خاموش رہے۔“ یہی وہ واقعہ ہے جس پر اعتراض کی بنیاد ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ ایک لجر روایت ہے اور حضرت علیؑ کا علیہ و تعارف بھی مکر وہ بتایا گیا ہے۔ اور اس سے بھی قطع نظر کہ آغاز دعوت اسلام سے ہی۔ جبکہ قریبی برادر ہی بھی مسلمان نہ ہوئی تھی۔ آپ کو اپنے وصی اور خلیفہ کا فکر کیوں دامنگیر ہو گیا تھا۔ اس وقت صرف آپ مامور بالدعوت الی الاسلام تھے۔ مستقبل دنیوی کے

قطعی انجام سے واقف نہ تھے۔ جیسے ارشادِ ربانی کے ذریعے آپ سے یوں اعلان کرایا جاتا تھا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدَاعٍ مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَيْتُمْ إِلَّا مَا يُؤْتَىٰ (آلِ احقاف ۱۲)

فرمائیے میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں انجامِ دنیوی نہیں جانتا کہ تمہارے میرے ساتھ کیا کچھ کیا جائے گا۔ میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

اور اس سے بھی قطع نظر کہ آیت و اندر عشرتِ تک کے تحت آپ رشتہ داروں کو خدا کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرانے کے ہی مکلف تھے۔ اعلانِ خلیفہ کا تو تصور و شائبہ بھی آیت میں نہیں ہے۔

روایت سے ثابت چھ باتیں شیعہ کے خلاف ہیں | اس قصہ سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ یہ صرف اپنی برادری بنو عبد المطلب کو دعوت تھی بغیر بنو عبد المطلب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدنی کو بلانے کا سوال ہی نہ تھا تو اعتراض ہی لغو ثابت ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ تین سال قبل آغازِ نبوت پر ہی ایمان لایچکے تھے اور آپ کے معاون و دستِ راست بن کر دیول معزز افراد۔ جیسے حضرت عثمانؓ طلحہؓ زبیرؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ کو حلقہٴ گوشِ اسلام کراچکے تھے۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱ وغیرہ)

حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کے تین سال بعد مشرف باسلام ہوئے مگر ان کے اسلام پر مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی اور اشاعتِ اسلام تیز ہو گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے قدیم الاسلام اور فاضل صحابی کی شہادت اور حوالہ جات سابقہ مذکور ہو چکے ہیں۔

۲۔ بنو ہاشم و بنو عبد المطلب میں سے حضرت علیؓ کے سوا کسی نے بھی اسلام اور حمایتِ پیغمبرؐ کا اعلان نہیں کیا۔ اور یہیں سے معلوم ہو چکا کہ سابقون الاولون ایک دو فرد کے ماسوا بنو عبد المطلب اور ہاشمی حضرات نہیں یہ شرف اللہ نے غیروں کو ہی عطا فرمایا ہے۔ اور اس میں بھی خدا کی بہت بڑی حکمت اور صداقتِ نبوت پر غلط عقلی دلیل ہے کہ برادری اور قریبی لوگ مخالفت کرتے ہیں مگر انبیاءِ حضورؐ کے قدموں میں اگر تے ہیں اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں

کرتے ہیں کہ ان کو صاف نظر آ رہا ہے کہ آپ کو پیغمبر ماننا۔ نبوی وقار کے برخلاف ایک درتیم کو اپنا آقا و سردار بھی ماننا ہے۔ اگر دعویٰ نبوت سیاسی سطح پر یا نبوی عزت کی خاطر (العیاذ باللہ) ہوتا تو سب سے پہلے آپ کی قوم لبیک کہتی کہ ان کا وقار بلند ہوتا اور غیر خود کو آپ کی غلامی میں دینے سے گریز کرتے۔

۳۔ اس سے جناب ابوطالب والد حضرت علیؑ کا بھی مومن و مسلمان نہ ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔ اگر شبہ خیال کے مطابق آپ مسلمان و مومن ہوتے تو ضرور اسلام اور وزارت پیغمبر کا اعلان کرتے۔ حضرت حمزہؓ و عباسؓ کے خلاف بعد میں بھی تو آپ سے کلمہ پڑھنا یا رائج دین قریش سے تبرک کرنا ثابت نہیں۔

۴۔ اس فقہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے بھی تیسرے سال اسلام و ایمان کا اقرار و اظہار کیا۔ اس لحاظ سے تو آپ سابق الاسلام ثابت نہ ہوئے دوسرے حضرات ہی ہوئے۔ بخاری ج ۱ ص ۱۶ پر ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مامعہ الاخمسة اعبد و امرأتان و ابوبکر میں نے آغاز اسلام میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو دیکھا آپ کے ساتھ پانچ غلاموں دو عورتوں اور ابوبکرؓ کے سوا کوئی مومن نہ تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلے ہی ماہ میں ایمان لانے کا اعتراف کتب شیعہ میں بھی ہے۔ یہ ماہ کی بھی روایت میں ایک تجریر ہے ورنہ آپ پہلی ہی دعوت پر گویا پہلے دن حضرت خدیجہؓ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔

شیعہ کتاب اعلام الوریٰ ص ۵۰ میں ہے۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اصبریؓ گئے ہوئے تھے۔ ایک راہب نے پوچھا کیا کوئی مکہ کا آدمی تم میں ہے۔ میں نے کہا میں ہوں۔ اس نے کہا کیا احمد ظاہر ہو گئے؟ میں نے پوچھا احمد کون ہیں راہب نے کہا۔ احمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔ اس نے اس ماہ میں نبوت کا دعویٰ کرنا ہے۔ وہ آخری پیغمبر ہے حرم سے نمودار ہو گا۔ کھجوروں کی جگہ (مدینہ) ہجرت کر جائے گا۔ تو فوراً اس

کی خدمت میں جا ملوئے فرماتے ہیں میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی جلدی سے مکہ آپہنچا۔ پوچھا کیا نئی بات ہوئی لوگوں نے کہا۔

ہاں محمد بن عبداللہ امین نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ البوکیرؓ نے آپؐ کی پیروی کر لی ہے۔ طلحہؓ فرماتے ہیں میں وہاں سے نکلا۔ حضرت البوکیرؓ کے پاس آکر پوچھا۔ کیا آپؐ نے اس شخص کی پیروی کر لی؟ فرمایا ہاں۔ تو بھی اس کے پاس جا اور تابع داری کر لے۔ کیونکہ وہ صرف حق کی طرف بلائے

نعم محمد بن عبد الله الامين
تنبأ وقد تبعه ابن ابی قحافة قال فخرجت
حتى دخلت على ابی بكر فقلت اتبع
هذا الرجل قال نعم فانطلق اليه و
ادخل عليه فاتبعه فانه يدعوالى الحق
(عبداللہ کشف الاسرار)

ہیں۔

پھر حضرت طلحہؓ نے راسب کا قصہ سنایا۔ حضرت البوکیرؓ طلحہؓ کو حضورؐ کی خدمت میں لے آئے وہ مسلمان ہو گئے اور راسب کی بات سنائی جب طلحہؓ بھی البوکیرؓ کے ساتھ مسلمان ہو گئے تو نوفل بن خویلد قریشی شیران کو مارا تھا۔

۵۔ اس خلافت اور وزارت کا مقصد (خلیفۃ فیکم) یعنی بنو عبد المطلب پر نگرانی اور خاندانی و گھروا امور کے انتظام کو سرانجام دینا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ البالی سے منصب نبوت کا فریضہ ادا کریں۔ قید و بند، موت کی صورت میں۔ اہل و عیال کی ذمہ داری اور لین دین کے تفکرات سے آزاد ہوں۔ اسے خلافت کبریٰ اور تمام امت کی قیادت سے واسطہ نہیں کیونکہ نہ اس کی ضرورت تھی نہ چند نفوس کے سوا امت کی وسعت کے انتظام کا مسئلہ درپیش تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ تمام خاندان بنو ہاشم سے آپؐ کو عزیز اور پر اعتماد ہیں۔ گھر کے فرد اور خانگی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔ قرضہ جات اور کفار کی امانتوں کا لین دین بھی باہر نبوی کرتے ہیں۔ لیکن حضور علیہ السلام کے ساتھ دعوتی و تبلیغی میدان میں نہ ہمہ وقت ساتھ ہیں نہ تقریر و تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ نہ آپؐ کو کفار کی طرف سے زد و کوب کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک اور شخصیت سایہ کی طرح حضورؐ کی ہمد و سائتھی ہے۔ آپؐ کے ساتھ تقریر و تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ کفار کا آپؐ سے دفاع بھی کر رہے ہیں۔ مار کھا کھا کر لو لہمان بھی ہو رہے ہیں۔ بے ہوش بھی ہوتے ہیں۔

سخت گرمی اور دوپہر میں آرام کے لیے حضور کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ یہ ابو بکر صدیقؓ ہیں جن کی تربیت حلیفتی فی اہلی کے تحت نہیں۔ بلکہ خلیفہ و مقتدا برائے جمیع امت کے لحاظ سے ہو رہی ہے کہ ان کے متعلق یہ فرما کر رخصت ہونا ہے۔ **فاقدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (ترجمہ)** میرے بعد دو شخصوں کی پیروی کرنا۔ ابو بکرؓ کی اور (پھر) عمرؓ کی۔ **رضی اللہ عنہما** جمعین۔

۶۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی میراث علمی ہوتی ہے اور حضرت علیؓ بھی اس کے وارث ہیں۔ حضرت علیؓ کا صاف فرمانا کہ میں اپنے چچا کا وارث نہیں۔ حالانکہ وہ اقرب رشتہ ہے۔ اور چچا کے بیٹے کا وارث ہوں۔ اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔

الحاصل۔ دعوت ذوالعشیرہ کا یہ قصہ اگر ثابت ہے تو شیم مار و شن دل ماسند و شیعہ حضرات و سنت ظرفی سے اس سے ثابت درج بالا سمتہ امور پر بھی ایمان لائیں۔ سنی شیعہ نزاع ختم ہو جائے۔ متعرض کا یہ کہنا۔ اگر دونوں بزرگ شامل نہ تھے تو یہ حضرات رسول اللہ کے قریبی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ روح اسلام سے ناواقفی اور جہالت پر مبنی ہے۔ اسلام میں قربت نبوی فی نفسہا باعث فضیلت نہیں۔ بلکہ اتباع پیغمبر کے ذریعہ سے ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِآبِآهِمْ لَدُنِّي
كَتَبُوكُمْ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا
وَاللَّهُ وَرَى الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران)

بے شک سب لوگوں سے زیادہ حضرت ابراہیمؑ کے قریبی (اور سگے) وہ لوگ ہیں جو آپ کے پیروکار تھے۔ اور اب یہ نبی اور مومنین اصحاب اللہ (ایسے) مومنوں کا مددگار و سرپرست ہے۔

مشکون قریش اور یہود و نصاریٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی نسل اور آل میں سے ہونے کی وجہ سے قربت کا دعویٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کار و فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قریبی وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی اپنے اپنے وقت میں کی اور ہمارے پیغمبر بھی متبع ہونے کی حیثیت سے آپ کے قریبی ہیں۔ اور اس پر ایمان لانے والے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، ابوذرؓ، عمارؓ، بلالؓ، صہیبؓ، جنابؓ، جحشؓ متبع ہونے کی حیثیت سے قریبی ہیں۔ اور ابولہب، عقبہ، شعیب، ابوہریرہ و غیرہ نافرمانی کی وجہ سے ابراہیمی نسل اور سادات میں سے ہونے کے باوجود ہرگز قریبی نہیں۔

نبی البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ایمان سارہ ہے۔ ISLAMIC ML

ان ولی محمد من اطاع الله و
رسوله وان بعدت لعمته وان عدو
محمد من عصی الله ورسوله وان
قربت قربته۔

حضرت محمدؐ کے قریبی دوست وہ ہیں جو اللہ
و رسولؐ کے فرمانبردار ہوں اگرچہ خونی رشتہ
دور ہو۔ اور حضرت محمدؐ کے دشمن وہ ہیں جو
اللہ و رسولؐ کے نافرمان ہوں اگرچہ رشتہ قریبی ہو۔

بلاشبہ حضرت علیؑ قریبی بھی ہیں اور مومن و متبع بھی۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما کچھ
دور کے رشتہ دار سہی۔ مگر نسبتی رشتہ داری میں خسر موہابہ نسبت داماد ہونے کے زیادہ اعزاز
رکھتا ہے کیونکہ خسر دینے والا اور خرچ کرنے والا ہے۔ داماد لینے والا اور اپنے اوپر خرچ کروانے
والا ہے۔

اس سے قطع نظر اصول بالاکہ رو سے حضرت علیؑ اور شیخینؓ کے ایمان۔ اتباع۔ ایثار
پر پیغمبرؐ نشر اسلام۔ جانشینی میں امت کو افادہ وغیرہ امور میں موازنہ کیا جائے گا۔ جو
ان امور میں بڑھے گا وہی آپؐ کا قریب ترین رشتہ دار سمجھا جائے گا۔

اہل سنت کی تحقیق و عقیدہ میں جب حضرات شیخینؓ امور مذکورہ میں حضرت علیؑ سے
بڑھ کر ہیں تو اصول بالاکہ رو سے وہی سب سے افضل اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
قریب ترین رشتہ دار سمجھے جائیں گے۔ اس مسئلہ کی وضاحت سوال نمبر ۱ میں اور کامل تفصیل
سوال نمبر ۲ کے تحت ان شاء اللہ آئے گی۔

سوال نمبر ۳۔ حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ بقول اہل سنت تمام امت محمدیہ سے افضل
ہیں تو بوقت مواخات یعنی جب رسول اللہؐ نے مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم فرمایا حضرت ابوبکرؓ
کو کیوں اپنا بھائی نہ بنایا جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرتؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعوت ذوالعشرہ
اور مدینہ منورہ میں تشریف لانے پر فرمایا۔ یا علی انت اخي فی الدنیا والاخرۃ۔ کیا اس سے
ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علیؑ بعد از رسول خداؐ تمام کائنات سے افضل و اکمل ہیں۔ انصاف
مطلوب ہے۔

الجواب۔ دعوت ذوالعشرہ کی حقیقت تو بیان ہو چکی ہے یہ دلیل بھی اسی جیسی ہے۔
اور تاریخی شہادت کا دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ حضرت علیؑ کے متعلق مواخات فی المدینہ کی روایات

مضطرب ہیں۔ بعض میں ہے کہ ہجرت الی المدینہ کے بعد مہاجرین کا معاشرتی مسئلہ حل کرنے کے لیے آپ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے مابین بھائی چارہ قائم کر لیا۔ حضرت علیؓ کا سہل بن جلیفؓ کے ساتھ بھائی چارہ کر لیا۔ (الاصحاب لابن حجر ج ۲ ص ۸۶) غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت سہلؓ کے ساتھ آپؐ کے تعلقات اچھے رہے۔ اپنے عہد خلافت میں ان کو گورنر بھی بنایا ہے۔

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مسند احمد کی طرف نسبت کر کے شیخ علامہ علیؓ نے منہاج الکرامہ میں بھی نقل کی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت امام احمدؒ نے ذکر نہیں کی بلکہ القطیعی کے اضافات میں سے ہے جو ساقط الاحتجاج ہیں۔ القطیعی نے زید بن ابی اوفیؓ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں جو ردافض قصداً حذف کر دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے کیا ورثہ پاؤں گا؟ آپ نے فرمایا وہی ورثہ جو انبیاء سابقین دوسروں کو دیا کرتے تھے۔ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسولؐ۔ یہ روایت باتفاق محدثین جھوٹ ہے۔ بلکہ مواعظ پر مشتمل تمام روایات جھوٹی ہیں۔ یہ مواعظ آپؐ نے مہاجرین کے درمیان قائم نہیں کی تھی بلکہ مہاجرین و انصار کے درمیان قائم کی تھی۔ (المقتنی من المنہاج ص ۲۶ اردو)

ماضی قریب کے مشہور سیرت نگار اور سنی شیعہ نزاع سے آزاد مولانا غلام رسول مہر محرم "رسول رحمت" ص ۲۳۸ پر رقمطراز ہیں۔

اجتماع اور مواعظ

مسجد نبویؐ کی تعمیر مکمل ہو چکی تو حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا۔ اس اجتماع میں نوے

یا ایک سو اوصحاب موجود تھے جن میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ناخوافی اللہ اخوین اخوین۔ اللہ کی راہ میں دود و آدمی بھائی بھائی بن جاؤ۔ (ابن ہشام القسم الاول ج اول و دوم ص ۵)

نوری فہرست اسماء کہیں سے نقل کی جو نام مختلف راویوں نے مایوم ہو سکے وہ درج ہیں۔

ISLAMIC MULTIMEDIA LIBRARY

مہاجرین	انصار	مہاجرین	انصار
ابو بکر صدیقؓ	خداہد بن زیدؓ	سعد بن زیدؓ	ابی بن کعبؓ
عمر فاروقؓ	عتبان بن مالکؓ	مصعب بن عمیرؓ	ابو الیوبؓ
ابو عبیدہ بن الجراحؓ	سعد بن معاذؓ	ابو ذریفہؓ	عباد بن بشرؓ
عبد الرحمن بن عوفؓ	سعد بن الربیعؓ	عمار بن یاسرؓ	حذیفہ بن الیمانؓ
زبیرؓ	سلمہ بن سلامؓ	ابوذر الخفاریؓ	منذر بن عمروؓ
طلحہ بن عبید اللہؓ	کعب بن مالکؓ	حاطب بن ابی بلتہؓ	عویمؓ
عثمانؓ	انسؓ	سلمان فارسیؓ	ابو الدرداءؓ
بلالؓ	ابو ریحہؓ		
	عبد الرحمنؓ		

بعض ناموں کے متعلق روایات میں اختلاف ہیں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: "ہذا اخي" (یہ میرا بھائی ہے) حالانکہ اسے مواخات کا جز قرار نہیں دیا جاسکتا جس کا انتظام مدینہ میں ہوا تھا۔ پھر حمزہؓ اور زید بن حارثہؓ کی مواخات کا ذکر ہے۔ یہ کی مواخات ہو تو ہو مدنی مواخات نہیں ہو سکتی جس میں ایک فریق مہاجر و دوسرا فریق انصاری تھا۔ جعفرؓ بن ابی طالب اور معاذؓ بن جبلؓ کے بھائی چائے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حالانکہ مدنی مواخات کے وقت جعفرؓ بن ابی طالب جلش میں تھے۔ وہ چھ سات سال بعد مدینہ منورہ پہنچے اور خیبر میں حضور صلعم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ راسخی لفظ ۲۳۹، ۲۴۰ ہم نے تفصیل آپ کی مسمومات میں اضافہ کے علاوہ اس لیے نقل کی ہے کہ شیبہؓ کا نام بھی شہادت کا کمزور دھارہ سائے آجائے۔ اس فہرست میں حضورؐ اور حضرت علیؓ کی مواخات کا ذکر نہیں ملتا۔ اگر ابن حجرؒ کا بیان علامہ کے سامنے ہوتا تو حضرت علیؓ و سہلؓ بن حنیفؓ کا نام بھی ملتا۔ بہر حال یہ روایت صرف ابن اسحاق سے ہے جس پر کڑی حرج کتب رجال میں موجود ہے۔ بالفرض اگر یہ واقعہ ہو تو اس کی وجہ حضرت علیؓ کی تسکین و تسلی اور معاشی تکفل کا سامان ہے۔ کیونکہ یہاں حضرت علیؓ جیسے غیر شادی شدہ نادار درویش کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

سوا کوئی پشت پناہ نہ تھا۔ آپ کے بھائی عقیل اور طالب (بجالت کفر) مکہ میں تھے۔ سیدنا جعفر بن ابی طالب حبشہ میں تھے۔ جیسے حضورؐ نے مکہ میں آپ کی معاشی ذمہ داری خود لے رکھی تھی یہاں نئے دیس میں بھی آپ کی اشک شوئی اس کے بغیر ممکن نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ مواخات فرمایا چکے حضرت علیؑ کو کسی کے ساتھ نہ ملا یا تو آپ سخت ناراض ہوئے شدیدہ کا بیان ملا خطہ ہو۔ جو کشف الغمہ ج ۱ ص ۹۲ پر ہے کہ جب سب مہاجرین و انصار کی آپ مواخات کر چکے اور حضرت علیؑ کی کسی کے ساتھ نہیں کی تو وہ حضورؐ پر (الحیاذ باللہ) غصے ہو کر کہیں چلے گئے حضورؐ نے انہیں تلاش کر کے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا تو صرف مٹی والا (ابو تراب) بننے کے لائق ہے۔

اعضبت علی حین اخیت بین
المہاجرین والانصار ولم اواخ بینک
وبین احد منهم..... انت اخی فی
الدنیا والاخرۃ (بلفظہ)

کیا تو مجھ پر ناراض ہو گیا جب میں نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کی اور تجھے کسی کے ساتھ نہیں ملا یا۔ تو میرا بھائی ہے دنیا میں اور آخرت میں۔

بشرط صحت روایت یہ فی الجملہ فضیلت کی بات ہے۔ مگر کلی اہوت حضرت صدیقؑ وزیدؑ

السلام نے حضرت ابوبکر صدیقؑ کے متعلق بھی بروایت ابن عباسؓ یہی فرمایا ہے۔

لو کنت متخذاً من امنی خلیلاً
لا اتخذت ابابکر ولكن اخي وصاحبی۔
(بخاری ج ۱ ص ۱۵) وفی رواية لا اتخذته خلیلاً
ولكن اخوة الاسلام افضل۔

اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بنانا تو ابوبکرؓ کو یقیناً بنانا۔ لیکن وہ میرے بھائی اور دوست ہیں اور ایک روایت میں ہے میں ان کو خلیل بنانا لیکن اسلام کا بھائی ہونا بہت شان کی بات ہے۔

چونکہ مقام خلت ”دل میں صرف ایک کے سامنے“ کا نام ہے۔ وہ صرف خدا کی ذات تھی اس لیے اس کی نفی کر کے اخوت کا اثبات فرمایا۔ اور حضرت زید بن حارثہ کے متعلق بھی آپؐ کا ارشاد ہے۔ انت اخونا و مولانا آپؐ ہمارے بھائی اور محبوب ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۲)

احادیث صحیحہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنے بھائیوں

کو دیکھ لیتا جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور بن دیکھے ایمان لائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
 اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ (سب مومن بھائی بھائی ہیں)

مواخات کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بھائی چارہ قائم کرنے والوں میں تمام امور میں تماثل اور تشابہ پایا جاتا ہے۔ بھائیوں میں فرق مراتب اور اور اوصاف میں کمی بیشی مشابہہ کی بات ہے۔ تو اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی فرمایا تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ آپ ہی سب سے افضل ہیں اور امام بلا فصل ہیں۔

اخوت نسبی دار فضیلت نہیں | واضح رہے کہ اخوت نسبی ہی کو شیخہ حضرات دار فضیلت کہتے ہیں لیکن اخوت اسلامی اور محبت پیغمبری اس سے

کمیں افضل ہے کیونکہ وہ آخرت میں بھی بدستور ہوگی۔ ارشاد ہے۔

۱۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرٍّ مُّتَقَابِلِيْنَ (نحر ۲۶)
 کے مقابل بھائی بھائی بن کر بیٹھے ہوں گے۔
 ۲۔ اَلَا اِخْلَافٌ يَّوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (زخرف ۶۶)
 اور ان کے دلوں میں جو کچھ کینہ ہو گا ہم اس کو نکال دیں گے۔ اور وہ تختوں پر ایک دوسرے دوستی رکھنے والے اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی اس سے مستثنیٰ ہیں

(ترجمہ مقبول ۵۹)

معلوم ہوا کہ اسلامی برادری اتنی نچتر ہے کہ دنیا میں فی الجملہ کہ ورت کے بعد بھی محبت و الفت سے قائم و دائم ہوگی۔ اور متقین بدستور ایک دوسرے کے دوست رہیں گے مگر اخوت نسبی وہاں کام نہ دے گی۔

اس دن ان کے درمیان نہ رشتہ داری ہوگی نہ ایک دوسرے کا پوچھیں گے۔
 فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ (مومنون)

اس دن آدمی اپنے بھائی۔ ماں باپ بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔
 يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيهِ وَامَةِ وَاَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (عبس)

جب یہ اخوت اسلامی حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر کئی صحابہ کرامؓ میں مشترک ہے تو

افضلیت پر استدلال درست نہیں ہے۔ اگر اسناد لال اخوت اسلامی ونسبی کے جامع ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو یہ اجتماع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہما و زبیر رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ جو وہ ان میں شیخین کی افضلیت سوال ۳ کے آخر میں پھر ملاحظہ فرمائیں۔

بالفرض اس وصف مشترک کو شیعہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر یہی دلیل بنائیں تو یہ جزوی فضیلت ہوگی۔ جیسے قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ”اُمَّةٌ قَانِتَةٌ لِلّٰهِ حَنِيفًا۔ (وہ بمنزلہ ایک امت کے خدا کے مطیع و موحد تھے) وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا اَوَّلًا و ہم نے ان کو دنیا میں چن لیا) ارشاد فرمائے ہیں مگر حضور علیہ السلام کے لیے ایسے صریح الفاظ نہیں ملتے یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمہ اللہ فرمایا ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ کو احسن القصص فرمایا ہے مگر حضور علیہ السلام کے متعلق ایسے الفاظ قرآن حکیم میں بہرگز نہیں ملتے۔ جیسے ان انبیاء علیہم السلام کو ان جبروی القاب و خصائص کے باوجود سید المرسل علیہ افضل الصلوات والتسلیم پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اخوت نسبی کی وجہ سے علو ثلاثہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ حضور کی افضلیت علی الانبیاء پر دلائل قاہرہ کی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر بھی دلائل قاطعہ موجود ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خصائص

۱۔ آپ صاحبہ کے تاجدار ہیں | قرآن حکیم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صاحبِ پیغمبر فرمایا ہے۔

اَلَا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ
اِذَا خَرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِي اْتَيْنِ اِذَا
هُمَّ فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ بِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ ۶۶)

اگر تم رسول خدا کی مدد نہ کرو گے تو (کچھ پر وانیہں)
اللہ نے تو اس کی مدد ایسے وقت کی تھی جبکہ
ان لوگوں نے جو کافر ہو گئے تھے اسے ایسی
حالت میں نکالا تھا کہ وہ دو میں کا دوسرا

تھا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ
افسوس نہ کر بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ (ترجمہ مقبول ص ۲۳)

اس آیت کریمہ میں حضرت کے ساتھ اللہ نے اس مدد کا ذکر کیا ہے جو صرف حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ فرمائی۔ یعنی اس انتہائی مشکل اور خطرناک مرحلے میں آپ کے معاون و مددگار ساتھی حضرت ابوبکرؓ ہی تھے اس آلاء نصرت بننے کے لیے سب صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو چننا اور صاحبِ پیغمبرؐ کا ساتھی، فرما کر گویا ناصر البقیٰ فرمایا۔ نیز ثانی اشہدین فرما کر یہ بتلایا کہ وہ دونوں ایسے جڑ والے اور مساوی درمزارج و مصائب ہیں کہ ہر ایک کو ثانی اشہدین دو میں کا دوسرا اور ایک دوسرے کی صورت و یادگار کہا جائے گا۔ اگر پیغمبرؐ اول ہیں تو صدیقؓ ثانی ہیں۔ اور خلافت بلا فصل کا فیصلہ علیم و حکیم نے اسی لفظ میں فرما دیا۔ اگر اس سفر میں محافظ و باڈی گارڈ کی حیثیت سے صدیقؓ اول و آگے ہیں تو سرور کائنات ثانی اشہدین اور عقب میں محفوظ چلے آ رہے ہیں۔ یہ دونوں وہ لقب ہیں جو صدیق اکبرؓ سے ہی مخصوص ہیں۔ کوئی صحابی ان سے مشرف نہیں کیا جاسکتا۔ مقام نصرت و مشکلات میں صاحبِ پیغمبرؐ ہونا بہت بڑا مخصوص اعزاز ہے جسے عام مسافروں کے ساتھیوں پر قیاس کرنا اور مدارِ فضیلت نہ ماننا قرآن حکیم کی روح و اسلوب پر ظلم ہے جو یوحیدین کا شیوہ ہے۔ لاتخزن (تو میرا، غم نہ کر، میں یہ بھی بتلا دیا کہ صدیق اکبرؓ کو دین و دنیا کی سب سے قیمتی متاع سید المرسلین کی سلامتی کا اس مشکل ترین گھڑی میں فکر نہ تھا۔ کیونکہ حزن کا معنی دوسرے کے لیے غم کھانا ہے جیسے لف و نشر مرتب کے طور پر حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

لَا تَحْزَنْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنْجُوكَ
وَأَهْلَكَ۔
اے لوط! نہ خوف کر نہ غم بے شک ہم تجھے اور
تیرے گھر والوں کو نجات دیں گے۔

روافض کا اسے غم پیغمبرؐ سے اپنی ذات کے لیے ڈر میں تبدیل کرنا، لغت و قرآن کے بدترین تحریف ہے۔ اگر اپنی ذات کا ڈر ہوتا تو اس خطرناک مرحلے میں ساتھ کیوں ہوتے۔ اس سفر کی تیاری میں کیوں رہتے۔ جب یہ بزدلی اور اپنی جان کا ڈر نہیں۔ بلکہ محبوب پیغمبرؐ کے عشق میں دُنیا کے غم و اندوہ کا غوطہ نہ تھا تو یہ محبت کی اور ایمان کی زبردست دلیل ہوئی۔ بالضرر اگر یہ غم، غمِ جاناں نہ ہوتا اور لاتخزن کا شیریں بول عاشقِ صادق کے گوشِ ایمان میں نہ ڈالاجاتا تو دنیا کو عشقِ صدیقؓ پر شبہ ہوتا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کیا خوب فرمایا۔

”یہ تین راتیں حضرت ابوبکرؓ نے کہ شمعِ نبوت کے پروانے تھے جس عالم میں بسری ہوئی ان کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے عشق و محبت کا کچھ بھی ذائقہ چکھا ہو۔ اللہ کا رسولؐ غار میں پوشیدہ تھا۔ دشمن سراغ میں تھے۔ ہر لمحہ اندیشہ تھا کہ کہیں سراغ نہ پالیں اور ایک مرتبہ ان کی صدائیں بھی کانوں میں آنے لگی تھیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ان کے دل کے حزن و اضطراب کا کیا عالم ہوگا۔ بلاشبہ انہیں یقین تھا کہ اللہ اپنے رسولؐ کا مددگار ہے لیکن عشق و محبت کا قدرتی تقاضہ ہے کہ محبوب کو خطرے میں دیکھ کر اضطراب ہو اس سے وہ اپنے دل کو روک نہیں سکتے تھے۔ اگر روک سکتے تو محبت کی عدالت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوتا (رسولِ حرمؐ) ۱۸۶ لیکن پیغمبرِ اسلامؐ کے سکونِ قلب کا عالم دوسرا تھا۔ وہ بھی غمناک ہوتے تو تسلی کون دیتا۔ اگر کیفیتِ قلبی دونوں کی یکساں ہوتی تو ”نبوت“ اور ”صدیقیت“ میں فرق کیا رہ جاتا شکل اور اُنیہ میں اصل اور ظل میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) نے سونے پر ہمارے کام کیا کیونکہ اس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مومن اکمل ہونے پر ہر گام دی۔ کیونکہ اللہ کی محبت منافقوں، ظالموں، ریاکاروں اور تافانوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ مومنوں، پرہیزگاروں، محسنوں، نیکوکاروں اور صابروں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ جیسے دیسوں ارشاداتِ ربانی ہیں۔

وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ (انفال)
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (غل)

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (لقہ)
فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ۔ (پس اللہ نے اس پر اپنی رحمت و تسلی نازل فرمائی) یہ جملہ بھی کچھ مفسرین کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی منقبت میں ہے۔ کیونکہ حزن کے دفاع میں آپ ہی کو سکون و تسلی کی حاجت تھی۔

علی ابی بکر ابن العربی قال علماءنا یعنی ابوبکرؓ پر رحمت نازل فرمائی۔ یہ ابی

هو الاقوى لانه خاف على النبى صلى
الله عليه وسلم من القوم فانزل الله
سكينته عليه بتامين النبى صلى الله
عليه وسلم فسكن جأشه وذهب
روعاه وحصل الامن (قرطبي ج ۸ ص ۱۴۸)
گیا۔ فکر دور ہو گیا اور امن حاصل ہو گیا۔

عربی نے کہا ہے۔ ہمارے علماء کہتے ہیں یہی
قوی تر تفسیر ہے کیونکہ وہی مشرکین سے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم پر نقصان کا اندیشہ کر رہے
تھے۔ پس اللہ نے آپ پر تسلی نازل کی کہ حضور
علیہ السلام محفوظ رہیں گے تو آپ کا اندیشہ ختم

رہا یہ شبہ کہ آگے پیچھے کی پیغمبر کی طرف راجع ہیں اس کو صاحبہ کی طرف لوٹانا
انتشار ضمائر ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیت اس
کی نظیر ہے۔

ہم نے پیغمبر تذیروا بشیر بھیجا تا کہ تم اللہ و رسول
پر ایمان لاؤ پیغمبر کی خدمت کرو۔ اس کی
عزت کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح و شام

لَتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ
وَتُوْقِرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا
(فتح ۱۶)

پہلی دو ضمیریں رسول کی طرف راجع ہیں تیسری اللہ کی طرف کیونکہ اسی کی تسبیح کا ذکر بار بار
قرآن میں آیا ہے۔

قصہ ہجرت اور واقعہ غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت
واقعہ ہجرت کتب شیعہ میں | و رفاقت مقبول پر تمام امت کا اتفاق و اجماع ہے۔ کوئی
منتخب بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مندرجہ ذیل شیعہ علماء نے انتہائی دشمنی اور تحصب کے باوجود
حضرت صدیق اکبرؓ کے یار غار ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

ملاکاشی در تفسیر صافی ص ۱۹۳۔ ملا باقر علی مجلسی حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۱۔ کشف الغمہ
ج ۱ ص ۱۰۹-۲۳۴-۴۰۲۔ تفسیر ابن عسکری ص ۲۱۳۔ مرزا باذل ایرانی غزوات حیدری ص ۶۵۔ تفسیر
منہج الصادقین ص ۲۱۱-۲۴۱۔ مقبول دہلوی ضمیمہ مقبول ص ۲۹۔ تفسیر قمی ص ۲۴۶ اور ۲۹ جہاں
حضورؐ نے آپ کو انت الصدیق بھی فرمایا ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المؤمنین
ج ۱ ص ۲۱۱۔ حلقہ حیدری ص ۶۵۔

نزولِ آیتِ بالا سے قبل بھی حضرت ابو بکرؓ کا صاحبِ البیتؓ ہونا اس قدر زبانِ زدِ خلایق تھا کہ کفار بھی آپ کو اسی لفظ سے یاد کرتے تھے۔ ملا باقر علی مجلسی نے بروایت شیخ طبری ابنِ شہر آشوب وغیرہ سب مفسرینِ عامہ و خاصہ سے نقل کیا ہے کہ ایک کا فر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بکڑنے کے لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر آیا۔ اسنادِ دختر ابو بکرؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَجَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقُرْآنِ الْفَرَسَ (جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور کافروں کے درمیان پردہ ڈال دیتے ہیں) آیت تلاوت فرمائی۔ جب وہ قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکا اور حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ میں نے سنا ہے صاحبِ توراتے ساتھی نے میرا گلہ کیا ہے حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا پروردگارِ کعبہ کی قسم تجھے برا نہیں کہا ہے۔ (حیاتِ القلوب ج ۲ ص ۲۶۶)

معلوم ہوا کہ مطلقاً کفار کی نظر میں بھی حضور صاحبِ صدیقؓ اور صدیقؓ صاحبِ رسولؐ تھے۔ ایسا کیوں نہ ہونا جبکہ مکی زندگانی کی تبلیغی جہاں فتنانیوں میں حضرت ابو بکرؓ ہی رفیقِ خاص تھے۔ ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔
 ”کہ ایک مرتبہ ام حبیل زوجہ ابولمب حضورؐ کے تعاقب میں نکلی جب مسجدِ حرام میں داخل ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ حضورؐ کی خدمت میں تھے۔ بولے آپ اوجھل ہو جائیں کہ میں یہ کیوں نہ کرے۔ آپ نے فرمایا مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ جب قریب آئی تو آپ کو نہ دیکھ سکی۔ ابو بکرؓ سے پوچھا کیا تو نے محمدؐ کو دیکھا۔ آپ نے کہا (ابھی) نہیں۔ پھر وہ واپس ہو گئی حیاتِ القلوب ج ۲ ص ۲۳۷۔ نیز مجلسی باب ۵۱ میں لکھتے ہیں۔

”کہ متواتر معجزات میں سے جن کو سنی و شیعہ نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ کفارِ قریش سے تنگ آکر حضورؐ نے مدینہ کا رخ کیا راستہ میں ام حبیبہ کے خیمہ میں پہنچے اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ حاضر بن فہیرہ اور عبداللہ بن ارقیط بھی آپ کی خدمت میں تھے۔ آپ نے خشک تھنوں والی بکری کا دودھ اتنا دیا کہ سب نے سیر ہو کر پی (حیاتِ القلوب ج ۲ ص ۲۲۹)
 ایک مرتبہ حضورؐ کو اونٹ نے سجدہ کیا۔ حضرت عمرؓ سنا تھے۔ عرض کیا ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں حضورؐ نے فرمایا بلکہ خدا کو سجدہ کرو۔ (حیاتِ القلوب ج ۲ ص ۲۱۵)

راوندی وابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ ایک انصاری کے باغ میں چند مکریوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا ہم بھی آپ کو سجدہ کریں۔ فرمایا غیر خدا کو سجدہ روا نہیں ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۶)

گو ان واقعات میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر طعن بھی کیا گیا ہے مگر اس سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمد ساتھ اور رفیق خاص تھے اور حضور کی ذات بھی غیر خدا تھی۔ آپ خدا کا عکس یا افتار نہ تھے تاکہ عیسائیوں کی طرح آپ کو اوصاف خداوندی کا منظر قرار دیا جائے۔ اور یحییٰ بن کوثر رضی اللہ عنہ علیہ السلام سے کمال عشق و عقیدت تھی۔

کئی تبلیغی زندگی میں بار بار ایسا ہوا کہ کفار حضور علیہ السلام پر حملہ کرتے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مدافعت کرتے۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے دھکیل کر فرمایا۔ اَنْتُمْ لَنْ تَقْتُلُوْا رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ رَبِّيْ اللهُ۔ کیا تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۳۳ بخاری ج ۱ ص ۵۲)

اسی مدافعت میں ایک مرتبہ آپ اتنے شدید زخمی ہوئے کہ بیہوش ہو گئے جب ہوش آئی تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیر و عافیت پوچھی (کتب تاریخ)

الغرض ایسے واقعات حد و حساب سے باہر ہیں جن میں خلفاء ثلاثہ خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں معیت نبوی اور نصرت دینی اظہر من الشمس ہے ان کا کفار کے ہاں منہب اور مظلوم فی سبیل اللہ ہونا تاریخی حقیقت ہے۔ مثلاً کشف الغمہ ص ۲۴۵ ملاحظہ ہو اس کے برعکس سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مدنی زندگی میں مجاہدانہ کارناموں کے باوجود مکی زندگی میں ایسی قربانیاں کم ہیں جتنی کہ ملا باقر علی جیسے متعصب شیعہ مؤرخ بھی حیات القلوب و جلالہ العیون میں حضور کی معیت میں کفار کے ہاتھوں ستم رسیدگی یا مدافعت عن الرسول کا ایک واقعہ بھی ذکر نہ کر سکے۔ گویا جو مقام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں حاصل کیا وہ شیخین مکی زندگی میں قبل از ہجرت حاصل کر چکے تھے۔

۲۔ آپ صدیقین کے سردار ہیں | افضلیت کی دوسری وجہ آپ کا صدیق ہونا ہے۔ گو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مرتبہ صدیقیت پر فائز ہیں۔

جیسے ارشادِ ربّانی ہے۔ اُولَٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَالشّٰهَدٰۤاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (حدید ۲۷)
 کہ یہی لوگ صدیق ہیں اور شہید ہیں اپنے رب کے ہاں۔ مگر بطور لقب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا
 طرہ امتیاز ہے۔ آپ اس لقب سے تمام صحابہ کرام میں ممتاز اور پکارے جاتے ہیں۔

۱۔ صاحبِ رجال کشتی شیعہ نے حضرت بریدہ اسلمیؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت تین آدمیوں کی مشاق ہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ
 آئے تو آپ سے حاضرین صحابہؓ نے کہا: آپ صدیق اور ثانی الشہین ہیں آپ ان تین آدمیوں
 کے متعلق پوچھیں کہ وہ کون ہیں (مگر آپ نے نہ پوچھا۔ پھر حضرت عمرؓ آگئے تو ان سے حاضرین
 نے کہا آپ فاروق ہیں۔ فرشتہ آپ کی زبان پر بولتا ہے آپ ان تین آدمیوں کے متعلق حضورؐ
 سے پوچھیں کہ وہ کون ہیں۔ (مگر آپ نے نہ پوچھا) پھر حضرت علیؓ آئے تو حاضرین نے کہا اے
 ابوالحسن آپ پوچھیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا: میں پوچھوں گا اگر ان میں ہوا تو بھی خدا کا شکر
 ادا کروں گا اگر نہ ہوا تو بھی۔ وہ تین جنہوں نے حضرت مقلدہؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ تھے، اس روایت
 میں گوشہ خین پر افتراء بھی کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس اندیشے سے نہ پوچھا کہ اگر ان تینوں میں
 ان کا نام نہ ہوا تو ان کی قوم انہیں عار دلائے گی اور یہ افتراء کتنا ہی تھا ورنہ اتنی اہم فضیلت
 والی روایت کتب شیعہ میں کیسے آسکتی تھی۔ مگر اس سے روز روشن کی طرح یہ تو واضح ہو گیا
 کہ دربار نبویؐ میں بھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ صدیق ثانیؓ انہیں۔ اور فاروق ناطق بالملک کے
 لقب سے مشہور اور پکارے جاتے تھے اور حضرت علیؓ المرتضیٰؓ کو صرف ابوالحسن کہا جاتا تھا۔
 ۲۔ اور یہ لقب آپ کو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا تھا۔ شیعہ تفسیر قمی مطبوعہ
 نجف اشرف ص ۲۹ میں ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار ثور میں تھے تو ابوبکرؓ نے
 فرمایا: میں بطور مکاشفہ حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں دیکھ رہا ہوں کہ
 وہ اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی مجھے بھی دکھا دیجیے۔ آپؐ
 نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو انہوں نے بھی دیکھ لیا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
 سے فرمایا: انت الصّدیقؓ۔ تم صدیق ہو۔

۳۔ شیعہ کے پانچویں امام ابو جعفر الباقریؓ نے بھی آپؐ کو صدیق فرمایا ہے۔ آپ سے

سوال کیا گیا۔ کیا تلوار کا دستہ چاندی کا گوانا جائز ہے؟ فرمایا ہاں جائز ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوایا تھا۔ اس پر راوی نے کہا آپ اسے صدیق کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں صدیق رہا ہے۔ صدیق شے ہے۔ صدیق شے ومن لہ یقل لہ صدیق فلا صدق اللہ قولہ۔ جو شخص آپ کو صدیق نہ کہے خدا اس کی بات سچی نہ کرے۔ (کتشف الغمہ فی معرفۃ الامم ج ۲ ص ۲۲ بحوالہ اہلسنت پاکستان یک ص ۳۵)

گوشتیہ مؤلف نے ابن جوزی کے حوالے سے اسے نقل کیا ہے مگر اس پر تنقید نہیں کی۔ نہ غلط بنایا۔ معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بھی صحیح روایت ہے۔ احتجاج طبری میں بروایت امیر المؤمنین یہ حدیث ہے کہ ہم (ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ و حضورؐ کے ساتھ پہاڑ پر تھے۔ وہ کانٹے لگا تو حضورؐ نے فرمایا۔ تم جا۔ تجھ پر نبی۔ صدیق رہا اور شہید موجود ہیں۔ (بحوالہ آفتاب ہدایت)

جب ان ناقابل تردید دلائل سے آپ کا علی الخصوص صدیق ہونا طشت از بام ہو گیا تو اس امت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ ہی افضل ہیں کیونکہ نبیوں کے بعد صدیقوں ہی کا مرتبہ ہے۔

(جو خدا اور رسولؐ کی تابعداری کریں) وہ ان لوگوں کے ساتھ اٹھیں گے جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے (وہ بالترتیب پہ چار گروہ ہیں) انبیاء صدیقین شہداء صالحین۔ ان کی رفاقت کیا ہی خوب ہے۔

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ (نساء ۹۶)

۳۔ آپ مصدقین کے امام ہیں۔

افضلیت صدیق پر تیسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

وہ پیغمبرؐ کو پیچھے لے کر آیا اور وہ شخص جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (الحج ۱۷)

شیعہ تفسیر مجمع البیان طبریؒ میں ہے۔

کہا گیا ہے کہ سچائی لانے والے سے مراد حضرت رسولؐ ہیں اور تصدیق کرنے والے

قبیل والذی جاء بالصّدق رسول اللہ وصدق بہ ابو بکر۔

سے مراد ابو بکر رضی اللہ عنہ۔

گو اہل تشیع اپنی اس تفسیر سے چیں بچیں ہوں مگر اہل سنت کے لیے تو بہر حال قابلِ استدلال اور نور چشم ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب شانِ نزول حضرت ابو بکرؓ کے حق میں ہے تو قرآن پاک بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے کہ مومنِ اول اور اسبق الاسلام خدیجہ الکبریٰ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ اور اب تو یہ قدیم سنی شیعہ نزاع خود شیعہ نے یوں ختم کر دیا کہ خاص عام کہتے ہیں "علیؓ کو پہلا مسلمان کیوں کہا جاتا ہے کیا وہ پہلے کافر تھے۔ ہم ان کو انلی پیدائشی مسلمان سمجھتے ہیں۔" تو اب صدیق اکبرؓ بلا نزاع و مراءنہ مسلمِ اول ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ سب سے پہلے آپؐ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کر کے آپؐ کی عملی اتباع کی۔ کچھ شیعہ و صدق یہ ہے حضرت علی المرتضیٰؓ مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ ان کے اصول کے مطابق غلط ہے۔ اولاً اگلے لفظ "أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ" جماعتِ مصدقین کا تقاضہ کرتے ہیں۔ علمِ نحو کی رو سے جمعِ سالم معروف باللام کا عدد کم از کم ۱۰ سے شروع ہوتا ہے شیعہ کے نزدیک حضرت علیؓ کے ہم خیال اور مومنِ مصدق تازیست نبوی بھی مبادس عدد نہیں ہوئے۔ چہ جائیکہ آغاز اسلام میں ان کے ہاں اس وقت صرف حضرت علیؓ و عمار یا ستر مومن تھے۔ جمع کا مفہوم ان سے پورا نہیں ہوتا اہل سنت کے ہاں ان حضرات سمیت اور بھی دسیوں صحابہ کرامؓ مشرف باسلام ہو چکے تھے جن میں حضرت عثمانؓ، زبیرؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ رضی اللہ عنہم حضرت ابو بکر صدیقؓ کی کوشش سے مسلمان ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ، ابوسلمہ عثمان بن مظعونؓ، عامر بن فہیرہؓ، سعید بن زیدؓ، ارقم بن ارقمؓ، عمارؓ، یاسرؓ، ام الفضل اہلیہؓ عباسؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، اسماء بنت عمیسؓ، فاطمہ بنت خطابؓ، خواجہ عمرؓ رضی اللہ عنہم۔ سابقین اولین اور درخشندہ ستارے ہیں کسی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھنے تھے۔ (دکھانی رحمۃ اللعالمین ج ۱ ص ۵۵)

اس آیت کا مصداق اصول شیعہ کے مطابق ہرگز نہیں بن سکتے۔

۴۔ آپؐ مہاجرین میں اعلیٰ ہیں | اَفْصَحَتْ صِدِّیقٌ بِرَہْمٍ جَوْدَیْ دَلِیلُہٗ اِیۡتَہٗ۔
وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَھَاجَرُوۡا اور جو لوگ ایمان لائے

وَجَہَدُوۡا فِیۡ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ
اٰوۡا وَاَنۡصَرُوۡا اُولَٰئِکَ ہُمُ الْمُؤْمِنُوۡنَ
حَقَّ اَلِہُم مَّغْفِرَۃٌ وَّزِدُّکَ کَرِیۡمٌ۔
اور انہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور جہاد
کیے اور جنہوں نے جگہ دی اور نصرت کی برحق
مومن وہی ہیں بخت شش اور عزت کی روزی
انہی کے لیے ہے۔ (ترجمہ مقبول)

(الانفال ۶-۱)

اس آیت کی رو سے مہاجرین و انصار قطعی مومن اور حجتی ہیں شیعہ مفسر صاحب مجمع
البیان اور تفسیر صافی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لَا نَہُم حَقَّقُوا اِیۡمَانُہُم بِالْحَجَّةِ
وَالنَّصْرَۃِ وَالْاِسْلَاحِ مِنَ الْاَہْلِ و
الْمَالِ۔
کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کو ہجرت نصرت
دین اور گھربارہ سے علیحدگی اختیار کر کے پس
کر دکھایا ہے۔

اور یہ بلاشبہ یقینی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو ہجرت مع الرسولؐ کر کے وہ
اعلیٰ شرف پایا کہ جن و بشر اس پر رشک کرتے ہیں حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ میں
صرف ابوبکرؓ کی ایک رات اور دن کے بدلے میں سب عمر کے اعمال صالحہ دینے کو تیار ہوں۔
ہجرت کی رات اور مرتدین سے جہاد کا دن۔ اور بروایت جات القلوب ج ۲ ص ۲۲۹ حضرت عمرؓ
نے بھی حضورؐ کے ساتھ (جزوی ہجرت) کا شرف پایا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے براہ راست تنہا
حضور صلی اللہ علیہ والہ و اصحابہ وسلم کی نصرت فرمائی۔ اور اس نصرت کو اللہ نے اپنی نصرت
سے تعبیر فرمایا۔ لہذا وہ سب صحابہ کرامؓ سے افضل ہیں۔

۵۔ حضرت صدیق الاثنیٰ عشریؓ | پانچویں دلیل سورت البیل کی یہ آیت کریمہ ہے۔
وَسِیۡجُہَا الْاِثۡنَیۡ عَشَرَ اور عنقریب اس سے

یُوۡفٰی مَالُہٗ یَّتَزَکٰی وَاِلَآ حِیۡدٌ عِنۡدَہٗ
مِنْ نِّعۡمَۃٍ تَجۡزٰی اِلَّا اِبۡتِغَآءَ وَجَہٍ رَّبِّہٖ
وہ سب سے بڑا اور ہرگز کاربھا لیا جائے گا۔
جو مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے

الْأَعْلَىٰ وَلَسَوَفَ يَرْضَىٰ (پت)

اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ اس کا

بدلہ دیا جائے بلکہ وہ اپنے عالیشان پروردگار کی رضا چاہتا ہے۔ اور آگے چل کر وہ ضرور اس سے راضی ہو جائے گا۔ (ترجمہ مقبول)

اہل سنت کی معتبر تفسیریں مثلاً ابو سعود۔ روح المعانی۔ تفسیر کبیر۔ بیضاوی۔ ابن کثیر۔ دارک وغیرہ تو اس آیت کو حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں عبارت النص کے طور پر بتا رہی ہیں لیکن اہل تشیع کی معتبر مہذب تفسیر مجمع طبرستانی میں بھی ہے۔

ان الایۃ نزلت فی ابی بکر ولانہ
اشترى مما لیک الذین اسلموا
مثل بلال وعامر بن فہیرۃ و
غیرہما واعتقہم (بحوالہ اہل سنت پاکٹ
بک ص ۳۱)

شیدہ کے خاتم المحدثین مجلسی نے بھی لکھا ہے کہ بلالؓ کو حضرت ابو بکرؓ نے دو غلاموں کے بدلے خرید (احیاء القلوب ج ۲ ص ۶۳)

یہاں اسم تفضیل کا صیغہ الاتقی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں استعمال فرمایا ہے اور سب سے بڑا پرہیزگار ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰہُ۔ کہ اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ شان والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہوگا (حجرات ۲۶)

نیز سورت نور کی آیت کریمہ وَلَا یَاتِلْ اَوْلُوا الْفَصْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ (تکم میں سے جو شان والے اور بالدار ہیں وہ (ایک صدمہ کی وجہ سے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو مالی امداد نہ دینے کی قسم نہ کھائیں)۔ ابھی بالاتفاق حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق انہی ہے تفسیر مجمع البیان ج ۳ میں اس کا شان نزول حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بتایا ہے۔ تو ان آیات کریمہ کی رو سے حضرت ابو بکر صدیقؓ سب سے افضل اور بڑی شان والے ٹھہرے۔

۶۔ آپ حکیم نبوی امام نماز ہیں | **افضلیت کی چھٹی دلیل** آپ کا امام نماز برصغیر نبوی ہونا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سب امت سے افضل تسلیم کر کے اپنے مصلیٰ پر نماز کے لیے کھڑا کیا۔ اگر حضرت علیؓ یا کوئی اور صحابی افضل ہوتے تو ان کو امام بنایا جاتا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو امام بنا کر آپ سب امت کو بقول شیعہ اشتباہ و گمراہی میں نہ ڈالتے۔ کیونکہ منجملہ اور دلائل جلی و خفی نصوص کے سب صحابہ کرامؓ نے اسی سنت کی اقتدا میں امامت کبریٰ (خلافت) کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی اور سب امت نے آپ کو افضل تسلیم کیا۔ ثبوت امامت پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

اسی و شیرہ کی مشترک و قدیم تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۶ پر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ نماز کا وقت ہو چکا ہے ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عائشہؓ نے مشورہ دیا کہ ابوبکرؓ رضرم دل میں۔ عمرؓ سے آپ کہیں حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں ابوبکرؓ سے کہو۔ حضرت عمرؓ نے بھی کہا کہ ابوبکرؓ رضے ہوتے ہوئے میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے حضورؐ نے کچھ افاغہ محسوس کیا تو مسجد میں چلے گئے جب ابوبکرؓ نے آپؐ کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھینچ کر پہلی جگہ کھڑا کر دیا۔ پھر آپ ایک طرف بیٹھ گئے اور وہاں سے قرأت شروع کر دی جہاں ابوبکرؓ نے چھوڑی تھی۔ دوسری روایت میں حضرت ابوبکرؓ کو حکم نبوی دینے کے علاوہ یہ تصریح بھی ہے کہ انہوں نے حیات رسولؐ میں ۷۱ نمازیں لوگوں کو پڑھائیں۔ (طبری ج ۳ ص ۱۹۷)

شیرہ کی متعدد مخصوص تاریخ ناسخ التواریخ ج ۱ ص ۵۲۵ کتاب دوم پر ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ اسی طرح نبی البلاغہ کی معتبر شرح درہ بنفیعہ پر ہے۔

کان عند خفۃ مرضہ یصلی بالناس بنفسہ فلما اشتد بہ المرض معمولی بیماری میں تو آپ خود نماز پڑھاتے تھے جب مرض میں اضافہ ہو گیا تو حضرت

امرا بابکران یصلی بالناس وان
ابابکر صلی بالناس بعد ذلک یومین
ابوبکرؓ نے اس کے بعد دو دن تک نمازیں
پڑھائیں۔ پھر حضورؐ نے رحلت فرمائی۔
فتمات

اور یہ مسئلہ توسنی و شیعہ میں مسلم ہے کہ افضل کو امام بنایا جاتا ہے من لایحضرہ
الفقہ باب الامامة میں ایسی کئی احادیث ہیں۔ مثلاً
ایحضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ قوم کا امام ان میں سے افضل ہوتا ہے۔ تو
تم اپنے افضل کو امام بناؤ۔ ۱۲۳۔

۲۔ نیز فرمایا۔ اگر تمہیں پسند ہو کہ اپنی نمازیں سٹھری پڑھو تو اپنے بہترین لوگوں کو
پیش امام بناؤ۔ نیز حضورؐ نے فرمایا جس نے کسی قوم کو نماز پڑھائی اور ان میں اس سے
زیادہ عالم بھی تھا تو ان کا معاملہ قیامت تک نقصان میں رہے گا۔ ۱۲۴۔

حضرت علیؓ نے بھی حکیم نبوی امامت ابوبکرؓ
کو برتر و ختم قبول کر کے آپ کی اقتدا میں

نمازیں پڑھتے رہے۔ شیعہ کی معتبر کتاب تفسیر قمی اور احتجاج طبرسی ۱۲۵ پر ہے۔
فہر قام و تہیاً للصلوٰۃ و حضر
المسجد و صلی خلف ابی بکر
پھر آپ اٹھے۔ نماز کی تیاری کی اور مسجد میں
اگر حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

شیخ محمد باقر اصفہانی نے مشہور کتاب مرآۃ العقول ۱۲۸ پر بعینہ یہ عبارت
نقل کر کے حضرت علیؓ کے ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کا اعتراف کیا ہے۔

شیخ مرتضیٰ مولوی مقبول نے بھی ضمیمہ ۱۵۴ پر لکھا ہے۔ پھر وہ (حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ)
اٹھے اور نماز کے قصد سے وضو فرما کر مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکرؓ کے پیچھے نماز
میں کھڑے ہو گئے۔

شیخ کی اردو کتاب غزوات جیدری ۱۲۶ پر حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق لکھا ہے۔
”پس بے اختیار اٹھے اور گزرنے وقت سے بہت گھبرائے۔ ناچار ان کو راقم
کہی اور جماعت اہل دین نے عقب ان کے صف باندھی۔ چنانچہ اس صف میں شاہ لافتمی

بھی تھے۔ (بحوالہ رسالہ شانِ صدیق اکبر ص ۱۱۷ علامہ تونسوی)

حضرت ابوبکرؓ کی امامت نماز ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ غالی سے غالی کینہ و رشیدہ ملا باقر علی مجلسی بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ و در اں وقت ابوبکرؓ در جائے آنحضرت ایستاده بود۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶) کہ نماز کے وقت ابوبکرؓ حضورؐ کی جگہ (نماز پڑھا رہے تھے۔ مگر یہ کہ کبھی دروغ گوئی کی حد کر دی کہ ابوبکرؓ از خود مصلیٰ پر چڑھ گئے تھے۔ اور کئی لوگوں نے اقتداء نہیں کی تھی۔“ بھلا بغیر اجازت حضرت ابوبکرؓ مصلیٰ نبوی پر کھڑے ہونے کی حرأت کیسے کر سکتے تھے۔ جبکہ آج بھی معمولی سے امام و خطیب کے مصلیٰ و منبر پر کوئی نہیں چڑھ سکتا ورنہ نمازی مانع ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض ایسا ہوتا تو لوگوں کی مخالفت سے مسجد نبوی میں کھرام مچ جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ موردِ عقاب ہوتے اور یہ تو اترنا منقول ہوتا مگر شیعہ کی اتنی کذب بیانی سے ہمیں ذرا تعجب نہیں کیونکہ تفسیر کی آڑ میں ۹ حصے حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنا ہی ان کا عین مذہب و ایمان ہے اور بقاؤ شیعہ کا راز اسی میں مضمر ہے۔

۸۔ افضلیتِ صدیق پر تمام امت کا اتفاق ہے | ساتویں وجہ افضلیت یہ ہے کہ آپ پر تمام امت کا اجماع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی) هُمْ أَوْلَىٰ مَنْزِلَةً حَقًّا (یہی برحق مومن ہیں) هُمْ الصَّادِقُونَ (یہی سچے ہیں) هُمْ الْأَشِدَّاءُ (یہی سیدھی راہ پر ہیں) کے منجانب اللہ تعالیٰ حاصل کرنے والے صلیٰ بہ کرامؐ نے بالاتفاق آپ کو خلیفہ تسلیم کیا اور بیعت برضا و رغبت کی۔

۱۔ حضرت اسامہؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ فرمایا ہاں۔ اور یہ بیعت خلافت تھی۔ (اجتہاد طبرسی ص ۵۶)۔

۲۔ نیز اجتہاد طبرسی ص ۵۶ پر بھی ہے۔

۳۔ حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی اور لوگوں کو بیعت سے نہ روکا تا کہ لوگ

مرندہ ہوجائیں رکافی کتاب الروضۃ ص ۱۳۹

۴۔ یہی وہ تین حضرات ہیں (مقداد۔ ابوذر سلمان فارسیؓ) جو حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے انکاری رہے حتیٰ کہ حضرت امیر المومنین علیؓ آگئے تو انہوں نے بیعت کی (چهران تینوں نے بیعت کر لی) (رکافی روضہ ص ۲۲۶)

۵۔ حضرت علیؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو حکم دیا کہ بیعت ابوبکرؓ نہ کریں۔
و بیعت کن با ابوبکر پس سلمان بیعت آپ ابوبکرؓ کی بیعت کریں۔ پس سلمان (فارسی) کرد۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۷۶) نے بیعت کی۔

۶۔ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ سب امت نے تو برضا و رغبت حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی مگر حضرت علیؓ اور ان تین چار حضرات نے تقیہ کر کے بادلِ نخواستہ بیعت کی۔ جیسے طبری کہتے ہیں۔

ما من الامة احد بايع مكرها
غير علي واربعتا فانه بايع مكرها
حيث لم يجد اعدا نادا (حاج طبري)
کہ امتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس نے
مجبوراً حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی ہو بجز
حضرت علیؓ اور ہمارے چار ساتھیوں کے
آپ نے مجبوراً اس لیے کی کہ اپنے مددگار کوئی نہ پائے۔

ان چار حضرات پر تقیہ کا بہتان غلط ہے۔ کیونکہ انہوں نے صرف حضرت علیؓ کے حکم و عمل تک توقف کیا۔ جب آپ نے کر لی تو انہوں نے برضا اتباع مرتضوی میں کر لی۔ (روضہ کافی ص ۲۲۶) حضرت سلمانؓ نے بامر مرتضوی کی۔ اسی حضرت علیؓ کا تقیہ تو شیر خدا پر اس سے بڑا بہتان اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ ظاہر میں کچھ ہوں اور باطن میں کچھ اور کیونکہ یہی منافقت ہے۔ کیا شیعہ نے حضرت علیؓ کا سیدہ چیر کر دیکھا تھا یا کسی لہجہ کی آسمانی وحی نے ان کو بتایا؟ انرض بیعت علوی اور تمام مسلمانوں کا اتفاق برصدیق ثابت ہو گیا۔ اور حضرت علیؓ و ابوبکرؓ کے مرتبہ کا موازنہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ ایک طرف سب امت اور تمام مہاجرین و انصار ہیں۔ دوسری طرف بقول شیعہ صرف چار حضرات ہیں۔
۷۔ فوراً اللہ شہسوتری نے مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۶۶ میں روضۃ الصفا کے حوالے

سے تمام مجاہدین و انصار کے اتفاق کا ذکر ہے۔

۸۔ جمیع مسلمانانِ بابوکرؓ بیعت کر دند
تمام مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی۔
واظہارِ رضا و خوشنودی با و سکون و
اور آپ سے رضا و خوشنودی کا برملا اظہار
اطمینان لبوئے نمودند۔ گفتند کہ مخالف او
کیا اور آپ کے سکون و اطمینان سے تابع رہا
بدعت کنندہ است و خارج است از
ہوئے اور فیصلہ کیا کہ آپ کا مخالف بدعتی
اسلام۔ ربحار الاسلام مترجمہ تشریف لفظی
ہے۔ اور اسلام سے خارج ہے۔
بحوالہ اہل سنت پاگٹ یک ص ۳۱۳

نوٹ۔ جن لوگوں نے یہ افسانہ نرنا شاہ ہے کہ آپ سے جبراً بیعت لی گئی اگر آپ کے ساتھی
ہوتے تو ابو بکرؓ کو خلیفہ نہ ہونے دیتے۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ شیعہ خود بیان کرتے
ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ والدِ معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، خلافت قریش کے کمزور خاندان
میں کیسے چلی گئی اگر چاہو تو میں تمہارے لیے ابو بکرؓ کے خلاف سوار اور پیادوں کا لشکر
بھردوں۔ آپ نے اسے فرمایا تم کب سے اسلام کے دوست بنے ہو کہ افتراق کی ترغیب دیتے
ہو، ہم اگر حضرت ابو بکرؓ کو اس کام کا اہل نہ دیکھتے تو اسے کبھی خلیفہ نہ بناتے۔ بلکہ اہل بیت کے
سرخیل زید بن علی بن حنینؓ اپنے آباد و اجداد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ
نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ آیا کوئی اس بیعت کو مکروہ سمجھنے والا ہو تو میں اسے واپس کر
دوں۔ بین مرتبہ اسی طرح کیا اور ہر مرتبہ حضرت علیؓ کھڑے ہو کر یہ کہتے خدا کی قسم نہ ہم اس
بیعت کو واپس کریں گے نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس بیعت کو واپس کریں۔ وہ کون ہے جو
آپ کو ہٹا سکے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مقدم کیا ہے۔ رکن العمال ج ۳ ص ۱۳۱
الولیم وغیرہ)

۹۔ عہدِ نبوی ہی میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سب افضل سمجھے جاتے تھے اگر اہل حق کے
دلوں میں حضرت ابو بکرؓ کا معزز ترین ہونا معلوم ہو چکا ہے مگر تمام حجت کے طور پر یہ بتلانا
مقصود ہے کہ عہدِ نبوی ہی میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو یہ مقام حاصل تھا۔ اہل سنت و الجماعت

کی صحاح کی یہ حدیث مشہور ہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر پھر عمرؓ کے پھر عثمانؓ کے برابر کسی صحابی کو نہ جانتے تھے (بخاری ج ۱ ص ۵۲۳)

ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور بروایت طبرانی آپ کے سامنے ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد اس امت کے سب سے افضل فرد حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں اور پھر عثمانؓ ہیں اور حضورؐ سن کر یہ نہیں فرماتے تھے رفیع الباری، خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی ترتیب سے ان کا مرتبہ جانتے اور بلاتے تھے چنانچہ حضرت علیؓ وفاطمہؓ کی شادی کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ - عمرؓ - عثمانؓ - علیؓ - فاطمہؓ زہیر رضی اللہ عنہم کو اسی ترتیب سے بلایا۔ (کشف الغمہ وجلاء الحیون کتب شیعہ قصہ نزوح)

شیعہ حضرات نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے یوں مسخ کر کے پیش کیا ہے۔
۱۔ حضرت خذیفہؓ کہتے ہیں کہ یہ جماعت صحابہؓ کے نامور قبیلوں اور ان کے اشراف و بزرگوں کی تھی اور اس جماعت میں سے کوئی ایک نہ تھا مگر بہت بڑی خلقت اس (ابوبکرؓ) کے تابع تھی اور اس کی فرمانبرداری کرتی تھی اور ان کے (العیاذ باللہ) غیث دلوں کی گہرائیوں میں ان کی عمرؓ کی محبت جمی ہوئی تھی۔ جیسے بنی اسرائیل کے دل میں کھڑے اور سامری کی محبت پرچی ہوئی تھی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۱)

۲۔ حضورؐ نے غائبانہ ایک شخص کے امیر بنانے کا تذکرہ فرمایا۔ صحابہؓ میں سے ایک نے کہا وہ ابوبکرؓ ہیں۔ فرمایا نہ۔ اس نے کہا کیا عمرؓ ہیں؟ فرمایا نہ۔ عرض کیا کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ جو جو تا مرنے تک رہا ہے۔ وہ حضرت علیؓ تھے۔ (حیات القلوب ص ۴۳۴ کشف الغمہ ص ۲۸۱) صحابہؓ کے ذہن میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سبقت واضح ہے۔

۳۔ حضرت مفاد کی طرف منسوب ہے۔ مجھے اس پر غم ہے کہ قریش نے اہل بیت کی وجہ سے سب لوگوں پر عزت پائی۔ پھر سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ خلافت اس کے ہاتھ سے لے لیں۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۶۶)

۴۔ اور وہ دو شخص ابوبکرؓ و عمرؓ جو قریش کے بت تھے اور وہ ان کو امیر المؤمنین

اور تمام صحابہ کرامؓ پر افضلیت دیتے تھے اور ان کا نام برائی سے لینے میں تقیہ کرتے تھے۔

(حیات القلوب ج ۲ ص ۳۷۵)

۵۔ شیعہ برپاس اعتراض کے جواب میں۔ کہ اگر شیعہ مذہب حق تھا تو امام اول حضرت علیؓ شیعہ اپنے عہد خلافت میں اس کو کیوں ظاہر نہ کیا۔ شیعہ کے علامہ نور اللہ شوہرتری مجالس المؤمنین ص ۵ پر لکھتے ہیں۔

”دیگر بات یہ ہے کہ حضرت امیرؓ نے اپنے عہد خلافت میں دیکھا کہ رعایا کی اکثریت (بلکہ تمام) حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی حسن سیرت کے متفقہ ہیں اور ان کو برحق جانتے ہیں۔ تو اس پر قدرت نہ پائی کہ ایسا کام کریں جس سے ان کی خلافت میں خرابی لازم آئے۔ اور قدرت کیسے رکھتے تھے جبکہ اس زمانہ کی اکثریت (بلکہ سب) کا اعتقاد یہ تھا کہ حضرت امیرؓ کی امامت خلفائے ثلاثہؓ کی امامت پر مبنی ہے اور ان کی امامت کے فساد سے حضرت علیؓ کی امامت فاسد ہوگی۔ اور مشہور ہے کہ حضرت امیرؓ نے لوگوں کو نماز تراویح سے جو بدعت عمری ہے (معاذ اللہ) منع کیا۔ سب لوگ چیخ اٹھے اور آوازیں بلند کیں کہ واہ عمر! حتیٰ کہ حضرت نے مصلحت وقت کے لیے ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت امیرؓ کی خلافت برائے نام سے زیادہ نہ تھی۔“ انتہی بلفظ

”شیر خدا کے شیعہ مذہب ظاہر نہ کرنے“ کا یہی جواب۔ دلدار علیؓ نے اساس میں مولوی حامد حسین نے استفصاء میں حتیٰ کہ زمانہ حال کے مؤلف ”تجلیات صداقت“ محمد حسین ڈھکو وغیرہ نے دیا ہے اور دیتے آئے ہیں جس کی سفاقت ظاہر ہے۔

الغرض حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت کو لوگوں کے دلوں سے کجا بلکہ اپنے دل سے بھی شیر خدا جیسی طاقت نہ مٹا سکی۔ کیونکہ آپؐ سے خود علیؓ الاعلان ان کی تشریفیں نبی البلاءؑ میں مسطور ہیں۔ بلکہ از الہ الخفاء از شاہ ولی اللہؒ میں ہے کہ حضرت علیؓ سے ۸۰ سندوں کے ساتھ برسر منبر یہ مقولہ مروی ہے۔

پس منبر کے بعد اس امت کے سب سے افضل

خیر ہذا الامۃ بعد نبیہا ابوبکرؓ

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ہیں۔

ثم عمرؓ ثم عثمانؓ

شرم و حیا جیسے انسانی جوہر سے محروم باقر علی مجلسی جیسے متعصب اس حقیقت کو بے شک قریش کے بتوں۔ یا بنی اسرائیل کے بچھڑے اور سامری سے تعبیر کریں۔ مگر یہ تو بتائیں کہ بت کون سرور کائنات نے ان بتوں کو کیوں گلے لگایا۔ عمر بھر دربار میں اور پھر وفد اقدس و برزخ میں کیونکر رفاقت بخشی اور خسر کا اعزاز کس لیے بخشا۔ کیوں ان کی خلافت کی بشارت سنائی۔

ان ابا بکر علی الخلافت بعدی
ثم بعدہ ابوک فقالت من انباک
هذا قال نبائی العلیم الخبیر۔
ابو بکر رضہ میرے بعد متصل خلیفہ ہوں گے اس کے بعد تیرے والد (عمرؓ) ہوں گے حضرت آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا مجھے علیم وغیر نے خبر دی ہے۔ (تفسیر قمی ص ۳۵۴۔ مجمع البیان ج ۵ ص ۳۱۴۔ تفسیر صافی ص ۵۲۳۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱)

باضافہ لفظ جوہر،

(مجلسی حبیبوں کے جوہر کے اضافے ہم پر حجت نہیں اگر وہ یہ یونہی نہ لگائیں تو کتب شیعہ میں یہ بشارت کیسے راہ پائے؟)

سوال یہ ہے کہ حضورؐ نے ان بتوں کو توڑا کیوں نہیں۔ اس سامری اور بچھڑے کو ریزہ ریزہ کیوں نہ کیا۔ کیا حضرت موسیٰؑ کے عہد کا سامری اور بچھڑہ ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کا خلیفہ بنا رہا؟ اور کیا حضورؐ نے سنت موسوی کو ترک کر کے اپنے مشن کو نقصان نہیں پہنچایا؟ ع۔ شرم شرم۔

حالانکہ آپ کے امام پنجم حضرت باقرؑ نے فیصلہ فرمادیا ہے۔

لست بمنکوفضل ابی بکر و
لست بمنکوفضل عمر و لکن ابا بکر
افضل (اختجاج طبرسی ص ۲۴ بحوالہ آفتاب
میں نہ حضرت ابو بکرؓ کی شان کا منکر ہوں۔ نہ حضرت عمرؓ کی شان کا۔ لیکن (اعتقاد یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب سے افضل ہیں۔

ہدایت)

ازالۃ الخفاء کے حوالے سے حضرت علیؑ سے تفصیلی شیعین کا جو مشہور جملہ ہم نے نقل کیا ہے

کئی سندیں راقم کی نظر سے مسند احمد مرویات علیؑ میں سے گزریں۔ مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷ پر چھپن دو میں سے ایک کا نمونہ یہ ہے۔

آپ نے اپنے ساتھی ابو حنیفہ سے فرمایا: کیا میں تم کو اس امت کے سب سے افضل
 بعد از پیغمبر حضرت زبیرؓ بتاؤں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: میرے اعتقاد میں ان
 سے افضل اور کوئی نہیں ہے۔ نبیؐ کے بعد اس امت میں سے سب سے افضل حضرت
 ابو بکرؓ ہیں۔ ابو بکرؓ کے بعد عمرؓ ان کے بعد ایک اور تیسرے (عثمانؓ) ہیں جن کا نام نہ
 لیا۔ نیز بیچ البلاغہ کی مصدق وہ کئی روایات بھی ہیں جن میں شیخینؒ کی خلافت کی تصدیق
 ہے۔ مثلاً دو ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت
 کے متعلق کوئی صریح چیز نہ دی تھی۔ جسے ہم لیتے۔ ہاں یہ چیز ہمارے اپنے مشورے سے ہوئی۔
 پھر حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنے اللہ کی آپ پر رحمت ہو تو آپ نے دین قائم کیا اور خود بھی دین
 پر جمے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو تو دین قائم کیا اور مستقیم
 رہے حتیٰ کہ دین اسلام نے اپنا سب سے زمین پر ٹیک دیا (مضبوطی سے قائم ہو گیا) مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۱۔
 دوسری روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ ہو کر حضورؐ کے عمل
 اور تیسرے چلے اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے عمل اور سیرت پر چلے حتیٰ کہ اللہ
 نے ان کو وفات دے دی (مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۱)۔

صدیق اکبرؓ کی فضیلت میں قلم کو یہاں بربیک لگا کر مختصر شیعہ دوست کے اس کفر
 جلد پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جو کہ حضرت علیؓ بعد از رسولؐ تمام کائنات سے افضل و اکمل ہیں۔
 انبیاء علیہم السلام سب کائنات سے افضل ہیں | کا اپنا کفر یہ عقیدہ ہے جو
 واضح رہے کہ یہ صرف غالی شیعہ

مفوضہ کی ایجاد ہے اور ان کے خاتم المحدثین مجلسی نے تو اور ہی کمال کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔
 اکثر علماء شیعہ الاعتقاد آئست کہ
 حضرت امیر و سائر ائمہ افضلند از سائر
 اور باقی سارے ائمہ باقی سب پیغمبروں سے
 افضل ہیں اور احادیث مشہورہ بلکہ متواترہ
 پیغمبروں و احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ
 از ائمہ خود درین باب روایت کردہ اندر حیات الطوبیٰ اس باب میں اپنے پیشواؤں سے نقل کی ہے۔
 ۵۲۶

مگر کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن و سنت اور احادیث اس کی اجازت دیتی ہیں۔ قرآن پاک میں ایک رکوع میں ۱۸ انبیاء علیہم السلام کا اجمالی تذکرہ کر کے اللہ پاک فرماتے ہیں۔

وَكَلَّمَ قَصْلَنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (الانعام)
اور ہم نے، ہر ایک کو تمام عالموں پر فضیلت دی (ترجمہ مقبول)

آگے فرمایا۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّخَذْتُمْ
اَلْكُتُبَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوَّةَ... اُولَئِكَ
الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهْدَاهُمْ اُتَّخِذَہُ
(انعام ۱۰۶)
وہ وہی ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی۔ وہ وہی تو ہیں جن کو اللہ نے راستہ دکھلایا ہے پس لے رسول تم ان ہی کے راستے پر چلو (ترجمہ مقبول)

جن نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر فضیلت بخشیں اور کتاب، حکومت اور پیغمبری عطا فرمائیں اور بواسطہ پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی ان کی پیروی کا حکم دیں۔ کتنے ظلم اور افسوس کی بات ہے کہ امت محمدیہ کے ۱۲ حضرات (شیعی ائمہ) انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ کریں۔ حالانکہ وہ خود انبیاء کے مقتدی اور پیروکار ہیں۔ ان کی وراثت علمی سے خوشہ چینی کرنے والے ہیں۔ ان پر نہ کتاب اتری۔ نہ ان کو شریعت اسلامیہ نافذ کرنے کی حکومت ملی۔ نہ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ پھر افضلیت کیسی؟ یہ دعویٰ تو چوہ لا اور است و زور سے کہ بکف چراغ دار دکام مصداق ہے۔

اگر اپنی مخصوص موضوع ر وایت کے پیش نظر شیعہ کا یہ اعتقاد ہو کہ ان پر بھی کتاب اتری (۱۲ صحائف ۱۲ ائمہ کے لیے) یہ بھی انبیاء کے فاضل و ہمسر محسوب۔ واجب الاتباع اور حکام شرع کے حلال و حرام بنانے میں خود مختار ہیں اور امت کے لیے براہ راست مقتدا اور پیشوا ہیں (جیسے کہ کافی سے تفصیل سوال ۲ کے تحت آئے گی) تو پھر کھل کر ان کو پیغمبر کہہ دیں اور ختم نبوت کا انکار کر کے ایک الگ امت کہلائیں اور مسلمانوں کا پیچھا چھوڑیں۔ سنی شیعہ نزاع ختم کرنے کا یہی نسخہ اکسیر ہے (دیدہ بایں)

شیعی احادیث میں بھی انبیاء افضل ہیں | ائمہ کی انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کا

عقیدہ شیعہ احادیث کے بھی خلاف ہے۔ اصول کافی باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث (امام) میں رسول اور نبی کی تشریف کے بعد امام کی تشریف میں امام باقرؑ کا ارشاد منقول ہے ”کہ امام وہ ہوتا ہے جو بنیاد میں فرشتہ کی آواز سنتا ہے مگر نبی اور رسول کی طرح فرشتہ کو دیکھ نہیں سکتا۔“

۲۔ پیغمبر نبوت اور علم امامت۔ دو چیزوں کا حامل ہوتا ہے۔ مگر امام کو صرف علم امامت ملتا ہے (کافی ج ۱ ص ۱۷۱)

۳۔ امام جعفرؑ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کو آتی ہے پھر ان کے بعد والوں کو۔ پھر ان کے بعد والوں کو۔ (کافی ج ۱ ص ۲۵۱)

۴۔ سب لوگوں سے زیادہ ابتلاء انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے پھر اوصیاء کو پھر ان کے بعد والوں کو درجہ بدرجہ ہوتا ہے (کافی ج ۱ ص ۲۵۱)

جب ابتلاء درجہ بندی کے تحت ہوتا ہے تو سب سے زیادہ ابتلاء والے اولاد کو اور انبیاء علیہم السلام تمام اوصیاء سے افضل ٹھہرے اور یہ بالکل واضح ہے۔

عقلاً بھی یہ عقیدہ لغو ہے۔ کیونکہ تناگرو اساتذہ کی صف میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ نہ تابع متبوع سے بڑھ سکتا ہے۔ ہائی کلاسز کے درجہ اول کے طلباء خواہ وہ مانیٹر ہی کیوں نہ ہوں ادنیٰ کلاسوں کے معلمین کے برابر علم یا رتبہ میں نہیں ہو سکتے۔ چہ جائیکہ ان سے افضل مانے جائیں۔ اس سے بعض شیعوں کے اس ڈھکوسلے کا جواب بھی ہو چکا ہو کہ ”ہیں“ کہ جب حضورؐ کی نبوت ہمہ گیر اور وسیع ہے تو آپ کے ماتحت راہبروں کا مرتبہ بھی سابقہ انبیاء سے بڑا ہونا چاہیے۔ کیونکہ کسی بڑی ترقی یافتہ مملکت کا ملازم۔ درجہ اول ہی کا کیوں نہ ہو۔ ملازم ہی ہے۔ وہ اصولاً کسی صورت میں کسی چھوٹی حکومت کے سربراہ اور صدر کا اعزاز نہ کبھی نہیں پاسکتا۔

سوال ۵۔ اہل سنت کی حدیث کی کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ وغیرہم سے کثرت سے احادیث پیغمبر مروی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؑ حضرت فاطمہ الزہراءؑ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور حضرت امام حسین علیہم السلام دیگر بزرگوں

سے علم میں کم تھے یا انہیں آنحضرت کے پاس رہنے کا ابوہریرہ وغیرہ سے کم موقع ملا تھا۔ اس سوال کا جواب تلاش کرتے وقت حدیث نبوی۔ انامدینۃ العلم وعلی بابہا وعلہ امتی بعدی علی بن ابی طالب زیر نظر رہے۔

الجواب۔ اللہ تعالیٰ خالق کارخانہ گوناگوں نے فطری اصول کے مطابق ہر ایک صحابیؓ کو ایک دوسرے سے مختلف اور متنوع قسم کی خوبیوں سے نوازا تھا۔ خدا بیخ انگشت کیسا نکرو۔ ہر فرد اور شخصیت کو ایک ہی پیمانہ سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ کسی کو عزم ملی کسی کو زیادہ کسی کو وعظ و نہد کی مجالس زیادہ نصیب ہوئیں کسی کو کم کسی کو سیاست سے لگاؤ رہا کسی کو تعلیم و تعلم سے کسی کو ہنر اور لائق شاگرد اور پاکیزہ ماحول میسر آیا اور ان کے علمی حلقے اور درس گاہیں مشہور ہوئیں اور کچھ اپنے حبابہ وں کے ماسخوں ہی اذیت ناک چرکے سہہ سہہ کر اپنے مولا سے جا ملے۔

ہر کسے راہر کار سے ساختند میل اور در دشت انداختند
بلاشبہ مذکورہ بالا تینوں حضرات اہل سنت کے ان مکثرین صحابہ میں سے ہیں جن کے نام مع مرویات یہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ المتوفی ۵۸ھ۔ ۲۔ ۵۳۷۔ ۲۔ خادم رسولؐ انس بن مالک المتوفی ۹۳ھ۔ ۲۲۸۶۔ ۳۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ المتوفی ۵۸ھ۔ ۲۲۱۰۔ ۴۔ عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ۔ ۱۶۶۰۔ ۵۔ عبداللہ بن عمر المتوفی ۵۸ھ۔ ۱۶۳۰۔ ۶۔ جابر بن عبداللہ المتوفی ۶۸ھ۔ ۱۵۴۰۔ ۷۔ ابوسعید خدری المتوفی ۴۵ھ۔ ۱۱۷۰۔

ان حضرات سے اہل بیت کے تقابل کی کیا ضرورت ہے۔ خلفاء راشدینؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ہستیاں بھی اس جماعت میں نہیں حالانکہ وہ سب صحابہ کرامؓ سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ طبیقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۸۹ اردو میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر اصحاب آپؐ سے حدیث بیان کرنے میں بہ نسبت اوروں کے بہت کم رہے۔ مثلاً ابو بکرؓ عثمانؓ طلحہؓ زبیرؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمنؓ عوفؓ ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ سعید بن زیدؓ بن عمرؓ ابی بن کعبؓ سعد بن عبادہؓ (وغیرہم) ان لوگوں سے کثیر احادیث نہیں

اُنہیں جیسے نوجوان اصحاب مثلاً جابرؓ۔ ابوسیدؓ۔ ابوہریرہؓ کے ہم پلہ لوگوں سے یہ سب کے سب فقہائے اصحاب رسول اللہؐ میں شمار کیے جاتے تھے۔ رسول اللہؐ کے ایسے بہت سے (اکابر) اصحاب آپؐ کی وفات سے قبل اور بعد آپؐ کا علم لے گئے۔ ان سے کچھ (زیادہ) منقول نہیں اور بوجہ کثرت اصحاب رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی حاجت نہ ہوئی۔“

دراصل کثرت روایت کا مدار علوم مرتب نہیں بلکہ دیگر وجوہ ہیں کہ ان حضرات نے روایت حدیث اور تعلیم و تعلیم کو ہی نصب العین بنایا۔ پھر عمریں بھی زیادہ پائیں اور بزاروں ہونہار شاگرد نصیب ہوئے۔

نیز روایت و تحدیث کی عمدہ نبی میں تو خاص حاجت نہ تھی۔ بعد میں جوں جوں تمدنی و معاشرتی مسائل کثرت فتوحات سے پیدا ہوتے گئے علم حدیث و فتویٰ کی روایت و زافروں بڑھتی گئی۔ زیادہ عمر مانے والے صحابہ کو علم پھیلانے کا زیادہ موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہمارے اعتقاد میں سب سے بڑے عالم تھے۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۶ پر صحابہ کرامؓ کا بیان ہے دکان ابوبکرؓ اعلیٰٰ۔ مگر حضورؐ کے بعد کمی عمر۔ دو سال ۳ ماہ ۱۰ دن۔ اور امور خلافت میں مشغولیت کی وجہ سے احادیث کم مروی ہیں۔ حضرت عمرؓ اور علی المرتضیٰؓ رضیہ بالترتیب ۵۳۹ - ۵۸۶ احادیث اور حضرت عثمانؓ سے ان سے کم مروی ہیں۔ مگر ان کی عطیت کے پیش نظر یہ بہت کم ہیں۔ وجہ وہی ہے کہ دیگر کثرین کی نسبت عمریں کم اور اہم ملکی و سیاسی کاموں میں مصروفیت زیادہ تھی۔

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراءؓ نے حضورؐ کے بعد صرف چھ ماہ خانہ مرضوی کو روشن کیا۔ کم گوئی اور شرمیلیں اس پر اضافہ ہے بقول شیعہ یہ چھ ماہ کا عرصہ خلافت اور باغ فدک بھین جانے کے غم میں گزرا۔ روایت کسے سنائیں حضرت جنینؓ کو بڑھی مختصر بستیاں ہیں اور عمریں بھی لمبی پائیں لیکن والد ماجدؐ کے مقابلے میں علمی مزاج بہت کم رکھتے تھے۔ سیاسیات میں زیادہ مشغول رہے۔ تحدیث و افتاء کے حلقے اور مدارس قائم نہیں کیے۔ بقول شیعہ سبط اکبرؓ کی عمر کا اکثر حصہ شادیوں میں مصروف رہا۔ کل شادیوں کے متعلق مجلسی نے لکھا ہے قرباناد میں متبرسند کے ساتھ حضرت امام محمد باقرؓ سے روایت ہے اور ابن اثوب نے روایت کی ہے

کہ امام حسنؑ نے ۲۵۰ اور ایک روایت کے مطابق ۳۰۰ عورتوں سے نکاح کیا حتیٰ کہ المؤمنین نے منبر پر فرمایا کہ حسنؑ بہت طلاق دیتے ہیں اپنی لڑکیاں اس کو نہ دیا کرو۔ مگر لوگ کہتے کہ اگر وہ ایک رات بھی ہماری لڑکی سے شادی کرے (پھر طلاق دے دے) تو ہمارے شرف کے لیے کافی ہے (جلال الہیون ص ۲۷)

سبط ابن الصغر رضی اللہ عنہم کو کوئی عزت پسندی اور خاموش تقویٰ میں اپنی والدہ ماجدہ (صلوات اللہ علیہا) کی طرح اپنی مثال آپ تھے۔ لہذا ان سے بھی شرفِ ہذا اور تحدیث کا لوگوں کو کم موقع ملا یہ وجہ فلت ان کی عظمت و شہرت کی وجہ سے ہے ورنہ فی نفسہ ان سے بیسیوں احادیث مروی ہیں کہ شیخ نے انہی روایت نہیں کیں۔ چونکہ وہ عہدِ نبوی میں بہت صغیر السن تھے صحبت کا موقع کم پایا تو اکثر احادیث حضورؐ کے بجائے صحابہؓ سے روایت کی ہیں۔

کثیر الروایۃ حضرات سے کثرت کی وجہ | حضرت ابوہریرہؓ سہ ماہ میں مسلمان ہوئے گو صحبتِ نبوی ۵ سال سے بھی کم پائی مگر وہ عاقل بالغ اور طلبِ علم میں شب و روز مصروف اور سفر و حضر میں حضورؐ کے ملازم خاص رہتے تھے۔ خود اسی اعتراف کے جواب میں فرماتے ہیں۔

”کہ ہمارے ہمارے بھائی تجارت میں اور انصاری بھائی کھیتی باڑی میں مشغول رہتے تھے۔ اور ابوہریرہؓ حضورؐ کے ساتھ چپے رہتے تھے۔ صرف روٹی آپ سے مل جاتی تھی اور ان اوقات میں حاضر ہوتے تھے جن میں دوسرے نہ ہوتے اور وہ کچھ ابوہریرہؓ یاد رکھتے جو دوسرے یاد نہ کر سکتے“ (صحیحین)

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! میں بہت حدیثیں سن کر آپ سے بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا چادر پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دی آپ نے چلو بھر کر کچھ ڈالنے کا اشارہ کیا پھر فرمایا اپنے ساتھ ملاؤ۔ میں نے وہ چادر سینے سے لگائی۔ پھر اس کے بعد میں کچھ بھی (سنکر) نہ بھولا بخاری ج ۲ ص ۲۲ کتاب العلم، ایک حدیث میں آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو ترہیں عسلے سوالِ الحدیث بتایا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ۹ سال ہدایت کے آفتاب عالمِ کتاب کے پہلو میں گزارے۔ آپ کے متعلق ارشاد ہے۔

فضل عائشة علی النساء کفضل
التزید علی الطعام (بخاری ج ۱ ص ۵۳)
حضرت عائشہؓ کی فضیلت سب عورتوں پر
ایسی ہے جیسے شریذ گوشت اور روٹی کا آمیختہ

کثرت علم کی طرف اشارہ ہے۔ نیز آپؐ کا ارشاد ہے۔
خذوا ربیع العلم من ہذا الحدید
رجوالہ اہل سنت پاکٹ بک ص ۳۳۹
سیدہ عائشہؓ سے چوتھائی علم حاصل کرو۔

حضرت عائشہؓ کا ذہن حافظہ ضرب المثل تھا۔ علم سے لچپی اور فراغت اس پر متزا
ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق حضورؐ نے دعا فرمائی تھی۔
اللہم علمہ الکتاب والحکمة
اے اللہ! ان کو کتاب اور حکمت کا علم عطا
فرما۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۳۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بلا کا ذہن و حافظہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے علمی پہیلی پوچھی۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔ ان کو سوچھ گیا تھا اس وقت ادباً نہ بولے۔ بعد میں
اعظماریا (بخاری ج ۱ ص ۵۳۱) اور آپؐ نے ان کو مرد صالح فرمایا ہے۔
حضرت انس بن مالکؓ خادم خاص اور بیت نبویؐ کے ایک فرد تھے دس سال حضورؐ کی اندر
بابر سفر و حضر میں خدمت کی۔ ۱۰ سال کی عمر میں ماں نے حضورؐ کے سپرد کر دیا تھا۔ انتہائی ذہین
اور علم دوست تھے۔ آپؐ نے ان کو دعادی تھی اے اللہ اس کے مال۔ اولاد زیادہ کر اور جو
کچھ (علم وغیرہ اوصاف) اس کو دیا ہے اس میں برکت عطا فرما (مشکوٰۃ ص ۵۷) حضرت جابرؓ
بن عبداللہ کے لیے آپؐ نے ۲۵ مرتبہ استغفار کی (ترمذی)

تو روایت علم و احادیث میں ان بزرگوں کی خصوصیت اور کثرت ایسی دعاؤں ہی کا نتیجہ
ہے۔ جیسے حضرت علیؓ نے عین کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہوں نے قضا نہ جانے کا عذر کیا۔
تو آپؐ نے دعا فرمائی۔ ”فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بھی دو آدمیوں میں فیصلہ کے متعلق مجھے
جھجک نہیں ہوئی۔“ (کتب احادیث)

الغرض بکثرت یا تقلیل روایات کی وجوہات ہر بزرگ کی اپنی لچپی۔ ماحول اور مخصوص حالات

پہنچیں۔ مگر یہ خیال کرنا قطعاً غلط ہے کہ مسلمانوں کو اہل بیتؑ سے نفرت تھی اور دوسروں سے محبت اس لیے ان سے کم اور دوسروں سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ ہاں ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب امت کا باغی فرقہ قاتلانہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کا تقرب حاصل کر کے غلو کرنے لگا۔ جیسے وہ شیعہ علیؓ کا کلاماً حضرت علیؓ کی مسلسل نافرمانی سے آپؐ کو تکلیف اور حکومت کو نقصان پہنچا رہا تھا حتیٰ کہ نصف دنیا کی یہ حکومت عہد مرتضوی کے آخر میں صرف حجاز و کوفہ تک محدود رہ گئی اور حضرت علیؓ ان سے جان چھڑانے کی آرزو کرتے تھے (جبار العیون) اسی طرح وہ تفتیح کی آڑ میں آپؐ پر جھوٹی روایات کا طوفان عرصہ تک برپا کرتا رہا۔ حضرت علیؓ کے غیص اور سچے ساتھی کم ہوتے گئے۔ اور افضی امت سے دین روایت کرنے میں نہایت احتیاط کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ محدثین نے کڑی شرائط سے مرویات علمی کو جمع کیا۔ اسی سلسلے میں حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں۔

قاتل الله الشيعة قتلا
الکذب علی علی وای علم افسدا
الشیعہ رافضہ کو برباد کرے حضرت علیؓ
پر خوب جھوٹ باندھا۔ اور کتنے بڑے علم کو
ضائع کر دیا۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲)

مہند حضرت علیؓ سے اہل سنت نے بکثرت احادیث روایت کیں۔ مسند احمد میں ان کی تعداد ۸۱۰ بتائی ہے۔ تہذیب التہذیب آپؐ کے ترجمہ میں سے آپؐ کے شیوخ اور تلامذہ کی فہرست پیش خدمت ہے۔

حضرت علیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت ابوبکرؓ عمرؓ مقداد بن اسود اور فاطمہ الزہراءؓ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپؐ سے آپؐ کی اولاد میں سے حسنؓ حسینؓ محمد اکبرؓ (ابن حنفیہ) عمرؓ فاطمہؓ محمد بن عمر اور زین العابدینؓ نے مسلسل روایت کی ہے۔ باندی ام موسیٰ۔ عبد اللہ بن جعفر۔ ابن جعدہ (بجانب) عبد اللہ بن ابی رافع نے روایت کی ہے اور صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ۔ براد بن عازبؓ۔ ابو ہریرہؓ۔ ابو سعید خدریؓ۔ بشر بن سمحہؓ۔ انصاریؓ۔ زید بن ارقمؓ۔ عمرو بن حزمؓ۔ نزال بن سمرہؓ۔ بلالیؓ۔ جابر بن سمرہؓ۔ جابر بن عبد اللہؓ۔ ابو جحیفہؓ۔ ابوامامہؓ۔ ابویعلیٰ الانصاریؓ۔ ابو موسیٰؓ۔ مسود بن الحکمؓ۔ ابو الطفیلؓ۔ عامر بن وائلؓ رضی اللہ

عنہم نے روایت کی ہے۔

اور تابعین میں سے زہری، حمیش، زہید بن وہب، ابوالاسود الدؤلی، عمارت بن سوید، یحییٰ عمارت بن عبداللہ، حور بن مرہ، مولیٰ اسمہ بن زید، ربیع بن خثعم، شریح بن ہانی، شریح النعمان، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، مروان بن الحکم اور بہت سی مخلوقات نے روایت کی ہے۔

سنی اصول پر تحقیقی جواب کے بعد اب میں شیعہ حضرات کو چیلنج دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ کی کتب اصول اربعہ میں

شیعہ نے علم کیوں نہ روایت کیا

براہ راست ابواسطہ علی رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوذرؓ و سلمانؓ و مقدادؓ، سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کتنی احادیث مروی ہیں، حضرت علی المرتضیٰؑ سے کتنی ہزار مروی ہیں اور کون کون سے لوگوں نے روایت کی ہے، حضرت حسنؓ و حسینؓ سے کتنے حد مروی ہیں۔

ارے آپ کی امامیہ جعفریہ شریعت (نویہ محمدیہ نہیں) کا ۹۵٪ ذخیرہ حضرت امام باقرؑ و جعفرؑ و تابعی بزرگوں سے مروی ہے جنہوں نے حضرت رسول خداؐ و علی المرتضیٰؑ کو تو کجا حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھی نہیں دیکھا۔ تابعیت کا شرف سنی اصول پر صرف ان صحابہؓ کو دیکھ کر پایا ہے۔ جنہیں آپ مومن و مسلمان کامل نہیں مانتے۔ ان کی سب روایات اپنی فرمودہ ہیں۔ کچھ مرسل اور منقطع ہیں۔ ان سے شریعت محمدیہ کے ابطال پر تو استدلال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ باعتبار شیعہ احکام کے حلال و حرام کرنے میں مختار تھے۔ نیز واجب الاتباع معصوم اور صاحب امام و کتاب شیعہ کے مثل نبی دینی پیشوا ہیں۔ مگر شریعت محمدی ان سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ اب میں پلٹ کر سوال کرتا ہوں۔ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت علیؑ و حسینؑ رضی اللہ عنہم کا علم امام جعفر صادقؑ سے کم تھا یا اہلبیت صحابہؓ کو حضورؐ کی صحبت کم نصیب ہوئی۔ اور حضرت باقرؑ و جعفرؑ کو زیادہ ملی؟ حالانکہ وہ اصول شیعہ پر تابعی ہی نہیں تبع تابعی ہیں۔ کہ ایماندار صحابہؓ کو بھی نہیں دیکھا۔ پھر کیوں نوجوانانِ جنت اور قاضی امت سے شیعہ کی شریعت منقول نہیں۔ اس سے یا تو یہ ثابت ہو گیا کہ صحابہ اہلبیتؓ ہرگز شیعہ نہ تھے۔ شیعہ کے بانی و امام اول (بقول شیعہ) حضرت باقرؑ و جعفرؑ ہیں یا یہ کہ جسمانی زندگی کے قائل ہونے کی طرح ان کی علمی و روحانی زندگی کے قائل بھی یہی شیعہ حضرات ہیں۔

رہی حدیث انامہ بیتہ العہد علی بابہا اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ (یعنی نامقبول اور بہت کمزور ہے) علامہ سخاوی نے بھی یہی کہہ کر لکھا ہے کہ اس کی صحت کی کوئی وجہ نہیں۔ ابن معین کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابوسعید اور یحییٰ بن سعید یہی کہتے ہیں۔ علامہ جوزی نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے۔ (موضوعات کبیر از ملا علی قاری ص ۱۸)

رہی اعلم امتی بعدی علی بن ابی طالب یہ پہلی سے بھی ساقط الاعتبار اور موضوع ہے۔ کتب حدیث تو کجا کتب موضوعات میں بھی نظر سے نہیں گزری اور مستتر صاحب نے حوالہ اس لیے نہیں دیا کہ مال مسروق بکھڑا نہ جائے۔

الغرض شیعہ حضرات نے اپنا دین حضرت علیؑ سے روایت نہ کر کے ان جیسی احادیث کے موضوع ہونے پر خود ہی ہر تصدیق ثبت کر دی عباد وہ جو سر پرچہ کر بولے۔

باب سوم

سوال ۶۔ ملاں لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شیعوں ہی نے قتل شہید کیا اور اب شیعہ اپنے ان مذموم افعال پر روتے پیٹتے ہیں تو سانحہ کربلا کے موقعہ پر اہلسنت نے امام مظلوم کی مدد کیوں نہ کی جبکہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں اس وقت اہل سنت موجود تھے۔

الجواب۔ فرقہ شیعہ ہی کو خدا اہل بیت اور قاتل حسین بتانے والے معمولی ملاں نہیں بلکہ ان ملاؤں کے پیشوا بیان کرامؑ جن کے جائز و ناجائز ذکر سے شیعہ ملاں و ذاکرین اپنے پیٹ کا دھندا کرتے ہیں۔ حضرات اہل بیت عظامؑ ہی ہیں۔ اس مسئلہ پر چونکہ شیعہ کی گمراہی یا سچیائی کو ہر عامی پر کھ سکتا ہے۔ لہذا قدرے مفصل چار شقوق میں ہم اس بحث کی نتیجہ کرتے ہیں۔

۱۔ کیا حضرت حسینؑ عالی مقام کو بلانے والے شیعہ تھے؟

ب۔ کیا میلان جنگ میں حضرت حسینؑ کے مقابل وہی شیعہ تھے؟

ج۔ کیا قافلہ اہل بیتؑ نے شیعہ کو اپنا قاتل کہا ہے؟

د۔ کیا وہ خود بھی اقبالِ حرم کر کے مذمت کے انسو بہاتے ہیں؟

جب دنیا کے ہر قانون میں ثبوتِ قتل کے برچار طریقے قطعی طور پر قاتل کا پتہ بتا دیتے ہیں۔ قاتل مقتول یکساں ہوئے ہوں۔ مارتے دیکھا گیا ہو مقتول خود بیان دے دے قاتل اعتراف بھی کر لے تو اب کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

حضرت حسینؑ کا نظریہ اور امن پسندی واضح رہے کہ شیعہ کے ہاں بھی۔ عام موعین کے مطابق۔ یہ ایک سیاسی اور برائے طلب

خلافت جنگ تھی۔ نیز یدِ کریم برسرِ اقتدار آنے کے بعد گورنر مدینہ ولید اور حضرت حسینؑ کا مکالمہ ملاحظہ ہو شیعہ مورخ مجلسی رقمطراز ہیں۔

”جب ولید نے حضرت حسینؑ کو بلایا اور حضرت معاویہؓ کی وفات کی اطلاع دی حضرت نے فرمایا انا لشد وانا لایہ را جون پھر ولید نے نیز یدِ ملیہ کا خط پڑھا حضرت نے فرمایا میرا گمان نہیں ہے کہ تو مجھ سے نیز ید کے لیے خفیہ بیعت پر راضی ہو جائے گا۔ تو چاہے گا کہ سب لوگوں کے سامنے میری بیعت لے تاکہ لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے ولید نے کہا ہاں۔ حضرت نے فرمایا صبح تک انتظار کرو تاکہ میں غور کر لوں۔ اور آپ بھی غور کر لیں پھر ایک دوسرے سے مناظرہ کریں اور جو خلافت کا مستحق ثابت ہو دوسرا اس کی بیعت کرے۔ (جلد العیون ص ۳۴۹ ومنتہی الآمال للعباس القمی ج ۱ ص ۲۹۸)

حضرت معاویہؓ کے متعلق بہتر رائے آپ کی وفات کو نقصان ملی جان کر استرجاع پڑھنا اور اپنی تمنا تو معلوم ہو گئی مگر حضرت حسینؑ اپنے دلائلِ ظاہر کر کے اہل مدینہ کو سمجھنا نہیں بنا سکتے تھے اور نہ اہل عراق پر اعتماد کر کے حصولِ مقصد کی کوشش کر سکتے تھے۔ لامحالہ خیر جانبداری اور گوشہ نشینی کا فیصلہ کیا۔ صبح دربارِ حاکم میں جانے کے بجائے اہل و عیال سمیت مکہ روانہ ہو گئے۔ تاریخِ شامد ہے کہ یہاں آپ نے حکومت کے خلاف یا اپنے حق میں کوئی بیان نہیں دیا۔ شبانِ تازی لہجہ تقریباً ۵ ماہ میں نہ حکومت کی طرف سے کسی نے بیعت کا مطالبہ کیا اور نہ

آپ نے استحقاق خلافت پر لوگوں کو دلائل سنائے۔ بڑی عافیت اور سلامتی کے ساتھ
جہاد کعبہ میں یہ دن گزارے۔ یہیں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر اہل کوفہ بصد اصرار اور ایک لاکھ
تواریں جمیا کرنے کے بہانے آپ کو نہ بلاتے تو کبھی سانحہ کربلا نہ ہوتا نہ امت دو گروہوں میں
بٹی۔ اب چار امور کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) آپ کو بلانے والے شیعہ ہی ہیں | جلاء الیون میں مجلسی کے اعتراف کے مطابق کوفہ
کے مومنین شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی و مسیب بن
نخبة رفاعہ بن شداد حبیب بن مظاہر وغیرہ نے حضرت معاویہ کو دشمن جہاد کہہ کر پہلا خط لکھا
اس نامہ ایست بسوئے حسین بن علی از سائر شیعیان او از مومنان و مسلمانان۔ یعنی یہ خط
حضرت حسین بن علیؑ کی خدمت میں آپ کے تمام شیعوں مومنوں مسلمانوں نے لکھا ہے۔۔۔۔۔
کہ اس وقت ہمارا امام و پیشوا کوئی نہیں ہمارے پاس آئیں ہم سب آپ کے مطیع ہیں آپ کے
آنے پر حاکم کوفہ نعمان بن بشیرؓ کو نکال دیں گے۔ والسلام (جلاء الیون ص ۳۵۶ غنتی الامال ج ۱ ص ۳۰۳)

یہ خط عبداللہ بن مسع ہمدانی اور عبداللہ بن دال لے کر حضرت کی خدمت میں چلے پھر دونوں
کے بعد قیس بن مضر عبداللہ بن شداد عمار بن عبداللہ کو کوفہ کے بڑے بڑے رؤسائے ۱۵۰
خط دے کر کہہ روانہ کیا۔ پھر دو دن کے بعد ہانی بن ہانی سلمیٰ سعید بن عبداللہ حنفی کو اہل کوفہ
نے حضرت کی خدمت میں یہ کچھ بھیجا۔ تسبیح کے بعد یہ خط حضرت حسینؑ کی خدمت میں ہے از شیعیان
وفدویان و مخلصان آنحضرت۔ آپ جلد ہی اپنے دوستوں اور ہوا خواہوں میں پہنچیں۔ سب
لوگ آپ کے منظر میں۔“

پھر شعیب بن ربعی۔ حجار بن الاکبر۔ یزید بن عارث۔ عروہ بن قیس۔ عمرو بن حجاج اور محمد
بن عمرو نے اسی مضمون کے خط آپ کی خدمت میں بھیجے (جلاء الیون ص ۳۵۶ غنتی الامال ج ۱ ص ۳۰۳)
حضرت حسینؑ ان خطوط کے جواب میں مترود تھے حتیٰ کہ ایک دن میں ۶۰۰ خطوط ان
عہ معلوم ہوا کہ ان کے خیال میں بھی امام کا تصور سیاسی حاکم تھا اگر مثل نبی کا تصور ہوتا تو
نفی نہ کرتے۔ یہ تصور بہت جلد کی پیداوار ہے۔

غداروں کے حضرت کو پہنچے۔ جب ان کا مبالغہ حد سے گزر گیا اور بہت سے قاصد آپ کے پاس پہنچے اور ۱۲ ہزار خطوط حضرت کو پہنچ چکے تب آپ نے یہ جواب لکھا۔
 ایں نامہ الیت از حسین ابن علی لبوئے حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ خط تمام مومنوں گروہ مومنوں و مسلمانوں و شیعیان مسلمانوں اور شیعوں کو بھیجا جاتا ہے کہ۔
 آپ کے سب خطوط مجھے ملے ہیں تمہاری طرف اپنے متہد بھائی مسلم بن عقیلؓ کو بھیجتا ہوں اگر وہ میری طرف کھیں کہ فخر مند بزرگوں اور شریف و ذمہ دار لوگوں نے یہ لکھوائے ہیں تو میں ان شاء اللہ جلدی تمہارے پاس آجاؤں گا اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔
 کہ امامے نیست مگر کسے کہ حکم کند در میان کہ امام صرف وہی ہو گا جو لوگوں میں کتاب مردم بکتاب خدا و قیام نماید در میان مردم بعد الت و قدم از جادہ شریعت مقدسہ بیرون نگزارد و مردم را بر دین حق مستقیم دارد۔ والسلام۔ رجلا رایون ۳۵۴
 غنتی الامال ج ۱ ص ۳۲۳
 یہاں سے معلوم ہو چکا کہ حضرت حسینؓ کو دعوت خلافت امامت کے متعلق آپ کا نظریہ کا پھر دینے والے فقط شیعیان کو فہم ہی تھے نیز نزیہ سے آپ کو اختلاف اموی اور ہاشمی قرابت پر نہ تھا۔ جیسے شیعہ خاندانی دشمنی کا اشتہار دیتے ہیں بلکہ شریعت اسلام کے نافذ کرنے اور قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرنے پر مبنی تھا۔ اس باب میں ارقام الحروف کا بھی یہی نظریہ اور ایمان ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کو یہی نظریہ رکھنا چاہیے کہ ان کے عقیدہ عظمت و عدالت صحابہ و اہلبیت اور بومی نفسانی سے پاک لامنی کا تقاضہ ہی ہے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضرت حسینؓ نے یہ اقدام اپنے والد کا تحت خلافت حاصل کرنے کے لیے مناسب موقعہ جان کر کیا جو سقیفہ کے موقعہ پر آپ کے والد سے غضب کیا گیا تھا جیسے شیعہ کا باطل نظریہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ سقیفہ کے دن ہی شہید ہو گئے تھے اور نہ اس کو محض سیاسی اور دنیوی حکومت کے حصول کا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔

جیسے محمود عباسی کا غلط نظریہ ہے۔ دراصل رفض و خروج کے یہ خیال ایک ہی ہیں، صرف تسمیہ کا فرق ہے۔

اور سنی نقطہ نظر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اہل کوفہ اگر اپنے غلط پہ و پگنڈہ سے یہ نظریہ حضرت حسینؑ کے ذہن میں نہ بٹھاتے کہ یزید بدعمل، نافرمان اور خلافت کا غیر اہل ہے تو آپ کبھی اس کے خلاف نہ اٹھتے خواہ طبعی ناگواری کی وجہ سے بیت سے کنارہ کشی کرتے۔ لیکن جب آپ کے ذہن میں یہ بات بٹھ گئی کہ وہ احکام شرعیہ میں لاپرواہ ہے۔ مملکت کا ایک بڑا حصہ (عراق) اس کو نہیں مانتا تو اس بنا پر آپ نے خروج جائزہ جانا۔ اور شرعاً آپ معذور ہی نہیں مباحرور و متنب بھی تھے۔ گو حقیقت اس کے خلاف تھی۔ اول سے آخر تک اہل کوفہ کا دھوکہ تھا۔ پھر والہی بھی چاہی مگر مقدر نہ تھی۔

بہر حال اپنے نظریہ کے تحت حضرت حسینؑ نے یزید پر طعن کرتے ہوئے برحق امام کی تعریف میں بڑی وضاحت سے فرمایا۔

”کہ امام وہ مقتدر حاکم ہی ہوتا ہے جو لوگوں میں قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرے۔ شریعت پر خود بھی عمل کرے اور لوگوں کو بھی چلائے۔“ اس تعریف نے شیعہ کی ایک خود ساختہ تاویل اور من گھڑت معنی کو باطل کر دیا کہ خلافت ظاہری اور ہے جو خلفائے ثلاثہؑ کو ملی۔ اور خلافت باطنی اور ہے جو ائمہ اہل بیت کو ملی۔ نیز حضرت شیعہ خدا سے بھی ان منافقوں کے الزام کا وفتیہ کر دیا۔ ”کہ آپ خلافت ظاہری میں صحیح اسلام (بقول ان کے مذہب شیعہ) خلفائے ثلاثہؑ کے معتقدین کے دُور سے نافذ نہ کر سکے۔“ (ملاحظہ ہو مجالس المؤمنین ص ۵۶) کیونکہ معاذ اللہ اگر یہ الزام صحیح ہو تو حضرت علیؑ کی خلافت باطل ہو گئی۔

الغرض حضرت حسینؑ کی نظر میں خلیفہ پابند شریعت سیاسی حاکم ہو گا نہ کہ حکومت سے محروم اور غار میں چھپے رہنے والا۔

ب۔ امام سے برابر چکار بھی شیعہ تھے | القصہ حضرت مسلم بن عقیلؑ کے ہاتھ پر علیؑ اختلاف الروایات ۸۸ ہزار۔ ۳۰ ہزار اور

۸۰ ہزار شیعان کوفہ نے برائے امام حسینؑ بیت کی۔ انہوں نے خوشی سے (جلد بازی کرتے ہوئے)

صورتِ حال حضرت حسینؑ کو لکھ بھیجی۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ میں شیعی امام تہیں ہوتے۔ آپ کو فہم چل پڑے سب دوستوں اور ہمدردوں نے کوفہ جانے کی مخالفت کی۔ مگر آپ نے مانے۔
 ۷۔ وہی ہوتا ہے جو مطلوبہ خدا ہوتا ہے۔

ملا باقر علی مجلسی نے مندرجہ ذیل حضرات کی مخالفت و مخالفت تفصیل سے لکھی ہے۔
 ۱۔ زرارہ بن صالح۔ ۲۔ محمد بن حنفیہ آپ کے بھائی۔ ۳۔ عبد اللہ بن عباس آپ کے چچا ہوئے۔ ۴۔ عبد اللہ بن زبیر۔ ۵۔ عبد اللہ بن عمر۔ ۶۔ فرزدق شاعر اہل بیت۔ ۷۔ عبد اللہ بن عمر بن العاص۔ ۸۔ آپ کے بھائی کحی۔ ۹۔ عبد اللہ بن جعفر طیار۔ ۱۰۔ عون بن عبد اللہ۔ ۱۱۔ محمد بن عبد اللہ بن جعفر طیار۔ (جلد ۱۱ بیون)

جب آپ میدانِ کربلا میں پہنچ گئے اور حُر بن یزید کے ایک ہزار لشکر نے آپ کا گھیراؤ کیا تو اکثریت آپ کو خط لکھنے اور بلانے والوں کی تھی۔ حمد و ثناء کے بعد آپ نے ان سے فرمایا۔
 ”میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا۔ تمہارے بے درپے وعدوں اور خطوط کے بھروسے پر آیا ہوں۔ اگر اپنے عہد پر قائم ہو تو پورا کرو اور اگر گھیر گئے ہو تو میں واپس ہوتا ہوں وہ غدار خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا (جلد ۱۱ بیون ص ۳۷۶)

حُر سمیت سب لشکر نے آپ کے پیچھے پناہ پڑھی۔ حُر نے کہا مجھے خدا کی قسم ان خطوط اور قاصدوں کا علم نہیں حضرت نے عقبہ بن سمان کے ہاتھوں بارہ ہزار خطوط کی پھیلی منگو اگر لکھیں دی اور خطوط سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا مگر سب خاموش رہے۔ (وکنہ فی مفتی الامال ج ۱ ص ۳۳۰)
 حُر نے کہا بخدا مجھے خطوط کا علم نہیں تاہم میں آپ کو واپس نہیں جانے دیتا نہ لڑتا ہوں۔ حضرت قادیسیہ کے راستے سے بائیں طرف چل پڑے وہ بد بخت آپ کو بلانے والا لشکر بھی ساتھ ہو گیا حُر نے کہا ان سے نہ لڑنا ورنہ آپ قتل ہو جائیں حضرت نے لڑا تو فرمایا میں خدا کے حکم سے ان منافقوں (بلا کر غدار) کرنے والے شیعوں سے ضرور جنگ کروں گا اور قتل ہونے سے نہیں ڈرتا۔ اس کے بعد بھی لشکر نے حضرت کے پیچھے پناہ پڑھی۔ اس موقع پر حضرت حسینؑ کے مکی ساتھی ہلال بن نافع بجلی لے کر آئے حسینؑ آپ کے والد ماجد نے بھی ان بیعت توڑنے والے ظالموں اور دین سے خارج ہونے والوں سے تا و فات نہ رحمت اٹھائی۔ آج آپ بھی اسی گروہ کے ساتھ مبتلا

ہو چکے ہیں جو بھی بد عہدی اور تیری سبیت توڑے گا خود نقصان اٹھائے گا (جلد العیون ص ۳۸۱)
 مفتی الامال ج ۱ ص ۳۳۲-۳۳۳

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کے ناکثین قاسطین اور مارقین بھی شیخانِ کوفہ ہی ہیں۔ جو رافضی ان لفظوں کا مصداق حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، حضرت معاویہؓ اور خوارج کو قرار دیتے ہیں وہ اپنے اسلاف کا جرم چھپانے کے لیے یہ ظلم کرتے ہیں۔ ہاں مارقین خوارج بھی ہیں جو خاص شیخانِ کوفہ تھے۔

جب عمر بن سعد چار ہزار کا لشکر لایا اور حضرت حسینؑ سے آنے کا مقصد پوچھنا چاہا تو جس سپاہی یا افسر کو بھیجا

بائیں علت ابامیکر دند زیر کہ اکثر از
 آہنا بودند کہ حضرت نوشتہ بودند و حضرت را
 لعراق طلبیدہ بودند چوں قرہ بن قیس آمد و
 پرسید حضرت فرمود اہل دیارِ شما نامہائے
 بے شمار میں نوشتند و بیاختہ بسیار مر طلب
 کردند اگر نئے خواہید بر میگردد۔
 تو وہ سب اس وجہ سے انکار کر دیتے کہ ان
 میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے حضرت
 کو خط لکھ کر عراق بلایا تھا۔ جب قرہ بن قیس
 آیا اور پوچھا تو حضرت نے فرمایا تمہارے شہر
 والوں نے مجھے بہت سے خط لکھے اور بڑے
 مبالغے اور اصرار کے ساتھ بلایا (تو آیا ہوں)

اگر تم نہیں چاہتے تو میں واپس جاتا ہوں (جلد العیون)

جب عمر بن سعد کو یہ پیغام ملا تو خوش ہو کر اس نے کہا کہ خدا حسینؑ کے ساتھ جنگ سے بچا
 لے گا پھر ابن زیاد کو حضرت حسینؑ کی واپسی کا ارادہ لکھ دیا۔ (مفتی الامال ج ۱ ص ۳۳۲) ایک
 روایت کے مطابق اس نے آپ کو قید کرنے کا حکم دیا دوسری کے مطابق رٹائی اور واپسی پر
 راضی ہو گیا مگر حضرت علیؑ کا سالا اور جمل و صفین میں حضرت علیؑ کا دست و بازو (طبری ج ۵
 ص ۲۸) شمر ذی الجوشن اڑ گیا کہ حسینؑ سے یزید کی سبیت لی جائے۔ ابن سعد نے مخالفت کی مگر وہ ابن
 زیاد کے پاس جا کر نئے احکام جنگ بصورتِ انکار لے آیا۔ ابن زیاد نے اہل کوفہ کو لالچ دیا۔ اکثر ان
 بے دینوں غداروں نے اپنے دین (سبیتِ امام حسینؑ) کو دنیا کے بدلے بیچ دیا (کنز العمال ج ۹ ص ۱۰۰) حق تعالیٰ
 تقیہ پر عمل کیا۔ جیسے خلیل قرظینی نے لکھا ہے کہ حضرت کے قتل کا باعث شیخ امامیہ کی کوتاہی ہے۔

تقیہ وغیرہ کی وجہ سے (صاف تشریح کافی) اور اس بدترین کام (قتل حسینؑ) کے مرتکب ہوئے۔ سب سے پہلے شمر ذی الجوشن... ہمارے کافروں کے ساتھ باہر آیا (ابھی تک تو شیعہ مومن تھے اب کافر بن گئے) م، امام حسینؑ کو بلانے والا شہید بن ربیع بھی چار ہزار کوفیوں پر امیر تھا (جلال العیون ص ۲۸۲) مسیب بن نجہ بھی عمر بن سعد کے ساتھ کربلا میں آیا ہوا تھا (جاسس المؤمنین) اور سب سے پہلے امام کا سر تن سے جدا کرنے کے لیے گھوڑے سے یہی اتر اٹھا۔ (خلاصۃ المصابی) عروہ بن قیس جو امام کے پاس دعوتی خط لکھنے کی وجہ سے ابن سعد کا قاصد بن کر ہندامت نہ جاسکا تھا۔ مگر امام سے لڑنے کے لیے مقابل فوج کا سردار تھا (خلاصۃ المصابی) قیس بن اشعث فوج یزید میں شامل ہو کر حسینؑ سے لڑا حتیٰ کہ یہ ظالم بعد شہادت امام مظلوم کے جسم اطہر سے چادر مبارک بھی کھینچ کر لے گیا۔ (خلاصۃ المصابی ص ۱۹۲)

الغرض فرزند شیعہ ابن زیاد (یہ حضرت علیؑ کا پروردہ متہد شیعہ اور آپ کی جانب سے بصرہ کا گورنر تھا) آدم زلیست حضرت علیؑ اس پر خوش رہے مگر حضرت حسنؑ کے خلع خلافت کے بعد جب یہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ مل گیا تو شیعہ نے اس کو حرامی بنا دیا۔ نامعلوم کس مصلحت سے حضرت علیؑ نے بن باپ تزامیوں کے تعاون سے حکومت کی، کے حکم سے شمر حبیب شیعہ کے مشورے اور نگرانی سے شیمان کوفہ نے حضرت حسینؑ سے جنگ کی ٹھان لی تو حضرت حسینؑ کے ماتحتی پر برہنہ حسینؑ نے فرمایا: "کیا تم راضی نہیں ہو کہ اہل بیت اپنے وطن واپس ہو جائیں۔ اے کوفیو! تم پر پانس کہ نہیں اٹھا اٹھا کر تم نے جو وعدے کیے تھے اور خطوط لکھے تھے تم ان کو بھول چکے ہو۔ تمہارے بے شرموں نے اہلبیت پیغمبر کو لکھا کہ ہمارے وطن آؤ۔ ہم اپنی جانیں فدا کریں گے۔ اب جب کہ وہ اچکے تم ان کو پانی سے بھی منع کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ زیادہ اصل کے بیٹے کو ان پر مسلط کرو۔ تم بے لوگ ہو خدا تمہیں قیامت میں سیراب نہ کرے (جلال العیون ص ۳۹۱)

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں آپ کے مقابل اور پانی بند کرنے والے کوفی شیعہ اور شیعہ ہی تھے۔ لیس فیہم شامی ولا حجازی بل کلہم من اهل الکوفۃ (خلاصۃ المصابی) ان تمام کوفیوں میں شامی اور حجازی ایک بھی نہ تھا، نیز یہ کہ حضرت حسینؑ

تو تین باتوں میں سے ایک پر ضرور عمل کرنا چاہتے تھے۔ ۱۔ دشتی میں نیریہ کے پاس زندہ روانگی اور مناسب تصفیہ۔ ۲۔ آزاد علاقے میں رحلت۔ ۳۔ مکہ مکرمہ کو واپسی۔ مگر اہل لشکر نے سب درخواستیں مسترد کر دیں (طبری) اور ذلت سے سبقت کرنے پر زور دیا تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم اپنے آپ کو تمہارے ہاتھوں میں نہ دوں گا اور کینہ ذلیل نہ بنوں گا اور غلامانہ طوع پر طاعت کا طوق گردن میں نہ ڈالوں گا۔ (جلد العیون ص ۳۹۲۔ مفتی الامام ج ۱ ص ۳۲۴)

اب ہر منصف مزاج سے غور کی اپیل کی جاتی ہے۔ یہ جو شیعہ کا بلا سند و ثبوت پروپیگنڈہ ہے کہ حضرت اسلام کی خاطر بچے ذبح کرانے کو گھر سے بھی کفن باندھ کر چلے گئے تھے اس میں کتنی صداقت ہے۔ اگر وہ لوگ آپ کو رہا کرتے اور آپ زندہ واپس آجاتے تو کیا زندہ اسلام پھر مردہ ہو جاتا؟ اور آپ کے اہل و عیال سمیت سلامت بچ جانے پر صفحہ ہستی سے مٹ جانا۔ فاجعہ و یا اولی الالبصار۔

دراصل یہ لوگ اپنے اسلاف کے ذلیل ڈرامے پر پردہ ڈالنے اور حکومت کو ہی سارا الزام دینے کے لیے یہ دردِ رخ گوئی کرتے ہیں۔ اور عبد اہل بیت کرامؑ کو خاک و خون میں تڑپا کر اور تڑپا دکھا کر فخر کرتے اور اپنا ماضی و گمراہی مفاد حاصل کرتے ہیں۔ ورنہ جہاں سانحہ کربلا انتہائی الم ناک داستان ہے اور اپنے اندر صبر و استقامت۔ حق گوئی۔ توفیق شکنی۔ جرات مندی کے علاوہ بیسیوں عبرتوں کا مرقع ہے۔ وہاں اسلام کے لیے انتہائی ناقابلِ تلافی نقصان ہے کہ صرف تاریخ اسلام ہی بدنام نہیں ہوئی بلکہ امت مسلمہ سبیط پیغمبر کے نور سے محروم ہو کر خطرناک اصولی گروں میں بٹ کر رہ گئی۔

شہادتِ حسینؑ کے نقصانات کے سلسلے میں مجلسی حضرت سجاد سے ترجمانی کر کے لکھتے ہیں: وکشتن او عالمیاں گمراہ شدند و دین خدا ضائع شد و سنن رسول خدا بوظرف شد و بدع بنی امیہ ظاہر گردید۔ بایں شما مگر نیست۔ خدا کی سنتیں مٹل ہو گئیں۔ اور بنی امیہ کی بدعتیں ظاہر ہو گئیں ان وجوہ سے حضرت

(جلد العیون ص ۴۵۳)

سجادؑ روتے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت حضرت سیدنا زین العابدینؑ یہی ہے کہ سانحہ کربلا سے اسلامی نقصانات یاد کر کے غم نہ کرنا چاہیے نہ کہ اسلام زندہ شد کے نعرے لگا کر فخر کے جشن و جلوس نکالنے چاہیے۔

۱۔ حضرت امامؑ نے فرمایا۔
۲۔ قافلہ اہل بیتؑ بھی شیعہ کوفہ کو اپنا قاتل بتاتا ہے | اے کوفہ! تم پر لعنت ہو اور

تمہارے ارادوں پر۔ اے بے وفاء، ظالم اور غدار، تم نے مجبوری کے وقت اپنی مدد و نصرت کے لیے ہم کو بلایا جب ہم تمہاری بات مان کر ہدایت و نصرت کے لیے آگئے تو کینہ کی تلوار تم نے ہم پر کھینچی اور اپنے دشمنوں (آل زیاد) کی ہمارے خلاف مدد کی (جلال العیون ص ۳۹)

۳۔ نیز فرمایا تم پر تباہی ہو کیسے تم نے بغیر دشمنی کینہ اور جھگڑے کے عداوت کی تلوار انتقام کے نیام سے نکالی اور بلا سبب اہل بیتؑ سے قتل پر کمر بستہ ہو گئے۔ (ایضاً)

اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ ذاکرین، مجتہدین جو یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے ہاتھوں بدر واحد و صفین وغیرہ میں بنو امیہ کے کفار آباد کے قتل کے انتقام میں بنو امیہ نے اہل بیتؑ کو کربلا میں شہید کیا۔ بالکل لغو ثابت ہوا۔ حضرت کو قتل کرنے والے نہ شام سے آئے ہوئے بنو امیہ تھے اور نہ وہ کسی ہلے لڑتے تھے۔ جیسے حضرت کی تقریر سے واضح ہے۔

۴۔ بالآخر آپ نے بدر و عادی۔ اے اللہ زمین کی برکت کو ان سے روک لے اور ان کو منتشر کر دے۔ حاکموں کو کہی ان سے خوش نہ رہو کیونکہ انہوں نے ہم کو مدد کے لیے بلایا تھا مگر کینہ کی تلوار خود ہمارے اوپر چلائی۔ (ایضاً)

آج شیعہ فخر سے کہتے ہیں کہ ہم تاریخ اسلام کی ہر حکومت کے مظلوم رہے ہیں اس کی اصلی وجہ حضرت کی یہ بد دعا ہے۔

۵۔ نیز فرمایا۔ تم پر ہلاکت ہو بحق تعالیٰ دونوں جہان میں میرا ہر اہل تم سے لے گا..... وہ اس طرح کہ خود اپنی تلواریں اپنی ذاتوں پر اور دونوںوں پر چلاؤ گے اور اپنا خون خود گراؤ گے۔ اور دنیا سے نفع نہ اٹھاؤ گے اور اپنی امیدوں کو نہ پہنچو گے جب مر کر آخرت میں جاؤ گے ہمیشہ کا عذاب الہی تمہارے لیے مہیا ہے اور تمہیں تو بدترین کافروں والا عذاب ہو گا (جلال العیون ص ۹)

آج زنجیروں، پھریلوں اور تلواروں سے ماتم میں خود کو لوملمان کرنے والے غداروں پر حضرت امام مظلوم کی دنیوی بددعا صادق ہوئی اور یقیناً صادق ہوئی۔ آخرت والی بھی یقیناً سچی ہوگی (اللہم آمین)

حضرت سیدین کی ان تقریروں اور بددعاؤں کو سننے کے بعد بھی سب ظالموں نے بے دردی سے آپ کو مع اہل و عیال ذبح کر کے اسلام زندہ کر دکھایا۔ تو خاتمہ جنگ کے بعد اسی قاتل لشکر نے حضرت کے خالی گھوڑے ذوالجناح کو آگے آگے چلا کر نہامت سے رونا پینا شروع کر دیا اور اس سطح ارضی پر سب سے پہلا یہی ماتم حسین کا جلوس تھا جس کی یاد آج بھی ان کی روحانی اولاد مناتی ہے۔

۵۔ اس جلوس کو دیکھ کر حضرت زین العابدینؑ نے فرمایا تم ہم پر پین کرتے اور روتے ہو پس بتاؤ کس نے ہم کو قتل کیا ہے (الحمد للہ ماتمی جلوس کو دیکھ کر عنہ نہ کرے انہی کو قاتل بنانے کی سنت سجاد پر آج اصلی سنتی عمل کرتے ہیں)

۶۔ پھر حضرت زینبؑ نے بددعا دی۔ اسے کوئی غدار و مکار تم ہم پر روتے ہو حالانکہ تمہارے ظلم سے ابھی ہماری آنکھوں کا پانی ختم نہیں ہوا اور تمہارے ظلم سے آہ ختم نہیں ہوئی تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو دھاگہ کاٹ کر توڑ دیتی ہے تم نے بھی ایمانی رشتہ کو توڑ دیا اور کفر کی طرف پلٹ گئے..... آیاتم ہم پر ماتم کرتے ہو جبکہ خود تم نے ہم کو قتل کیا ہے اور ہمارے غم میں روتے ہو اللہ کی قسم یہ ہو گا کہ تم بہت رو گے اور تھوڑا ہنسو گے عیب اور ذلت کو تم نے اپنے لیے خرید لیا۔ یہ ذلت کا داغ کسی پانی (آنسوؤں) سے زائل نہ ہو گا۔ (جلال العیون ص ۲۲)

جگر گوشہ فاطمہؑ سیدہ زینبؑ مظلومہ کی بددعا اور پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی

آ رہی ہے۔

۷۔ حضرت فاطمہ بنت حسینؑ نے فرمایا تم نے ہم کو ایسے شہید کیا اور مال و متاع لٹ کر ہم کو قید کیا جیسے کل میرے دادا علیؑ کو تم نے شہید کیا۔ ہمیشہ سے تمہاری تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے..... جلدی تم اپنے بدلہ کو پہنچو گے تم پر ہلاکت ہو منظور ہو کہ خدا کے درپے عذاب اور رحمت تم پر برسگی۔ آسمانی عذاب تمہارا استیصال کریں گے۔ دنیا میں اپنے کرتوتوں سے تم اپنی ہی تلواریں

اپنے اوپر چلاؤ گے اور آخرت میں عذاب الیم میں گرفتار ہو گے (جلال العیون ص ۲۵) (الحمد للہ یہ سب کچھ بزرگ ہا ہے م، ایرانی خونی انقلاب اور اس کا خوفناک حشر آپ کے سامنے ہے۔

۸۔ حضرت ام کلثوم بنت سیدۃ النساء نے روتے ہوئے کہا وہ سے ندادی کہ اے اہل کوفہ تمہارا برا حال ہو۔ تمہارے منہ پر بے ہوشی تم نے کیوں میرے بھائی حسین کو بلایا اس کی مدد نہ کی اسے قتل کر دیا ان کے مالوں کو لوٹ لیا اور پردہ دار عورتوں کو قید کر دیا۔ تمہارے اوپر لعنت ہو تمہارے چہروں پر پٹھکار ہو۔ (جلال العیون ص ۲۶)

اس پر اہل کوفہ نے ہاٹے ہاٹے کر کے (مزید) رو ناپٹنا شروع کر دیا۔ حسرت کی مٹی سر میں ڈالتے اور اپنا منہ ٹوچتے اور ٹھانچے منہ پر لاتے اور واویلا اور ہائے تباہی کہتے اتنا روتے تھے کہ کسی آنکھ نے اتنا بڑا ماتم نہ دیکھا تھا۔ اس منظر مشعل ہو کر حضرت زین العابدین نے لوگوں کو خاموش کر لیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

۹۔ اے لوگو! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم نے میرے باپ کو خط کھے اس کو دھوکہ دیا پڑے عہد و پیمان کھے ان کے ساتھ بیعت کی۔ آخر کار ان سے جنگ کی (ایضاً ص ۲۶)

۱۰۔ ام کلثوم بنت علیؓ نے فرمایا اے کوفیو! تمہارے مرد ہم کو قتل کرتے ہیں اور عورتیں تمہاری ہم پر روتی ہیں خدا قیامت کے دن ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا (جلال العیون ص ۲۸)

تلك عشرة كاملة۔ قارئین کرام! باقاعدہ اہل بیت کی زبانی ہم نے قانون کی نشاندہی مفصل کر دی تا کہ کسی خون آشام اہلبیت کو آج نہ انکار کی گنجائش ہو نہ تاویل کا راستہ ہو۔ اللہ الحمد

پونہ بیس بات یہ ہے کہ خود ان شیعیان کوفہ نے اہل بیت کوفہ جرم قتل کا اقرار کرتے ہیں اقبال جرم کر کے حسرت و ندامت کے وہ خونی آنسو بہائے جن کے دھبے صفحہ تاریخ سے آج تک نہیں مٹینگے۔ اوپر کے حوالہ جات کے علاوہ چند اور بھی ملاحظہ ہوں۔

۱۔ کوفیوں کی ایک جماعت ایک غلیبی آواز سے چونک اٹھی اور کہنے لگے اللہ کی قسم جو کچھ ہم نے اپنے ساتھ کیا کسی اور نے نہیں کیا۔ ہم نے جنت کے جوانوں کے سردار کو قتل کیا۔ ابن زیاد و ولد الزنا کے لیے پس و ماں انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ابن زیاد پر خروج کریں لیکن

اس سے فائدہ کچھ نہ ہوا (جلد العیون ص ۳۴)

۲۔ نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں لکھا ہے کہ شہادتِ حسینؑ کے بعد شیعوں کے لیڈر سلیمان بن صرد خزاعی نے اپنے شیعوں کو جمع کر کے کہا ہم نے حضرت امام حسینؑ کو عہد و پیمان سے بلایا پھر بے وفائی کر کے ان کو شہید کیا۔ آناٹرا ابرہم معاف نہ ہو گا بجز اس کے کہ ہم اپنے آپ کو قتل کریں چنانچہ بہت سے شیعہ فرات کے کنارے جمع ہوئے اور بنی اسرائیل سے متعلقہ آیت پڑھا۔

فَتَوَلَّوْا اِلَىٰ بَارِكُمْ فَاقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِكُمْ۔
پس تم خدا کے دربار میں یوں تو بے گناہ ہو کر اپنے آپ کو مار دو یہی تمہارے لیے خدا کے ہاں بہتر ہے۔ اپنے اوپر منطبق کی۔ پھر ایک دوسرے کی خونریزی کی۔ کتنے قتل ہوئے اور زخمی ہوئے یہ جماعت تاریخ میں نوابین کہلاتی ہے (مبغناہ) ۵

صد بار مانوں سے جس نے کہ مجھے ذبح کیا۔ قتل کے بعد کوئی دیکھے نہ امت اس کی
نتیجہ کا عذر لنگ بدتر از گناہ | آئیے ذرا اس بحث میں شیعہ کا جواب اور عذر لنگ بھی معلوم کرتے چلیں۔

حال ہی میں شیخانِ پنجاب کے ایک فاضل محقق نے ”تجلیاتِ صداقت“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو بزرگم خورشید شاہ آفاق کتاب ”آفتابِ ہدایت“، مصنفہ مناظر اسلام مولانا کرم الدین دہلوی کا ۵۰ سال کے بعد جواب لکھا ہے جس میں بڑے ہاتھ پاؤں مار کر بیرونی کی محنت و تفتیش کو ترتیب دے کر قرعہ آفتاب سے سبکدوش ہونے کی سعی لاکھائی گئی ہے۔ حقائق و دلائل کا جواب ان کے بس کی بات نہیں۔ ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات، خلفاء راشدین اور دیگر متعلقین رسالت کو جو غلط گالیاں سنائی ہیں وہ قابلِ تلافی ہیں ایک شیعہ سے اس کے علاوہ اور توقع ہی کیا ہو سکتی ہے؟ مسئلہ زیر بحث میں ہم اس کتاب کے کچھ افکار آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

جناب محمد حسین ڈھکو صاحب نے ”برعکس نام نہند زنگی کافور“ کے مصداق قاتلانِ حسینؑ کے سنی مذہب ہونے پر پانچ تاریخی شواہد بتائے ہیں۔

۱۔ حکومتی شیعہ پارٹی نے یزید کو مسلم کی بیت اور نمان بن بشیر کی سستی کی اطلاع دی تھی۔

۲۔ ابن زیاد کے ایک قاصد نے حضرت عثمانؓ کو نفی زکی مظلوم امیر المؤمنین کہا تھا۔

۳۔ عروہ بن قیس احمسی (جس نے امام حسینؓ کو دعوتی خط لکھا تھا) نے رفیق حضرت

حسینؓ زہیر بن قین سے کہا تھا۔

”ہمارے خیال میں تم اہلبیت کے جماعتی نہ تھے آپ تو عثمانی تھے۔ زہیر نے کہا کیا تم میرے

ان کے ساتھ ہونے سے معلوم نہیں کر سکتے۔“

۴۔ نافع بن بلال حلی کے جواب میں ایک شخص مزاحم بن حرث نے انا علی دین عثمان کا نمبر لگایا۔

۵۔ ابن زیاد نے فاتحہ خطبہ پڑھتے ہوئے یزید کی تشریف کے بعد کہا و قتل الحسین بن علی و بیعتہ

خدا نے حضرت حسینؓ اور ان کی جماعت کو قتل کر دیا (طبری)، اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت کیا

ہو سکتا ہے کہ امام حسینؓ کے ہمراہ شہید ہونے والے شیعہ تھے اور قتل کر نیا لے وہ تھے جن کے مذہب

میں یزید حق کا علمبردار اور خلیفہ وقت تھا (تجلیات صداقت ص ۴۵)

الجواب - اولاً یہ نام نہاد پنج تنی ٹولہ صرف پانچ شواہد ہی دکھا سکا۔ حالانکہ ایسے عثمانی

پانچ نہیں بلکہ ۵۰۰ اور ۵۰۰ بھی حضرت حسینؓ کے مقابل ثابت کر دکھائے جائیں تو علامہ غلپی اور شیخ

عباس قمی وغیرہ کی تحقیقات مذکورہ کی روشنی میں جواب نہیں بن سکتا کیونکہ جب مقابل امام

بڑی اکثریت بلانے والے شیعہ اہل بیت ہی کی تھی۔ قافلہ اہلبیت نے ان کو ہی قاتل و غارت بایا جیسے

تصریحات پھر ملاحظہ ہوں۔ تو پھر عذر گناہ بدتر از گناہ کا کیا معنی۔ زہیر بن قین واقعی مخلص

عثمانی مسلمان تھا۔ شیعہ کی سیاست سے اسے تعلق نہ تھا لیکن جب اس نے شیعہ ان کو فہ کی غداری

دیکھی تو حضرت عثمانؓ سے محبت کے باوجود حضرت حسینؓ مظلوم کے ساتھ مل گیا۔ جیسے خود زہیر بن یزید

عثمانی ہو کر شیعہ ان کو فہ کے دعوتی خطوط سے بے خبر تھا۔ پھر جب اسے اس شیعہ دھوکہ کا علم ہوا تو

وہ حسینؓ کا ساتھی اور اپنے لشکر کا مخالف بن کر ان کے ہاتھوں شہید ہوا تو عثمانی اور حسینؓ کا جماعتی

ہونے میں تضاد نہیں ہے۔

ثانیاً چونکہ شیعہ سیاسی پارٹی کو کہتے ہیں۔ جہاں سیاسی جماعت میں شیعہ علی کی اصطلاح

چلی وہاں حضرت معاویہؓ و عثمانؓ کے حامیان قصاص کو بعض دفعہ شیعہ معاویہ و عثمان کہا جانے

لگا۔ جیسے پیلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی کی آج کل اصطلاح ہے۔ اس معنی میں شاہد امین حکومت کے طرفداروں کو شیعہ سے تیرید نے تعمیر کیا ہے اور اس معنی میں حضرت حسینؑ کے ساتھیوں پر شاہد ۵ میں ابن زیاد نے شیعہ کا لفظ بولا ہے۔ ورنہ نہ تو نزدیک کے حامی اصطلاحی شیعہ تھے اور نہ حضرت حسینؑ کے ساتھی اصول و فروع میں مسلمانوں سے الگ مخصوص شیعہ مذہب کہتے تھے۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے ابن زیاد کی زبانی شیعہ کے لفظ سے اصحاب حسینؑ کو مخصوص شیعہ رافضی ثابت کرنا اور شیعہ اہل بیتؑ کو ہلانے والے لشکرِ مقابل امام کو صرف تین آدمیوں کے عثمانی ہونے پر سنی المذہب ثابت کرنا خالص سنیہ زوری اور حقائق کا منہ چڑھانا ہے۔ حالانکہ آپ کا سرِ قلم کرنے والا شیعہ عقیدہ رکھتا تھا۔

سنان سر مبارک شراجہ امیکرد و میگفت
سنان حضرت حسینؑ کا سر مبارک جدا کرتے وقت
کہ سر ترا جدا میکنم و میدانم کہ تو فرزند رسولی
یہ کہہ رہا تھا کہ میں تیرا سر جدا کر رہا ہوں حالانکہ
و مادر و پدر تو بہترین خلقند (جلال العیون)
اعتقاد رکھتا ہوں کہ تو رسول خدا کا فرزند ہے
اور تیرے ماں باپ سب خلایق سے افضل ہیں۔

اب بتلائیے کیا یہ خالص شیعہ بنیادی عقیدہ نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؑ علیؑ تمام خلایق سے افضل ہیں۔ اہل سنت کا تو نہیں۔ ان کے ہاں سب سے افضل انبیاء و علیہم السلام ہیں اور حضرت علیؑ درجہ چہارم میں سب امت سے افضل ہیں اور بنو امیہ تو بیٹی کی اولاد کو فرزند کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ شیش بن رجب کی شیعیت کسے معلوم نہیں۔ صفین میں حضرت علیؑ کا سفیر خاص تھا۔ حضرت حسنؑ کے ساتھ تھا۔ اب حضرت حسینؑ کو بلانے والا تھا۔ مگر امام کے مقابل... ہم کے لشکر پر امیر بن کر آیا تھا (جلال العیون) اور سب سے پہلے امام کا سر تن سے جدا کرنے کے لیے گھوڑے سے یہی اتر اٹھا۔ (خلاصۃ المصاب) ۳

حضرت حسینؑ کے سالے قیس بن اشعث کا تشیع کسے معلوم نہیں اس نے لڑائی کے بعد جب اہل حسینؑ سے چادر بھی چھین لی۔ (خلاصۃ المصاب) ۱۹۲
امام کے بالمقابل صرف وہی بے حیا کو فی تھے جنہوں نے نامائے پردغا جناب امام حسینؑ کو لکھے تھے۔

۷ نہ تم صدمے پہن دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے۔ نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں روٹیاں تو ہیں۔
 ”اہل کوفہ کے تشیع پر تبصرہ“ کے عنوان میں محمد حسین صاحب لکھتے ہیں۔

اہل کوفہ کا تشیع

”اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوفہ کو دار الخلافت قرار دیا اور وہ شیعانِ علیؑ کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہاں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس دور میں بالعموم جو لوگ شیعانِ علیؑ کہلاتے تھے۔ وہ صرف اس معنی کے اعتبار سے شیعہ تھے کہ معاویہؓ کے مقابلے میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ ورنہ حقیقی معنوں میں وہ شیعہ نہ تھے بلکہ جناب امیر کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے تھے (نہ خلیفہ بلا فصل) ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی قلیل تھی جو صحیح معنوں میں شیعہ علیؑ تھے وقلیل من عبادی الشکور (تجلیات صداقت ص ۵۴)

سبحان اللہ! یوں تو شیعہ بڑی چالاک اور فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کی ابتدا امام اول حضرت علیؑ نے وفاتِ نبوی کے بعد ڈالی۔ مگر جب ”قاتلِ حسینؑ“ ہونے کی تلوار سر پر بٹھی تو فوراً مرکزِ خلافتِ علوی کے پاس بان خاص شیعانِ علی کو بھی خلیفہ چہارم ماننے والے اور خلیفہ بلا فصل کے منکر بن گیا۔ شتر مرغ کی مثال اس پر صادق آتی ہے۔ اگر واقعی شیعانِ علیؑ سیاسی طور پر حریف معاویہؓ اور عامیانِ علیؑ ہو کر آپ کو خلیفہ بلا فصل نہیں بلکہ خلیفہ چہارم مانتے تھے تو اظہر من الشمس ہو گیا کہ رافضی فرقہ شیعہ جو اصول و فروع میں مسلمانوں سے الگ مذہب رکھتا ہے بہت بعد کی پیداوار ہے۔ حضرت علیؑ و حسنؑ و حسینؑ رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب ہرگز نہ تھا۔ نہ ان کے شیعوں اور پیروکاروں کا۔ اور نہ ان آئمہ نے خلافت بلا فصل کی ان کو تعلیم دی تھی۔ ورنہ وہ آپ کو چوتھا خلیفہ ماننے کے بجائے خلیفہ بلا فصل مانتے۔ آئمہ کی شاگردی کے بعد یہ گمراہی کیوں؟ اس اعترافِ حقیقت کے بعد صحیح معنوں میں شیعہ علیؑ کی بہت قلیل تعداد ہونے کا دعویٰ

مضحکہ خیز ہی ہے آیت وقلیل من عبادی الشکور کو ہر گمراہ اقلیت پڑھتی ہے۔ وجہ توجیح ہوئی چاہیے۔ وہ قلیل صحیح معنوں میں شیعہ وہی نہ ہوں جو حضرت علیؑ کو مشکل کشا، نجات روا۔ عالم الغیب۔ مختار کل۔ پیکر انسانی میں نورِ خدا (یعنی اللہ) مانتے تھے۔ اور شتر۔ انسیٰ نفر تھے۔ حضرت شیر خدا نے گڑھے کھود کر نہ زندہ جلا دیا تھا (رجال کشی ص ۲)

دوسری بات کے سلسلے میں کہتے ہیں۔ دوسرے شیخانِ کوفہ جیسے کچھ بھی تھے معاویہؓ کو ان
 اصلی بغض تھا کہ انہوں نے اس کے مقابلے میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا چنانچہ جب معاویہؓ
 کو اسلامی ممالک پر تسلط ہوا اور اس نے نامعلوم باپ کے بیٹے زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو اہل
 کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کان اشدا الناس بلادہم حینئذ اهل الکوفۃ۔ پھر شیعہ
 پر مظالم کی وضعی کہانی بکھنے کے بعد کہتے ہیں۔ ان حالات میں بھلا کوئی عقل سلیم رکھنے والا
 شخص ایک لمحہ کے لیے بھی باور کر سکتا ہے کہ میں ہزار کا لشکر حیار (برائے نصرت) امام شہیدان
 کوفہ سے تیار کیا گیا تھا۔ پھر دعوتی خطوط لکھنے والوں کو بھڑچال سے تشبیہ دیتے ہوئے اور
 آل زیاد کے مظالم کا ورور کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ کوفہ میں ۱۸ میں ہزار کی تعداد میں کیا شیعہ ہو سکتے
 تھے ہرگز نہیں کسی آدمی کے اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے وہ حقیقی شیعہ نہیں بن سکتے یہی وجہ ہے کہ
 امام کو بھی ان تمام پر اعتماد نہ تھا۔ جب ہی توجیب مسلم کو جانچ پڑتال کے لیے روانہ کیا۔ (تجلیات)
 واہ واہ! کس چالاک اور سخن سازی سے اہل کوفہ کے تشیع کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اسے کہتے
 ہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

جناب میں جب شیعہ کلمات صداقت کی دلیل نہیں دے اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے کوئی
 حقیقی شیعہ بن جاتا ہے تو پھر شیعہ کہلاتے کیوں ہو؟ شیعہ کہلا کر وہ بندی کی تاسیس و تعمیر
 کیسے؟ ظاہر و باطن میں اہل بیت کی اتباع کر کے قبیح اہل بیت کیوں نہیں کہلاتے۔ اگر حضرت علیؓ
 و حسینؓ کے اصحاب۔ ان کے مقتدی، شاگرد و طرفدار بن کر آل زیاد کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ
 بن کر بھی کوئی حقیقی شیعہ نہیں بن سکتا۔ تو آج کل ظاہر شریعت جعفری کے بھی تارک صرف عشرہ
 محرم میں ماتمی رسوم اور سیاہ پوشی کی وجہ سے شیعہ علیؓ کہلانے والے کیسے حقیقی شیعہ ہیں؟ ماتمی
 محافل و جلوسوں کا یہ انہوہ کثیر بقول شمار بھڑیا دھیان، اور جہد ہر ایک چلا ادھر سب کا مصداق
 کیوں نہیں؟ کیا ان میں اور قرنِ اول کے شیخانِ علی و حسینؓ میں یہی فرق ہے کہ یہ دعوہ
 حاضر کے شیعہ، قرآن کی تحریف اور گمی پیشی کے قابل۔ آئمہ اہل بیت کو حضور کے درجہ و منصب
 میں شریک بنانے والے۔ اہمات المؤمنین اور خلفائ ثلاثہؓ پر تبرک کرنے والے اور صحابہ کرامؓ پر تعظیم
 امت محمدیہؐ کو اپنے سوا دائرہ ایمان و نجات سے خارج مانتے ہیں اور وہ اصحاب ثلاثہؓ کو بالترتیب

برحق خلفاء تسلیم کرتے۔ حضرت امیر کو خلیفہ بلا فصل کے بجائے رابع تسلیم کرتے تھے اور امیر معاویہ اور آپ کی آل کو خلافت کا مستحق تسلیم نہیں کرتے تھے اور حمایت اہل بیت کرتے تھے۔ جب یہ حقیقت ہے تو ہم بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود حضرت علی و حسینؑ کے شیعہ اولیٰ کو اپنا دینی بھائی اور مسلمان تصور کرتے ہیں۔ صدیوں بعد کی پیداوار و وافض کو نہیں مانتے۔

غدر و نفاق کی اہم وجہ | اہل حق کے ساتھ اس قرب کے باوجود اہل بیت کے ساتھ ان کی غداری اور بے وفائی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں غالب عنصر

نومسلم یہود و مجوس کا منافقانہ رنگ میں آگیا۔ جن کا مقصد وحید تشیع اور سیاسی اختلافات کی آڑ میں مسلمانوں کے ملی اتحاد و اتفاق کو توہ و بالا کرنا تھا۔ شہادت عثمان ذی النورینؓ حادثہ جل و صفین و نروان انہی کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ وہ جب علیؑ نہیں بعض معاویہ کے تحت کماؤں کے خون سے ہوئی کھیلے تھے۔ حادثہ کربلا کے بعد بھی وہ اسی لیے متمنی تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اہل بیت سے محبت ان کے کمالات کی وجہ سے نہیں۔ محض حضرت عثمانؓ۔ معاویہ اور یزید کے مقابل مستحق خلافت ہونے کی وجہ سے عقیدت ہو تو یہ مقبالات کے تحت سیاسی محبت یہی رنگ لاتی ہے۔ نہ ادھر نہ ادھر اس میں وفاداری کسی؟ لہذا ہم تاریخی مطالعہ میں بیانگاہ اور علیؑ و جبر البصیرت کہتے ہیں کہ شیعہ علیؑ و جب اہلیت کے دعویٰ کے ساتھ جو تحریک بھی اٹھی اور جو گروہ بھی آگے بڑا وہ بالآخر غدار ہو کر ناکام ثابت ہوا۔ قدرت نے وفاداری کا مادہ ہی سلب کر لیا۔ شیعہ ائمہ کی تاریخ اس پر گواہ ہے آج شیعہ لاکھوں کروڑوں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اپنے امام عصرؑ سے ایمان و وفا کا تصدیق نامہ تو لا کر دکھائیں۔ وہ تو ۱۲۰ سال سے نامعلوم غار میں ۳۳ مخلص مومنوں کی انتظار میں ہیں۔ مگر افسوس تاہنوز۔ ایلان حبیبی متقی شیعہ ریاست اور حینئی کے اقتدار ہونے کے باوجود۔ ۳۳ مومن کامل بھی پیدا نہ ہو سکے اور نہ امام کو یہ یقین ہے کہ میرے ظاہر ہونے سے دار الخلافہ طہران مجھے مل جائے گا۔

آخر میں ”لموہ فکر یہ“ کے عنوان سے محقق صاحب کا وہ بڑا جھوٹ بھی ملاحظہ ہو جس سے شہداء کربلا کی ارجح مقدمہ کو بھی اذیت ہوگی۔

”یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان خطوط نگہنے والوں میں جو بعض لوگ واقعی

شیعہ تھے۔ ان میں سے کسی ایک شخص کی موجودگی کبھی واقعہ کہ بلا میں امام کے مقابلہ پر ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض (جیسے حبیب بن مظاہر، سعید بن عبد اللہ، عبد الرحمن بن عبد اللہ و اشلم، امام کے ہمراہ ہو کر شہید ہوئے۔ اور دوسرے بعض بعض موانع و عوائق کی وجہ سے نصرت امام کا فریضہ ادا نہ کر سکے۔ اور بعد میں انتقام امام کے جذبہ سے سرشار ہو کر اٹھے اور تو ابین کہلائے تجلیات صداقت (۵۲۹)

قارئین! چند ورق پیچھے پلٹ کر حضرت حسینؑ کے لشکر مقابل سے مکالمے اور خطوط کے حوالے نام بنام ان کو پکارنا اور شیش بن ربیع۔ حجار بن ابجر جیسے لوگوں کو شرمندہ کرنا اور بد دعائیں دینا ملاحظہ کر کے "محقق فاضل کو دروغ گوئی پر داغ تحسین دیں" چہ دلا و راستہ در دے کہ کف چراغ دارد۔

محقق صاحب حقیقی شیعہ کی کوئی پہچان اور علامت تو بیان کر دیتے۔ "تو ابین" کا لفظ ہی ان کو مجرم ثابت کر رہا ہے۔ وہ خود قتل کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اپنے آپ کو قتل اور خون ریزی کرنے کے باوجود مجلسی صاحب فائدہ بنجشید (یعنی گناہ معاف نہ ہوا) کا فتویٰ لگا چکے ہیں پھر بھی ان قاتل امام شیعہ کو لعنت کرنے کے بجائے لعن ملعون سے بچاتے ہوئے بعض موانع و عوائق کا عذر کرنا اور بعض اعتبار سے مجبور و محصور ماننا فرقہ بندی کی بدترین مثال ہے۔ ان مجرموں سے محض رشتہ تشیع کی وجہ سے فریضہ دفاع ادا کر کے حضرت امام عالی مقام کو سلطان المحققین صا نے کیا انتہائی دکھ نہیں پہنچایا؟ فاعتر و ایا ولی الالبصار۔

اہل سنت نے امام کی نصرت کیوں نہ کی؟ | اب سوال کا آخری جز قابل جواب ہے کہ اس وقت کروڑوں اہل سنت نے امام کی نصرت کیوں نہ کی۔ یہاں مترض نے پہلی صدی میں ہی کروڑوں اہل سنت کا وجود تسلیم کر کے ان کی قدامت و صداقت اور مذہب شیعہ کے جدید و بدعت ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ والقصل ما شہدت بہ الاعداء۔

رہا یہ امر کہ اہل سنت نے نصرت نہ کی۔ تو وضاحت یہ ہے کہ کوہ شیعستان تھا۔ ملا نور اللہ شونہری رقمطراز ہیں۔

و بالجملة تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت
 دلیل ندارد و سنی بودن کوفی الاصل محتاج
 بدلیل است اگرچہ ابو حنیفہ کوفی باشد۔
 (مجلس المؤمنین ص ۵۶) بیان کوفہ۔ ہو۔

جب آپ لوگ کوفیوں کو سنی مانتے ہی نہیں پھر نصرت کا سوال کیا؟ اگر اپنی کتب سے
 خالص الاعتقاد سنی تبائیں تو جواب دیا جائے گا۔ بروایت مجلسی در جلاء العیون ص ۳۷۱ ایک لاکھ
 تواریخ جمیا کر کے حکومت کے لیے آپ کو بلانے والے شیعہ پر یہ یقین نہ تھا کہ وہ خود ہی امام مظلوم
 کو شہید کر کے اسلام زندہ کر دکھائیں گے سب حضرات اہل مکہ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کئی صاحبزادوں
 اور دامادوں نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا جنکی تفصیل جلاء العیون ص ۳۶۸ تا ۳۷۲ پر ہے اور
 نام ہم شروع بحث میں ذکر کر چکے ہیں۔ مگر حضرت جانے پر اصرار کرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر
 نے اپنے دو صاحبزادوں کے ذریعے حاکم مکہ عمر بن سعد سے امان نامہ بکھوا کر حضرت کو دیا اور حاکم
 مدینہ ولید نے از خود اپنے زیاد کو لکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف آرہے ہیں وہ رسول خدا کی صاحبزادی
 کے ولید ہیں ان سے نہ الجھنا اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔ مگر اس خط کا اس پر اثر نہ ہوا۔
 (جلاء العیون ص ۳۷۲)

اس قدر بھاری اور سد باب کے باوجود بھی بطور احتیاط سنی اہل مکہ نے ۵۰۔۶۰ کے
 لگ بھگ نو جوان حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیے جنہوں نے کبھی شیعہ بننے کا دعویٰ نہیں کیا مگر
 آخر دم تک شرط وفاداری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔ اہلسنت کے آرگن النجم
 لکھنؤ کے کر بلا نمبر میں شہداء و کربلا کی فہرست ۱۰۵ افراد دی ہے جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۲۰
 عددان کے اعزہ کے نام ہیں۔ مثلاً ابوبکر بن حسن۔ عمر بن حسن۔ ابوبکر۔ عمر عثمان صاحبزادگان علی
 رضی اللہ عنہم، باقی ۸۵ عدد غیر اہل بیت ہیں۔ ان میں حبیب بن مظاہر۔ سعید و عبد الرحمن بن
 عبداللہ کوفہ کے چند حضرات میں باقی سب سنی الاصل مکی ہیں۔ اور انصار صحابہ و تابعین کی اولاد
 ہیں۔ مثلاً محمد بن مقداد انصاری۔ سیف بن مالک انصاری۔ محمد بن انس انصاری۔ قیس بن
 ربیع انصاری۔ عامر بن مسلم۔ جوہر بن مالک۔ فرغانہ بن مالک۔ نعیم بن عجلان۔ ابو تمامہ۔ عمار بن

ابی سلامت شیب بن حارث۔ مالک بن سریج۔ عمار بن حسان۔ زبیر بن حسان۔ حماد بن انس۔ وقاص
بن مالک۔ خالد بن عمر۔ جمیع بن عبد اللہ عائدی وغیرہم ہیں۔ (کنز الدقائق النجم کھنویات محرم ۱۳۵۶ھ)
اس کھلی حقیقت کے باوجود شیعہ کے عناد اور کٹمان حق۔ جو ان کے ہاں بڑی عبادت ہے،

کایہ عالم ہے کہ ان بزرگوں کا نام لینا ہی شیعہ ذاکرین گناہ سمجھتے ہیں۔ کوفہ شیعستان ہونے کی وجہ
سے اہل سنت کی نصرت کا یہاں سوال نہ تھا۔ ہاں جب قافلہ اہلبیت شہر دمشق میں پہنچا تو وہاں
صدر مدینہ سے ہر آنکھ اشکبار تھی خود زبیر نے شیعہ کی بڑی عبادت ماتم۔ جس کے ایک قطرہ آنسو سے
سب صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں۔ (جلاء العیون ص ۳) ادا کی۔ طمانچہ بربر دئے خود زو
گر لیت۔ منہ پر طمانچہ مار کر رونے لگا۔ حضرت حسینؑ کا سر لانے والے قابل کو قتل کر دیا (جلاء
العیون ص ۴۴) ابن مرجانہ پر لبت کی اور انعام کے لالچیوں کو پھٹکار کا نمونہ دیکر دھتکار دیا۔ پھر
اہل بیت سے حسن سلوک کرتا رہا۔ ان کو بگڑ کا غم نکالنے کی پوری اجازت دی۔ حضرت زین العابدینؑ
کو کئی دن تک اپنے ساتھ شاہی دسترخوان پر کھانا کھلاتا رہا۔ آٹھ دن گزرنے کے بعد سب اہلبیتؑ
کو بلایا اور صافی چاہتے ہوئے شام میں ٹھہرنے کی درخواست کی۔ حضرت زینؑ خواہر حسینؑ تو وہیں
رہ پڑیں اور وہیں وفات پائی اور تمام میں آج تک ان کا مزار مرجع خلائق اور زیارت گاہ اناں ہے۔
باقی قافلہ کی روانگی کے لیے خوبصورت کبیوے تیار کرائے اور ان کو سفر خرچ دیا۔

”حضرت زین العابدینؑ کی طلب پر حضرت حسینؑ کا سر مبارک ان کو دے دیا۔ کوفی غنڈوں
کے ہاتھوں لوٹے ہوئے سب مال کی ادائیگی کی اور وہ کپڑے بھی لوگوں سے وصول کر کے ادا کئے
جو حضرت فاطمہؑ نے خود سوت کات کر بنوائے تھے۔ مستورات کے برقعے لباس اور ہار وغیرہ پورا
واپس کرائے پھر دو صد سونے کے دینار حضرت زین العابدینؑ کو دیئے۔ حضرت نے وہ قبول کر کے
فقرا و یتیم کو تقسیم کر دیئے۔ پھر نزیدینے دمشق ٹھہرنے کا اختیار دیا۔ حضرت نے مدینہ واپسی کو ترجیح
دی۔ (جلاء العیون ص ۴۹)

شیخ مفید اور دیگر شیعہ مورخین کی روایات کے مطابق زبیر نے حضرت نمان بن زبیرؑ
صحابی کو بلا کر کہا کہ اہل شام کے نیک با اعتماد اور امین و دین دار آدمی کو اس قافلہ کے ساتھ
مدینہ بھیجو۔ ایک روایت کے مطابق نمانؑ کو ہمراہ کیا۔ پھر امام زین العابدینؑ کو بلایا اور لوگوں

کی ملامت اٹھانے کے لیے کہا۔ لعنت ہو خدا کی ابن مر جانہ پر۔ اللہ کی قسم اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو امام حسینؑ جو کچھ مجھ سے مانگتے ہیں دے دیتا اور ان کے قتل پر ہرگز راضی نہ ہوتا۔ اسے زین العابدینؑ ہمیشہ مجھ سے خط و کتابت کرتے رہنا اور اپنی ہر ضرورت مجھے بکھنا کہ پوری کی جائے گی پس جس آدمی کو بھری قافلہ کے لیے تیار کیا تھا اسے بلا کر اہل بیت کے حق میں حسن سلوک کی خوب تاکید کی۔ (جلد اول العیون ص ۴۵)

سنی مورخین نے بھی بالکل اسی طرح لکھا ہے۔ غالباً یہ اسی حسن سلوک کا اثر تھا کہ جب اس حادثہ کے تین سال بعد ۶۲ھ میں یزید کے فتق کی افواہ اڑنے پر اہل مدینہ نے بغاوت کر دی تو حضرت زین العابدینؑ نے اس میں کچھ حصہ نہیں لیا بلکہ اپنے متعلقین کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرح سختی سے روکا۔ یزید کی فوجوں کو بھی یہی حکم تھا چنانچہ انہوں نے حضرت سجادؑ خاندان اہل بیتؑ سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

گوشت بیہ مولفین نے اس حقیقت کو یوں مسخ کر کے پیش کیا ہے کہ حضرت نے یزید سے قتل کے ڈر سے خود کو یزید کا غلام کہا۔

حضرت علی بن حسینؑ نے فرمایا جو چیزیں تو مانگتا ہے میں نے ان باتوں کو تسلیم کر لیا میں تیرا مجبور غلام ہوں تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور چاہے تو بیچ دے (الحیاء بالند)

فقال له علی بن الحسین قد اقردت لك ما سالت انا عبد مكنه فان شئت فامسك وان شئت فبع (روضة کافی ص ۲۳۵ ایران)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ کچھ حاطب اللیلؓ مورخین کے بیان کے مطابق یزید نے سر مبارک کے ساتھ بے حرمتی کی اور مخدرات عصمت کے ساتھ نامناسب مکالمہ بھی کیا۔ قطع نظر اس کے ثبوت و عدم ثبوت کے یہ ایک حقیقت ہے کہ یزید نے حضرت حسینؑ کے قتل کا صریح حکم ہرگز نہیں دیا۔ صرف نئے گورنر کا تقرر، اہل کوفہ کی بغاوت فرو کرنے کا حکم یا بصورت انکار بجیت حضرت حسینؑ کو زندہ اپنے پاس پہنچانے کا حکم مورخین نے لکھا ہے۔ ہر حکومت اپنی مخالفت کو روکنے کے لیے ایسے احکام دیتی ہے خواہ مقابلے میں کوئی بھی ہو۔ اسے قبل امام حسینؑ کے متعلق منظر نہ تھا۔ مولانا سیدین لدین شاہ ندوی تاریخ اسلام ج ۱ ص ۳۶۸ پر رقم طراز ہیں۔

”یہ حادثہ عظمیٰ بزرگوار کی لاعلمی میں اور بغیر اس کے حکم کے پیش آیا تھا کیونکہ اس نے صرف بیت لینے کا حکم دیا تھا لڑنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لیے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا ”اگر تم حسینؑ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو اگر میں موجود ہوتا تو خدا کی قسم حسینؑ کو معاف کر دیتا۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے (بحوالہ طبری ج ۷، ص ۲۷۵ و اخبار الطوال ص ۳۷۲) انرض زید حضرت امام حسینؑ کے قتل پر راضی نہ تھا اس نے اہل بیت کے ساتھ ہر ممکن عمدہ سلوک کیا۔ لیکن اس کے عہد میں اہل بیت کی پامالی ہوئی۔ خاندانِ رسول کے ساتھ شدید ظلم و تشدد ہوا اور ان کی ناقابلِ لافی بے ہمتی ہوئی۔ اس حزن سلوک کے باوجود اہل بیت کی عزت کا مداوا اور بدنامی کا ازالہ کسی صورت سے نہیں ہو سکتا۔ زید کی حماقت اور ابن زیاد کی رعوت و کسرِ شری نے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کو اور عزتِ اہل بیت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ ہم دفاعِ یاطمن کے بجائے معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ جو ہر سنی اور صالح کو بدلہ دے گا۔

انرض قافلہ اہل بیتؑ نے مدینہ ہی میں سکونت اختیار کی یہاں کسی کی طرف سے اہل بیتؑ کو گزند نہ پہنچا۔ کیا اہل مکہ و مدینہ یعنی اہل سنت سے بڑھ کر بھی اہل بیت کے لیے کوئی ٹھن و خیر خواہ ہوا ہے؟ آخر حضرت حسنؑ حسینؑ زین العابدینؑ محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ (رحمہم اللہ) نے (مکینہ) عراق و کوفہ چھوڑ کر مدینہ کی رہائش کیوں اختیار کی تھی؟ مکہ و مدینہ کے مراکز اہل سنت ہونے پر قاضی نور اللہ شونستری کی شہادت ملاحظہ ہو۔

اما مکہ و مدینہ محبتِ ابوبکر و عمر برائتیاں مکہ اور مدینہ والوں میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت کا غلبہ ہے۔ (ان کو ہی افضل مانتے غالبست رجال المؤمنین ص ۵۵ حال کوفہ)

یہاں شیخینؑ کی محبت غالب کیوں نہ ہو۔ امام الانبیاءؑ کا مولد، مسکن و ماویٰ ہیں۔ پانی کی جگہ نمناک، آگ جلنے کی جگہ گرم ہوتی ہے۔ سایہ میں ظلمت اور دھوپ میں نورانیت ہوتی ہے۔ صداقتِ اہل سنت پر اس سے بڑھی شہادت کیا چاہیے؟

سوال ۷۔ اگر حضرت علیؑ کا حکومتِ وقت سے اختلاف نہ تھا تو ان علیوں حکومتوں

کے دور میں کسی جنگ میں شریک کیوں نہ ہوئے جب کفار سے جنگ کرنا بہت بڑی عبادت و سعادت ہے۔ اور اگر کثرت افواج کی وجہ سے ضرورت محسوس نہ ہوئی تو جنگ جہل و صفین میں بنفس نفیس کیوں ذوالفقار کو نیام سے نکال کر میدان میں اتارے۔ کیا خالد بن ولید حضرت علیؑ سے زیادہ شجاع تھے یا حکومت وقت کے ساتھ حضرت علیؑ کے تعلقات اچھے نہ تھے کہ سیف اللہ کا خطاب خالد بن ولید کو بل گیا نیز تعلقات اچھے ثابت کرتے ہوئے تاریخ طبری سے جو دو مکالمے مولانا شبلیؒ نے کتاب الفاروق ص ۲۸ پر نقل کیے ہیں پیش نظر میں۔ انصاف سے یہ دونوں مکالمے جو حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے مابین ہیں پڑھ کر فیصلہ صادر فرمائیں۔

الجواب۔ یہ سوال بناتے وقت شدید مترض اپنی عقل کو بھی کھو بیٹھا ہے کہ متواتر حقائق کا انکار کر رہا ہے۔ خلفاء ثلاثہؓ کے ساتھ حضرت علیؑ کے بہتر تعلقات تاریخی حقیقت ہیں۔ شیعہ اگر منکر ہیں تو تاریخی طور پر ان کو وہ واقعات بتانے چاہیں جن میں طرحتہ حضرت علیؑ نے خلفاء و تنقید کی ہو یا ان سے الگ تھلک ہے ہوں جب ایسا ثبوت ناممکن ہو تو پھر شیعہ کا حسن تعلقات کا مطالبہ ہم سے ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا دو پہر میں سورج کے وجود پر دلیل مانگے۔ ظاہر ہے کہ جب اندھا دیکھ ہی نہیں سکتا ہم اسے سورج کا وجود کیسے باور کرائیں گے بعینہ خلافت راشدہ کی پوری تاریخ کے مطالبہ میں جب شیعہ کو اچھے تعلقات نظر نہیں آتے تو کیا ہمارے دو چار واقعات بکھ دینے سے وہ مان لیں گے۔

حضرت علی المرتضیٰؑ لَوْ قَرَأْتِیْ وَ اَصْرَہُمْ شَوْدُیْ بَیْنَهُمْ (ان مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے ہوتے ہیں) کے تحت ان کی شورائی کے مشیر اور نمبر تھے۔ عدلیہ کے متبرقا ضعی تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں نیابت و وزارت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ خلفاءؓ کی کسی پالیسی اور امر و نہی سے اختلاف نہ کرتے۔ بہت سے مسائل میں مفیدہ شور دیتے جو عموماً قبول کر لیے جاتے۔ خلفاءؓ سے عطایا اور نغزواہیں وصول کرتے بلکہ ذریعہ حاش بھی تھا۔ حضرت حسینؑ کے لیے ایرانی باندی شہر باؤ قبول کر کے سب سادات کی مال بنا دیا۔ حضرت علیؑ نے اپنی لخت جگر ان کو بیاہ کر دے دی۔ اگر تہی دختر لثمان داد ولی دختر لہرہ فرستاد و عباس المؤمنین (ج ۱ ص ۲۱۰)

ان امور کی تفصیل اسی کتاب الفاروق سے واضح ہو جس سے طاعن نے یہ سوال
اختراع کیا ہے۔

۱۔ حضرت علیؑ مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں مجلس شوریٰ کے تمام اہل
کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبد الرحمن
بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ (رضی اللہ عنہم) اس میں شامل تھے۔
(کنز العمال ج ۳۳ - بحوالہ طبقات ابن سعد الفاروق ص ۸۳)

۲۔ آپ قاضی و مفتی بھی تھے۔ مدینہ منورہ میں عہد خلافت راشدہ میں کتنے فیصلے دیئے۔
حضرت عمرؓ نے نامور مفتیوں میں آپ کا شمار کر کے۔ فتویٰ پر مامور کیا۔ شبلیؒ نے مفتیوں کی فہرست
یہ دی ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ۔

زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، ابو الدرداءؓ (رضی اللہ عنہم)۔ (الفاروق ص ۸۳ از ائمہ النفاذ ص ۱۳)
۳۔ غیر موجودگی میں نائب خلیفہ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے پر فتح
بیت المقدس کا سفر خود کیا۔ حضرت علیؓ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے
سپر رکھئے۔ (فتح البلدان ص ۱۴)

علامہ شبلیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے بعد خلافت کی نامزدگی کیٹی کے جملہ بزرگوں میں وہ حضرت
علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے
تھے۔ (الفاروق ص ۲۶)

۴۔ شیخین کا اتباع | خلفاء کے کسی امر و نہی سے اختلاف نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے خلافت
میں بھی تمام قضاۃ کو حکم دیا کہ جیسے پہلے دستور کے مطابق تم فیصلے
کرتے تھے اسی طرح اب بھی کرو کیونکہ میں اختلاف ناپسند کرتا ہوں تا آنکہ سب لوگ ایک
جماعت ہو جائیں یا میں وفات پا جاؤں۔ جیسے مجھ سے پہلے میرے ساتھی خلفاء وفات پا گئے۔
(بخاری ج ۵ ص ۵۲) یہی کچھ شیخہ کے شہید ثالث شوستری نے مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۵۲ پر
حضرت امیرؓ سے نقل کیا ہے۔

۵۔ حضرت علیؓ کی شیخین سے موافقت اور ان کے ہر کام کے اسلامی ہونے پر تصدیق

ایک تاریخی حقیقت ہے۔ ”جنگ نہروان کے موقع پر ریح بن شداد نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے کتاب اللہ و سنت رسولؐ کے بعد سنت ابی بکر و عمرؓ کا نام لیا تو آپ نے فرمایا۔ بے وقوف اگر حضرت ابوبکر و عمرؓ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے برخلاف عمل کیا ہوتا تو وہ کسی بات میں حتیٰ پر نہ ہوتے (طبری ج ۵ ص ۷۴) یعنی ان کی سنت طیبہ یعنی سنت نبویؐ کے مطابق اور اس میں مدغم ہے۔ علیؑ نہ تصریح کی حاجت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ حضرت عثمانؓ کے موقع پر طبری کی روایت سے شبیہ جو دھوکہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے شیخین کی سیرت کو قرآن و سنت کے ساتھ الگ ذکر کرنا پسند نہیں کیا تو اس کی یہی وجہ ہے کہ سیرت شیخین قرآن و سنت سے الگ نہیں۔ اسی کی عملی تفسیر ہے بعد علیؑ ذکر سے اس کی عاجزی کا گمان ہوتا جو حقیقت کے خلاف ہوگا۔ ورنہ وہ منہایت کے ہرگز قابل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیر خدا کے پروردہ و مزاج شناس حضرت حسن المجتبیٰؑ بھی شیخین کی سیرت کو برحق اور مخالفت کو ناجائز کہتے تھے جب آپ نے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کی تو یہ شرط لگائی۔

مترض اور نہ گرد بشر طرا نکند و عمل کند کہ حسن معاویہ کی مخالفت نہ کریں گے بشرطیکہ درمیان مردم کتاب خدا و سنت رسول خدا و کتاب اللہ و سنت رسول اور سنت خلفاء و سیر خلفاء ثلاثہ (جلال العیون ص ۲۵۲) نیکو کار را شنیدین کے طریقے پر لوگوں میں عدل و حکومت کریں۔

زہد تقویٰ اور نظریہ میں حضرت مرتضیٰؑ کی تصویر حضرت ابوذر غفاریؓ بھی سیر شیخین کو واجب العمل جانتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ سے فرمایا۔

ابوذر گفت تو بر سیرت و سنت ابوبکر و عمر و تا فارغ باشی و کسے بر تو انکار نکند و کی سیرت پر چلتے رہیں تا کہ مطمئن ہوں کوئی درآئیدہ کوئی و کئی انگشت نهند (جالس المؤمنین ج ۱ ص ۲۲) آپ پر اعتراض نہ کرے اور آپ جو کچھ کہیں اور کریں اس پر انگلی نہ رکھے۔

معلوم ہوا کہ سیرت شیخین ہر قسم کے اکابر صحابہؓ میں بھی مقبول و ملم تھی۔ حضرت عثمانؓ سے کسی صحابی کو اگر پالیسی میں اختلاف ہوا تو اپنی دانست میں سیرت شیخین کے خلاف جانا کیا

شینین کی صداقت اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہما کے حسن تعلقات میں اب بھی شبہ ہے۔

۶۔ خلفاء سے عطیات و وظائف پانا
جب اصحاب بدر کے وظائف مقرر ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ان کے برابر ۵۰۰ درہم مقرر ہوا۔
حضرت حسن و حسین گو بدری نہ تھے مگر قرابت نبوی کی وجہ سے ان کا بھی پانچ پانچ ہزار عطیہ مقرر کیا (الفاروق صفحہ ۶ بحوالہ کتاب الخراج ص ۲۴-۲۵)
(یہیں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیت نبوی سے مودت و محبت کا اندازہ معلوم کیا جاسکتا ہے۔)

۷۔ حضرت حسین کے لیے یزید جو دشمن ایران کی مٹی شہر بانوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت پر قیدیوں میں سے قبول کیا۔ (ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۴۹)
اب اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق نہ تھے اور ان کی جنگیں شرعی جہاد نہ تھیں (اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی جنگ میں شرکت نہ کی جیسے روافض کا خام خیال اس سوال میں بھی مذکور ہے) تو پھر ان فتوحات کے غنائم اور قیدی سب ناجائز ہاتھ آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو یہ وظائف اور باندی بہرگز جائز نہ تھی۔ کیا یہ حضرات عمر بھر (معاذ اللہ) حرام کھاتے رہے اور سادات کا نسب بھی مخدوش ہو گیا؟

۸۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن تعلقات کی حد یہ ہے کہ اپنی محنت جگر ام کلثوم بنت فاطمہ الزہراء بھی نکاح کر کے دے دی۔ مجالس المؤمنین کا ایک حوالہ گزر چکا ہے ص ۱۸۸ اور ص ۱۸۹ میں بھی باقاعدہ ذکر کیا ہے۔

مزید تصریح فروع کافی ج ۲ ص ۱۳۱ باب تزویج ام کلثوم۔ تہذیب الاحکام ص ۳۸ اور فروع کافی ج ۲ ص ۳۱ پر ملاحظہ کریں۔

اس برضا و رغبت نکاح کو شیعیہ معاذ اللہ۔ انھوں نے غضب فرج۔ جبر اور اگر اسے تعبیر کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیرت کا جائزہ نکال دیں تو یہ انہی کا ایمان یا جگر گودہ ہے ایک مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

صرف عملی تعلقات ہی بہتر نہ تھے بلکہ اعتقادی اور لسانی طور پر آپ ان خلفاء کی تشریف میں رطب اللسان رہتے۔

حضرت علیؑ اور مدحِ شیخین رحمہ اللہ بلا دفلان فقد پنج البلاغہ میں آپ کا یہ مشہور خطبہ ہے۔

قوم الادود و دادی العمد و اقام السنۃ
و خلف الفتنة ذهب نقي الثوب
قليل العيب اصاب خيرها و سبق
نشرها ادى الى الله طاعته و اتقاه
بحقه رحل و تركهم في طرق متشعبة
لا يهتدى فيها الضال و لا يستيقن
المهتدى رنج البلاغہ م شرح فيض
الاسلام ج ۲ ص ۴۳

عمر یا ابو بکر کتنی خوبوں کا مالک تھا کتنی کو
سیدھا کیا۔ خرابی کی اصلاح کی۔ ست کو
لوگوں میں قائم کیا اور فتنہ کو بجھا دیا۔ دنیا
سے پاکدامن رخصت ہوا۔ کم عیب والا تھا خلافت
کی بھلائی پائی اور اس کی برائی سے بچ نکلا
اللہ کی اطاعت پوری کی اور کما حقہ اس سے
ڈرتا رہا۔ دنیا سے جب رخصت ہوا تو ان کو تاریکی
کے مختلف راستوں میں چھوڑ گیا۔ جن میں نہ گمراہ

ہدایت پاتا ہے نہ ہدایت یافتہ کو راستے کا یقین ہوتا ہے۔ (گویا آفتاب تھا غروب ہوتے ہی دنیا
تاریکی میں ڈوب گئی)۔

شارح نقی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ کی مدح ہے۔

امر خلافت منظم بودہ اختلائے درال
راہ نیافت طاعت خدا را بجا آوردہ اند
تا فرمانی او پر ہیز کردہ حقش را ادا نمود۔
حق (پورا) ادا کیا۔

قدیم شارحین یہ خطبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق فرماتے ہیں اور متاخرین حضرت
عمرؓ کے متعلق کوئی بھی مراد ہو خلافت راشدہ کی تصدیق ہو گئی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو
دین کا قائم کرنے والا، راست رو اور دین کو مضبوط کرنے والا بتایا۔ (نہج البلاغہ ص ۲۶۳)
نیز شیخینؓ کے متعلق یہاں تک فرمایا۔

ولعمری ان مکانہما فی الاسلام
لعظیمی وان المصاب بہما الجرح فی
الاسلام شدید یوحیہما اللہ وجزا
باحسن ما عملہ (شرح منہج البلاغہ ج ۳ ص ۳۱۴)

مجھے اپنی جان کی قسم ان دونوں کا مترہ اسلام
میں بہت بڑا ہے اور ان کی وفات کا صدمہ
اسلام میں بہت سخت زخم ہے۔ اللہ ان پر رحم
فرمائے اور ان کو بہترین کاموں پر جزائے خیر دے

قسم اٹھا کر اپنے عقائد اور حقائق بیان کیے جاتے ہیں۔ الزامی باتیں یا مسلمات خصم یوں بیان
نہیں کی جاتیں۔ نیز ایک اور طویل خطبہ میں حضرت عمرؓ کو آپ نے مسلمانوں کا مرجع بنائے پناہ
اور مشابہ المسلمین فرمایا (منہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۴)
نیز آپ کی خلافت کو موعودہ خداوندی۔ آپ کے لشکر کو خدائی لشکر۔ آپ کی فتوحات کو
اللہ کے دین کا غلبہ۔ آپ کو قیام الامر (خلیفہ) اور ہمارے دانوں کے لیے بمنزلہ دھاگہ اور قطب
زمان وغیرہ فرمایا (منہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۹)

ان تمام خطبات والفاظ میں شیخین کی خلافت اور صداقت کی پوری پوری بلاشبہ
تصدیق ہے۔ اب شیعہ کے لیے دوہی راستے ہیں یا تو ان تمام تعلقات اور ارشادات کو معنی بر
صدق جان کر شیخین کو برحق تسلیم کر لیں یا پھر ان کو راجعاً بذاتہ محض صند کی وجہ سے ظالم
وغیرہ ماننے کی صورت میں یہ اعلان کریں کہ امیر المومنین کا یہ رویہ منافقانہ تھا اور آپ اس
آیت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

وَلَا تَدْرُکُوا إِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوا
فَتَمْسَکُہُمُ النَّارُ (ہود ۱۰۶)
اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تم کو
آگ پکڑے گی۔

بجنگ میں شرکت نہ کرنے کا شبہ
رہا یہ شبہ کہ عہد راشدہ کے جنگ و جہاد میں کیوں شریک
نہ ہوئے تو یہ ثابت اختلاف نہیں۔ جب آپ وزارت
افتار و مشاورت جیسے اہم عہدوں کی ذمہ داری لے کر خلافت راشدہ کی خدمت کر رہے تھے
تو عام سپاہی کی حیثیت سے تلوار لے کر لڑنا کون سی فضیلت کی بات ہے۔ حضرت علیؓ احسن
مصرفیات کی وجہ سے خود کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تو حقانیت خلافت راشدہ پر کوئی

حرف نہیں آتا۔ کیونکہ حضرت حسن و حسینؑ نے خلافت حضرت عثمانؓ میں فتح افریقیہ میں شریک ہو کر باقاعدہ جہاد کیا اور حصہ غنیمت پایا۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں فتح قسطنطنیہ میں یہ دو حضرات عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم کے ہمراہ شریک ہوئے (طبری البیہ ۸ ص ۳۲ وغیرہ) شیعہ کے معتد بزرگ حضرت حسن ابصری عہد معاویہؓ میں شریک جہاد ہوتے تھے (املا خطہ جلاء العیون ص ۲) اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ جیسی زاہد متقی اور مومن عدالتیہ شخصیت حضرت عثمانؓ کے دور میں مدائن کی گورنر رہی۔ ملا باقر علی مجلسی حیات القلوب ج ۲ ص ۶۵ پر لکھتے ہیں۔

زیر کہ عمر اور والی مدائن گردانیدتا ابتداً کیونکہ حضرت عمرؓ نے آپ کو مدائن کا حاکم بنا دیا

خلافت امیر المومنین والی بود تھا آپ حضرت امیر المومنین کی خلافت تک والی رہے۔

حضرت مصطفیٰؐ کے رفیق خاص حضرت عمار بن یاسرؓ کو ان کی درخواست پر حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم بنایا تھا مگر کوفہ کے لوگ آپ کے قابو میں نہ آئے تو منزل ہو کر واپس آ گئے۔ (کتب تاریخ) جملہ وضعین کی جنگیں جہاد نہ تھیں بلکہ ملوایان عثمانؓ کی سازش سے آپ کو لٹنا پڑا جس کی تفصیل اپنے موقف پر آئے گی۔ ہم یہاں مولانا محمد صدیق صاحب کا کشف الاسرار سے اسی بات کے جواب کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔

”لیکن بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ ذوالفقارؒ نے نیام سے نکلنے کے باوجود ان میں سے کوئی چیز وقوع پذیر نہ ہوئی۔ داخلی محاذ پر اگرچہ باہمی جنگیں ہوتی رہیں لیکن حضرت علیؓ کے حامیوں کی تعداد کم اور حضرت معاویہؓ کے حامیوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ حضرت علیؓ کے زیر اقتدار رقبہ کم ہوتا رہا اور حضرت معاویہؓ کے مقبوضات میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس پورے چھ سالہ دور میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں ایک ایسے رقبہ بھی کفار کے ہاتھوں سے نکل کر اسلامی مملکت میں شامل نہیں ہوا اور وہ مسلمان جو قیصر و کسریٰ کے تخت و سوا میں تھے ایک بار پھر قیصر کی دھمکیوں کا نشانہ بن گئے۔ مذہبی طور پر مسلمانوں میں جس قدر انتشار اس دور میں ہوا اس سے قبل موجود نہ تھا۔ پہلے مسلمانوں کی جھجکت اور کلمہ واحد تھا۔ ایک ہی فرقہ تھا جسے مسلمان کہتے ہیں لیکن اب شیعہ کا وجود منظر عام پر آیا۔ خوارج مرض وجود میں آئے حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائلین دکھائی دیئے۔

حضرت علیؓ کو غزوہ بالند کا قرار دینے والے بے گناہ ہل اپنے عقاید و انکار کا پرچار کرنے لگے۔ آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ذوالفقار کا پیام کے اندر رکھنا امت مسلمہ کے لیے بہتر تھا (جیسا کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں ہوا) یا اس کا پیام سے باہر نکالنا۔ جبکہ ہم حضرت علیؓ کی وفات کے بعد دیکھتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے ذوالفقار کا پیام میں ڈالی تو حضرت امیر معاویہؓ کی قیادت میں مسلمان ایک بار پھر متحد ہو کر کفار کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ جہاد کا آغاز کیا۔ نئے علاقے فتح ہوئے لگے مسلمان علیؓ تہذیبی اور ثقافتی طور پر پھر عروج کی طرف گامزن ہو گئے اور اس پورے دور (۲۰ سال) میں کہیں کوئی شورش یافتہ نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس کے بعد کو مسلمانوں نے عام الجماعۃ کا نام دیا۔

مزید غور کیجیے کہ حضرت حسینؓ نے جب ذوالفقار کو ایک بار پھر پیام سے نکالا تو عالم اسلام کو دوبارہ نونی حوادث سے دوچار ہونا پڑا اگر بلا کا ساتھ پیش آیا۔ مدینہ میں قتل و غارت ہوئی اور جب امام زین العابدینؓ نے ذوالفقار کو پیام میں ڈال دیا تو عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک وغیرہ خلفاء کی زیر قیادت مسلمان پھر متحد ہو کر کفار پر عذاب لے آئے۔ ان حقائق کی روشنی میں شیعیہ حضرات سے ہی ہم فیصلہ چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا ذوالفقار کو میان سے باہر نکالنا بہتر تھا یا اسے میان کے اندر رکھنا بہتر تھا۔ (کشف الاسرار ص ۸۵، ۸۶)

حضرت خالد بن ولیدؓ کو سبقت اللہ کا لقب خلفائے نہیں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عطا فرمایا تھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۳۱ ج ۲ ص ۶۱۱) جبکہ آپؐ نے غزوہ موتہ میں کمان سنبھال کر تلواریں توڑیں اور تین ہزار کے معمولی لشکر کو ایک لاکھ مسلح رومیوں سے مقابلہ کرا کر اور حکمت علیؓ سے بحیر و عافیت واپس لے کر آئے۔

حضرت خالدؓ کو حضرت علیؓ سے شجاع نہ ہوں مگر کفار ان کے ہاتھ سے زیادہ قتل ہوئے عہد صدیقی میں۔ مرزین۔ سیلم کے پیر و کار اور فتوحات شام کے محروکوں میں حضرت خالدؓ کا بہت بڑا نمایاں حصہ ہے۔ (ملاحظہ ہو ابن سعد ج ۲ ص ۱۳)

شیعہ دوستو! یہی تو ہماری دلیل ہے کہ مدار فضیلت اخلاص کے ساتھ جہاد میں شرکت اور ثابت قدمی ہے۔ بالفعل بخیر قتل تو اتفاقی بخت ہے۔ افضلیت کی دلیل نہیں۔ ورنہ خود شیخ الناس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت سلمانؓ۔ ابوذرؓ اور ابوالدرداءؓ (عند الشیعہ مسلمان)

کے مقتولین کی تعداد بتائی جائے۔ جیسے حضرت خالدؓ کثرتِ قتل کے باوجود ان بزرگوں سے افضل نہیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ جنگ میں شہید ہونے کے باوجود حضراتِ خلفاءِ ثلاثہ سے افضل نہیں۔ فافہم۔

طبری کے مکالموں کی حقیقت | رہے جو الفاروق طبری کے دو مکالمے تو وہ اس لائق نہیں کہ ان پر بنیاد رکھ کر حضراتِ اہل بیتؑ اور خلفاءِ اسلام پر اقتدارِ طلبی اور حسد کا الزام کر دیا جائے۔

اولاً۔ اس لیے کہ ان کی سند مجاہل سے ہے۔ پہلے مکالمہ کی سند میں عمرؓ علیؓ ابوالولید مکی۔ ولدِ طلحہ کا ایک آدمی از ابن عباس ہے۔ (طبری ج ۴ ص ۲۲۲) ان چاروں رواۃ کے تراجم کتبِ جالِ تقریب تہذیب۔ میزان الاعتدال میں نہیں ملے۔ جیسے عمر اور علی کا ولایت و نسبت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی نتیجہ نہیں لگتا۔ اسی طرح اولادِ طلحہ کا ایک آدمی ”ابن ہبہ خانہ مجاہل است“ کا مصداق ہے۔ دوسرے مکالمہ کی سند میں ابن حمید سلمہ۔ محمد بن اسحاق۔ ایک آدمی از عکرمہ از ابن عباس (ج ۴ ص ۲۲۳) ایک آدمی از عکرمہ بالکل محجول ہے۔ محمد بن اسحاق صاحبِ المغازی پر کڑی تہرج موجود ہے لیکن اس کا راوی سلمہ بن الفضل الابریش تو شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی احادیث میں کچھ مناکیر ہیں۔ نسائی ضعیف کہتے ہیں۔ ابوحاتم سے ناقابلِ احتجاج کہتے ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس کے شہرے کے باشندے اس کی بدعتیگی اور ظلم کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ صرف ابن معین کہتے ہیں ہم نے اس کی باتیں کبھی ہیں منازعی میں۔ اس کی کتاب خوب جامع ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۲) ابن حمید کا ترجمہ بلا ہی نہیں۔ بھلا ایسی لچر سند والی روایتوں سے اکابر صحابہ پر طعن کرنا شیعہ ہی کو زیب دیتا ہے۔

ثانیاً۔ شیعہ کو یہ مکالمے چنداں مفید بھی نہیں کیونکہ جب ان مکالموں کی رو سے حضرت علیؓ کی طرفداران کی قوم (بنو ہاشم) بھی نہیں ہوئی اور ان کو نبوت و خلافت کا ایک خاندان میں جمع ہونا گوارا نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ حضراتِ حربِ بقیعہ رکھنے کے باوجود ایک ہاشمی کی بھی اپنی کتب سے نشانہ ہی نہیں کر سکتے جس نے بقولِ شیعہ حضرت علیؓ کے حقِ خلافت کی تائید کی ہو۔ حوالہ جات سوال ۲ کے جواب میں گزر چکے ہیں پھر آپ کیسے دعویٰ خلافت کر کے لوگوں کی نظروں میں مطعون ہوئے

اور خلفاء سے کشیدہ و بیزار رہتے کیا قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ
 کیجئے اے اللہ تو ہی بادشاہی کا مالک ہے جسے چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے۔ کی شان اور وعدہ
 خداوندی۔ لَيْسَتْ خَلْفَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ نَزَّاهٌ عَنْ مِثْلِ مَا يَفْعَلُونَ۔
 وغیرہ جیسی آیات حضرت علیؓ و ابن عباسؓ کے پیش نظر تھیں جب اللہ نے حسب وعدہ ایک حق
 حق دار کو پہنچا دیا اور آیت اختلاف کو حضرت عمرؓ کی خلافت پر حضرت علیؓ نے ہی منطبق کیا اور شرح نہج
 البلاغہ فیض الاسلام نقی ج ۱ ص ۴۳۲) تو اس حقیقت کے باوجود تمنائے خلافت یا خلفاء پر حسد کیا؟
 افسوس کہ شیعہ حضرات اپنا باطل نظریہ ثابت کرنے کے لیے ان بزرگوں پر حسد اور طلبِ جاہ کا الزام لگا
 دیتے ہیں۔

مکالمہ میں حضرت ابن عباسؓ کی زبانی بنی ہاشم کا مثل آدم محسود ہونا بتایا گیا ہے حالانکہ حقیقت
 کے برخلاف ہے۔ حسد ہمیشہ کم خویوں والا اعلیٰ خویوں والے پر کرتا ہے۔ بنو ہاشم میں سے نبوت تو صرف
 سرور کائنات علیہ افضل السلام والصلوات کا خاصہ تھی۔ قرابت نبوی گوناہری فضیلت اور ضرور
 قابلِ احترام ہے لیکن قرآنی تعلیم کے مطابق افضلیت کا معیار قرابت پیغمبر کے بجائے ایمان تقویٰ
 اور اعمالِ صالحہ میں سبقت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سوائے حضرت علیؓ کے صخر سنی میں اور ابو عبیدہ بن
 الحارث، جعفر طیار پھر حضرت حمزہؓ کے کسی ہاشمی نے سبقت الی الاسلام والہجرت نہیں کی۔ بغیر بنو ہاشم
 سابقون میں ہیں تو نبوت سے فیض یافتہ ہونے میں بغیر ہاشمی یا بنو ہاشم کے ساتھ شریک ہیں یا ان
 سے افضل ہیں۔ پھر شیعہ کے اعتقاد کے مطابق عام مسلمانوں کے دلوں میں بنو ہاشم کا وقار و اکرام ہی
 نہ تھا کہ سب ہی حضرت علیؓ کو چھوڑ کر خلفائے ثلاثہ زید پر متفق ہو گئے۔ پھر کس بات میں ان حضرات
 پر کوئی حسد کرتا۔ بالفرض اگر کوئی محسود تھا اور آج تک ہے تو وہ خلفاء راشدین ہی ہیں کہ سب
 امت کے دلوں میں بس کر نیابتِ پیغمبر کا حق ادا کیا۔ خدا نے فتوحات کے دروازے ان پر کھول دیئے۔
 قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں تلے روندے گئے۔ نصف سطح ارضی پر توحید خداوندی اور
 رسالت محمدی کے پرچم لہرائے اور آج بھی ۱۰ کروڑ مسلمان خطبات و دعاؤں میں ان کو بڑی عقیدت
 پیش کرتے ہیں۔ روافض کی طرح اپنے ان بزرگوں کے نام پر گداگری کر کے کشکولِ خیرات نہیں
 نہیں بھرتے۔ (رضی اللہ عن جمیع الصحابہؓ)

سوال ۱۔ قصہ قرطاس

اگر حسب کتاب اللہ ایک امتحان کا جواب تھا جو حضرت عمرؓ نے درست دیا تو اسی واقعہ قرطاس میں اس بزرگ نے کس سیاست کے تحت ارشاد فرمایا کہ اس مرد کو ہدیان ہو گیا اور کھونجاری شریف الفاروقؓ،

الجواب۔ یہ شیعہ کا انتہائی گندہ اور محرکۃ الارادہ طعن ہے۔ پہلے پوری حدیث ملاحظہ کریں تاکہ شیعہ دھوکہ سامنے آجائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ جبرائیلؑ کو رخصت و وفات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلامؐ کو تکلیف سخت ہو گئی تو آپؐ نے فرمایا ایک کاغذ لاؤ میں تم کو تحریر لکھ دوں تو ہرگز میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ پس حاضرین آپس میں بحث کرنے لگے۔ حالانکہ نبیؐ کے پاس جھگڑا مناسب نہ تھا۔ تو کہنے لگے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر جانے والے ہیں ایک روایت میں ہے کہ آپؐ پوچھ چلو تو آپؐ نے فرمایا میرا خیال چھوڑ دو جسے حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جب ہر تم بلاتے ہو یعنی کتابت، پھر آپؐ نے وفات سے

قال ابن عباس اشتد برسول الله صلى الله عليه وسلم وجع يوم الخميس فقال ايتوني بكتب اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعد كما ابدل افتاد عوا ولا ينبغي عند بني تذازع فقالوا ايجي رسول الله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال دعوني فالذي انا فيه خير مما تدعونني اليه وادعوني عند موته بثلاث اخرجا المشرقين من جزيرة العرب واجيزوا الوفد بنحو ما كنت اجيزهم ونسبت الثالثة (بخاری ج ۱ ص ۲۲۹)

پہلے یہ وصیت کی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ و فود کو ٹھہرا کر وہ جیسے ہیں ٹھہرایا کرتا تھا ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ میں تیسری بات بھول گیا۔

یہ حدیث ج ۱ ص ۲۲۹ اور ج ۲ ص ۲۳۸ پر تو انہی الفاظ کے ساتھ ہے مگر ج ۲ ص ۸۲ اور ج ۲ پر ۱۰۹۵ یہ الفاظ ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہے اور ہمارے پاس قرآن،

قال عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم قد غلبه الوجع وعندكم القرآن

حسبنا کتاب اللہ فاختلف اهل البيت
واختصموا فمنهم من يقول قرا بوا
یکتب لکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کتابا لن تضلوا البعدا ومنهم
من يقول ما قال عمر فلما اکثر وا
اللفظ والاختلاف عند النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال قوموا عنی وفي
روایۃ اھجر استفھموا

جو اصولا ہدایت میں ہمیں کافی ہے پس اہلبیت
نے اختلاف کیا اور جھگڑنے لگے کچھ کہتے تھے کہ
حضور کو قلم دوات لا کر دو تاکہ آپ نوشتہ
لکھ دیں تو اس کے بعد گمراہ نہ ہو گئے۔ اور کچھ
حضرت عمرؓ کی بات دہراتے تھے جب شور اور
اختلاف زیادہ کیا حضورؐ کے پاس تو آپؐ نے
فرمایا مجھ سے اٹھ جاؤ اور ایک روایت میں ہے
کیا آپؐ دنیا سے ہجرت کرنے والے ہیں پوچھو۔

روایت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سخت بیماری کی حالت
میں ایک وصیت کھوانے کے لیے قلم دوات مانگی حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی تکلیف اور درد کے پیش نظر
حاضرین سے بطور ادب و مشورہ کہا کہ چونکہ ہمارے پاس کتاب اللہ قرآن کریم کافی ہے آپؐ کو کھوانے
کی تکلیف نہ دی جائے۔ حاضرین میں دو گروہ ہو گئے ایک نے لانے پر اصرار کیا۔ دوسرے نے حضرت
عمرؓ کی تائید کی جب شور اور اختلاف بڑھ گیا۔ قلم دوات کسی نے نہ لا کر دی تو آپؐ نے اٹھ جانے کا
حکم دیا پھر کھوانے کا تقاضہ کرنے والوں سے کہا مجھے اپنے حال پر پہنچے دو۔ پھر آپؐ نے تین بانوں
کی زبانی وصیت فرمادی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ باہر سے آنے والے وفود کی میری طرح
تنظیم اور خاطرداری کرو۔ غیسری راوی بھول گیا۔

یہ ارشاد آپؐ نے بطور امتحان فرمایا تھا حضرت عمرؓ نے اس کا صحیح جواب دیا چنانچہ تائید عمرؓ
میں آپؐ نے کھوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یا شفقت و ہمدردی کے تحت تھا مگر حاضرین کے شور
کے پیش نظر اس پر عمل نہیں کر دیا۔ وہ وحی نہ تھا اور نہ حکم سرور سی تھا۔ ورنہ عمرؓ کا درد فرما کر ضرور
کھواتے اور حاضرین کے شور کی بھی پرواہ نہ کرتے۔

ہمارے ہاں تو خاص اشکال نہیں۔ اتفاق سے محفل میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ مگر شیعہ
حضرات جو جان نثاران نبویؐ پر اعتراض کرنے میں نہایت حریص و ہوشیار ہوتے ہیں اور ایسے واقع
میں "پر کا کوا" اڑاتے ہیں۔ اس واقعہ میں خوب سنج و تحریف کر کے حضرت عمرؓ کو نشانہ بنا کر

کہتے ہیں۔

۱۔ حضرت عمرؓ نے فرمان نبویؐ کے گویا وحی الہی کو رد کر دیا۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف العیاذ باللہ، زبان زیند یا بیماری میں بے ارادہ نکلنے والی بات کی نسبت کی۔

۳۔ تحریر میں روکاوٹ ڈال کر امت کو گمراہی پر ڈال دیا۔

اب ان تینوں باتوں کی الگ الگ حقیقت ملاحظہ ہو۔

امراول نہ وحی تھی نہ خاص حضرت عمرؓ مخاطب تھے۔
اُتیقنی جمع حاضر کا صبیحہ ہے۔
سب حاضرین کو قلم دوات لانے

کا حکم تھا جس میں اہل بیت حضرات بھی شامل تھے بلکہ مسند احمد ج ۱ صفحہ ۲۳۹ پر یہ تصریح موجود ہے۔ کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس کوئی چیز لاؤں جس میں آپ وہ ارشاد بکھوائیں کہ امت ان کے بعد گمراہ نہ ہو۔ فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ حضورؐ میرے جاتے ہی فوت نہ ہو جائیں۔ تو میں نے کہا (آپ زبانی بتادیں) میرے محفوظ کر کے یاد رکھوں گا۔ پھر آپؐ نے نماز کو قوف اور غلاموں کے حقوق کے متعلق وصیت کی۔“
واقعہ قرطاس کی اس میں ایک گونہ توضیح ہو گئی اور قرین قیاس یہی ہے کہ کاغذ قلم لانے کا حکم اپنے افراد خانہ اور قرابت داروں کو ہونہ دوسروں کو۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ اس موقع پر موجود نہ تھے۔ تو کیا حضرات حنیف، حضرت عباسؓ اور کوئی بھی ہاشمی نہ تھا؟ جب تھے تو انہوں نے قلم دوات لا کر کیوں نہ دی۔

۲۔ آپؐ نے یہ صرف اجتہاد سے فرمایا تھا۔ وحی نہ تھی۔ اگر وحی ہوتی یا ضروری تحریر ہوتی تو آپؐ جہالت کے بعد پر تک ۴ دن زندہ رہے۔ اس وقت یا بعد میں ضرور بکھوادیتے۔ قول عمرؓ یا اہل خانہ کے شور کی پرواہ نہ کرتے کیونکہ وحی الہی کا سنا نا حاضرین کی مرضی پر موقوف نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ وحی تو تھی لیکن پھر حکم وحی آپؐ نے بکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا اس سے تو حضرت عمرؓ کی تائید وحی الہی سے ہو گئی جو منقبت کی دلیل ہے۔ جیسے سراج کے وقت ۵۰ نمازوں کا حکم پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار سے بار بار کی۔ پھر وحی الہی سے پانچ حرف بعد حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے تفقہ کی دلیل ہے اور نسخ قبل الحکم کی بھی ایک مثال ہے لہذا مانحن فیہ سنی علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

در تحریر بکھوانے کا ارادہ نبوی یا وحی سے تھا یا اجتہاد سے۔ تو اسی طرح نہ بکھوانے کا ارادہ بھی یاد و بارہ وحی سے ہوا یا اجتہاد سے ہوا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۸۱)۔ شیعہ علماء بھی ارادہ ترک کو وحی کے ذریعے مانتے ہیں۔ چنانچہ فلک النجات ج ۱ ص ۲۳ پر ہے۔

واما سکو تہ علیہ السلام بعد التنازع ما کان من عند کابل کان بوحی کما بین فی مقامہ۔
اور حضور کا حاضرین کے اختلاف کے بعد خاموش رہنا (یعنی تحریر نہ لکھوانا) اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ وحی خداوندی کے تحت تھا۔ جیسا کہ اپنے مقام پر واضح ہے۔

یہ حضرت عمرؓ کی کرامت ہے کہ کثر شیعہ عالم نے یہ بات لکھ کر حضرت عمرؓ سے تمام الزامات کا صفایا کر دیا۔ بلکہ یہ رائے خدا و رسولؐ کو پسند آکر موافقات عمرؓ میں شامل ہو گئی۔ جیسے ازواج مطہرات کے لیے پردہ کا مشورہ۔ مقام ابراہیمؑ پر نماز پڑھنے کا مشورہ اور ساری بد ترک و قتل کرنے کا مشورہ خدا کو اتنا پسند آیا کہ اس کا باقاعدہ حکم قرآن میں آنا لگیا اور شان فاروقی نمایاں کی گئی۔

۳۔ کسی خاص داعیہ کے پیش نظر ظاہر الفاظ پر عمل نہ کرنا نافرمانی اور منافق ایمان نہیں ہوتا۔ حدیث کے موقع پر ہر اس شخص نے حضرت علیؓ کو حضورؐ نے لفظ رسول اللہؐ مٹانے کا حکم دیا تھا۔ مگر آپؐ نے قسمیہ انکار کیا۔ پھر حضورؐ نے وہ لفظ خود مٹایا۔ یہاں شخصی حکم ہے آپؐ نے فرمان نبویؐ کی تعمیل سے قسمیہ انکار کیا۔ حضورؐ نے اسے قبول نہ کر کے۔ وہ لفظ خود مٹایا۔ اگر یہاں حضرت علیؓ کی شخصیت کے پیش نظر محبت رسولؐ کے جذبہ سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے اور حضرت علیؓ کو نافرمان اور منافق نہیں کہا جاسکتا تو پھر واقعہ قرطاس میں قد غلبہ الوجع آپؐ کو سخت تکلیف ہے حضرت ابن عباسؓ بھی۔ اشتد برسول اللہؐ حضورؐ کی بیماری سخت ہو گئی تھی اسی کو بیان کرتے ہیں۔ سے حضرت عمرؓ کی محبت نبویؐ پر استدلال کیوں نہ کیا جائے (دلائل النبوة بیہقی) جبکہ آپؐ کو شخصی حکم نہیں اور نہ پھر آپؐ نے اس حکم ضروری سمجھ کر عمل کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اہل سنت بھی حضرت

امیر کے انکار کو ادب سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر ہم تو اس سے کم تر واقعہ ہذا میں بھی ادب کا لیا کرتے ہیں۔ شیعہ ایک بزرگ سے محبت اور دوسرے سے دشمنی کی بنا پر تفریق کریں تو اس ضد کا تو کوئی علاج نہیں۔ ہمارے یہاں دونوں بزرگوں کا رد عمل ایک ہی جذبہ سے ہے۔ کشف الغمہ ۳۵۱ پر ہے کہ جب حضرت علیؑ کی کھڑکی کے سوا اور سب صحابہؓ کی کھڑکیاں مسجد کی طرف سے حضورؐ نے بند کرنے کا حکم دیا تو حضرت حمزہؓ نے غصہ میں حضورؐ سے فرمایا اے محمدؐ! آپ ہم کو نکالتے ہیں اور بنی مطلب کے لوگوں کو ٹھہراتے ہیں؟ کیا شیعہ حضرت حمزہؓ پر بھی فتویٰ لگائیں گے۔

قوموا عنی (امیر خیال چھوڑ دو) کا نزہ بھی حضرت عمرؓ پر گرایا جاتا ہے۔ حالانکہ مفصل روایت میں اسی مطلب کو حضورؐ نے یوں واضح فرمایا ہے۔ دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعوننی الیہ و مجھے چھوڑ دو میں جس مراقبہ الہی کی حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو یعنی تحریر، بظاہر یہ خطاب ان ہی لوگوں سے ہے جو قلم و دوات تو نہ لائے مگر تحریر چاہتے تھے تو آپؐ نے فرمایا اس بات کو جانے دو یہ قوموا عنی۔ ایسا ہی ہے جیسے آپؐ نے فرمایا۔ قرآن اس وقت تک تلاوت کرو جب تک دل تمہارا خوش ہو اور فاذا اختلفتم فقوموا عنہ (جب زبان و دل میں اختلاف ہو تو تلاوت چھوڑ دو۔ بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۵) اس حقیقت کے باوجود صحابہ کرامؓ یا حضرت عمرؓ کو طریقہ رسولؐ کہنا انتہائی خجاست ہے۔

امر دوم۔ نسبت بذیان کی حقیقت۔ صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی جو اصولی کتابیں ہیں ان میں اس واقعہ کی بعض روایتوں میں۔ حضرت عمرؓ کا قول اسی قدر ہے کہ آپؐ کو سخت تکلیف ہے۔ (اصولی طور پر ہمیں قرآن کافی ہے۔ لفظ اَکْبَر۔ قالوا کے بعد آیا ہے۔ یعنی اور لوگوں نے یوں کہا جن بعض محدثین نے اسے مقولہ عمرؓ قرار دیا ہے۔ روایات صحیحہ کے مقابل ان کا قول معتبر نہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمرؓ کا مقولہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی تحفہ اشاعرہ میں یہی لکھا ہے (مجمعات ص ۳۷)

نعت و استعمال میں ہجر کے معنی۔ فراق وصال۔ چھوڑنا اور ترک کرنا آتا ہے کبھی مفید اور مرض میں تعبیر ارادہ کلام پر بھی بولا جاتا ہے۔ مصباح اللغات ص ۹۷ میں ہے۔ ہجرۃ (ن) ہجر او ہجرانا۔ قطع تعلق کرنا۔ چھوڑنا۔ ہجرت یعنی ترک کرنا۔ اعراض کرنا۔ زوجہ۔ بنیہ طلاق دیئے

ہوئے الگ ہونا اور فیرو اللغات ج ۲ ص ۵۲ میں ہے۔ ہجر جدائی کرنا کسی سے قطع تعلق کرنا۔ ہجرت کا معنی تب ہوتا ہے کہ مصدر ہجرا، ہجیرا۔ ہجیرا مصدر سے استعمال ہو (حوالہ مذکور) ورنہ ترک و جدائی کے معنوں میں آتا ہے کبھی مفعول ذکر ہوتا ہے کبھی نہیں جیسے "سمر" تہجرون کی قرآنی مثال آ رہی ہے جو لوگ کتب لخت سے صرف ہدیان والے معنی پر نہ وردیتے ہیں یہ ان کی بددیانتی محض تعصب اور عر دشمنی پر مبنی ہے۔ ورنہ لفظ مشترک کے معنی "سباق و سباق" قائل اور مفعول فیہ کے مناسب حال متعین ہوتے ہیں۔ اپنے باطل مقصد کے پیش نظر لخت سے محض مطلوبہ معانی چن لیے جائیں تو شریعت اسلامیہ کا کوئی عقیدہ اور عمل ثابت نہ ہو سکے گا۔ اسی تکنیک کے پیش نظر قادیانی ختم نبوت کے اور منکرین حدیث۔ حدیث نبوی اور نماز کی متفقہ ہئیت کے بھی منکر ہیں کیونکہ صلوة کا معنی چوڑا ہونا لخت میں نکھا ہے۔

ہجر کے معنی چھوڑنا اور ترک کلام لخت کے علاوہ قرآن و حدیث میں مستعمل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ لا یحل لمسلم ان یتھجر اخاه فوق ثلاثۃ ایام (کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ گفتگو ترک کرے) اور حدیث سوال فاطمہؓ میں ہے فہجر ابابکر۔ پس حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اس مسئلہ میں گفتگو چھوڑ دی۔ حدیث عائشہؓ میں ہے ما اھجر الا اسمک (بخاری) حضور! صرف آپ کا نام لینا چھوڑتی ہوں (دلی محبت بڑھ رہی ہے، نیز فرماتی ہیں ولقد ھجی فی القریب والبعید) مجھے قریب و بعید سب نے چھوڑ دیا، کیا یہاں بکو اس اور ہدیان کے معنی ہوں گے کہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ گالی کبنا جائز نہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو گالیاں دیں۔ یا حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے نام کو گالی دی یا ان کو قریب و بعید نے گالی دی؟ تو حدیث زیر بحث میں یہ معنی کیوں درست نہیں۔ کیا حضورؐ نے زبانی ارشاد فرمایا چھوڑ دیا ہے کہ لکھوانے کا حکم دیتے ہیں۔ لخت و استعمال کے لحاظ سے اس میں کیا تخریب ہے؟ چھوڑنے اور جدائی کے معنوں میں کئی جگہ قرآن کریم میں بھی یہ معنی استعمال ہوا ہے۔

۱۔ مُسْتَكْبِرٌ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْرُ النَّجَسِ وَدُنْ
کہنے والے کے چھوڑ بیٹھا کرتے تھے۔
اور تکبر کر کے اس (ہمارے رسولؐ) کو مثل کمانی

۲۔ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (پ ۱۶)

۳۔ وَاَهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ (نزل) اور ان کو خوبی کے ساتھ چھوڑ بیٹھو۔
۴۔ وَالرُّجْزُ فَاهْجُرْ (مدثر) اور میں کچل کو دھو ڈال۔

۵۔ وَاَهْجُرْهُمْ فِي الْمَضَارِجِ (پ ۳۶) اور ان کے بستروں پر ان کو چھوڑ دو۔
۶۔ وَاَهْجُرْ فِي مَلَبَا (پ ۶۱) اور ایک عرصہ کے لیے مجھ سے جدا ہو جا۔ (ترجمہ مقبول)

تو کیا ہجر کا معنی ہذا بیان ہو سکتا ہے عا شتا وکلا۔ اسی طرح زیر بحث حدیث میں یہ مطلب ہے کہ کیا آپ جدا ہو رہے ہیں یا دنیا کو چھوڑ کر جانے والے ہیں استفہاموہ پوچھ تولو۔ چنانچہ شارحین اس کے معنی میں لکھتے ہیں۔

ہجی ای یهجرج من الدنيا واطلق لفظ الماضي لما را وافيہ من علامات الهجوة عن دار الفناء (کرمانی شرح بخاری)

یعنی آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے ہیں۔ لفظ ماضی کا بول لاکینونکہ آپ میں دار الفناء سے کوچ کی علامات صحابہؓ نے دیکھیں۔
یہ مطلب بالفرض ہمزہ استفہام کے نہ ثابت ہونے پر ہے۔ ورنہ بخاری میں یہ چھ مرتبہ حدیث آئی ہے۔ تین جگہ تو یہ کمال لفظ ہی نہیں ہے اور تین جگہ آیا ہے تو ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے۔
ج ۱ ص ۲۹۔ ج ۱ ص ۲۹۔ ج ۲ ص ۶۳۸۔ استفہام کی صورت میں ہجر کا جتنا ہی نامناسب معنی تراشا جائے۔ بہر حال اس کی نفی ہو رہی ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔

اھجی ہو بھمناة الاستفهام
الاتکاري اے انکدوا علی من قال لا تکتبوا ای لا تجعلوا کام من هذی فی کلامہ (حاشیہ بخاری ص ۲۹)

انہجریہ استفہام انکاری ہے یعنی صحابہؓ نے ان لوگوں پر گرفت کی جو یہ کہتے تھے کہ نہ لکھو اور یعنی حضورؐ کا معاملہ ایسا نہ جانو جیسے مخلوط الکلام کا ہوتا ہے۔
نیز محدثین مجرمنی بزبان مریض کا مختلط کلام۔ حضور علیہ السلام کے لیے جائز نہیں سمجھتے۔
الھذیان الذی یقع فی کلام المریض وہ بے تکی باتیں جو مریض سے صادر ہوتی ہیں
الذی لا ینتظم وھذا مستحیل وقوعہ صحیحہ

ان کا وقوع صحت میں اور مرض میں محال ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ اہل تہذیب کے قابل حضرت عمرؓ نہیں۔ دوم یہ کہ ہجرت معنی ہجرت لینا درست نہیں۔ قرآن و حدیث اس کی تائید نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ ہجرت استفہام انکاری ہے۔ چہارم شارحین ہدیان والے معنی کو اس مقولہ میں مراد نہیں لیتے۔ اب نراہ مخزاہ لغت کے ایک معنی کو لے کر۔ علامہ بیہوشی نے الفاروق میں اس معنی کو لکھ کر پھر ترہ دیدی ہے نہ تائید۔ حضرت عمرؓ پر برسنا اور دیگر خالق سے عہدہ موڑ لینا کیا یہی دیانت والہ صاف ہے۔ اہل سنت کی ان تصریحات کی موجودگی میں۔ توجہ یہاں کلام ببالایہ رضی بہ قائمہ۔ پر اصرار شدید ہی کا خاصہ ہے لیکن کیا وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ اور آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس ناکام رہے، کی تشریح و تفسیم جو مسلمان کریں وہ معتبر ہوگی یا جو کافر لغت سے معین کریں وہ مراد ہوگی۔ مینوا؟

اگر سوم۔ تحریر نہ ہونے سے امت کی گمراہی۔ شدید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ تحریر میں کاوش ڈال کر امت کی گمراہی کا سبب بنے۔ اگر کچھ دی جاتی تو امت گمراہ نہ ہوتی۔ نہ معلوم یہ لوگ اعتراض کرنے وقت عقل و خرد کا دامن کیوں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایک شخص کے حسب کتاب اللہ کہنے سے حضورؐ نے امت کو گمراہی سے بچانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ خدا نے بھی وہ وحی واپس لے لی۔ عمرؓ کی بات ایسی غالب آئی کہ حضورؐ کی ۲۳ سالہ محنت اور قربانی بھی امت کو گمراہی سے نہ نکال سکی۔ اور آپؐ حسرت سے اپنے مشن میں (معاذ اللہ) ناکام ہو کر رخصت ہوئے غیر مسلم نتیجہ کی اس بے تکی بات پر کیا مذاق اڑائیے کہ ایک شخص کے اختلاف کرنے پر خدا اور رسولؐ نے اصلاح امت کافر لیٹنے بھی چھوڑ دیا۔ واضح تر بات ہے کہ آپؐ کی آخری عمر میں الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (مائدہ ۱۶) آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، سے تکمیل دین کا اعلان ہو چکا۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُذِيْعَ إِلَيْكَ (نا خوف) جو وحی آپؐ کو پہنچی ہے اسے تھام لیں۔ سے وحی الہی کا خاتمہ ہو گیا۔ وَدَأَيْتِ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا اور تو دیکھے گا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج کی داخل ہوں گے۔ کی بشارتیں بھی پوری ہو گئیں۔ حجة الوداع کے موقعہ پر ہل بلغت اللهم اشهد۔ فليبلغ الشاهد الغائب بے شک میں نے احکام رسالت پہنچا دیئے۔ اے اللہ تو گواہ رہ۔ پس اب حاضر غائب تک یہ احکام

پہنچا دے، کے مناظر بھی آسمان و زمین نے دیکھ لیے۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ اور امت کو بھی مکمل دین کی بشارت سنوائی۔

بدستیکہ شمار اگر اشم بر راہ روشن
راست و چنایں واضح گردانیم برائے شما دین
را کہ شبیش مانند روزش روشن است پس
اختلاف مکنید بعد از من (حیات القلوب ج ۲)

یقیناً میں نے تم کو روشن اور سیدھی راہ پر چھوڑا
اور تمہارے دین کو تمہارے لیے ایسے نمایاں کیا
کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے پس
میرے بعد اختلاف نہ کرنا افسوس کہ شبہ ہی نے
امامت کا مسئلہ کمال کر سب امت سے اختلاف کیا،

(۵۶۱)

نیز ایک فرشتہ نے اہلبیت کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

حضرت رسولؐ از دنیا رفت تا آنکہ دین
را از برائے شما کامل گردانید و راہ نجات را از برائے
شما بیان کرد و از برائے ہیج جاہلے حجے مکرر است
(حیات القلوب ج ۲ ص ۲۷۷)

حضرت رسولؐ اس وقت تک دنیا سے رخصت
نہ ہوئے جب تک تمہارے لیے دین کو کامل نہ
کر دیا اور نجات کا راستہ تمہارے لیے بیان کر دیا
اور کسی جاہل کے لیے حجت تمہیں چھوڑی۔

ان آیات قرآنیہ اور شادات مصطفویہ کی روشنی میں کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ ایک اصولی
ہدایت یا بنیادی فیصلہ جس پر امت کے مومن اور خاسر از ایمان ہونے کا مدار ہے۔ بیان نہ کیا
ہو، لہذا ہم کہتے ہیں کہ یہ محض امتحان تھا۔ حضرت عمرؓ نے درست جواب دیا یا پھر ایسی بات تھی جس
کا بیان بہتر تھا اور عدم تحریر بہتر تھی اور اندوہ اس کا کھوانا منظور نہ تھا۔ چنانچہ چار دن فرشتہ
زندہ رہنے کے بعد بھی آپؐ نے نہیں کھوائی نہ عدم تحریر کی کسی صدمہ یا نقصان کا اظہار فرمایا۔

اب وہ کیا تحریر تھی۔ روایت میں جن تین باتوں کا ذکر زبانی ہے۔ وہ
مقصد تحریر کیا تھا

مقصد تحریر کیا تھا

فریقین کا خیال ہے کہ خلافت کا فیصلہ کرنا تھا تاکہ نزاع پیدا نہ ہو۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ
صفور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلواؤ تاکہ میں تحریر لکھ دوں
تاکہ کوئی اور دعویٰ یا تمنا نہ کر سکے لیکن پھر آپؐ نے ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا۔ اللہ پاک اور مسلمانوں
کو حضرت ابو بکرؓ کے بجائے دوسرے خلیفہ بنانے پر انکار ہوگا۔ بخاری۔ مسلم۔ مسند حمیدی۔ اچانچہ اسی مضمون

۸۳۶
 کی ایک اور روایت ہے کہ میں نے ارادہ ترک کر دیا کیونکہ خدا و مسلمان صرف ابو بکرؓ کو چنیں گے۔ ۲۷
 شیعہ کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت بکھنی تھی۔ مگر وہ تحریر نہ ہو سکی اور
 امت حضرت علیؓ کے بجائے ابو بکرؓ پر اتفاق کر کے گمراہ ہو گئی۔ لیکن شیعہ کا یہ خیال اگر درست مانا
 جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بڑا احقر آتا ہے کہ آپ نے بہ صورت وہ کھوا کر اتمام حجت
 کر کے مگر ابھی سے امت کو بچانے کا اہتمام کیوں نہ کیا خصوصاً جب کہ سیرت - مناقب اور شیعہ کی تحریرات
 (ملاحظہ ہو جواب سوال ۱۲) کی روشنی میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ ہی کو مسلمان سب بہتر جانتے تھے۔
 نہ بکھوانے کا نقصان شیعہ کو ہوا۔ اہلسنت کا نہیں کیونکہ شیعہ اپنے متعلق آپ کے خیالات چھپاتے ہوئے
 پھر آپ نے امام نماز بنا کر علی تصدیق کر دی۔ اور خواص حلقہ میں ان کی خلافت کی بشارت بھی دے
 دی۔ شان نزول سورت تحریم (تفسیر فی مجمع البیان) کہا جاتا ہے کہ جب آپ پر ہذیان کا الزام لگایا گیا۔
 تو اگر بکھواتے بھی تو کوئی نہ مانتا۔ جواب یہ ہے کہ آپ اتمام حجت کا فریضہ تو ادا کر دیتے۔ کیا لوگوں کے
 ساحر و مجنون کہنے پر آپ نے تبلیغ توحید چھوڑ دی تھی یا آخر دم تک اتمام حجت کرتے رہے؟
 اگر اب بھی مترض کی تسلی نہ ہو تو وہ مندرجہ ذیل امور پر غور کرے۔

چند سوالات
 ۱۔ اُتیونی کا امر استعجابی تھا تو ترکِ امتثال جرم نہیں۔ اگر وجوبی ہے تو سب حاضرین
 بشمول اہلبیت مجرم ہیں۔

۲۔ اس پر کیا فریضہ ہے کہ حضرت علیؓ انتہائی تکلیف کے عالم میں حضورؐ کے پاس نہ ہوں۔ پھر
 حضرت ابوذرؓ - عمارؓ - سلمانؓ - مقدادؓ جیسے بزرگوں کی غیر موجودگی پر کوئی دلیل ہے۔ اگر نہیں تو
 تنہا عمرؓ پر طعن کیوں؟

۳۔ شیعہ ہر جگہ اہل بیت سے مزاحمہ پنج تن مراد لیتے ہیں۔ یہاں صرف دیگر حضرات ملو کیوں
 لیے جاتے ہیں حضرت فاطمہؓ و حسینؓ کا تو موجود ہونا ضروری ہے۔ پھر کیوں وہ بی ضرورت بجانہ لائے؟
 ۴۔ یہ مطالبہ اجتہادی تھا یا بحکم وحی۔ اگر اجتہادی تھا تو استدلال غیر تام ہے کیونکہ اس سے
 رجوع ممکن ہے۔ اگر حکم وحی تھا تو تعمیل ضروری تھی یا نہ۔ اگر ضروری تھی تو آپؐ نے تعمیل کیوں نہ کر وائی۔
 اگر وحی سے عدم تعمیل ہوئی تو عمرؓ اعتراضات سے بری ہو گئے۔

۵۔ اگر تحریر میں رکاوٹ پیش آگئی تو زبانی ارشاد کیوں نہ فرمایا؟

۶۔ جب بقول شیعہ ختم غدیر میں خلافتِ علوی کا فیصلہ ہو چکا تھا تو تحریر کا کیا معنی؟
 ۷۔ اگر حضرت عمرؓ حسب کتاب اللہ کہنے پر مجبور ہیں حالانکہ یہ اولاً نہ یُکفہم اَنَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْکِتَابَ (پے ۱۶) کیا ان کو سہارا کتاب نازل کر دینا کافی نہیں) کا ترجمہ اور جواب ہے۔
 تو حضرت علیؓ نے قرآنِ پاک کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ کتاب اللہ تمہارے سامنے گویا ہے جس کی زبان گوئی نہیں۔ وہ مکان ہے جس کے ستون گرتے نہیں (یعنی ہر بات میں اور دنیا و آخرت کی ہر چیز میں راہ دکھاتی ہے۔) نہج البلاغہ، شرح فیض الاسلام نقدی ج ۱ ص ۱۳۴، "قرآن کے ذریعے اللہ نے اپنا نور اور دین کا بل کر دیا اور حضور کو اس وقت وفات دی جب آپؐ مخلوقِ خدا کو احکامِ خدا پہنچا چکے۔" نہج البلاغہ ج ۱ ص ۹۲، شرح فیض الاسلام
 علامہ تقی فیض الاسلام ج ۱ ص ۹۳ پر اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

دین اسلام را بسبب آن کامل گردانید و پیغمبر خود صلی اللہ علیہ وسلم را رحائے قبض فرمود کہ از تبلیغ احکام قرآن کہ موجب ہدایت و نجات است فراغ یافتہ بود۔
 اور قرآن کے ذریعے اللہ پاک نے دین اسلام کو کامل کر دیا۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں وفات دی کہ آپؐ قرآن کے احکام کی تبلیغ سے فارغ ہو چکے تھے جو ہدایت اور نجات کا سبب ہیں۔

شیعہ کے ہاں اہم خطبہ فدک میں حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں۔ "خدا کی کتاب ناطق اور قرآن صادق ہے۔۔۔۔۔ اسی قرآن کے ذریعے خدا کی منور تحقیق پائی جاتی ہیں۔ بیان شدہ واجبات معلوم ہوتے ہیں اور ان محرکات کی اطلاع ہوتی ہے جن سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اسی قرآن سے اللہ کے مقرر کردہ تجاوت معلوم ہوتے ہیں (بحوالہ وہی مضمف ص ۲۸)

کیا یہ عظیم تصریحات حسب کتاب اللہ کی تائید اور تصدیق نہیں۔ اور کیا حضرت علیؓ وغیرہ بھی حدیثِ نبوی کے منکر کعبے بنائیں گے۔ واللہ المادی۔

ایک لغو رسالہ کا محاسبہ | بیان تک ہماری اس تقریر سے بجز اللہ ہر قسم کے مطاعن کا فور ہو گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ترک تبلیغ وحی کے الزام سے اور حضرت عمرؓ کا دامن گستاخی اور رد وحی کے طعن سے پاک و صاف ہو گیا۔ مزید کچھ کہنے

کی حاجت نہیں مگر چونکہ شیعہ عداوت عمرؓ کی اڑ میں اس "قرطاس" پر بہت کچھ فضولیات سے اپنے دل کی سیاہی کے دھبے ڈالتے ہیں اور درحقیقت وہ سپنکڑوں و جودہ قرطاس سیاہ کر کے یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ

۱۔ "حیاتِ پیغمبر میں بسترِ عداوت پر قلعے دو جہاں کے روبرو دین الہی کے نونال کی بڑی پہلی کاری ضرب و نثاروں کی ایک جماعت کھائی اور اسی صدمہ سے باغبانِ گلشنِ دین دیا ئے بے مروت سے رخصت ہوئے۔"

۲۔ دفعہ قرطاس جس نے مسلمانوں کے لیے گرامی و فضالت کا وہ دروازہ کھول دیا جسے قیامت تک بند کرنا عام بشر کے اختیار میں نہیں ہے۔

۳۔ اسی وقت سے اسلام پر مصائب و قتلوں کی گھنٹائیں چھانا شروع ہو گئیں اور ملت میں تنازعہ و انتشار کا بوجہ اب بھی دیکھتے ہی دیکھتے شاخوں سے بھر پور درخت بن گیا۔

۴۔ اگر یہ تحریر قلم بند ہو جاتی تو مخالفین کے منصوبے خاک میں مل جاتے لہذا امید برآری کے لیے (عمرؓ نے) اپنا مشن مکمل کر لیا۔"

یہ ایک عیاں قلم کار کے الفاظ ہیں جس نے اس واقعہ قرطاس پر ۱۱ صفحے ایسے ہفتوں سے سیاہ کر کے اپنے آٹائے خمینی کی طرح حضور علیہ السلام کی ناکامی کا بار بار اعلان کیا اور حیاتِ نبوی میں اسلام کو قتل کر کے چپکے سے حضور کو رخصت کر دیا ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کو ایک طے شدہ منصوبے میں کامیاب کرتا ہے اور سب امت کی گمراہی کا ذمہ دار آپ کو ٹھہراتا ہے۔ حالانکہ سنتہ اللہ یہی ہے کہ منصوبہ و تدبیر میں خدا و رسول پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ مخالف و منافق ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سازش کرنا چاہی مگر اللہ کی سازش کامیاب رہی۔ وَ مَكْرُوا اللَّهَ وَاللَّهُ خَيْرٌ مَّا كُرُوا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ قوم کی تدبیر ناکام ہوئی۔ وَ ارَادُوا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمْ الْاٰخِصِرَ۔ انہوں نے ابراہیمؑ سے سازش کی ہم نے ان کو بڑے گھائے میں کر دیا۔ صالح علیہ السلام اپنی قوم پر غالب ہے وَ مَكْرُوا مَكْرًا وَ مَكْرُنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ انہوں نے سازش کی ہم نے بھی سازش کی کہ ان کو پہنچ بھی نہ جلا۔ فرعون کے بالمقابل حضرت موسیٰ علیہ السلام کامیاب رہے وَ هَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ نَبَابٍ۔ فرعون کے

کی سازش تباہ ہو گئی۔

الغرض منکرین قرآن و رسولؐ کا یہ گروہ ایک طرف ماذ اللہ حضرت عمرؓ کو بقول مجلسی کا فریضہ منافق اور سازشی کہتا ہے۔ مگر خدا و رسولؐ کے بالمقابل ان کو تاقیامت کامیاب بھی کہتا ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ وہ خدا و رسولؐ کا دراصل منکر ہے تبھی تو نہ کسی صحابی کو مانتا ہے نہ قرآن اور ۶۳ سالہ آپؐ کی تعلیم و تبلیغ میں کسی ہدایت کا قائل ہے۔ واقعہ قرطاس اور عمرؓ دشمنی کو تو محض ذات رسولؐ سے چھٹکا را پانے کے لیے ایک بہانہ بنا دیا گیا ہے۔

چند ناجائز باتوں پر تنبیہ۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید اور مروج الذهب مسعودی کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی منصوبہ بندی کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ محض اتفاق تھا کہ حضرت عمرؓ عبادت کو اٹے تھے تو یہ بات ہو گئی۔ ورنہ نہ آپؐ نے پھٹی تھی۔ نہ حضورؐ کے دل کی بات جاتے تھے۔ پھر بالاد و نولے کتابیں شیعہ کی ہیں۔ ابن ابی الحدید متذکرہ شیعہ ہیں اور شیعہ کتاب کی شرح لکھی ہے جبکہ مسعودی اثنا عشری شیعہ ہیں۔ لہذا حضرت عمرؓ کے خلاف ان کی کوئی بات حجت نہیں ہو سکتی۔

۲۔ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۲ کے حوالہ سے یہ عبارت من ترجمہ لکھی ہے۔
فخالف علیہا عمر بن الخطاب حتی دفعھا کہ سامان کتابت لے کر جناب عمرؓ نے بھینک دیا۔
حالانکہ یہ صریح بددیانتی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے (شفقت نبوی سے) اس تجویز سے اختلاف کیا حتیٰ کہ حضورؐ نے چھوڑ دی۔

۳۔ صواعق محرقة باب تاسع فصل ثانی کے حوالے سے حدیث ثقلین لکھی ہے۔ اور یہ استدلال کیا ہے کہ وہ حضورؐ اس صحیفہ میں حضرت علیؓ علیہ السلام کی خلافت و امامت کا تعین فرمایا جاتے تھے۔ حالانکہ حدیث ثقلین اگر صحیح ثابت بھی ہو تو اس کا مفہوم دوسرا ہے کہ قرآن و علیؓ دونوں سے پوچھتے رہنا کہ اسلام اور میری تعلیم کیا ہے اس پر تاہو توجہ مجد اللہ امت کا عمل ہے مگر خلافت و امامت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ علاوہ انہیں ابن حجر مکی نے اس کی سند بھی نہیں بتائی اور ایک حصے کی سند بنا کر ایک راوی کو ضعیف کہا ہے تو قابل استدلال نہ رہی۔

۴۔ حسب کتاب اللہ کا بار بار مذاق اڑایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مخالفت رسولؐ کی اور حجیت

حدیث کا انکار کیا حالانکہ یہ مفہوم مخالف خود شیعہ فہم کی ایجاد ہے ورنہ حَسْبُنَا اللہ وَنَعْمُ
 الْوَكِيلُ کہنے والوں کو رسول اللہ کا منکر تو نہ کہا جائے گا حضرت عمرؓ ہر موقعہ پر سختی سے
 سنت رسولؐ کے پابند تھے۔ پھر کمالِ ادب سے حضورؐ کو خطاب نہیں کیا بلکہ حاضرین سے کہا د
 عندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ اور اس سے اشارہ آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کی
 طرف تھا۔ اس صفائی کے باوجود بھی اگر حضرت عمرؓ پر یہ حکم رسولؐ کا الزام ہے حالانکہ آپؐ کو قلم
 دوات لانے کا خاص حکم نبویؐ نہ تھا تو پھر یہ الزام حضرت علیؓ پر بھی آئے گا کیونکہ آپؓ اہل خانہ تھے۔
 تحریر وصیت میں فائدہ بھی (بقول شیعہ) آپؐ کا تھا اور آپؐ کو لانے کا حکم خصوصی تھا حضرت
 علیؓ کی غیر موجودگی کا شیعی عذر بالکل لغو ہے بلکہ آپؓ حاضر تھے۔ فرماتے ہیں۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امر فی النبی صلی اللہ علیہ و سلم ان یتھبط بکتب فیہ ما لا تفضل امتہ من بعدہ کا فخشیت ان تفوتنی نفسہ قال قلت انی احفظ داعی قال اوصی بالصلوٰۃ واما مکت ایمانکم۔

دعینی ج ۱ ص ۲۳۱ مسند احمد ۲/۸۱ اور یاد رکھوں گا۔ تو آپؐ نے فرمایا میں تم کو نماز کی اور اپنے ماتحت غلاموں سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

اس حدیث نے بخاری و مسلم کی روایات کے ایہام کو دور کر دیا کہ حکم کے اصل مخاطب حضرت علیؓ تھے۔ نیز یہ کہ آپؐ بھی قلم دوات نہ لانے والے گروہ میں تھے۔ حضرت علیؓ نے نہ لاکر دراصل حضرت عمرؓ کی تائید کی اور دونوں کی رائے حضورؐ نے پسند فرما کر خاموشی اختیار کی۔ اس سے ظہور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوموا یعنی کا مخاطب وہ گروہ تھا۔ جو کھولنے کے حق میں تھا مگر شور میں پڑ کر نہ لاسکا۔ تو آپؐ نے فرمایا مجھے چوڑ د میری (مراقبہ حق میں) حالت اس سے بہتر ہے جس (تو میری) کی طرف مجھے آبادہ کرتے ہو۔

۵۔ اگر شیعہ کو رد و وحی پر اب بھی اصرار ہے تو مجبوراً یہ دو قسم سے ہم سناتے ہیں کہ ایسا الزام تو حضرت علیؑ پر بھی یقیناً آتا ہے۔

۱۔ ”حضور علیہ السلام ایک دوا حضرت علیؑ کے لئے تشریف لے گئے بندہ سے اٹھ کر تہجد کی پابندی کی تاکید فرمائی اس پر حضرت علیؑ نے کہا۔
واللہ لانصلی الا ما کتب اللہ لنا اللہ کی قسم ہم تو فرضی نماز کے سوا اور کوئی ہگز نہ پڑھیں گے۔ ہمارے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں اگر نماز تہجد کی توفیق دیتا تو پڑھتے جب آپ نے یہ جواب سنا تو ران پر ہاتھ مارتے ہوئے مکان سے لوٹے اور فرماتے تھے۔ انسان سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے (بخاری)

۲۔ شیعہ کی اپنی روایت بھی سنیے جو محمد بن بابویہ نے امالی میں اور یحییٰ نے ارشاد القلوب میں نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہؑ کو دہم دیئے کہ علیؑ کو دو کس رخم سے وہ اپنے اہل کے لیے غم خریدے کیونکہ ان پر بھوک غالب ہے۔ حضرت فاطمہؑ نے وہ علیؑ کو دے کر حضورؐ کا حکم سنا دیا جب حضرت علیؑ نے کہ باہر نکلے تو ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کون ہے جو صحیح وعدہ پرہ قرض دے۔ حضرت علیؑ نے وہ دہم قرض دے دیئے (بحوالہ حدیث قرطاس از علامہ محمداحمد) اس قسم کے متروک واقعات کتب فریقین میں موجود ہیں اگر حضرت علیؑ کی شخصیت کا خیال نہ رکھا جائے اور شیعوں کی طرح خارجی ذہن سے سوچا جائے تو حضرت علیؑ پر سنگین الزامات قائم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حضورؐ کے حکم کے باوجود فاطمہؑ اور حسینؑ کی پیش پر خرچ نہ کیے آپ کو سچ پہنچایا۔ حکم عدولی کی۔ اپنے عیال کی حق تلفی کی۔ مال غیر میں تصرف کیا۔ اہل بیت کو بھوکا رکھا۔ بہاں اگھڑیہ ایتار کہہ کر اچھی تعبیر کریں تو حضرت عمرؓ کے لیے بھی حضورؐ کی سخت تکلیف اور بیماری کے پیش نظر حسبن کتاب اللہ کو جذبہ محبت نبویؐ سے تعبیر کریں۔

۶۔ امامت و خلافت بلا فصل کے خواب دیکھنے والے نبوت کی تمام تبلیغی زندگی کو اس کی کھینٹ پڑھاتے ہیں مگر کچھ کسی کامیابی نہیں ہوتی۔

”دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر اعلان خم غدیر تک بار بار رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ علیہ السلام کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ لیکن اب آخری تحریر کے ذریعے حضرت امیرؑ کی خلافت کا

تین وصیت کے ذریعے کرنا چاہتے تھے۔ اگر یہ تحریر قلمبند ہو جاتی تو مخالفین کے منصوبے خاک میں مل جاتے۔ مدتوں کی اس ٹوٹ جاتی۔ خواہوں کی تعبیر لٹ جاتی اور تمام کیے کر اے پر یکمیت پانی پھر جاتا (لیکن اب عمر کے بول پڑنے پر حضورؐ کے سب کیے کر اے پر پانی پھر گیا ماعذ اللہ)۔
 ۷۔ چور کی داڑھی میں تنکا۔ غیر مسلموں کی زبان سے اپنی نبوت دشمنی کا کیسے صاف اقرار کرتے ہیں۔ ”جب وہ لوگ جن کے لیے وصیت کی جا رہی تھی اس کو معلوم کرنے کے رد وادار نہ تھے اور سنا تک نہیں جانتے تھے تو پھر وصیت کیوں کی جاتی۔ اگر کوئی لحد میں تحریر ہو تو غیر مفید رہتی۔ مخالفین اسلام کو ہمیشہ کے لیے ایک بہانہ مل جاتا کہ مکہ و حجاز و قرآن و نبوت تو تمہیں ایک آرتھی محمدؐ تو محض دنیوی اقتدار کے خواہشمند تھے۔ آخر ان کا وہی انجام ہوا جو دنیا طلب لوگوں کا ہوتا ہے۔ ان کے بستر مرگ کے گرد ان کے صحابہ میں اس حکومت دنیوی کے لیے تلوار چل گئی یہی کچھ شدید آج صحابہ کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ شیعہ کی ان سفوات کو اب بند کر کے قارئین سے مذرت چاہتا ہوں۔

سوال ۹۔ ایک لاکھ پوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ پیغمبر کے انتقال پر امت نے نبی کے جنازے پر خلیفہ کے انتخاب کو فوقیت دی ہو اگر ایسی کوئی مثال ماسلف میں نہ ملے تو امت مصطفیٰ نے ایسا کرنا کیونکر مناسب سمجھا۔

الجواب۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے عداوت کی وجہ سے مختصر حق نے کیا ہی بے تکا اعتراض قراں ہے۔ تدفین سے قبل ہی ہر پیغمبر کے جانشین پر سب امت کا اتفاق ہوتا تھا۔ پیغمبر کے رشتہ دار خلافت کے لیے رسد کشی یا نزاع پیدا نہ کرتے تھے۔ جانشین پیغمبر کی موجودگی میں تجنیز و تکفین کا اہتمام ہوتا تھا۔ تمام تواریخ اسی حقیقت کا پتہ دیتی ہیں۔ اگر سائل اس کا منکر ہو تو وہی بات بتائے کہ کس پیغمبر کی تدفین خلیفہ کے تقرر و تعیین کے بغیر عمل میں لائی گئی؟ عند الناس خلیفہ کے تقرر اور بیعت لینے کے وقت کا سوال اٹھانے کی حاجت نہیں۔ سوال دراصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ آیا خدا و رسولؐ کے ایما اور مشیت یا نص سے خلیفہ قرار پائے یا امت نے خدا و رسولؐ کے حکم کے برعکس زبردستی ان کی بیعت کر لی۔ سو اسی مفہوم کے سوال ۱۳ کے تفصیلی جواب میں ہم وضاحت کریں گے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مشیت، حضورؐ کے ایما، بیعتینگوئی سے خلیفہ بنے اور سب امت نے آپ کی بیعت کر کے۔ خدا کی مشیت اور وعدہ موعود اور بیعتینگوئی

پیغمبر کی تصدیق کی۔ خدا و رسول کے وعدوں اور خبروں میں ہرگز تخلف نہیں ہوتا۔ سوال بالاکا تحقیقی جواب اسی قدر ہے کہ سابقہ پیغمبروں کی مثال کی ضرورت نہیں۔ وہاں ایک پیغمبر کے بعد دوسرا پیغمبر ہی اس کا جانشین بنتا تھا۔ ان کی نبوت و خلافت پر نص جلی کا ہونا ضروری تھا۔ سب امت بیعت کا فریضہ سرانجام دے دیتی تھی۔ مگر شریعت محمدیہ کئی اصول و فروع میں ان سے مختلف ہے۔ یہاں صاحب شریعت پر نبوت ختم ہو گئی۔ اس کا خلیفہ پیغمبر یا مثل پیغمبر معصوم اور خود مختار نہیں ہوگا لہذا نص جلی کی ضرورت نہیں۔ نص خفی اور پیشین گوئی کے ساتھ امت کا اتفاق کافی ہے۔ گو سابقہ امم کی طرح یہاں بھی یہی قانون ہے کہ امت قائد و امام کے بغیر نہ ہو۔ چنانچہ مزاج شناسان رسول اور فضلاء و بستان نبوت صحابہ کرام نے قبل از تدفین چند منٹوں میں بیعت صدیقی کر کے لَیْسَتْ خَلْفَتُهُمْ فِی الدُّنْیَا دَکَ یَقِیْنُ اللّٰہُ اِلٰہِیْہِمْ کو خلافت ارضی دے گا، کا وعدہ خدائی سچ کر دکھایا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ ”عمر بن حرب نے حضرت سعید بن زید (یکے از مشرہ بمشرہ) سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ موجود تھے۔ فرمایا ہاں۔ عمرو نے کہا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کب ہوئی فرمایا حضورؐ کی وفات کے دن۔

کَ رَہُوا اِنْ یَبْقَیْوْا بَعْضُ یَوْمٍ وَّلَیْسُوا
بغیر جماعت ماتحت خلیفہ کے رہیں۔

کیا کسی نے مخالفت بھی کی؟ فرمایا نہیں۔ ہاں دین سے پھرنے والے نے یا جو پھرنے کے قریب ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو انصاف سے نہ بچاتا۔ پوچھا کیا مہاجرین میں سے بھی کوئی الگ رہا۔ فرمایا نہیں۔ سب مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر از خود ڈوٹ پڑے۔ اگلی متصل روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ گھر میں تھے اور آپؐ کو اطلاع ملی کہ ابوبکرؓ منبر پر بیٹھے بیعت لے رہے ہیں اسی طرح بڑے کرتے میں حضرت علیؓ بیعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ تاخیر آپؐ کو ناپسند تھی۔ بیعت کر کے آپؐ کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر کھڑے ہو کر اپنے اور مجلس میں بیٹھے رہے (طبری ج ۳ ص ۲۸) خود شبیہ کے یہاں یہ اصول مسلم ہے کہ نبی یا امام کا جانشین اس کے آخری لمحات میں بنایا جاتا ہے۔

متی ینتھی الیہ الامہ قال فی

آخر د قیقہ من حیاة الاول (اصول کافی

ج ۱ ص ۲۵۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی حضرت حسنؑ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ حمد و ثنا

کے بعد فرمایا۔

”لوگو! اسی رات قرآن نازل ہوا۔ اسی رات حضرت عیسیٰؑ آسمان پر تشریف لے گئے۔ اسی

رات حضرت یوشع بن نون شہید ہوئے اور اسی رات میرے والد امیر المومنینؑ شہید ہوئے۔ گویا

شہادت علیؑ مبارک دن میں ہوئی م، پھر حضرت حسنؑ منبر سے اترے تو سب حاضر لوگوں نے

آپ کی بیعت امامت کی۔ (جلد العیون ص ۲۱۹)

جب شیعہ مذہب میں۔ ہر شیعہ امام موت کے وقت ہی بن جاتا ہے۔ اور قبل از تجزیر و تکفین

اس کی بیعت بھی ہو جاتی ہے تو سید الرسلؐ کا جانشین قبل از تدفین بنا دیا جائے تو کیوں اعتراض

کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہی سنت اسلام و سنت انبیاءؑ ہے۔

مدینہ کے اس وقت نازک حالات سے قطع نظر۔ کہ اہل نفاق اور اسلام دشمن طاقتیں اسلام

کو مٹانا چاہتی تھیں۔ عقلا یوں بھی خلیفہ کا تعین ضروری ہے کہ امت کا ہر کام امام کی نگرانی میں

ہو۔ اور کسی بات میں اختلاف یا پیرائہ ہو یا پھر سے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ دفن پیغمبرؐ کے لیے اختلاف آراء

ہوا کسی نے جنت البقیع کا نام لیا۔ کسی نے حرم کعبہ کے حوالہ کا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے ارشاد نبویؐ

پیش کرنے پر آپؐ کو جائے ارتحال پر ہی دفن کیا گیا۔ (طبری ج ۳ ص ۲۱۱)

حضورؐ نے آخری وصایا متعلقہ تجزیہ و تکفین آپؐ ہی کو فرمائی تھیں اور باصرہ نبویؐ آپؐ نے

اس کام کو دوسروں پر تقسیم کیا (جلد العیون ص ۱۷۰) کشف الغمہ۔ حیات الطوب ج ۲ ص ۶۹) کہا جاتا

ہے کہ بر وراثت ثعلبی سے ہے جو کہتی ہے حالانکہ ثعلبی شیعہ تھا اور تقیہ کرتا تھا۔ اس کی تالیف ”مثالب

صحابرہ“ شیعہ ہونے کی گارنٹی ہے۔ اس کے علاوہ صاحبان کتب مذکورہ نے روایت بالا کو توثیق

و تائید کے لیے نقل کیا ہے۔ نہ تردید کے لیے

سب سے پہلے ایک اسلامی فریضہ تھا جو بہر حال ادا کرنا تھا۔ اگر قبل وفات میں آگیا تو شیعہ کو کیا دکھ ہے۔ اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۲۔ رجال کشی ص ۱۷۵۔ وفات کافی حیات القلوب کی روایات کی روشنی میں جب سوائے تین شخصوں کے حضرت علیؓ کا طرفدار ہی کوئی نہ تھا تو اگر ایک مہینہ بھی بالفرض انتخاب مؤخر ہو جاتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو خلافت نہ ملتی اور جسے بھی ملتی شیعہ تو اس کے دشمن ہی ہوتے۔ ہاں امت افتراق کا شکار ہو جاتی۔ منافق سازش کرتے۔ فتنہ اُرتا ادا و رکھنے کی بلجاء کو دفن کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے ساتھ اسلام کا جواز بھی اٹھ جاتا تو آج شیعہ خوشی سے نفیس بیچتے۔ جیسے آج بھی ان کا قطعی متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے چار آدمیوں کے سب مرتد ہو گئے (روضة کافی ص ۲۴۶-۲۹۶) یہ ہے ان کی اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی محنت و قربانی اور تعلیم و تربیت سے محبت۔ نف ایسے عقیدہ و مذہب پر اور امامت کے تکفیر باز مسئلہ پر۔

جنازہ رسولؐ میں سب صحابہ کرامؓ کی شرکت | بھوٹ اور بہتان تراشی میں یہ ماہر فرقہ کتا رہتا ہے کہ صحابہؓ نے جنازہ نہیں پڑھا۔ اور خلافت کے بھگڑے میں گئے رہے اس لیے اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔

انتخاب امام میں چننا دیر نہیں ہوئی حضرت علیؓ حکم نبویؐ و صدیقیؓ ابھی غسل سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ سب سے پہلے خلافت تمام ہو گئی۔ مرآۃ العقول ص ۲۴۱۔ احتجاج طبرسی ص ۵۲ اور کتاب الروضہ ص ۱۵۹ پر ہے۔

قال سلمان فانیت علیا علیہ السلام
وہو الخیر فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم فاخبرته بما صنع الناس وقلت
ان ابا بکر الساعۃ علی احب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت سلمانؓ کہتے ہیں میں حضرت علیؓ کے پاس آیا ابھی وہ غسل نبویؐ دے رہے تھے تو میں نے ان کو سب لوگوں کی کارروائی (سب سے پہلے) ابوبکرؓ بتلائی اور کہا کہ ابھی ابوبکرؓ پیغمبرؐ رسولؐ پر بیٹھے ہیں۔

پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب مسلمانوں کے ساتھ جنازہ پر جمع ہوئے۔ اگے حضرت امام جعفرؓ کی حدیث ملاحظہ ہو۔

حضرت عباسؓ حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں آئے اور تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ حضرت رسولؐ کو قبیع میں دفن کریں اور حضرت ابو بکرؓ آگے بڑھ کر حضورؐ پر جنازہ پڑھائے۔ پھر حضرت علیؓ پہنچ گئے تو فرمایا۔ لوگو! حضورؐ کی زندگی میں آپ کا امام کوئی نہ تھا۔ اب بھی کوئی امامت نہ کرے فردا فردا لوگ دعا پڑھیں (حیات القلوب ص ۶۶)۔ جلال العیون ص ۶۷

گواس روایت میں غلط بیانی کر کے حضرت ابو بکرؓ پر طعن مقصود ہے۔ کیونکہ تاریخی حقائق کے پیش نظر امام نہ بنانے کی رائے حضرت ابو بکرؓ نے ہی دی۔ تاہم جنازہ رسولؐ پر حضرت ابو بکرؓ اور سب صحابہؓ کا اجتماع۔ اور صدیقؓ پر سب کا اتفاق۔ شیعہ کے گھر سے معلوم ہو چکا۔ و الحمد للہ مزید سب صحابہؓ کی شرکت کی احادیث ملاحظہ ہوں۔
۱۔ اصول کافی باب مدفنہ و صلواتہ میں ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال
لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلت علیہ الملائکۃ والمہاجرین و
الانصار فوجاً فوجاً (تفسیر صافی ص ۴۷)
امام باقرؓ نے فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو آپؐ پر سب فرشتوں نے سب مہاجرینؓ نے سب انصارؓ نے گروہ گروہ ہو کر نماز پڑھی۔
شیعہ کی منبر کتاب مرآۃ العقول ص ۲۳ پر ہے کہ دس مہاجرینؓ اور انصارؓ آپؐ پر صلوات و سلام پڑھتے تھے اور باہر آتے تھے۔

حتی لم یبق احدا من المہاجرین
والانصار الا صلی علیہ
حتی کہ مہاجرینؓ و انصارؓ میں سے ایک بھی نہ بچا جس نے نماز نہ پڑھی ہو۔

حیات القلوب ج ۲ ص ۶۶۲۔ حتی یقین ص ۳۲ پر ان احادیث کا فارسی ترجمہ موجود ہے اور یہ تصریح بھی ہے۔

تانا نکہ نور دو بزرگ مرد و نہ ن اہل
مدینہ و اطراف مدینہ ہمہ بر آن حضرت جنہیں نماز
کردند۔
حتی کہ چھوٹے بچے۔ مرد و عورتیں مدینہ والے اور
آپس پاس کی بستیوں والے سب لوگوں نے
حضرتؐ پر اس طرح نماز پڑھی۔

ضمیمہ حیات مقبول ترجمہ ص ۴۵ اور احتجاج طبرسی ص ۵۲ پر بھی جملہ مہاجرینؓ و انصارؓ کی شرکت در

اللہ علیہ وسلم اللہم انا نشہد انہ
قد بلغ ما انزل الیہ... ثم یخرجون
ویدخلوا اخری حتی یملوا علیہ الدجال
ثم النساء ثم الصبیان (البیہ ج ۵) ۳۶۵

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے پڑھا حضرت ابو بکر و عمر رضی
اللہ عنہما نے پڑھا حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے پڑھا
حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے پڑھا حضرت ابو بکر و عمر رضی
اللہ عنہما نے پڑھا حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے پڑھا

جنازہ مبارک پڑھنے کی یہی کیفیت طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲ اور سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۹۴
پر موجود ہے اور بخاری شریف میں حضرت ابو بکر کا گھر سے آتے ہی حضور کا چہرہ کھولنا اور چہرے کے
بوسہ دینا اور رونا پھر مشہور خطبہ دینا مذکور ہے۔ سنی و شیعہ ان تصریحات کے باوجود کیا اب بھی کسی
شخص کو یہ یھوٹ بولنے کی گنجائش ہے کہ شیخین شریک جنازہ نہ تھے۔ ان صحیح و معتبر روایات کی روشنی
میں اس قسم کی ضعیف و شاذ کوئی روایت کیسے قبول ہو سکتی ہے جس میں کھابو کہ ابو بکر و عمر جنازہ
و دفن میں موجود نہ تھے۔ جیسے کہ کنز العمال کی روایت ہشام بن عروہ سے نقل کی جاتی ہے کہ جناب
ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد لوٹے۔ حالانکہ ہشام تو عروہ کا بیٹا ہے۔ خود
عروہ کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اخیر میں یا حضرت عثمان کی خلافت کی ابتدا میں ہوئی۔
تذکرۃ الحفاظ ج ۵ ص ۵۹۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۸۳، لہذا اس واقعہ میں خود عروہ کی موجودگی
محال ہے۔ یہ جائیکہ اس کا بیٹا ہشام موجود ہو۔ بہر حال یہ روایت منقطع اور غیر معتبر ہے۔
مقتاذا ہے تو روایات مسندہ صحیحہ کے مقابلے میں مردود ہے۔ (بحوالہ جنازہ الرسولؐ از
علامہ تونسوی صاحب)

باب چہارم مسئلہ باغ فدک

سوال نمبر ۱۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی کی مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ پیغمبر کے انتقال پر ملال پر پیغمبر کی اولاد کو باپ کے ترکہ سے محروم کر دیا گیا ہو۔ جیسا کہ رسول زادی کو حدیث عن معاشر الانبیاء ثلاث و لا خدث مات کما مات صدقہ خلیفہ وقت نے سنا کہ باپ کی جائیداد سے محروم کر دیا تھا۔ دیکھو بخاری ص ۱۶۱۔

الجواب۔ اولاد کے مالی وارث ہونے کے شیعہ مدعی ہیں اہل سنت منکر ہیں۔ مدعی کے ذمے ثبوت ہونا ہے۔ شیعہ ایک مثال پیش کریں کہ کسی نبی کا اپنا گھانا یا برا ذاتی مال یا ترکہ ان کی سب اولاد میں بطور وراثت شرعی پورا پورا تقسیم ہوا ہو۔ جب ایسی کوئی مثال نہیں ملتی تو منکر کا دعویٰ از خود بلا دلیل و مثال ثابت ہو جاتا ہے۔

یہ سوال قصہ فدک کی طرف اشارہ ہے جو شیعہ کا پیدا کردہ معرکہ الارامہ ہے۔ مسئلہ فدک بلکہ اہل تشیع کا زعم خود سنگ بنیاد ہے۔ انقلابات زمانہ سے جب دسویں صدی ہجری میں صفوی خاندان ایران میں برسر اقتدار آیا اور شیعہ کا اصول تقیہ باطل ہو گیا۔ اور شیعہ ائمہ کے ارشادات۔ کہ شیعو! تم اس دین پر ہو جو اسے چھپائے گا عزت پائے گا اور جو ظاہر کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا۔ نیز جوں جوں امام مہدی کے ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آئے گا تقیہ را در کتمان دین کی ضرورت اور سخت ہوتی چلی جائے گی (اصول کافی باب التقیہ)۔ خود شیعہ کے قول و فعل سے جھوٹے ثابت ہوئے۔ تو شیعہ مبلغ سب سے پہلے مسئلہ فدک سے بحث شروع کرتے تھے۔ کشف الغم کے مقدمہ میں مؤلف کے حالات میں ہے۔

”یہاں یہ بات معلوم کر لینی چاہیے کہ شیعہ مذہب صفوی زمانہ سے ایران میں شائع ہوا۔ علامہ زواری۔ شیخ بہاد الدین اور ملا فتح اللہ کاشانی جیسے لوگ دولت اصفیہ کے آغاز میں اہل بیت کا طریقہ پھیلانے میں مصروف ہوئے۔“

پھر اس اعتراض۔ کہ شیعہ مذہب فاتح ایران حضرت عمر فاروق کے بغض کی وجہ سے ایران میں پیدا

ہوا۔ کسے جواب میں کہتے ہیں۔

وما گوسم اس سخن غلط است والیشان
نمی دانند کہ تشیع از زمان صفویہ بابر اراں رنج و
دشواری رواج گرفت و پیش از آن تا ہزار
سال کشور عجم مانند سایر ممالک اسلامیہ سنی
بودند۔ (مقدمہ کشف الغمہ ص ۱۲ از مرزا ابوالحسن
شسترانی)

ہم کہتے ہیں یہ الزام غلط ہے۔ یہ سنی نہیں جانتے
کہ شیعہ مذہب تو صفویہ خاندان کے زمانہ سے
ہزار رنج اور مشکلات کے ساتھ شائع ہوا اور
اس سے پہلے ہزار سال تک بھی ممالک تمام دیگر
اسلامی ممالک کی طرح سنی مذہب تھے۔

اب ایسے مذہب کی حقیقت و صداقت کا کیا کہنا جو ہزار برس بعد ہی پر دہ عدم سے ظہور میں
آتا ہے۔ اور بنیاد و عہد نبوی کے بعد فک جیسے چند اختلافات پر استوار کر کے اتفاق ملی کو پارہ پارہ
کرنا اور اپنے فرقہ کے سوا سب مسلمانوں کو دائرہ ایمان سے خارج جانتا ہے۔ حالانکہ بالکل کھلی بات
ہے جن اختلافی مسائل پر آج ملت اسلامیہ کو کفر و اسلام میں منقسم کیا جاتا ہے۔ عہد صحابہ و اہل بیت
میں ان کا وجود ایسے تھا ہی نہیں جیسے باور کرایا جاتا ہے۔ یہاں بات کا تنگ کرنا کہ تصویری غلط پیش
کی جاتی ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ جس وقت یہ مسائل اٹھے یا اٹھائے گئے، حضرات اہل بیت سے عقیدت
رکھنے والے بھی کروڑوں مسلمان تھے۔ ہزار برس تک ان میں سے کوئی فرقہ شیعہ اہل بیت نہ بناؤ
نہ کسی نے ان اختلافات کو ہوا دے کر بناد مذہب تیار کیا مگر ہزار برس بعد یہود و مجوس کے ملغوبہ خاندان
صفوی نے ان اختلافات کو مذہب کی شکل میں پھیلادیا۔ تشیع کے اس اجمالی تعارف کے بعد ورنہ
فک کی تفصیلات میں جانے سے پہلے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

اس مسئلہ کی حقیقت صرف اتنی ہی ہے کہ یہود بنی نصیر۔ قریطہ اور خیر کے بعض
قبائل نے اہل اسلام سے مغرب ہو کر بلا جنگ جو جاہل ادین اہل اسلام کے
سپر و کس قرآنی اصطلاح میں وہ مال فے کہلاتا ہے اور اس کے آٹھ مصارف سورت حشر میں مذکور
ہیں۔ ان ہی میں فک تھا۔ یہ جاہل ادین صرف حضور کی تحویل میں تھیں کیونکہ کسی مسلمان مجاہد کا ان میں
معیّن حصہ نہ تھا۔ حضور صرف اپنی صوابدید سے مذکورہ بالا مصارف پر کھلایا جزا کی پیشی کے ساتھ
خرچ کرتے تھے۔ اپنا ذاتی خرچ۔ رشتہ داروں کا خرچ بھی اسی سے نکالتے تھے۔ اصول کافی میں

تصریح ہے کہ یہ جائیداد پیغمبر کے بعد امام جانشین کی تحویل میں چلی جاتی ہے۔ اور وہ ایسی کے مطابق ان میں عمل و تصرف کرتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسی حیثیت سے جانشین پیغمبر ہوئے تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے خلیفہ کی یہ حیثیت تسلیم کرتے ہوئے بذریعہ قاصد یہ مطالبہ کیا کہ فدک نامی شہر کی جائیداد۔ جس کی آمدنی ہم استعمال کرتے ہیں۔ براہ راست میری تحویل میں دے دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یہ وراثت کی سی شکل ہے جناب رسول مقبول علیہ السلام کا فرمان میں نے سنا ہے کہ پیغمبروں کا ترکہ عام صدقہ ہوتا ہے اس میں کوئی وارث نہیں بنتا۔ آپ کو خرچ کے لیے وہ سب آمدنی ملتی رہے گی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں ملا کرتی تھی۔ حضور علیہ السلام کی رشتہ داری مجھے سب دنیا سے بڑھ کر عزیز ہے لیکن میں بطور وراثت و ملک وہ جائیداد آپ کے حوالے نہیں کر سکتا کیونکہ حضورؐ کی روش کے خلاف کروں تو گمراہ ہوں گا۔ حضرت فاطمہ الزہراءؑ یہ معقول جواب سن کر خاموش ہو گئیں۔ پھر اس مسئلہ پر آپ سے بات نہیں کی حتیٰ کہ ۶ ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔

جناب رشید اختر ندوی "مسلمان حکمران" ص ۳۳۷ پر لکھتے ہیں۔

حضرت فاطمہؑ کا مطالبہ تھا انہیں باغ فدک اور خیبر کی زمینیں دی جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست تابع تھیں جن سے رسول اللہ اپنی بیویوں۔ اہل و عیال۔ عام مسلمانوں مسافروں اور عمال کی تنخواہیں اور دوسرے اخراجات پورے کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؑ کی نظر منصب امامت اور اس کے فرائض پر نہ تھی وہ اپنے باپ کو نبی مانتی تھیں مگر وہ انہیں عرب کا امیر بھی سمجھتی تھیں۔

درحقیقت اسلام ٹبے اونچے مقاصد کے لیے اس دنیا میں آیا تھا۔ رسول اللہ نے جو طریق حکومت رواج دیا تھا اس میں امیر ملت یا حاکم اعلیٰ کی وراثت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ البتہ اگر رسول اللہ اپنے باپ یا دادا سے کوئی جائیداد پاتے اور یہ جائیداد نبی کی حیثیت سے انہیں ایک عام فرد کی حیثیت سے انہیں ملتی تو بات شاید الگ ہوتی تو شاید ابو بکرؓ فاطمہؑ کے مطالبہ کو رد نہ کرتے۔ بہت ممکن تھا بلکہ یقیناً ایسا ہوتا کہ رسول اللہؐ یہ جائیداد بیچ کر مستحق مسلمانوں کو کھلا دیتے اور وصال کے وقت اپنے پیچھے کچھ چھوڑ نہ جاتے اور باغ فدک اور خیبر کی بعض زمین تو رسول اللہ کو مسلمانوں کے حاکم

ہونے کی حیثیت سے ملی تھی اور اگر وہ زمینیں اپنی بیٹی یا اپنے نو اسوں اور دوسرے عزیزوں کے لیے مخصوص کر جاتے تو ان میں اور دوسرے حکمرانوں میں کیا فرق رہتا۔

سیدہ فاطمہؓ نورِ ملت اور جانِ ملت ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ ہم سب کی آنکھوں کا تارا ہیں ان کی محبت جزو ایمان ہے لیکن اسلام کے عظیم مقاصد اس محبت کے باوجود مقدم ہیں اور اس لیے ابوبکرؓ نے فاطمہؓ سے کہا تھا یہ باغِ فدک میرے تسلط میں اس طرح رہے گا جس طرح رسول اللہؐ کے تسلط میں تھا اور میں اسے اس طرح خرچ کروں گا جس طرح رسول اللہؐ اسے خرچ کرتے تھے (ابن کثیر ج ۵ ص ۲۸۹)

اور تاریخ نے جو کسی کے عیوب و محاسن نہیں چھپاتی اور ہر عیب کو ظاہر کر دیتی ہے ابوبکرؓ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے باغِ فدک یا کسی اور زمین کی سیدہ اداوار اپنے اوپر صرف کی ہو گواہوں نے باغِ فدک اور دوسری زمینیں اپنے قبضے میں لے لی تھیں لیکن ان کی سیدہ اداوار اپنے اوپر حرام کسی تھی۔

وہ جس طرح کی زندگی گزارتے تھے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ ابوبکرؓ نے رسول اللہؐ کی وراثت کے باب میں وہی مسلک اختیار کیا جو اسلام کا منشاء تھا انہوں نے وہی راہ اختیار کی جو اسلام کے پہلے حاکم اعلیٰ کو منظور و محبوب تھی۔

اور یہ راہ اختیار کرتے وقت انہوں نے رسول اللہؐ کے ارشاد سے سند بھی لی تھی انہوں نے حضورؐ کا ارشاد حضرت فاطمہؓ اور دوسرے لوگوں کو سنا دیا تھا اور ان سے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا "فرمیت ان ارددہ علی المسلمین" (میرا خیال ہے کہ میں اسے مسلمانوں کو لوٹا دوں) انہوں نے اپنا یہ خیال پورا کیا اور فدک اور خیبر کی مخصوص آمدنی مسلمانوں کے تصرف میں لائے۔ اور یہ باغِ فدک اور دوسرے اموال رسول اللہؐ کی زندگی میں حضورؐ کے ذاتی اور قومی تصرف میں آیا کرتے تھے۔ جن میں سے بنی نضیر کے اموال بھی تھے۔

مؤرخ ابو عبدید نے اس سلسلہ میں حضرت فاروقؓ کی روایت درج کی ہے جس کے الفاظ میں "کانت اموال بنی نضیر مما افاد اللہ علی رسولہ مما لا یوجب المسلمون علیہ یخیل ولا رکاب فکانت لرسول اللہ خاصۃ فکان ینفق منها علی اہلہ لفقۃ سنۃ"

وما جعله في الكراع والسلاح عدة في سبيل الله دمسلمان محمدان ۳۳-۳۴-۳۵ مؤلفہ
 رشید اختر ندوی مطبوعہ احسن برادرزہ لاہور

(ترجمہ) کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی گھڑوں اور لشکر کشی کے بغیر حضور علیہ
 الصلوٰۃ والسلام کو بطور نفے دیے تھے تو یہ حضور کے خاص تصرف میں تھے آپ سال کا خرچہ اپنے
 گھروالوں پر اس سے کرتے اور بقیہ کو جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری میں ہتھیار وغیرہ سامان پر خرچ
 کرتے تھے۔

شیخہ حضرات حضرت فاطمہ کی مفروضہ ناراضگی کو بہت اچھالتے ہیں تو گزارش یہ ہے کہ حضرت
 فاطمہ کی اپنی زبانی واقعہ کی تفصیل یا ناراضگی کا اظہار اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا چونکہ
 خوشی یا ناراضگی دل کا فعل ہے۔ عام راوی اسے بطور ظن ہی بیان کر سکتا ہے چنانچہ بعض رواۃ اہل سنت
 نے خاموشی کو ناراضگی پر محمول کیا اور اسی بنا پر ناراضگی بعض روایات میں منقول ہے۔

۲۔ دس مہینہ | اس سے قطع نظر کہ غضبت جیسے مثبت ناراضی الفاظ راوی کے مدرج الفاظ میں
 جیسے تقریب بیان ہوگا۔ قابل توجہ بات اس قدر ہے۔ اولاً کہ قرن اول کے
 دو بڑے بزرگوں پیغمبر کے خاص رشتہ داروں میں اتنا سا فکری یا نظریاتی اختلاف کیا اس بات کا
 جواز حیا کر سکتا ہے کہ اس پر اصولی اختلاف کی طرح ڈال کر امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے خود
 حضرات اہل بیت نے توحید، میراث اور عمل صدیقی کی تغلیط نہیں کی۔ قصہ فدک میں بدستور وہی طلیقہ
 جاری رکھا جو پیغمبر اعظم اور صدیق اکبر نے قائم کیا تھا پھر بعد میں آنے والے لوگوں کو انتشار و اختلاف
 برپا کرنے کا کیا حق ہے؟

ثانیاً۔ حضرت فاطمہ جیسی عابدہ زاہدہ بتول سے عقلاً کیا ممکن ہے کہ وہ صدیق اکبر سے
 حدیث پیغمبر سن کر ناراض ہو جائیں۔ یہ ادنیٰ مسلمان کی بھی شان نہیں ہو سکتی۔ بالفرض اگر وہ حدیث
 آپ کے خیال میں درست نہیں تو بر ملا اس کا انکار کر کے اس کے برعکس قرآن و سنت سے ان کو
 قائل کریں اور اس کا ثبوت کتب معتبرہ فریقین سے ہونا چاہیے خاموشی تو علامت رضا ہی ہے۔
 ثالثاً۔ حضرت ابوبکر صدیق شہید سے افضل صحابی ہی نہیں بلکہ حضرت فاطمہ الزہراء کے
 رشتہ میں نانا بھی ہیں حضور کے یا قدیم اور صاحب الغار بھی ہیں عمر بھر جان و مال سے حضور کی

خود و نصرت کی۔ حضرت فاطمہؑ کے حضرت علیؑ سے رشتہ کے محرک اول حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی ہیں۔ آپ کا جہیز خرید کر لانے والے حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔ نکاح کے اہم شاہد بھی ہی حضرت ثلاثہؓ ہیں بلکہ حضرت فاطمہؑ اور علیؑ کے گھر طینازعات کو مٹاتے وقت بھی حضورؐ شہیدین کو شاہد بناتے تھے (سب امور کے لیے فقہ ترمذیج ملاحظہ ہو کشف الغمہ و جلال العیون)

کیا حضرت فاطمہ الزہراءؑ کے متعلق عقل سلیم کسی بھی درجے میں یہ باور کر سکتی ہے کہ آپ اپنے بڑے محسن فرزند پر صرف تولیت فدک نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہو گئی ہوں اور ناز و نیت کلام نہ کی ہو۔
 راجعاً۔ فرض کیجیے آپ حساس اور نازک مزاج تھیں۔ خلاف مرضی حضرت ابوبکرؓ کا عمل اور ارشاد کن کر طبعاً ناراض ہوئیں۔ یا بقول شبیحہ حضرت ابوبکرؓ جیسے بزرگ محسن کو اپنے حق کا عاصب سمجھ کر ناراض ہوئیں۔ تو کیا تین دن تک ناراضی کا جواز۔ پھر ناراضی اور نازک کلام کی حرمت کا متفقہ مسئلہ آپ کو معلوم نہیں۔ پھر اس کی خلاف ورزی کیسے؟ فدک کا مسئلہ مالی حقوق کے متعلق ایک دنیوی مسئلہ ہے عقیدہ اور فرائض شریعت کا مسئلہ تو نہیں جن کے خلل سے طویل ناراضی کا عذر رنگ نرانا جائے۔

خامساً سیدہ حضرت فاطمہ الزہراءؑ سیدۃ النساء ہیں۔ اعمال صالحہ اور پرہیزگاری میں اعلیٰ اور معیاری مقام رکھتی ہیں۔ قرآن پاک میں اہل جنت کے اوصاف عالیہ ہیں وَأَنَّكَ ظَمِيتُ مِنَ الْغَيْظِ وَأَنَا مِنَ الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (اور اہل جنت غصے کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) آیا ہے۔ گو برائی کا بدلہ اس کی مثل عام لوگوں کے لیے جائز ہے۔ مگر خواص کے لیے مَن عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (اپس جو معاف کر دے اور صلح کر لے پس اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے) اور دَلَّكَ صَبْرٌ وَتَقْوَىٰ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (اور البتہ جو صبر کرے اور بخش دے تو یہ یقینہ کار کی بات ہے) جیسے لوگوں کی سیرت اپنانے کی تعلیم نازل کی گئی ہے۔ رحم مجسم اور مہربان کائنات علیہ الخیرۃ والصلوات پیغمبر نے بڑے بڑے مجرموں کو معاف کر دینے کا اسوہ حسنہ یادگار چھوڑا ہے اور صحابہ کرامؓ کے لیے تو خصوصی طور پر اب رحیم کا حکم اور سفارش ہے۔ فَاَعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوَهُمْ فِي الْأَمْسِرِ (ان کو معاف کر دیں ان کے لیے بخشش مانگیں اور اہم کاموں میں ان سے مشورے لیں) خود حضرت سیدہ کے مثالی شوہر اور بڑے پیغمبرؐ فرزندوں نے نکاح ایف سہمہ کر صبر و عفو کی مثالیں قائم کیں۔ اب جو لوگ حضرت سیدہ کے ابوبکر صدیقؓ و دیگر ناراضی کا افسانہ شہور کرتے ہی رہتے ہیں۔ رضامندی یا عفو کی

کوئی روایت تسلیم ہی نہیں کرتے۔ وہی بتائیں کہ مذکورہ بالا آیات کے مصداق سے حضرت سیدہ کیوں خارج ہیں۔ آلِ عبا کے مثالی طرزِ عمل کی خلاف ورزی حضرت سیدہ کیوں کرتی ہیں۔ کیا سیدہ کی پاکیزہ سیرت پوشیدہ کی طرف سے خوارِ ج سے بڑھ کر یہ ناپاک حملہ نہیں۔ جس کا مقصد وحید صرف حضرت ابوبکرؓ پر طعن اور تشیع کے رنگ بنیاد ہی کو مضبوط کرنا ہے۔

سادہ سا۔ اگر کوئی بزرگ کسی صاحب سے بلا قصد و ارادہ طبعاً ناراض ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ ناراض کرنے والے کے ذمہ یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ ان سے معذرت اور دلجوئی کر لیں۔ اعتذار اور معافی چاہنے والوں کو معاف کرنا سنتِ خدا و رسولؐ کے علاوہ اخلاقی فریضہ بھی ہے۔ اگر بقولِ مشہور یہ طبعی ناراضی تسلیم ہی کی جائے تو تشیع روایات میں ہی یہ نفع ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے جا کر معافی مانگی۔ حالانکہ یہ دونوں نانا جی تھے۔ اولوالامر تھے اور حضرت فاطمہؓ سے افضل تھے مگر پھر بھی قرابتِ نبوی اور تنظیمِ فاطمیہ کے جذبہ سے آپؐ کے گھر چل کر گئے۔ ملاحظہ ہو۔

”حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ حال (خفگیِ فاطمیہ) دیکھا تو خدا سے عہد کیا کہ وہ چھت کے نیچے نہ جائیں گے جب تک کہ حضرت فاطمہؓ کو راضی نہ کر لیں۔ پس ایک رات وہ آسمان کے نیچے سوئے۔ پھر عمرؓ امیر المومنینؓ کے پاس آئے اور کہا ابوبکرؓ بوڑھے آدمی (یعنی اچھا بڑا) دل ہیں۔ رسولِ خداؐ کے غار میں ساکن تھے۔ اور حضورؐ سے پرانی صحبت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بھی کئی مرتبہ آئے ہیں اور حضرت فاطمہؓ سے ملاقات کی اجازت مانگی ہے مگر وہ نہ مانیں اگر آپؐ مفید جانتے ہیں تو ہمارے لیے رخصت مانگیں۔۔۔۔۔ پس امیر المومنینؓ نے فاطمہؓ سے کہا میں ضامن ہوا ہوں کہ ان کے لیے اجازت چاہوں حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔ آپؐ کا گھر ہے اور آپؐ کو اختیار ہے۔ عورتیں مردوں کے آڑے نہیں آتیں۔ میں کسی بات میں آپؐ کی مخالفت نہیں کرتی جس کو چاہیں اجازت دیں۔۔۔۔۔ پس حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آئے۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ اے رسولِ خداؐ کی صاحبزادی! ہم تیرے پاس آپؐ کی رضا چاہتے اور ناراضی سے پناہ مانگتے آئے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم سے (بروایتِ شیعہ) کو تاہمی ہوئی اسے بخش دیں حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔ میں ایک بات تم سے نہیں کرتی حتیٰ کہ اپنے والد ماجد سے ملاقات کروں اور تمہاری شکایت کروں۔ (اہلِ العیون ص ۱۵۲)

شیعہ روایت کے آخری جملے غلط ہیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ تو حق پر تھے۔ مطابقِ نثرِ ع اپنا

فرض ادا کر چکے۔ وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظُ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ رُوہ لوگوں کو معاف کرنا اور غصہ ختم کرنے والے ہیں، پر عمل حضرت فاطمہؑ کو کرنا چاہیے تھا جب حضرت علیؑ راضی اور اجازت دے کر گویا ایک قسم کے سفارشی ہیں۔ پھر ناراضی پر اصرار کیوں؟ اگر حضورؐ زندہ ہوتے اور آپؐ سے فاطمہؑ شکایت کرتیں تو کیا آپؐ صلح صفائی نہ کروا لیتے؟ جیسے حضرت علیؑ پر فاطمہؑ کی ناراضی اور شکایت کو آپؐ ختم کر دیتے تھے۔ تو ابو بکرؓ کے ساتھ بھی (بالفرض ناراضگی ماننے میں) آخرت میں یہی امید ہے کیونکہ جن پر خدا و رسولؐ راضی ہوں ان پر بعض دوستوں کی ناراضی کا دفعیہ دوسرے ذریعہ سے ہو جائے گا۔ قرآن و سنت میں یہ مسئلہ مصرح ہے وَكَذَٰلِكَ مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ (اور جو کچھ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے متعلق کدورت ہوگی ہم دودر دوس گئے اور وہ بھائی بھائی ہو کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے) (پ ۲۱، الحجر)

سابقہ۔ یہ حقیقت ہے کہ فدک کے سوال پر حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؑ الزہراءؑ کا ساتھ دینے میں پس و پیش کی تو آپؑ کو اتنا سخت سست سننا پڑا۔ "مانند جنین در رحم پرہوشین شدہ و مثل خانان در خانہ گریختہ (حق الیقین ج ۱۲)۔ (ماں کے رحم میں بچے کی طرح پرہوشین ہو گئے ہوا در خانوں کی طرح گھر میں بھاگ آئے ہو) اور ابھی ہم واضح کریں گے کہ حضرت علیؑ نے بھی باغ فدک و زناہ فاطمہؑ کو نہ دیا اور عمل صدیقی جاری فرمایا۔ کیا نتیجہ کا مشہور اصول۔ الحق مع علیؑ حیث دار (حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ جدہ بھی جائیں) کے تحت تائید علوی کی وجہ سے حضرت علیؑ برحق نہیں۔ خانگی تنازعات فاطمہؑ و علیؑ میں اگر حق حضرت علیؑ کے ساتھ ہوتا تھا تو یہاں کیوں ساتھ نہیں۔

ثامناً۔ حضرت علیؑ پر فاطمہؑ کی ناراضی کے واقعات کئی ہیں۔ مثلاً جلد ۱۲۳-۱۲۶-۱۲۸ طبع ایران ملاحظہ ہو۔

۱۲۹-۱۳۲ اور شیوہ و آیات کی روشنی میں آپؑ کی خانگی معاشرت اتنی تلخ تھی کہ حضورؐ علیہ السلام کو یوں تمہید و سفارش کرنی پڑی۔

وہربانی کن باز وہ خود بدستیکہ فاطمہؑ
اے علیؑ اپنی زوجہ پر رحم کھایا کرو بلاشبہ فاطمہؑ
پارہ تن من است ہر چہ اور اجدرد آور و در ابدرد
میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات اتنے تکلیف پہنچاتی
ہے مجھے جتنی تکلیف پہنچاتی ہے۔

میاورد (جلد ۱۲۳)

اس حدیث کو اپنے شانِ نزول سے کاٹ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر منطبق کرنے والے دیباچہ اور فرقہ سے ہم بوجھتے ہیں کیا ان مسلسل ناراضیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دین پر حرف آیا یا نہ۔ اگر نہیں آیا۔ تو اصول کہاں گیا؟ اور اگر آیا تو نما ہو جو باجم فہو جو ابنا۔

ناسخاً۔ اگر یہ کہو کہ یہ وقتی ناراضی ہوتی تھی بعد میں صلح صفائی ہو جاتی تھی تو سوال یہ ہے کہ صفائی سے قبل دو چار گھنٹے کے وقت ناراضی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ضبطِ اعمال پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں دیا جاسکتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بھی دو ڈھائی ماہ کی ناراضی سے بھی فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔

عائشہؓ۔ فقد اغضبنی دلیس اس نے مجھے ناراض کیا، کیا بنا بر حقیقت ہی ہے یا دھمکی اور اغضابِ فاطمہؓ سے روکنا مقصود ہے۔ اول بات پر اصرار ہو تو مندرجہ ذیل آیات کا جواب دیں۔ سو دخواروں کے متعلق ہے۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ اگر تم سو دخوری سے باز نہ آؤ تو خدا اور رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ کر دو، کیا محاربِ خدا و رسول سو دخوار پر آپ حقیقتہً کفر کا فتویٰ لگائیں گے؟ غیبت کرنے والوں کے متعلق ہے اَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا كَمَا كَانَتْ تَمُّرُ سَيْفًا كَمَا كَانَتْ تَمُّرُ سَيْفًا کہتے ہیں، کیا غیبت کرنے والا واقعی مردِ نور ہے۔ یتیم کا مال ناجائز کھانے والوں کے متعلق ہے اِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا دَبَّ شَكَّ وَهُوَ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں، کیا اب وہ حقیقتہً آگ ہی کھاتے ہیں۔

اگر یہاں حقیقت مراد نہیں بلکہ ان گناہوں کی شفاعت کے لیے تمثیلات ہیں اسی طرح غضبِ فاطمہؓ پر غضبِ رسولؐ بیانِ شفاعت کا ایک طریق ہے اور اغضابِ فاطمہؓ سے روکنا مقصود ہے۔ حقیقت مراد نہیں ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراضی رسولؐ ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ سادہ بیان مسئلہ کی حقیقت ایک خالی الذہن عامی کے ذہن نشین کرنے کے لیے قلمبند کیا گیا۔ علمی متوشکا فیوں کے دلدادہ اور رد و قدح کرنے والوں کے لیے تحقیقی بیان یہ ہے صحیح بخاری ۴۶۹۹ سے حدیث میراث ملاحظہ ہو۔

امام زہری بروایت عروہ از عائشہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ اور عباسؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حضورؐ کا ترکہ مانگنے آئے۔ اور وہ فدک اور خیبر کے حصے کی زمینیں مانگتے

تھے پس حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

يقول لا نورث ماتو كن صفة
انما ياكل آل محمد من هذا المال۔
اس مال سے کھاتے رہیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میں وہ طریق کار نہیں چھوڑ سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کرتے دیکھا ہے۔ مگر میں اسے ضرور کروں گا۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے گفتگو چھوڑ دی۔ اور تا وفات بات نہیں کی۔

بخاری ج ۱ ص ۳۵ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ آپ اس ترکہ کی وراثت مانگتی تھیں جو اللہ نے آپ پر بطور فے لوٹایا تھا۔۔۔ نیز بہ خیر فک اور مدینہ منورہ کے وقف صدقات تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دینے سے انکار کیا اور فرمایا میں اس طرز عمل کو نہیں چھوڑ سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے مگر میں اسے ضرور کروں گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے حضورؐ کا طرز عمل چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری سب سے زیادہ محبوب ہے۔ بخاری ج ۲ ص ۵۷۶-۹۹۶ (مگر میں مال نے کی میراث دینے سے منذور ہوں) میرا مال آپ کے لیے حاضر ہے۔

مسئلہ کی علمی تہیج
طعن فک کا سارا دار و مدار اسی حدیث پر ہے چند تحقیقات کی شکل میں اس پر بحث کی جاتی ہے۔

۱۔ مال نے اور فک کی آمد و خرچ کی کیا پوزیشن ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کس کے تصرف میں آتا ہے۔

۲۔ حضرت ابو بکرؓ اور دیگر خلفاء اسلام اہل بیت کا راشن ان اموال سے دیتے تھے۔

۳۔ حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشاء کیا تھا؟

۴۔ حدیث لا نورث متفق علیہ ہے تمام صحابہؓ اور امت کا اس پر اجماع ہے۔

۵۔ راوی کے الفاظ غصبت الخ مدرج اور اپنے وطن پر مبنی ہیں۔

۶۔ حضرت سیدہؓ ابو بکرؓ پر خوش ہو کر تحصت ہوئیں۔

۷۔ شیعہ کے دلائل وراثت پر تبصرہ

۸۔ روایات ہبہ کی حقیقت

۹۔ جنازہ فاطمہؑ میں شیخین کی شرکت

۱۔ مال فے اور فک کی حقیقت - مسلمانوں کو کفار کے جو اموال ملتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ انفال یعنی غنیمت - ۲۔ فے۔ انفال نفل کی جمع ہے جس کے معنی افضل و انعام کے ہیں۔ یہ لفظ سورت انفال کے شروع میں استعمال ہوا ہے۔ جب جنگ بدر کی غنیمت کی تقسیم میں ایک دوسرے سے بڑھ کر سختی ہونے کا سوال اٹھا تو اللہ پاک نے فرمایا **قُلْ لَا انفالَ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ**۔ آپ فرمائیے انفال کی تقسیم اللہ اور اس کے رسولؐ کے اختیار میں ہے۔ اس سے مراد مال غنیمت ہی ہے جو کفار سے بصورت جنگ حاصل ہوا تھا۔ فے مراد نہیں کیونکہ فے اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ و قتال کے کفار سے ملے خواہ وہ چھوٹے کر جاگ جائیں یا رضامندی سے دنیا قبول کریں اور نفل انفال کا لفظ اکثر اس انعام کے لیے بولا جاتا ہے جو امیر جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں علاوہ حصہ غنیمت کے بطور انعام عطا کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیے ہیں (ابن کثیر) اور کبھی مطلقاً مال غنیمت کو بھی نفل اور انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اکثر مفسرین نے یہی عام معنی لیے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہی عام معنی نقل کیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ عام اور خاص دونوں معنی کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے کوئی اختلاف نہیں اور اس کی بہترین تشریح و تحقیق وہ ہے جو امام ابو عبیدہ نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل لغت میں نفل کہتے ہیں فضل و انعام کو اور اس امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہاد و قتال کے ذریعے جو اموال کفار سے حاصل ہوں ان کو مسلمانوں کے لیے حلال کر دیا گیا ورنہ پچھلی امتوں میں یہ دستور نہ تھا۔ (تفسیر معارف القرآن ج ۴ ص ۱۸۷)

علماء لغت اور مفسرین کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ انفال بطور جنگ و قتال سے حاصل ہونے والے مال کو کہا جاتا ہے اور اسی کو مال غنیمت کہتے ہیں خواہ ایک ہی چیز کے دو نام ہوں یا عام خاص کا فرق ہو۔ جیسے اسی سورت میں **وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ صَبَاحٍ**

انفال کا بیان ہے لیکن مال فے کی حقیقت اس سے جدا ہے کہ وہ تبرجنگ کے محض ضماندی
یاد رب سے حاصل ہوتا ہے اور یہ تعریف قرآن حکیم نے ہی سورت ہشر میں کی ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ
فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا
رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَيِّطُ رُسُلَهُ عَلَى
مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے
بغیر لڑے عنایت کیا ہے تو اس پر نہ تم نے گھوڑے
دوڑائے ہیں نہ اونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں
کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے اور
اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ
أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ
السَّبِيلِ كَيْلًا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ
مِنْكُمْ... لَلْعُقُوبَةِ أُولَٰئِكَ أَهْلُ حَرْجِيْنِ...
وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ
دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے
رسول کو بدون جہاد عنایت کیا وہ اللہ کا ہے
اور رسول کا اور رسول کے، قرابت مندوں
کا اور انہی کے یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں
کا تاکہ وہ مال غنیمت تمہارے دو ہندوں
کے مابین چکر کھاتا نہ بھڑے... نیز یہ (مال فے)

ہجرت کرنے والوں میں سے ان ضرورتمندوں کا بھی حق ہے... اور ان کا بھی حق ہے جو ہجرت کرنے
والوں کے پیچھے سے دار ہجرت میں مقیم اور ایمان پر قائم ہیں (ترجمہ مقبول ص ۱۶۵)

انفال و غنیمت اور مال فے کے درمیان اس مابین فرق سے معلوم ہوا کہ شہیدہ حضرات جو انفال
کو بلا جنگ حاصل شدہ مال سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے ”تجلیات صداقت“ ص ۱۱۱ پر ہے۔ ”اور اگر
صرف تیاری جہاد کرنے، گھوڑے دوڑانے اور کچھ علی تلک تاز کرنے سے (لیکن جہاد کے بغیر)
ملے جیسے اموال و املاک بنی نضیر تو اسے فے کہا جاتا ہے اور اگر ہر قسم کی سعی و کوشش کے بغیر دستیاب
ہو جائے تو اسے انفال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسے جائیداد فک۔“

قرآن حکیم کے بیان کے برعکس صریح و صاف دلائل اور باطل مقصد برآری ہے۔ شایدان کے
پیش نظر اپنے پیشوا علامہ کلینی کا یہی غلط بیان ہو گا۔ ”جو خلفاء پیغمبر کو جنگ اور غلبہ سے
مال واپس ملے وہ فے ہوتا ہے اور اس کا حکم و اعمال و انما غنمتم میں مذکور ہے (یعنی غنیمت

و فے ایک مال کے نام ہیں، اور جو ان کے پاس بغیر گھوڑے دوڑانے اور لشکر کشی کے حاصل ہو وہ ”انفال“ کہلاتا ہے جو خدا و رسول کا خاص ہوتا ہے کسی کی شرکت نہیں ہوتی (اصول کافی ۵۳ باب الفے والانفال)

حالانکہ قرآن پاک نے جنگ بدر سے حاصل شدہ اموال وغنائم کو۔ انفال۔ اور بلا جنگ و لشکر کشی اموال بنی نضیر کو مال فے سے تعبیر کیا ہے جن میں جائیداد فدک بھی شامل ہے۔ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ۔

اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ جائیداد فدک۔ انفال و غنیمت کے طور پر اہل اسلام کے قبضے میں آئی یا بطور فے بلا جنگ حاصل ہوئی۔ سو تمام سنی شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ فدک بدر سے جہد میل کے فاصلے پر ایک بستی کا نام ہے۔ وہاں کے یہود نے از خود صلح میں نصف جائیداد دینے کی حضور کو پیش کش کی آپ نے منظور فرمائی۔ چنانچہ مولف تجلیات صداقت محمد حسین صاحب نے اپنی فتاویٰ کے موافق۔ معجم البلدان ج ۶ ص ۶۲ تا بیخ طبری ج ۳ ص ۹۵۔ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۸۸ فتح الباری کے حوالہ جات سے فدک کی تشریف کے بعد یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

وكانت فذل خالصه لرسول

الله لا نهم لهم يحلبوا عليها بحبل ولا

مكاب۔

نہیں دوڑائیں۔

معلوم ہوا کہ فدک مال فے کی قسم ہے جس پر گھوڑے دوڑا اور لشکر کشی نہیں کی گئی۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو اموال فے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آیت بالا میں فرمایا ہے کہ خالصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل اور قبضے میں ہوگا۔ اور آپ کا مکانات حیثیت سے مذکورہ بالا آٹھ مصارف اپنی صوابد بدر سے خرچ کریں گے۔ اور عام مسلمانوں کو اس تقسیم پر چون دہرا کا حق نہ ہوگا کیونکہ ان کی جنگ اور لشکر کشی سے یہ حاصل نہیں ہوئے۔ بلکہ منصب نبوت اور حکمانہ رعب داب سے سپہ سالار اسلام کے قبضے میں آئے ہیں

”فدک خالصہ رسول“۔ فقہاء اس سے حضور علیہ السلام کی شخصی ملکیت پر استدلال کرنا منصب نبوت پر مخرج کلمہ اور قرآن کریم کے بیان کردہ آٹھ مصارف سے استہزاء کے مترادف

ہے جیسے صاحب تجلیات اور دیگر شیعہ کرتے رہتے ہیں، کیونکہ یہ منصب نبوت سے حکمانہ حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے آپ کو حاصل ہوئے۔ اس کے ترح میں آپ خود مختار ضرور ہیں۔ اگر یہ اس ملکیت کی طرح نہیں۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۔ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ۔
 آپ فرمائیے۔ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں سے ہوں۔

۲۔ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى رَبِّي رَسَبَا،
 آپ فرمائیے جو کچھ میں تم سے اجر مانگوں وہ تم اپنے پاس ہی رکھو میرا اجر میرے رب کے ذمہ ہے۔ آپ فرمائیے میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔

۳۔ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا (انعام)

کسی منصب کی رو سے جو چیز ملتی ہے۔ وہ عام عطیہ ہے اسی منصب کا گویا اجر یا قدر و قیمت ہے۔

سنی شیعہ کتب میں کتاب القضاء کے تحت یہ حدیث آتی ہے حضور نے فرمایا کہ ایک شخص کو ہم حاکم مقرر کرتے ہیں وہ جب بہت سے مال جمع کر لانا ہے تو کہنا ہے ”یہ مجھے مدیر ملا اور یہ عطیہ اور یہ بیت المال کے لیے ہے۔“

وہ اپنی مال کے کو کرمیوں بیٹھا رہا تاکہ اسے ہلا جلس فی بیت امہ فیہن
 ہدایا ملنے (البوداؤ در ج ۲ ص ۵۳)

الیہ (ادکا قال)،
 معلوم ہوا کہ منصب نبوت اور حاکمانہ حیثیت سے فک وغیرہ جو جائیدادیں اللہ نے آپ کو قبضہ میں دیں وہ محض رفاهی امور اور مصارفِ مہشت گانہ مذکورہ پر خرچ ہوں گی۔ اگر آپ اسے محض ذاتی تملیک قرار دیں تو شیعہ ہی تبائیں کہ نبی کی حیثیت سے۔ طلبِ اجرا و تکلف کی اس سے بڑی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا ہزاروں بلکہ لاکھوں مریج ایکٹھی اتنی بڑی جائیدادیں آپ نبوت و حکومت کے رعب سے حاصل کر کے تنہا اپنی صاحبزادی کو میراث بنا کر دیں یا سبہ کر دیں تو لوگوں کے سامنے آپ یہ اعلان کر سکیں گے کہ نہ میں اجرا مانگتا ہوں۔ نہ تکلف کرتا ہوں۔ اس صورت میں ہم داعی اسلام کی کفار کے سامنے کیا بے لوثی۔ للہیت اور نہ بد وقاعت کی بات کر سکیں گے۔

تاریخ و سیرت کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ جناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب لوگوں سے
 بڑھ کر زاہد تھے۔ فتوحات اور کثرتِ غنائم کے باوجود آپ کے گھریں بسا اوقات دو دو ماہ تک
 آگ نہ جلتی۔ اندراجِ مطہرات بیوند کے کپڑے پہنتی تھیں آپ خود اور آپ کے اہل بیتِ فاقوں سے
 رہتے اور روزہ رکھ کر پانی یا کھجور سے افطار کرتے تھے۔ خود سیدہ فاطمہؓ نے گھریلو خدمت
 کے لیے خادم مانگا مگر آپ نے سب لوگوں میں تقسیم کے باوجود سیدہ کو خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا۔
 اور بیچ و تبدیل اور تمہید کی ۱۰۰ مرتبہ تعلیم دی۔ بروایت شیخو محدث ابن بابویہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
 فاطمہؓ کو آپ نے زیور پہنے دیکھا تو ناراض ہو گئے اور اتارنے کا حکم دے کر فرمایا۔
 پدرش فدائے اباد و دنیا از محمد و آل محمد اس کا باپ اس پر قربان دنیا محمد و آل محمد
 نسبت رجلا العیون ص ۹۲-۱۱۰ کے لیے نہیں ہے۔

روضہ کافی ص ۱۳۱ پر ہے حضورؐ نے فرمایا۔ میں مکہ کے پہاڑوں کا سونا ہونا نہیں چاہتا
 بلکہ ایک دن بھوکا اور ایک دن سیر رہنا چاہتا ہوں تاکہ سیری پر شک اور بھوک پر ذکر و دعا کروں۔
 صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ مالِ خمس میں سے حضرت فاطمہ الزہراءؓ نے ربا و وجود
 حق دار ہونے کے اخذ مت کے لیے خادم مانگا تو آپ نے یہ عذر فرما کر انکار کر دیا کہ میرے سامنے تمہاری
 ضرورت سے زیادہ اصحابِ صفہ کی ضرورت ہے جو انتہائی فقر و افلاس میں مبتلا ہیں۔ ان کو چھوڑ
 کہ میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ بخاری ص ۲۳ پر ہے کہ حضورؐ کی وفات ہوئی میرے گھر میں ایسی
 چیز نہ تھی جسے کوئی جگر والا حیوان کھاتا بجز نصف صاع جو کہ حضرت عمر بن العاصؓ کی روایت
 میں ہے کہ حضورؐ نے صرف ہتھیار سفید نچر اور کچھ صدقہ کی زمین ترکہ میں چھوڑی۔

کیا اس سیرتِ اقدس کی روشنی میں اتنے بڑے بہتان کی گنجائش ہے کہ حضورؐ نے ذک و غیرہ
 مالِ فے کو ذاتی ملکیت بنا لیا ہو اور حضرت فاطمہؓ کو سب میراث بنادی ہو یا سپہ گردیا ہو شیخ کتاب
 علل النزاع میں امام حسنؑ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ مال سے کہا کہ آپ نماز کے بعد مومنین و
 مومنات کے لیے دعا مانگتی ہیں اپنے لیے کیوں نہیں؟ فرمایا یا بنی الجار خدا داد اول ہم سایہ کا
 کام کرنا ہے پھر اپنا دیر ایشار آپ کو حضورؐ نے ہی سکھایا تھا تو یہ ذک اس سیرت سے مطابقت
 نہیں رکھتا۔

شیعہ کتاب عبون الاخبار میں حضرت زین العابدینؑ ازا سکاؤ بنت عیسیٰ راوی ہیں کہ حضور نے حضرت فاطمہؑ کے گلے میں سونے کا گلوبند دیکھا جو حضرت علیؑ نے مال نے سے خرید لیا تھا تو آپؐ نے فرمایا اے فاطمہؑ! کیا لوگ نہ کہیں گے کہ فاطمہؑ محمدؐ کی بیٹی جیابہ (مغزوہ امیروں) کا سنا زیور پہنتی ہے حضرت فاطمہؑ نے اسی وقت اسے توڑ کر بیچ ڈالا۔ اور اس سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا۔ اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے۔ (بحوالہ باغ فدک از نواب مہدی علی خاں)

اس تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ اموال نے کو جناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآنی آٹھ مصارف دینا خدا رسولؐ

رشتہ دار۔ یتامی۔ مساکین۔ مسافر۔ فقراء و مجاہدین۔ فقراء انصار۔ عین حسب صواب دید خراج کرتے تھے اپنا اور اپنے گھر والوں کا خرچ بھی اسی سے نکالتے تھے اور اہم ملی کاموں میں اسے صرف فرماتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی اسی سنت نبویؐ پر عمل پیرا تھے۔ لہذا اطالیہ کے باوجود حضرت سیدہ کو قبضہ مالکانہ نہیں دیا۔ جیسے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں دیا تھا اور دنیا ان کے لیے پسند بھی نہ کرتے تھے۔ اس پرستی شیعہ احادیث ملاحظہ ہوں۔

سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۹ پر ہے کہ حضرت سیدہ نے ارض فدک کا سوال خود آنحضرتؐ سے بھی کیا تھا مگر آپؐ نے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ غالباً اسی واقعہ کی مؤید یہ شیعہ روایات بھی ہیں۔

انت فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اس بیماری میں حضورؐ کے پاس آئیں جس میں آپؐ کی وفات ہوئی تو فرمایا یا رسول اللہ میرے دو صاحبزادے ہیں ان کو کچھ وراثت دے جائیں تو آپؐ نے فرمایا حسنؑ کی میراث میری بیعت و رعب اور حسینؑ کے لیے میری بہادری ہے۔

نیز شیعہ کے محدث فرات بن ابراہیم بن فرات کو فی تفسیر فرات مطبوعہ نجف اشرف ص ۲۱ پر لکھتے ہیں جو علی بن ابراہیم قمی کے استاذ اور کلینی کے استاذ الاستاذ ہیں کہ حضرت علیؑ کو طلب وراثت کے سوال پر آپؐ نے کتاب اللہ اور سنت نبویؐ میراث بتائی۔ صحیح بخاری میں قصہ کئی دفعہ آیا ہے کہ فدک

وغیرہ بعض اموال نے پر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ و عباسؓ کو متولیٰ نہ قبضہ دے دیا۔ کچھ عرصہ تو وہ اتفاق سے رہے مگر پھر طبائع کے اختلاف سے جھگڑا پڑ گیا اور ہر ایک نے حضرت عمرؓ سے علیؓ تقسیم کا مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے وراثت کا سامنا کرنا سمجھتے ہوئے تقسیم سے انکار کیا اور فرمایا۔

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر والوں پر پورے سال کا خرچہ اس مال سے نکالتے تھے پھر بقیہ کو اللہ کے مال کی جگہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں یہی عمل کیا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ کیا تم اسے جانتے ہو سب نے کہا ہاں۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ و عباسؓ سے کہا۔ میں تم کو بھی قسم دیتا ہوں کیا تم یہ بات جانتے ہو۔ کہنے لگے ہاں۔ اسی طرح اللہ نے اپنے نبی کو وفات دے دی۔

فكان النبي صلى الله عليه وسلم ينفق على أهله من هذا المال نفقة سنة ثم يأخذ ما بقي فيجعله محفل مال الله فعمل بنو الله رسول الله صلى الله عليه حياته انشدكم بالله هل تعلمون ذلك قالوا نعم ثم قال لعلي وعباس انشدكم بالله هل تعلمان ذلك قالوا نعم فتوفي الله نبيه (بخاری ج ۲ ص ۵۴۶-۹۹۶)

فتوح البلدان بلاذری ص ۲۹ اور ۳۱ پر ہے۔

نصف فدک خالص حضورؐ کے قبضے میں تھا اسے جو آمدنی آتی اسے مسافروں پر خرچ کرتے اور ایک روایت میں ہے کہ فدک حضورؐ کے قبضے میں تھا آپ اس سے خود خرچ کرتے کھاتے اور فقراء بنی ہاشم کو دیتے اور ان کے بے نکاحوں کی شادیاں کرتے وغیرہ۔

فكان نصف فدك خالصا لرسول الله صلى الله عليه وسلم وكان يصرف ما ياتيها منها الى ابناء السبيل وفي رواية ان فدك كانت للنبي صلى الله عليه وسلم فكان ينفق منها وياكل ويعود على فقراء بني هاشم وبين وج انبيهم۔

(المجالد الفاروق ص ۵۶)

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مال فی میں طریق کار معلوم ہو چکا اور واضح ہو گیا کہ اس مال کی آمد پر قبضہ نبوی سب متولیٰ نہ تھا۔ نہ خالص مالکانہ۔ اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ مال

حضور کے بعد کس کے قبضے اور تولیت میں جانا چاہیے۔ اصول سیاست اور طریق تمدن سے آجکل یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا۔ کہ سربراہ مملکت کو جو اموال و جائیداد حکومت کی خفیت سے ملتی ہیں۔ ان میں ذاتی ملکیت نہیں چلتی۔ وفات کے ساتھ شخصی استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔ کتب شیعہ میں بھی مسئلہ واضح ہے۔ اصول کافی ج ۳ ص ۴۳۲ باب الفی والانفال کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ابن اللہ تبارک و تعالیٰ جعل الدنیا
کلها باسرها لخلیفته حیث یقول
للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ
فکانت الدنیا باسرها لادم وصداۃ
بعدہ لابراۃ ولدہ وخلقہ۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے سب زمین خلیفہ کے لیے بنائی ہے
جیسے فرمایا فرشتوں سے بے شک میں زمین میں
خلیفہ بنائیوا لاہوں۔ پس روئے دنیا سب
حضرت آدم کے لیے تھی اور اس کے بعد آپ کے
نیک صاحبزادوں اور خلیفوں کو ملی۔

معلوم ہوا کہ وہ زمین آدم کی سب اولاد میں بطور میراث تقسیم نہ ہوئی۔ بلکہ صرف نیک جانشین
صاحبزادوں کو ملی۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

الانفال مالہم یوجف علیہ بخیل
ولا رکاب او قوم صالحوا او قوم اعطوا
بایدیہم وکل ارض خربۃ ویطہون
الاودیۃ فهو للرسول صلی اللہ علیہ و
سلم وهو الامام من بعدہ یضعہ
حیث یشاء۔

انفال وہ مال ہیں جن پر گھڑ و ڈور اور لشکر کشی نہ
کی جائے یا کوئی قوم صلح میں دے دے یا اپنے
لامتھوں کوئی قوم (محبوب ہو کر) دے دے اور
ہر خراب زمین اور وادیوں کے پیٹ سب رسول اللہ
کے قبضے میں ہوں گے پھر اس کے قبضے میں جو آپ
کا جانشین ہوگا جہاں چاہے گا ترح کرے گا۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا اور رسول کا حصہ۔ اولی الامر کو بطور وارث ملے گا اور
ایک اس کو اپنا حصہ متیاب اللہ ملے گا۔ (اصول کافی ص ۵۳۹) ابوداؤد ج ۲ ص ۵۹ پر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ
نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ احب کسی نبی کو خود رک
دکھلانے کے لیے، دیتے ہیں۔ فهو للذی یقوم من بعدہ تو اس میں تصرف کا حق اس خلیفہ کو
ہے جو اس کا قائم مقام ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ مال نے یا باصطلاح شیعہ انفال بلا جنگ حاصل ہونے والا مال حضور کے بعد آپ کے خلیفہ کے قبضے میں آئے گا تو آپ کا اس پر قبضہ متولیانہ و حاکمانہ ہوا نہ مالک کا۔
 فہو المقصود۔ ورنہ رشتہ داروں کو ملنا چاہیے۔ ہمارے اعتقاد میں جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول ہیں تو اس متفقہ بین الفریقین اصول کی رو سے فک و غیرہ کے متولی آپ ہوئے۔ اور یہ تولیت بطور میراث کسی کا حق نہ ہوا۔ فہو المقصود۔

ابوداؤد کتاب الخراج الفی ج ۲ ص ۵۹ (مالک بن اوس الحدثنان سے) روایت ہے کہ حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس (اموال فک کے علیحدہ علیحدہ متولی بننے کا) جھگڑا لے کر آئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی پاس بیٹھے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کیا تم جانتے نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

کل مال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقة الاما اطعمہ اہلہ وکساہم انا لا نؤدت قالوا بلی

نبی علیہ السلام کا ہر مال (مقبوضہ) صدقہ ہوتا ہے مگر جو کچھ اپنے گھروالوں کو کھلا پنا دیں۔ ہم کسی کو وارث ذنبوی نہیں چھوڑتے سب نے کہا جی ہاں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے اپنے گھروالوں پر خرچ کرتے تھے اور بقیہ صدقہ کر دیتے تھے۔ اللہ نے جب اپنے نبی کو وفات دے دی تو دو سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ والی بنے وہ بھی وہی عمل کرتے رہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے (میں بھی ایسا کرتا رہا۔ پھر تم کو تقسیم میں مسلمانوں کا متولی بنایا۔ اب تم علیہ السلام کا مطالبہ کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں ناقیامت ایسا نہ کروں گا تم اگر مشترکہ تولیت سے) عاجز ہو تو مجھے یہ اموال واپس کر دو۔ (کذا فی ج ۲ ص ۵۹)

۲۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سنت نبوی کے مطابق اہل بیت کو خرچ دیتے تھے | جب فک کا مال

ہونا۔ آٹھ مصارف میں قابل تقسیم ہونا۔ حضور کا ذاتی ملکیت نہ ہونا۔ پھر جائز نہیں پیغمبر کا اس پر قابض ہونا اور مالکانہ حقوق و تقسیم کسی کو نہ دینا تنقیح اول سے معلوم ہو چکا۔ تو اب واضح ہو کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ علی رضی اللہ عنہ بھی سنت پیغمبر کے مطابق خرچ کرتے اور اہل بیت کو راشن دیتے تھے صحابہ سے بھرے مجمع میں قسم دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حاضرین سے پوچھنا

اور حضرت علی و عباسؓ سے پوچھ کر ان سب سے اس بات کی تصدیق کرانا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سال کا خرچ اپنے اہل بیت کو اس مال سے دیتے تھے اور بقیہ دیگر ائندہ کی خرچ کی جگہوں میں خرچ کرتے تھے۔ گزر چکا ہے اور اس میں یہ تصریح ہے۔

فقال ابو بکر انا دلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبطتها فعمل بما عمل بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم توفی اللہ ابا بکر فقلت انا دلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبطتها مستنین اعمل فیہا بما عمل فیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابو بکر۔
(بخاری ج ۱ ص ۹۹۶)

پس حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں حضور کا خلیفہ ہوں۔ میں نے ان مالوں کو لے کر وہی عمل کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ پھر اللہ نے حضرت ابو بکرؓ کو وفات دے دی تو میں نے کہا کہ میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں پس دو سال تک ان مالوں پر قابض ہو کر وہی کرتا رہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کرتے تھے۔

عام موزنین کے علاوہ شارحین نہج البلاغہ بھی حضرت ابو بکرؓ کے نفقہ اہل بیت کو دینے کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابو بکرؓ غلہ اور دیگر آمدنی ان مالوں کی یکساں اہل بیت کو پورا خرچ کی مقدار دے دیتے تھے اور دیگر خلفاء بھی اس کے بعد عمرؓ عثمانؓ علیؓ معاویہؓ اسی طور پر کرتے رہے۔

خلاصہ ابو بکرؓ غلہ و سود آ کر اگر فقہ بقدر کفایت بالبلیت علیہم السلام مے دادو خلفاء بعد از وہم بران اسلوب افتاد نمودند تا زمان معاویہ رج ۲ ص ۹۶ فیض الاسلام از سید علی نقوی،

علامہ مشیم بخاری بھی حضرت ابو بکرؓ کے اعتذار اور رضائے فاطمہؓ کے متعلق لکھتے ہیں۔

وذلك ان لك ما لا بیک كات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من خذاك فونكم ویقتسم الباقي و یحمل منه فی سبیل اللہ و لك علی اللہ ان

اور وہ یہ کہ آپ کو وہ کچھ ملے گا جو رسول اللہ سے ملا کرتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاك سے تمہاری خوراک لیتے تھے اور باقی تقسیم کر دیتے تھے اور جہاد میں سواریاں فراہم کرنے کے لیے

اصنع بها كما كان يصنع فرضيت بذلك
واخذت العهد عليه به وكان
ياخذ غلتها فيدفع اليهم متها ما
يكفيهم ثم فعلت الخلفاء بعد ^{٣٣٣} ذلك
كذلك (ومثله في دقة النجفة شرح منجم البلاغة)
یہ میں اللہ کو گواہ کر کے کتنا ہوں کہ میں فدک
میں وہی کروں گا اور رسول خدا کیا کرتے تھے۔
حضرت فاطمہؑ اس معاہدہ پر خوش ہو گئیں اور
وعدہ پختہ لے لیا۔ حضرت ابو بکرؓ فدک کا غلہ لیکر
اہلبیت کو اتنا دے دیتے جو ان کو پورا ہوتا پھر
دوسرے خلفاء بھی اسی طرح کرتے رہے۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۰۰ پر ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ مال فے کے صدقات حضرت
علیؑ کے ہاتھ میں رہے۔ حضرت عباسؓ کو تصرف کرنے سے روکا اور ان پر غالب ہوئے پھر یہ
حضرت حسن بن علیؑ کے پاس پھر حضرت حسین بن علیؑ کے پاس یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
جائیداد متروکہ کے صدقات تھے۔ عموماً القاری شرح صحیح بخاری میں ہے کہ علامہ قطبی کہتے ہیں کہ حضرت
علیؑ نے فے کے صدقات کو شیخینؓ کے طرز سے بدلایا نہیں پھر اس کے بعد حضرت حسنؓ حسینؓ علی بن
حسینؓ کے ہاتھ میں آئے رہے کسی سے مروی نہیں کہ اس نے ملکیت کا دعویٰ کیا ہو۔

قارئین کرام! بخور فرمائیں جب حضرت ابو بکرؓ شیعہ تشریحات کی۔ دشمنی میں سنت نبویؐ کے
مطابق حضرات اہل بیتؑ کو پورا خرچ دیتے تھے اور حضرت فاطمہؓ اس پر راضی بھی ہو گئی تھیں اور معاہدہ
بھی ہو گیا تھا اور سنی تشریحات کے مطابق یہ اموال حضرت اہل بیتؑ کے تصرف و ولایت میں رہے۔
نہ معلوم اب ۱۴۰۰ سال تک جھگڑا کس بات پر ہے۔ ”بدعی سست گواہ چست“ کی مثال
اس پر صادق آتی ہے۔ کیا یہ سب کچھ فرقہ پرستی اور ابو بکرؓ دشمنی کا اُمنیہ دار نہیں۔ ان حقائق سے
قاضی نور اللہ شوستری (نجاس المؤمنین ص ۵۳) جیسے لوگوں کے اس سوال کا بھی جواب ہو گیا۔ ”کہ ابو بکرؓ
نے بطور تبرع ہی دے کر حضرت فاطمہؓ کیوں خوش نہ کر دیا۔“

اگر حضرت ابو بکرؓ اموال فے (فدک خیبر۔ صدقات مدینہ) حضرت فاطمہؓ کو سب دے دیتے تو
خلاف اصول بنوا کیونکہ دیگر بچہ مصارف کا بھی حصہ تھا نیز حضرت ابو بکرؓ پر جانبداری اور
نویسنہ نوازی کا الزام آتا۔ کہ مسلمان خلیفہ نے اپنے پیغمبرؐ کی صاحبزادی کا لحاظ کیا۔ یا اپنی نواسی
کو اتنی بڑی جانب داری سب مسلمانوں سے کاتے کر دے دی۔ یہاں یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا

کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے جب یہ دعویٰ کیا کہ مجھے حضورؐ نے کچھ مال دینے کا وعدہ فرمایا تھا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو تین دفعہ مٹھی بھر کر دراہم دیئے (بخاری)، اس لیے کہ برعکس حضرت فاطمہؓ کا دعویٰ فدک، خیبر اور مدینہ کے صدقات پر تھا۔ کما فی بخاری۔ اور شیعہ روایات کی روشنی میں تو بہت بڑی جائیداد تھی۔ ایک روایت کے مطابق یہ بڑا شہر تھا۔ جہاں کھجوروں کے بہت باغات تھے (شرح ابن ابی الحدید ج ۷ ص ۳۲۸ مناقب فائزہ ص ۱۶۸) اصول کافی ص ۳۵۵ کی روایت کے مطابق حد اول عرش مصر۔ حد دوم و دمنہ الجندل۔ حد سوم تیار۔ حد چہارم جبل احد (گویا سب مملکت اسلامیہ) پر حضرت فاطمہؓ کا دعویٰ تھا۔ تیسری روایت کے مطابق (امام موسیٰ کاظمؑ نے ہارون الرشید کے دربار میں جوحد و دنک بیان کی تھیں) حد اول عدن۔ حد دوم مرقنہ۔ حد سوم افریقیہ اور حد چہارم سیف البحر یعنی جزر اور ارمینیہ تمام ملک، گویا سب خلافت عباسیہ۔

ان ہذا اکلہ عمالہ یوجف علی اہلہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخیل و
لا دکاب فقال کثیر انظر فیہ دأصول کافی
۳۷ باب الفیء،
دیکھو امام موسیٰؑ نے فرمایا، یہ سب وہ (فدک والی) جائیداد ہے جس پر حضورؐ نے گھر دوڑا اور لشکر کشی نہیں کی۔ ہارون نے کہا یہ تو بہت ہے۔ اچھا میں غور کروں گا۔

حضرات اہل بیتؑ تصدیق کی روشنی میں بنام حق فدک سب ملت اسلامیہ کے رقبہ پر دعویٰ ہے اس کو تسلیم کرنے کا معنی یہ ہے خلیفہ سیدہ کے نام حکومت کا سب رقبہ انتقال کر دے۔ اور زمام خلافت آپ کو دے دے اور سب مسلمان مصارف حکومت کے لیے دیوزہ گری کریں۔ کیا اس کا حضرت جابرؓ کے تین مٹھی دراہم پر دعویٰ سے موازنہ کرنے کا کوئی نکتہ ہے (جو تجلیاتِ حق میں کیا گیا ہے)۔

یہ سوال واقعی اہم ہے ہم شیعہ دماغ سے اس کا جواب
حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشاء کیا تھا | نہیں دے سکتے کیونکہ ان کے ہاں جب پنجمی علیہ
الصلوة والسلام نے منصب نبوت اور شاہانہ رعب سے یہ صوبے کفار سے لے کر (العیاذ باللہ) خود اپنی ملکیت خاص بنا لیے اور پھر تخت جگر فاطمہؓ ہی کو پہنچ کر دیئے تو حضرت فاطمہؓ نے ۶ ماہ یا ۷ دن کی زندگی کے لیے۔ اتنی بڑی جائیداد۔ دنیا کو بلا شرکت وغیرہ اپنا ہی حق سمجھ کر مطالبہ کیا

زحمت اٹھائی۔ گواہ بھی دربار خلافت میں پیش کیے۔ جب نصاب نامکمل ہونے کی وجہ سے رد ہو گئے۔ تو لوگوں کے سامنے فریاد کرتی پھریں۔ حسینؑ وغیرہ معصوم بچوں کو خنجر سے پٹھا کر لوگوں سے استغاثہ اور ہمدردی چاہتیں۔ مگر کوئی سننے والا نہ تھا۔ غصہ فک کے غم میں رو رو کر جہاں ٹدھال کر دی۔ پھر اسی صدمہ سے جان بحق ہو گئیں۔ "شبہ ذاکرین بالکل اسی انداز میں مظلوم فاطمہؑ کی یہ صورت و برت فخر بہ طور پر پیش کر کے ہزاروں روپے کے نذرانے پہنچنے کے نام پر بھکاری کی طرح قوم سے وصول کرتے ہیں۔" جیسے امام ولیسے مقتدی۔ "کتب اہل سنت میں مطالبہ کی صورت بظاہر حضرت فاطمہؑ کی زائدانہ برت کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ اہل سنت والجماعت چونکہ اپنے مذہبی اصول کی بدولت سے بزرگان دین خصوصاً صحابہ کرامؓ و اہل بیت سے دفاع باعث سعادت جانتے ہیں لہذا بظاہر قادیان منافی سیرت اعمال میں مناسب توجیہ و تاویل کے قائل ہیں۔

۱۔ شبہ اعتقاد کے علی الرغم ذاتی حق یا دنیوی لالچ کے پیش نظر یہ مطالبہ نہیں کیا بلکہ مقصد یہ تھا کہ مال فے کی جن جائیدادوں سے ہمیں آمدنی ملا کرتی تھی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحویل میں تھیں اب بطور وراثت و قرابت میری تحویل میں آجائیں تو میں رفاہی اور ملی کاموں میں صرف کر کے خدمت اسلام بجالاؤں چونکہ یہ منصب جانشین پیغمبر کا تھا جیسے امام جعفر صادقؑ کے ارشاد دوھو لا اھام من بعدہ کا یمنعہ حیث یشاد وہ امام کے قبضے میں رہے گا جہاں چاہے رکھیں گے اور فرمان نبوی بروایت حدیثی نہ گزر چکا ہے۔ لہذا آپ نے معذرت فرمادی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ بھی آپ کے ساتھ مطالبہ میں شریک تھے۔ اور عین جائیداد فک کا مطالبہ نہ تھا۔ بغیر فک۔ مدینہ مینوں مقامات کے صدقہ کی تولیت کا مسئلہ تھا۔ بقول شبہ اگر حیات نبویؐ میں مہربہ ہو چکا ہوتا۔ تو نہ عباسؓ ساتھ ہوتے نہ میراث کا سوال اٹھتا اور نہ خیر و مدینہ کے صدقات کی صراحت ملتی۔ علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے عرف الشذی ص ۱۸ پر علامہ سمودمیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کا سوال صرف ان اموال فے میں بطور قرابت و رشتہ داری متولی بننے کے متعلق تھا۔

۲۔ میراث فک و فے کا سوال اس وجہ سے اٹھا کہ ان اموال کی حیثیت ذوالوجہین تھی اس لحاظ سے کہ یہ حضور علیہ السلام کی تحویل اور قبضے میں تھے اور کسی مسلمان کو تصرف کا حق نہ تھا۔ ملکیت خاصہ کا شہہ ہوتا تھا اور اس لحاظ سے کہ یہ قرآن کے آٹھ مصارف اور دیگر رفاہی و ملی کاموں

میں آپ صرف فرماتے تھے۔ یہ اموال خالصہ و انصاف پیغمبریت المال کا حق معلوم ہوتے تھے حضرت
فاطمہؑ کے ذہن میں پہلی وجہ آئی تو آپ نے دعویٰ فرمایا۔ حافظ ابن القیم زاد المعاد ج ۲ ص ۱۶۳
پر رقمطراز ہیں۔

مال فی ایک ایسی ملک تھی جس کا حکم دوسری املاک سے مختلف تھا۔ اموال کی یہی قسم
ہے جس میں بعد وفات نبویؐ نزاع پڑا اور آج تک ختم نہ ہوا اور اگر صحابہ کرامؓ پر یہی اشتباہ نہ ہوتا
تو حضرت فاطمہؑ الزہراءؑ آپ کے ترکہ سے میراث نہ مانگتیں اور یہ گمان نہ کرتیں کہ دوسرے مایکوں
کی طرح یہ بھی ملکیت پیغمبر ہے۔ جس میں وراثت چلے گی اور سیدہ رضی اللہ عنہا پر اس ملکیت
کی یہ حقیقت مخفی رہ گئی کہ اس قسم کی ملکیت میں وراثت نہیں چلتی رحبے اصول کافی کی ایسی حدیث
گزر چکی ہے، یہاں یہی سوال ہوتا ہے اور شدید بڑے طمطراق سے اچھالتے بھی ہیں۔ کیا حضرت
فاطمہؑ جیسی عالمہ فاضلہ کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ یا ان کو وراثت انبیاء کا مسئلہ معلوم نہ تھا تو جواب
یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق مذہب خفہ اہل سنت والجماعت میں جملہ کلیات و جزئیات کے ظاہر
و باطن سے واقف اور عالم الغیب والشہادۃ صرف اللہ کی ذات ہے۔ شریعت کے اصول و ارکان کا علم تو
ضروری ہے مگر بغیر محد و د فروع اور ضمنی جملہ مسائل کا ہر وقت نہ کاملین کے لیے علم شرط ہے نہ اس کا
استحضار ضروری ہے۔ ۳۴ سال بتدریج نزول قرآنی اسی پر دال ہے۔ حسب منشاء خداوندی
ان میں اضافہ یا ذہول ہوتا رہتا ہے جیسے سَدُّ قُرْدُکَ فَلَا تَنْتَسِيْ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ شاید
ہے اور بسا اوقات کاملین سے اسباب ختم میں چوک ہو جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام
والسلام سے شجرہ منیٰ عنہ کی تعبیر میں چوک ہوئی۔ ہوا جو کچھ ہوا۔ آل کے مفہوم میں حضرت نوح علیہ
السلام نے صلیبی بیٹے کو سمجھا۔ مگر قرآن پاک نے اس کی نفی فرمادی۔ حضرت ہارونؑ کو خلافت موسیٰؑ
کا حق ادا کرنے میں حضرت موسیٰؑ نے خاطر قبطی کو مکارا۔ مگر فی نفسہ قتل حبیباً قتل سرزد ہو گیا۔ پھر آپ
نے معافی مانگی۔ حضرت ابراہیمؑ نے کمال حلم اور ایفائے عہد کے لیے والد کے لیے دعا و منتضر کی۔ مگر
بعد میں بیزاری اختیار کر فی پٹھی خود سرکار دہ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام (ونداء الہی امی) نے اپنے
خیال کی رو سے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر۔ بہانہ ساز منافقین کو شرکت نہ کرنے کی چھیٹی دیدی۔

نابینا صحابی کے اچانک آنے پر ناگواری ظاہر فرمائی۔ اساری بدر کو اپنے خیال میں فدیہ کے چھوڑ دیا۔
 ان تمام واقعات میں قرآن حکیم نے اس کے خلاف فیصلہ دے کر آپ کی رائے کی تصویب کی حضرت
 علیؓ فرمانے ہیں مجھے حق مشورہ دینے سے نہ روکیونکہ میں اپنے نفس میں غلطی کرنے سے بالائیں
 یوں دروضہ کافی ص ۳۵ نہج البلاغہ ص ۴۳۶ انضبطہ ص ۱۱۱ خود سیدہ فاطمہؓ نے کئی مرتبہ غلامی کی
 بنا پر دربار رسالت میں حضرت علیؓ کی شکایت کی مگر آپ نے یکطرفہ وکالت کرنے اور معاملہ کو طول
 دینے کے بجائے صلح صفائی ہی کرائی۔ کیا ان تمام واقعات و شواہد کے پیش نظر ہم اس مسئلہ میں حضرت
 علیؓ، صدیق اکبرؓ اور جدِ صحابہ کرامؓ کے موقف کی تائید کریں اور نیک نیتی کے باوجود حضرت فاطمہؓ
 کے خیال کو درست قرار نہ دیں۔ جس سے بصورتِ خاموشی آپ نے رجوع کر لیا۔ تو کیا کفر کی بات
 ہو جائے گی۔ سنتِ نبویؐ کے دلدادہ اہل اسلام کے لیے در در کھنے والے تو ان بزرگوں کے اجتہادی
 اختلاف میں طرفین کے کمالِ ادب کے باوجود مصالحت اور قطعِ نزاع پر ہی صرف ہمت کریں گے مگر
 روزِ اول سے تا ہنوز مسلمانوں میں جنگ و جدال اور اصولی اختلافات کو ہوا دیکھتے اسلامیہ میں
 انتشار پھیلانے والے کچ بھی ان مسائل میں تمام تر قوتیں صرف کر دیں گے۔

۴۔ میراث کا سوال اٹھانے کی تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی حکمت نفی میراثِ انبیاء
 کے مسئلہ کو واقعہ کے ضمن میں مشہور کرنا چاہتی تھی کیونکہ انباء کی بہ نسبت واقعات ویرہ پانفوش چھوڑتے
 ہیں۔ ممکن ہے سیدہ فاطمہؓ کا باطن ہی مقصود ہو۔ جیسے حدیث کی بظاہر ماہراناہ مصالحت
 سے اسلام کو دراصل غالب اور شائع کرنا مقصود ایزدی تھا۔ حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضرؑ کے
 کی شاگردی اختیار کرنا پھر نباہ نہ ہو سکتا اس سے امورِ نبویہ کے سرار کو کھولنا مقصود تھا۔ دنیاۓ
 امن کے محسن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت اور حجتِ در دست معاویہؓ شہید کے علی الرغم بہت
 بڑی خدمتِ اسلام اور مسلمانوں کے خون کا تحفظ مقصود تھا۔ جیسے علیؓ کے حضرت حسین رضی اللہ
 عنہ کا بچوں تک کو قربان کر دینا شہید کے خیال میں ہزار برس بعد میں پھیلنے والے شیعہ اسلام کے لیے ختمِ کار
 کا سبب تھا کیونکہ منافقین کو فہ کے ہاتھوں سائے کر بلا سے اہل بیتؑ اور محمدی اسلام کی عزت و
 عظمت کی بنیادیں حسبِ اعتراف حضرت سجادؑ اور ملا مجلسی صاحبِ پونہ خاک ہو گئی تھیں۔

حدیث لا نورث متفق علیہ ہے | شیعہ حضرات بلا دلیل اس حدیث کو قول صدیقی نہ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ فریاد نبوی ہے اور صحابہ کرام کا گویا اس پر اجماع ہے۔ کتب شیعہ میں بھی یہ قطعاً ثابت ہے۔ حافظ محب الدین طبری ریاض النقرة میں لکھتے ہیں کہ نفی ثبات کی حدیث کو جو جامع صحابہ نے حضور سے روایت کیا ہے۔ ان میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں جن کے مرفوع الفاظ یہ ہیں۔

لا یقتسم وراثتی دینار و لا
دھما، ما توکت بعد نفقة نسائی و
مؤنتہ عاملی فهو صدقة (ابوداؤد ج ۲)

میرا ورثہ نہ دینار تقسیم ہوں گے نہ درہم۔ میری بیویوں کے خرچ اور خادموں کے نفقہ سے جو بچے وہ صدقہ ہوگا۔

اس کی امام بخاری نے ج ۳ ص ۱۳۱ پر اور مسلم نے ج ۲ ص ۹۱ پر تخریج کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عثمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، سعید بن ابی وقاصؓ، زبیر بن عوامؓ، عباس بن عبدالمطلبؓ نے روایت کیا ہے۔ تفسیر معارف القرآن ج ۶ ص ۱۳۱ پر ہے۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے اس میں ہے۔

ان العلماء ورتة الانبياء وان
الانبياء لم يورثوا دینار و لا درهما
وانما اودثوا العلم فمن اخذہ اخذ
بحظ وافر ر رواہ ابوداؤد و احمد و ابن
ماجنہ و الترمذی

بے شک علماء و انبیاء کے وارث ہیں۔ بلاشبہ انبیاء نہ دینار کا وارث بناتے ہیں نہ درہم کا وہ تو صرف علم کا وارث بناتے ہیں جو اسے لے لیتا ہے وہ بڑا حصہ کا لیتا ہے۔

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ تولیت صدقات میں حضرت علیؓ و عباسؓ کا نزاع ختم کرتے وقت سب صحابہؓ سے فرماتے ہیں۔

افشدکم باللہ الذی باذنتہ تقوم
السماء و الارض هل تعلمون ان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نورث
ما توکنا صدقة یورث بنی بک لنفسہ قلاوا

میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم وارث کسی کو نہیں بناتے جو جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا

قد قال ذاك فاقبل عمر الى علي وعباس
فقال انشد كما بالله هل تعلمان ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم قد
قال ذاك قال نعم (بخاری ج ۲ ص ۵۷۵-۵۹۶)
کننے گئے ہاں۔

ہے اس سے حضور کی اپنی ذات مراد تھی۔ پھر
حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و عباسؓ کی طرف متوجہ
ہوئے اور فرمایا میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں
تم جانتے ہو کہ رسول اللہؐ نے ایسا فرمایا ہے وہ

ان ہی صفات میں دوسری سند سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہے۔ مذکورہ
بالا مصدقین صحابہ میں حضرت عثمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، زبیر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم
بھی ہیں اور حضرت عمرو بن حارث خزاعی سے بھی مروی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی موافقت حضرت عمر
عثمانؓ، علیؓ، عباسؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، زبیر بن العوامؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوہریرہؓ
اور حضرت عائشہؓ (یعنی دس صحابہؓ) رضی اللہ عنہم کے کی ہے اگر ابوبکر صدیقؓ رضتہا بھی ہوتے تو سب
اہل زمین پر آپ کی روایت کو ماننا لازم تھا (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸)

حدیث نفی میراث انبیاء کتب شیعہ میں بھی موجود ہے۔

کتب شیعہ سے ثبوت

۱۔ محمد بن یحییٰ سلمۃ بن خطاب سے وہ عبد اللہ بن محمد سے وہ عبد اللہ بن
القائم سے وہ زر بن محمد سے اور وہ مفضل بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے
فرمایا "سیلمان داؤد کے وارث ہوئے اور محمد سلیمان کے وارث بنے اور ہم محمد کے وارث ہیں۔
ہمارے پاس علم تورات، انجیل اور زبور کا ہے اور الواح موسیٰ کا علم بھی ہے۔

۲۔ احمد بن اویس محمد بن عبد الجبار سے وہ صفوان بن یحییٰ سے وہ شعیب بن الحراد سے وہ فرس
الکسانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ابو عبد اللہ (صادقؓ) کے پاس تھا اور ابو بصیر بھی بیٹھا تھا کہ
امام جعفر نے فرمایا کہ داؤد تمام انبیاء کے وارث ہوئے سلیمان داؤد کے وارث بنے اور محمد سلیمان
کے وارث بنے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ ہمارے پاس صحیف ابراہیم اور الواح موسیٰ
ہیں۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۲۲۵ طایرین باب ان الائمة ورتوا علم النبی وجمع الانبياء)

خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء
علیہم السلام درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑتے
لیکن وہ علم کا وارث بناتے ہیں جو وہ لیتا ہے
وہ بڑی دولت حاصل کر لیتا ہے۔

۳۔ ان العلماء ورثة الانبياء
وان الانبياء لم يورثوا دینارا ولا درهما
ولكن ورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ
بحظ وافر (اصول کافی ص ۳۲)

باب ثواب العالم والمتعلم میں ایک لمبی حدیث کے آخر میں روایت بخاری کی طرح نفی میراث
کی حدیث موجود ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا بے شک انبیاء کے
وارث علماء ہیں اس لیے کہ انبیاء درہم و دینار کا
کسی کو وارث نہیں بناتے۔ بلاشبہ وہ احادیث
ہی وارث میں چھوڑتے ہیں جو ان میں سے کچھ
لے لیتا ہے وہ بڑا حصہ لے لیتا ہے تم اپنے علم میں
غور کرو کن لوگوں سے لے رہے ہو۔

۴۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام
قال ان العلماء ورثة الانبياء وذلك
ان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دینارا
وانما اورثوا احادیث من احادیثهم
فمن اخذ بشئ منها فقد اخذ حظا
وافرا فانظر واعلم کم عن تاخذون
(باب صفة العلم ص ۳۲)

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کو وصیت فرمائی۔

اور دین میں سمجھ حاصل کر اس لیے کہ فقہاء ہی
انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم و دینار کی
وارث نہیں چھوڑتے لیکن صرف علم کی وارث
چھوڑتے ہیں جو اس سے حاصل کرتا ہے وہ
بڑا حصہ حاصل کرتا ہے۔

وتفقه فی الدین فان الفقهاء ورثة
الانبياء ان الانبياء لم يورثوا دینارا ولا
درهما ولكنهم اورثوا العلم فمن
اخذ منه اخذ بحظ وافر ومن لا
يحصیہ الفقیہ ج ۲ ص ۳۲۶)

۶۔ نضال ابن بابویہ ص ۳۹ سے وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں خود حضرت نامیہؑ نے حضورؐ سے

حنیفیہ کے لیے میراث کا مالی مدعی کہا تو آپؐ نے فرمایا حنفیہ کے لیے میراث عرب اور حبشین کیسے
میری سجاوعت میراث ہے۔

۷۔ حضرت سلیمان کے وارث داؤد اور حضور کے وارث سلیمان اور حضرت یحییٰ کے وارث زکریا ہونے کی اصول کافی کی احادیث عنقریب آجائیں گی جن میں صراحۃً مالی وراثت کی نفی اور علم و نبوت کی میراث کا اثبات ہے۔ محدث شیعہ ذات بن ابراہیم کوفی جو علامہ کلینی کے استاذ الاستاذ ہیں اور علی بن ابراہیم قمی کے استاذ ہیں اپنی تفسیر ذرات ص ۸۲ مطبوعہ نجف اشرف پر یہ حدیث لکھتے ہیں۔

۸۔ قال علی ما ورث منك يا رسول الله قال ما ورثت الا نبيا من قبلي قال وما ورثت الا نبيا من قبلك فقال النبي عليه الصلوة والسلام كتاب ربهم وسنة نبهم وبحوالہ تفات ص ۲۴ از علامہ خالد محمود و کشف البغہ ج ۱ ص ۴۴

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا میں آپ سے کیا میراث پاؤں گا آپ نے فرمایا جو مجھ سے پہلے پیغمبروں نے میراث دی۔ پوچھا آپ سے پہلے انبیاء نے کیا میراث دی تو حضور نے فرمایا آپ رب کی کتاب اور نبی کی سنت میراث میں دی۔

۹۔ فضیل بن عیاض حضرت امام باقرؑ سے سماعی حدیث بیان کرتے ہیں۔

امام باقرؑ فرماتے تھے اللہ کی قسم رسول اللہ کے وارث نہ عباس بنے نہ علیؑ اور نہ دیگر وارث بنے بجز فاطمہؑ کے۔

يقول لا والله ما ورث رسول الله العباس ولا علي ولا ورثته الا فاطمة عليها السلام ومن لا يحضره الفقيه ج ۲ ص ۲۱

اس حدیث سے وراثت علمی و خلقی کا ثبوت اور مالی کی نفی معلوم ہوئی کیونکہ مالی وراثت کی رو سے ازواج مطہرات بھی وارث تھیں پھر اس حدیث میں ان کی نفی درست نہیں۔ بعض شیعہ کہتے ہیں کہ فقہ جعفری میں عورتوں کو جائیداد کا ترکہ نہیں ملتا تو نفی درست ہے حالانکہ قرآنی ارشاد فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكَ كَتَمٌ لَّهٖ نَزَعَ عَقَارٌ كَوْهِي شَامِلٌ ہے تو خلاف قرآن فقہ جعفری کو کون مانتا ہے اگر کسی اپنی روایت سے تخصیص کرتے ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ یٰٰصَٰلِحُ اَللّٰهُ حدیث میراث سے مخصوص اور حضور کو شامل نہیں ہے۔ یہ تمام احادیث صیحہ حضرت استاذ

سے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی مالی وراثت کی نفی اور علم نبوت کی وراثت پر قطعی دال ہیں۔ لہذا صاحبِ تجلیات جیسے لوگوں کا یہ کہنا کہ انبیاء کے وراثت و قسم کے ہیں۔ مالی کے زینتہ دار اور علمی کے علماء یہاں علمی وراثت اور علماء کا ذکر ہے مالی وارثوں کی نفی نہیں۔ "صراحت جہالت اور سینہ زد ری ہے کیونکہ وانما اودثوا العلم وکنہم اودثوا العلم کا معنی ہی علم نحو کے مطابق لم یودثوا شیئاً الا العلم والاحادیث خصوصاً جبکہ ما قبل ان الانبیاء لم یودثوا دینار ولا درہم (بے شک انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے) سے مالی وراثت کی نفی کی گئی ہے۔

پیش کردہ احادیث میں سے بعض شیعہ حدیث نمبر ۳ پر طعن کرتے ہیں کہ اس کا راوی ابوالفتح مزی کذاب ہے۔ تو قابلِ استدلال نہیں۔ مگر یہ بوجہ باطل ہے۔ (۱۔ دیگر صحیح اسناد والی احادیث جرب کتب شیعہ میں موجود ہیں تو ایک سند کے کذاب راوی سے اس حدیث پر فرق نہیں پڑتا۔ یہ ان کی مؤید بھی جائے گی۔

ب۔ اصول کافی کو مصدقہ امام مہدی بھی کہا جاتا ہے۔ پھر موافق مذہب حقہ اہلسنت احادیث کو غلط بھی۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ یا امام کی تصدیق پر اعتماد کرو یا پھر کافی میں سے موضوع احادیث کا وجود تسلیم کر کے اہلسنت کی تصدیق اور امام کی تخلیط کرو۔

ج۔ اصول جرح و تعدیل اور کتب جہالت شیعہ کی رو سے بھی۔ اصول کافی کا شاذ و نادر راوی تنقید سے محفوظ ہو۔ ورنہ ابولجیب زرارہ۔ ہشام جیسے ہزاروں احادیث شیعہ کے مرکزی رواۃ بھی نہایت مطعون بلکہ ائمہ کی زبانی کذاب ملعون اور بد عقیدہ بتائے گئے ہیں۔ تو ان کو اپنی سب احادیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور یہ سودا شیعہ کو فخر کا پڑے گا۔

۱۰۔ بحضور کی نفی میراث کے متعلق آئمہ میں ایک اور اسم حدیث بھی ملاحظہ کر لیں۔ شیعہ کتاب قرب الاسناد حمیری ص ۱۸ پر ہے۔ امام باقرؑ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت میں نہ درہم چھوڑا نہ دینار نہ باندی نہ غلام نہ بکری نہ اونٹ آپ کی روح اس حالت میں قبض ہوئی کہ آپ کی زرہ مدینہ کے یہودی کے پاس ۴۰ صاع جو کے بدلے میں گروی تھی جو آپ نے اہل و عیال کے خرچ کیلئے ادھار لیے تھے۔ تلو عیش کا ملاقہ

ایک شبہ کا ازالہ

بہت ناقابل انکار دلائل سے یہ واضح ہو چکا کہ حدیث لا نور لفظاً یا معناً قطعی اور متفقہ الفریقین ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور ہر شیعہ اسے اٹھاتا ہے کہ کیا مائی صاحبہ کو اس حدیث کا علم نہ تھا حالانکہ وہ قریب ترین رشتہ دار اور اس حدیث سے متعلقہ تھیں ان کو تو ضرور معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ایک جواب تو قلعہ بیابان پر چکا ہے کہ کسی غیر اصولی مسئلے کا علم یا اس کے متعلق حدیث کا علم نہ ہونا کمال علم کے منافی نہیں ہزاروں باتیں ایک شخص کے علم میں ہوتی ہیں مگر دوسرا ان میں سے بعض نہیں جانتا۔ علی الکس دوسرے کی معلومات میں سے پہلے کو کئی باتیں معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر کسی کو ناقص العلم نہیں کہتا اغلب یہ ہے کہ مردوں کے مجمع میں حضرت رسول خدا نے یہ ارشاد فرمایا ہو گا یہ حضرت علی المرتضیٰ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حضور ہو گیا۔ مگر سیدہ فاطمہؓ کو اطلاع نہ ہوئی اور نہ حضرت علیؓ نے بتلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن و سنت کے مطابق عالم الغیب نہ تھے کہ آپ کو بعد از وفات مطالبہ فاطمہؓ کا علم ہو تو ضرور ان کو بھی حدیث لا نور سنا دیں۔ اور اِنَّ دَعَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ لَنَفِيْ مِرَاثِ كِيْ حَدِيْثِ سَنَانِيْ لَا زَمَّ نَفِيْ نَاكَ مِنْصِبِ نُبُوْتٍ بِحَرْفِ اُئِيْ كِيُوْنِكَ اَيْتِ كَا مَقْصِدٍ فَلَ اُخْرَتٍ بِدَا كِرِ كِ اَحْمَالِ بِيَا لَانَا هِيْ اَوْرُ رِشْتَه دَا رِيْ بِرُكْحَرِ وَ سَهْ نَهْ كَرْتَا بِهْ۔ اور یہ چیز اور سینکڑوں احادیث و آیات سنانے سے حاصل ہو چکی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو علم تو تھا مگر نفی کے عموم سے اپنے کو کمال تقرب کی بنا پر مستثنیٰ جانتی تھیں۔ گویا حدیث بھی عام مخصوص عنہ البعض کے درجے میں تھی۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ اور جملہ صحابہ کرامؓ نے اس کو عام ہی سمجھا تو یہ اختلاف حدیث کے نبوت و صحت کے متعلق نہ تھا بلکہ مفہوم کی تعلیم میں اختلاف تھا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

”حضرت ابو بکرؓ کے حدیث سے استدلال کے باوجود حضرت فاطمہؓ کی ناگواری کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا خیال حضرت ابو بکرؓ کے استدلال کے برعکس تھا۔ گویا آپ نے حدیث لا نور کے عموم سے تخصیص جائز سمجھی اور یہ خیال کیا کہ حضورؐ کے زمینی متروکہ میں وارث بننے کی نفی اس حدیث میں نہیں حضرت ابو بکرؓ نے عموم سے استدلال کیا اور اسی بات میں اختلاف ہوا جس میں

تاویل کی طرفین کو گنجائش تھی جب حضرت ابو بکرؓ اپنے موقف پر جمے رہے تو حضرت سیدہؓ نے اس وجہ سے میل ملاپ بند کر دیا۔ اگر امام شعبی کی حدیث دروایت مہیقی ثابت ہو اور احادیث رضا ثابت ہیں کماسیاتی، تو انشکال دور ہو جاتا ہے حضرت فاطمہؓ کے اخلاق کے مناسب یہی ہے کہ آپ راضی ہو گئی ہوں کیونکہ آپ کی عقل کی زیادتی اور دینداری بکری کو معلوم ہے۔ آپ پر سلامتی ہو۔“ (بحوالہ حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵)

لفظ غضبت اوی کا مدرج ہے | حضرت سیدہ فاطمہؓ کے مطالبہ فک کی روایت تقریباً ۱۵ عدد یا سند کتب حدیث و تاریخ میں پائی جاتی ہے بخاری شریف میں پانچ عدد اور مسلم شریف میں دو عدد۔ ترمذی شریف میں دو عدد۔ ابوداؤد میں چار عدد نسائی میں ایک عدد وغیرہ ان تمام مقامات میں یہ روایت تقریباً ۳۶ عدد مروی ہے اور ۲۵ عدد صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے اور ۱۱ عدد حضرت عائشہؓ کے ماسواصحی سے بچہ عدد ابوہریرہؓ سے۔ ام ہانیؓ سے دو عدد اور ابولطفیل عامر بن واثلہؓ سے تین عدد مروی ہے حضرت عائشہؓ کے علاوہ باقی صحابہؓ سے روایت میں لفظ غضبت مذکور نہیں ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ کی روایات بھی دو قسم ہیں۔ بعض روایات میں ناراضی کا ذکر پایا جاتا ہے اور بعض میں نہیں جن میں پایا جاتا ہے ان سب اسانید میں ابن شہاب زہری موجود ہے کوئی ایک روایت بھی تاحال دستیاب نہ ہوئی کہ ناراضی کا ذکر ہو اور اس میں ابن شہاب زہری نہ پایا جاتا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں تدبیر کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں غضبت کے الفاظ کا ابن شہاب سے اور ج پایا جاتا ہے۔ اس میں قریبہ بعض روایات سے دستیاب ہو گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جواب ختم ہوا لاؤرت ہا نر کنا صدقہ۔ اس کے بعد رواۃ کی طرف سے قال کا لفظ روایات میں مذکور ہے۔ اور قال کے بعد غضبت فاطمہؓ بجرآن اور عدم کلام ذکر کیا گیا ہے یہ تین چیزیں اسی قل کا مقولہ ہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے کلام سے یہ تین چیزیں خارج ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جواب سنکر مطمئن ہو کر خاموش ہو گئیں۔ روایت کرنے والے نے اپنے گمان سے اس خاموشی کو ناراضی پر محمول کیا اور اپنے ظن کو اس طرح روایت کے ساتھ ملا کر ذکر کر دیا جو قال کے بعد مذکور ہے۔ محمد بن

اسکی اصطلاح میں اس کو ظنِ راوی یا وہمِ راوی سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا اصل روایت اور اس سے مستنبط مسئلے سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ روایت مدرج ہے اور ادراج کنندہ ابن شہاب زہری سے۔ علماء اصول حدیث کا اتفاق ہے کہ عملاً ادراج حرام ہے بجز اس کے کہ اس کے کسی لفظ کی لغوی تشریح کر دی جائے یا مرتب حدیث اور مسئلہ مستنبط کا ذکر کیا جائے اور مدرج الفاظ کو کبھی قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ بعض اوقات عملاً ادراج کرنا بلا لفظ الی اللہ ہوتا ہے (دیکھیے تدریب الراوی) یہاں عملاً ادراج نہ بھی مگر اپنے ظن کی بنا پر خطا۔ خاموشی کو ان الفاظ مدرجہ سے ادا کر دیا ہے۔

مندرجہ ذیل مقامات پر قال کا لفظ پایا جاتا ہے۔ ۱۔ بخاری شریف ج ۲ ص ۹۹۵۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نودث ما ترکنا کما حدیثہ ۲۔ مسلم شریف ج ۲ ص ۹۱۔ باب حکم الفی ۳۔ تاریخ ابن جریر طبری حدیث سفیفہ ج ۳ ص ۲۰۲۔ سنن الکبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۳۵۔ مسند ابی عوانہ ج ۴ ص ۱۲۶-۱۲۵۔ مصنف عبد الرزاق ج ۵ ص ۴۶۳-۴۶۴۔ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۵۔ پھر یہ الفاظ مدرج ہیں۔ قال فہجرته فاطمة ولم تکلمہ فی ذلک حتی ماتت فدفعنا علی لیلنا ولم یؤذن بہا ابابکر الخ۔

۱۔ اہل تشیع کی کتاب شرح نفع البلاغہ لابن ابی الحدید ج ۴ ص ۱۲ تحت الخطبۃ فی کلامہ علیہ السلام لی عثمان بن حنیف الانصاری۔ اس کتاب کا مصنف ممتزلی شیعہ ہے مسئلہ فکر پرین فصلیں لکھی ہیں۔ پہلی فصل میں قال ابوبکر الجوهری کے بعد مذکور بالا الفاظ مدرج ہیں۔ (از افادات علامہ عبدالستار صاحب تونسوی مظلہ العالی)

بالفرض حدیث کا جملہ ہی مانا جائے۔ تو راوی اول حضرت عائشہؓ کے اپنے گمان پر مبنی ہے۔ گمان میں خطا غلطی ممکن ہے۔ اس پر اتنے بڑے قضیہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ غضبت کا معنی طبعاً ناگواری بھی ممکن ہے۔ جیسے قصہ مواعظ میں حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا اغضبت علی حین اخیت (کشف الغمہ ص ۹۲) ولم تکلمہ کا معنی یہ ہے کہ پھر فکر مانگنے کے متعلق بات نہیں کی۔ فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۸ شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۹ اور جہان سے ملاقات عمومی کا ترک مراد ہے نہ کہ ایسا نہ سلام و کلام کا چھوڑنا کیونکہ یہ شرعاً نہیں دن سے زیادہ بہر صورت درست نہیں۔

چھٹی تفتیح کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا حضرت ابوبکرؓ پر خوش ہو کر رخصت ہوئیں۔
 علامہ شمیم بخاری کی شرح نفع البلاغہ اور شرح درہ نجفیہ وغیرہ کے حوالہ جات سے گزر چکا
 ہے کہ حضرت سیدہ ابوبکرؓ پر راضی ہو گئیں عیدین راشن پر معاہدہ بھی ہو گیا۔
 درہ نجفیہ ص ۳۳۱ مولفہ ایہیم بن حاجی حسین بن علی بن النضر الدنیلؒ ۱۲۹۱ھ طبع ایران کی عبارت
 یہ ہے۔

ذالک ان لا مال لابیہ کان رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من
 فداک توکم ویقسم الباقی ویحمل منہ
 فی سبیل اللہ ذالک علی اللہ ان اصنع
 بہا کما کان یصنع فی صنیۃ بذالک و
 اخذت العهد بہ۔
 (یعنی ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا) آپکے
 والد محترم کے لیے جو حق تھا وہی حق آپکے لیے ثابت
 ہے حضور علیہ السلام فداک کی آمد سے تمہارے اخراجات
 لے لیتے تھے اور باقی کو ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کر
 دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر مجھ پر
 آپ کا حق ہے کہ فداک کے متعلق میں وہی طریق کار
 جاری رکھوں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاری رکھتے تھے پس اس معاملہ فداک کے متعلق فاطمہؓ راضی
 اور خوش ہو گئیں اور اس چیز پر ابوبکرؓ سے بچتہ وعدہ اور عہد لے لیا (بحوالہ رحمہما بینہم ج ۱ ص ۱۵۱)

یہ خالص شیعوں کی روایت ہے اگر سنو کی ہوتی ضرور شیعہ اس کی نسبت ان کی طرف کر دیتے تیز
 اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد سابق مصنفین اور مجتہدین نے کوئی تنقید و تردید نہیں کی معلوم ہوا کہ
 یہ بڑی سچی اور مقبول عام روایت ہے خوشیو یہ حجت ہے۔

سنی کتب سے حضرت سیدہ کی رضا مندی | کتب اہل سنت میں بھی حضرت فاطمہؓ کا راضی
 ہونا ثابت ہے۔

۱۔ عامر عجمی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شدت مرض میں حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور اجازت
 مانگی حضرت علیؓ نے فاطمہؓ سے فرمایا ابوبکرؓ دروازے پر اجازت چاہتے ہیں۔ آپ چاہیں تو اجازت
 دیدیں۔ فرمایا کیا آپ کو کبھی یہ پسند ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ پھر حضرت ابوبکرؓ داخل ہوئے اور
 عذر خواہی کی اور گفتگو کی۔ فوضیبت عنہ۔ پس حضرت فاطمہؓ راضی ہو گئیں (ریاض النضرہ ص ۱۵۶)
 ۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۸ (اردو) میں اسی قسم کی روایت میں ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ

حضرت فاطمہؑ کے پاس آئے اور ان کے آگے غدر پیش کیا اور ان سے پائیں کہیں اور حضرت فاطمہؑ آپ سے راضی ہو گئیں۔

۳۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ نے پناہ بخش ہو گئیں تو حضرت ابوبکرؓ گھڑ سے نکل پڑے اور سخت گرمی کے دن آپ کے دروازے پر گھڑے ہو گئے اور فرمایا میں اپنی اس جگہ سے نہ ہٹوں گا جب تک کہ اے دختر رسولؐ آپ راضی نہ ہو جائیں پھر حضرت علیؓ نے اندر جا کر حضرت فاطمہؑ کو قسمیہ کہا کہ آپ راضی ہو جائیں چنانچہ حضرت فاطمہؑ راضی ہو گئیں (اترجمہ ابن اسحاق فی المواقفہ ریاض النضرہ ص ۶۷)

۴۔ حضرت فاطمہؑ سے مطالبہ کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

ولک علی ان افعل فیہا ما کانت
ابو بکر یفعل قالت واللہ لتفعلن ذالک
قال واللہ لا فعلن ذالک قالت اللہم
اشہد قال کان ابو بکر یعطیہم منها
قوتہم ویقسم الباقی فی الفقراء والمساکین
وابن السبیل ثم ولی ذالک عمر ففعل
مثل ذالک ثم فعل ذلک علی بن ابی
طالب فقتل لہ فی ذالک فقال انی
لا استغی من اللہ ان انقض شیئاً ففعلہ
ابو بکر وعمر (رضی اللہ عنہما)

درایم النضرۃ ص ۶۷

تیرے لیے مجھے یہ لازم ہے کہ میں اموال فدک میں
وہی کروں جو تیرے والد کرتے تھے۔ فرمانے لگیں
خدا کی قسم آپ ایسا ہی کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے
فرمایا تجھ میں ایسا ہی کروں گا۔ فرمانے لگیں اے اللہ
تو گواہ رہتا پس حضرت ابوبکرؓ اہلبیت کو ان کا راشن
دیتے اور باقی فقراء و مساکین اور مسافروں میں
بانٹ دیتے پھر حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے
بھی ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی ایسا ہی
کیا کسی نے اس میں نرمیم کا مشورہ دیا تو فرمایا۔
مجھے اللہ سے جی آتی ہے کہ میں اس طریقہ کو توڑوں
جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے رائج فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکالمہ اول ہی کامیاب ثابت ہوا ناراضی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح
۵۔ سنن الکبریٰ میں بھی ج ۶ ص ۳۷۰ شرح بخاری۔ شرح مشکوٰۃ۔ نیز اس شرح شرح عقائد ص ۵۵

البدایہ والنہایہ اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں سیدہ کی رضامندی ثابت ہے۔ حضورؐ کی وفات
کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ رض حضرت سیدہ کی خدمت میں حضرت علیؓ کی موجودگی میں آئے اور فرمایا

والله ما تركت الدار والمال والاهل
والعشيرة الا ابتغاء مرضاة الله و
مرضاة رسوله ومرضاةكم اهل البيت
ثم ترونها حاقتي رضيت وهذا السناد
جيد قوي (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۹)

۶۔ علامہ ابن کثیر اس بحث میں فرماتے ہیں۔

واحسن ما فيه قوله ما انت وما
سمعت من رسول الله صلى الله عليه
وسلم وهذا هو الصواب والمظنون
بها والاتق بامرها وسيادتها وعلماها
دينها

شان ہے۔

پھر مذکورہ بالا مذرت حدیثی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ”ظاہر یہ ہے کہ عام شعبی نے یہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یا ان لوگوں سے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا سنا ہے اور بلاشبہ علامہ اہل بیت نے حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ جیسے حافظ بیہقی نے اپنی سند سے حضرت زید بن علی بن حسین سے نقل
فرمایا ہے۔

اما انا فلو كنت مكان ابى بكر
لحكمت بما حكم به ابو بكر في ذلك
(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۹)

بلکہ اس سے زیادہ واضح سیدہ سلام اللہ علیہا کی رضا مندی بلکہ ترک ٹوٹی ٹپیلی وہ حدیث ہے
جو تمام ثقات راویوں سے منہ احمد بن حنبل پر اس پر مروی ہے اور مقصودی جلد نو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

عہ اس حدیث کے رواۃ کی توثیق یہ ہے۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل الشیبانی ولہ الاحام ثقہ متوفی ۲۴۹

۲۔ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی ثقہ صاحب التصانیف المتوفی ۲۴۰ ۳۔ محمد بن فضیل بن غزالی

اللہ کی قسم میں نے اپنا گھر مال۔ مال بچے اور خاندان
صرف اللہ کی رضا۔ اللہ کے رسول کی مرضی اور تم
اہل بیت کی رضا مندی کی خاطر ہی چھوڑا ہے۔
پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رضا چاہی اور وہ راضی ہو
گئیں۔ اس حدیث کی سند جدید اور قوی ہے۔

اس باب میں سب سے بہتر حضرت فاطمہ کا یہ
ارشاد ہے اے ابوبکر! آپ ارشاد رسول پر عمل کریں
جو حضور سے سنا ہے (میں راضی ہوں) یہی
درست ہے آپ سے اسی کا گمان ہے اور یہی حضرت
سیدہ کے مرتبہ مقام اور علم و دین کے نمایانے

سے مروی ہے۔ تو یہ روایت صحیحین کی روایت پر بھی راجح ہوگی جس میں راوی نے اپنے گمان سے حضرت سیدہ کی طرف ناراضی کی نسبت کی ہے۔

عن ابی الطفیل قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسلت فاطمة الی ابی بکر انت ودرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام اہلہ فقال لا بل اہلہ قال فایت سہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فقال ابوبکر انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ عن وجل اذا اطعم بنیا طعمۃ ثم قبضہ جعلہ للذی یقوم من بعدہ فرمیت ان اردک علی المسلمین فقالت فانت وھامعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم۔ (مسند ابی بکر)

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ فرماتے ہیں کہ جب حضور وفات پا گئے تو حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عیالیت میں فاصد بھیجا کہ آپ حضور کے وارث ہیں یا حضور کے گھر والے فرمایا گھر والے ہوتے ہیں۔ فرمائے کہ میں بھی حضور کا حصہ کہلاں، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ پاک کسی نبی کو جب کچھ رزق دیتے ہیں پھر اسے وفات دے دیں تو وہ مال اس شخص کے تصرف میں آتا ہے جو آپ کا قائم مقام ہوتا ہے تو میرا خیال ہے کہ میں اسے مسلمانوں پر وقف کر دوں تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا آپ جانیں اور حضورؐ سے سیدہ فرماں کیونکہ آپ اسے خوب جانتے ہیں۔

سنی نقطہ نظر سے مسئلہ فک۔ ثبوت ونفی پہلوؤں سے میر میں ہو چکا اب ذرا ان دلائل پر بھی غور کریں جن سے شیعہ صدیق اکبرؓ پر طعن کرنے کے لیے اپنی احادیث کے بھی خلاف تواریث انبیاء کے قائل ہیں۔

۱۔ یُوصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلَّذِیْ کَرِمْتَ لِحَظِّ الْاُنثٰی

اللہ تم کو تاکید کرتا ہے اولاد کے متعلق کہ لڑکے کو لڑکی کا دوہرا حصہ ملے۔

۲۔ لِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْاَوَّلٰدَانِ عورتوں کا بھی حصہ ہے جو والدین اور قریبی

گذشتہ سے پیوستہ، اکھنئی صدوق رحمہ اللہ بالتشیع المتوفی ۱۹۷۹ء۔ ولید بن جمیع الزھری المکی نزہل کو فہ صدوق دیہم من الخامسة ۵۔ ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ اخو من مات من الصحابةؓ رحمہ اللہ رقیۃ النبیؐ

وَالْأَقْرَبُونَ (نساء)

چھوڑ کر مریں۔

۴۔ وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (پہ)
ہر ایک (مسلمان) کے لیے ہم نے وارث بنائے
اس ترکہ کے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں
کہتے ہیں کہ یہ آیتیں تو ریت و لاویں عام ہیں اور بنیاد کو بھی شامل ہیں جیسے دیگر احکام۔
الجواب۔ الفاظ تو عام ہیں مگر عام مخصوص عنہ البعض ہیں اور بالاتفاق سنی شیعہ علماء
اصول چار قسم کے لوگوں کو وراثت نہیں ملے گی۔ کافر و فرزند اولاد کو۔ قاتل اولاد کو۔ غلام اولاد
کو۔ ولد لہان کو۔ اہلسنت کی سرحی اور شیعہ کی شریع الاسلام میں ہے۔ امانت من الارث اربعة
الرق والقتل والارتداد واللغات۔ فقہ شیعہ کی کتاب جامع المسائل ۳۶۵ میں ہے۔
موانع ارث قتل کفر اور غلامی اور لہان ہیں۔ یہ موانع قرآن پاک میں صراحتہ نہیں۔ بلکہ اخبار احمد
احادیث سے مانوے ہیں جب ان احادیث سے تخصیص ہو گئی تو علماء اصول فقہ کا یہ قاعدہ بھی ہے
کہ عام میں پھر وہ قطعیت باقی نہیں رہتی کیونکہ احتمال ہے کہ کسی خاص خبر واحد سے اور افراد
بھی خارج ہو جائیں (اصول التناشی و نور الانوار) نیز تیسری آیت میں کل اضافی مراد ہے جیسے ملکہ
بلقیس کے محمد و شاہی ساز و سامان کے متعلق آیا ہے۔ وَأُوتِيتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ عَرِيقًا،
بنابریں ہم کہتے ہیں کہ حدیث نفی میراث حسب تصریح سابق سنی و شیعہ کی متفقہ اور اجلہ صحابہ کرام
کے اجماع سے عرومی ہے اسے خبر واحد نہیں بلکہ خبر مشہور اور تواترہ معنی و طبقہ کا درجہ حاصل ہے
لہذا اس سے تخصیص درست ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حکم سے خارج ہیں جیسے فَاَنْذَرْنَا
مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النَّسَاءِ (پس نکاح کرو جو عورتیں تم کو پسند ہوں چار تک) کے تحت آپ
لم عورتوں کی پابندی سے خارج ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چار سے زیادہ کی اجازت کی تخصیص ایک دوری
آیت يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ (اززاب ۴۴) سے مانوے ہے تو آیت کی تخصیص آیت سے
ہوئی۔ مگر یہ قلت تذبذب کا نتیجہ ہے کیونکہ سورۃ نساء مدنی زندگی کے اوائل میں نازل ہوئی۔ اور
سورت اززاب غزوہ خندق سے کہ بھی بعد نازل ہوئی اور اس وقت آپ ہم سے زائد متعدد
شادیاں کر چکے تھے۔ آیت إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ
(بے شک ہم نے حلال کی ہیں آپ کے لیے وہ عورتیں جن کے مہر آپ نے چکے الحزن نے تو ان سابقہ نکاحوں

کی صحت اور لوگوں کے شہادت کا ازالہ فرمایا۔ بلکہ مزید نکاحوں پر پابندی لگادی۔ لَا يَحِلُّ لَكَ
 الْيَسَارُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبْدَلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ اس کے بعد آپ کو اور عورتیں
 حلال نہیں اور نہ ان ازواج میں آپ رد و بدل کر سکتے ہیں اگرچہ آپ کو اور دونوں کا حسن پسند ہو۔
 بجز باندیوں کے، الحاصل جیسے فَانْكَحُوا کے حکم سے آپ مستثنیٰ نہیں اسی طرح آیت میراث سے بھی
 آپ مستثنیٰ ہیں۔

اے اللہ میرے اپنی جانب سے بخش دے ایسا ولی جو
 میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی اور اشد
 اس کو پسندیدہ بنا۔

۴۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا
 يَرِثُنِي وَيَرِثْ مِنْ اِلٰی يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ
 رَبِّ رَضِيًّا (مریمہ ۱۶)

اور حضرت سلیمان داؤد کے وارث بنے تو فرمایا
 اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی
 ہیں اور ہر چیز دی گئی ہے دیہ تو اللہ کا کھلا

۵۔ وَدَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ وَ
 قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ
 وَأَوْثِنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَالْإِنشَاءُ دُخُلُ ۲۶

العام ہے)

شیخہ کا خیال ہے کہ دونوں آیتوں میں اور پہلی آیت میں دونوں جگہ وراثت سے مال مراد
 ہے کیونکہ حسن بصری نے یہ تفسیر کی ہے اور ابن عباسؓ اور ضحاکؓ کا بھی یہ قول ہے (تفسیر
 فخر الدین رازی ج ۲۱ ص ۱۸)

نیز ”رضیا“ پسندیدہ کا لفظ چاہتا ہے کہ وہ وارث غیر نبی ہو نہی کے لیے اس دعا کی حاجت
 نہیں۔ رَحْمَةُ الْمَوْلٰی۔ چچا زادوں سے خوف ضیاع نبوت کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔ مال
 کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ایک ہزار گھوڑے باپ سے وراثت
 میں پائے۔ نیز لفظ وارث کا استعمال مال میں حقیقتہً ہے اور باقی چیزوں میں مجازاً جب تک
 حقیقت متعذر نہ ہو مجاز مراد لینا درست نہیں۔

الجواب۔ شیخہ مذہب کی رو سے آیات بالا کی یہ تفسیر اجتہاد فی مقابل النص ہونے کی وجہ
 سے مردود ہیں اس لیے کہ جب ان آیات کے مصداق کی تہدین آئمہ معصومین سے ہو چکی ہے۔
 پھر ادھر ادھر کی باتیں نکالنا کیا معنی ہے۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے۔

ان سلیمان ورت داؤد وان
محمد ورت سلیمان وانا ورتنا محمد
وان عندنا علم التورۃ والانجیل
والزبور و تبیان ما فی الالواح۔

(اصول کافی ص ۲۲۵)

بلاشبہ سلیمان ہی وارث داؤد بنے اور حضرت
محمدؐ سلیمان کے وارث بنے اور ہم محمدؐ کے وارث
ہوئے۔ بیشک ہمارے پاس تو رات انجیل
زبور اور الواح موسیٰ کی تفصیل کا علم ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا حضرت داؤد انبیاء کے علم کے وارث
ہوئے۔

وان سلیمان ورت داؤد وان
محمد اصلہ اللہ علیہ وسلم ورت
سلیمان وانا ورتنا محمد اصلہ اللہ
علیہ وسلم وان عندنا صحف ابراہیم
والواح موسیٰ (ایضاً ص ۲۲۵) باب ان الائمة
ورثوا علم النبی و جمیع الانبیاء

حضرت سلیمان داؤد علیہما السلام کے وارث
بنے اور حضرت محمدؐ سلیمان کے وارث ہوئے اور
ہم حضورؐ کے وارث ہوئے۔ بیشک ہمارے پاس
ابراہیم کے صحیفے اور حضرت موسیٰ کی تختیاں ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت کے متعلق امام باقرؑ کا ارشاد ہے۔

ثم مات زکریا فورث ابنہ
یحییٰ الکتاب والحکمة و آتیناہ الحکم
صبیا (اصول کافی ج ۱ ص ۳۸۷)

پھر زکریا فوت ہوئے تو ان کے صاحبزادے
یحییٰ کتاب اور حکمت کے وارث بنے اور ہم
نے ان کو حکم بچپن میں ہی دے دیا تھا۔

کیا پہلی دوا حدیث کی روشنی میں حضرت داؤد کی وراثت کا سلیمان کو انتقال اور پھر
حضورؐ اور ائمہ اہل بیت تک پہنچنا۔ وراثت علمی و پیغمبری یقیناً ثابت نہیں ہوئی۔ ان کے مقابل
حسن بصری کا قول کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ہزار گھوڑے پانا شاہی ترکہ بطور حکومت مراد ہے
نہ کہ ذاتی وراثت۔ حضرت داؤد تو خانگی نفقہ کے لیے زرہ بنا کر بیچتے تھے کیا اس معمولی مزدوری
سے وہ ایک ہزار اعلیٰ النسل کے گھوڑے خریدتے یا پال سکتے تھے؟ پھر کل ۸ بیٹے تھے تو اٹھارہ ہزار

گھوڑے ہوں نب فی بیٹا ایک ہزار گھوڑے تقسیم میں ہے۔

قرآن پاک میں وَدَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ دَاوُدَ کے بعد فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُثِلْنَا مَنَظِقَ الطَّيْرِ الایۃ کیا یہ وراثت علمی پر قطعی دلیل نہیں ہے؟ اگر وراثت مالی ہو تو بقیہ ۸ بیٹے بھی بدستور عالم منطق الطیر ہوں۔ اور ہر ٹہری چتر کے مالک اور تذکرہ قرآنی سے مشرف ہوں۔ یہ کہنا کہ حضرت سلیمان کا ذکر خاص بلند تہی کی وجہ سے ہے لغو ہے۔ کیونکہ یہ بلند تہی نبوت اور سیاست میں والد ماجد کی جانشینی سے ملی ہے تو وراثت نبوت و سیاست ثابت ہو گئی۔ فہو المقصود علامہ رازی نے تفسیر میں پانچ قول کئے ہیں مفید مطلب ایک قول کو شیخ لے اڑاتے ہیں۔ حالانکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ نبوت اور شاہی خزانوں اور اموال کے جانشین و وارث حضرت سلیمان ہی ہوئے تو ذاتی مال کی وراثت باطل ہوئی اور پھر اس کے شخص واحد میں انحصار نے نبوت و حکومت کے لیے مخصوص کر دیا۔

یہ کہنا کہ ”نبوت تو حضرت سلیمان کو اس سے پہلے بھیڑوں کا قفسیہ بچاتے وقت ملی ہوئی تھی تو وراثت مالی مراد ہے۔“ درست نہیں کیونکہ اس وقت آپ نابالغ بچے تھے۔ احکام نزعہ یہی کے مکلف نہ تھے چہ جائیکہ نبوت کے منصب عظیم کے بالفعل حامل ہوں ہاں نبوت کے تحمل کے لیے فطری استعداد اور عقل و فراست کا اعلیٰ درجہ حاصل تھا پھر تعظیم خداوندی نے سونے پر سہاگہ کر کے وہ بہتر فیصلہ آپ سے کروا دیا۔ اس وقت حکمت اور علم سے یہی مراد ہے۔ علاوہ ازیں منصب نبوت کیلئے نامزد ہونا یا موصوف ہونا اور بات ہے اور بالفعل فرائض نبوت کو تعلیم تبلیغ جہاد۔ سیاست امت وغیرہ میں ادا کرنا اور بات ہے۔ حضرت داؤد کے جانشین اور وارث بننے میں فرائض نبوت ادا کی گئی سیاست امت مراد ہے جو پہلی بات کے منافی نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت نبوت تو اور واضح تر ہے امام باقرؑ کے الفاظ ”کہ حضرت زکریا کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے یحییٰ کتاب و حکمت کے وارث ہوئے اور ہم نے ان کو حکم بچپن میں عطا کر دیا تھا“ کا آیت کریمہ کے ان الفاظ سے موازنہ تو کریں۔ یَسْجِي اخِذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَاَتَيْنَاكَ الْحِكْمَ صَبِيًّا۔ اے یحییٰ! مضبوطی سے کتاب پکڑ لو اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی حکم دے دیا۔ کیا بارشاد امام وراثت علمی و پیغمبری متین ہونے میں اب بھی کوئی شک و شبہ باقی ہے؟

تفسیر فخر الدین رازی میں حضرت ابن عباسؓ حسن ابصری اور ضحاک کا یہ قول بھی مروی ہے کہ یرثنی
 سے مال اور یرث منی ال یعقوب سے نبوت کی وراثت مراد ہے۔ سدی، مجاہد اور شعبی کا بھی
 یہی قول ہے۔ تو وراثت مالی کی تخصیص باطل ہو گئی۔ دونوں کے مٹا وراثت ہونے کا مطلب یہ ہے
 کہ نبی امت کے لیے ایک قسم کا حاکم و منتظم بھی ہوتا ہے۔ امت کے نظم و نسق کے سلسلے میں خراج ہونے
 والا ہوا مال بطور ہنڈ آپ کے پاس تھا۔ وہ بھی نبوت کے ساتھ حضرت یحییٰ کو منتقل ہوا۔ بعینہ جیسے
 حسب تفصیل سابق حضور کے بعد امام ان چیزوں کا وارث و متولی ہوگا۔ امام رازی نے باقی اقوال
 میں۔ وراثت کبھی اس سے مراد۔ سرداری۔ علم۔ نبوت اور اخلاق حسنہ مراد لیے ہیں۔ یہ چاروں چیزیں
 غیر مالی ہیں اور یہاں مراد ہو سکتی ہیں۔ لفظ ارث ہر ایک میں (بطور حقیقتہ) متعلق ہے جیسے مال
 کے لیے وَادْرَاكُمْ اَرْضَهُمْ وَاَوْدِيَاَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اور تم کو وارث بنادیا ان کی زمینوں
 مکانوں اور مالوں کا علم کے لیے وَادْرَسْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ اَلْكِتَابَ (ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب
 کا وارث بنایا۔) الْعِلْمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں) وَاَنْ اَلْاَنْبِيَاءُ لَمْ
 يُوْرَثُوْا دَرَهْمًا وَّلَا دِينَارًا (انبیاء وراہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑتے) حکومت اور نبوت
 کے لیے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا (اور بلاشبہ ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا کیا۔)
 منوی خصال کے لیے جیسے کہا جاتا ہے اور ثنی هَذَا عَمَادٌ حَزَنًا (اس چیز نے میرے اندر غم اور
 فکر چھوڑ دیا ہے) پھر امام رازی فرماتے ہیں کہ نچتہ بات یہ ہے کہ یہ لفظ ان تمام معانی کا احتمال کہتا
 ہے۔۔۔۔۔ اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس وراثت سے مراد ہر وہ چیز ہو جس میں دین کی بہتری اور
 نفع ہو اور یہ نبوت۔ علم۔ سیرت حسنہ حکومت برائے نفع دینی اور دین کے لیے کام آنے والا مال۔
 سب کو شامل ہے۔ (تفسیر رازی پ ۶۱۶) پھر اس سے زیادہ وضاحت اور مالی وراثت کا
 ابطال وَدَرَسَتْ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ کے تحت پ ۱۸۶ پر علامہ رازی نے کر دیا ہے۔

قارئین کرام! اس تفصیل سے شبہ کی خیانت اور سینہ زوری کا پتہ چل گیا کہ صرف ایک قول کو
 لے کر اپنا الوسیدھا کرتے اور مفسر علیہ الرحمۃ کا اپنا فیصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو چکا کہ
 ان تمام معانی میں یہ لفظ بطور حقیقت شائع ہے تو وراثت غیر مالی کو مجازی کہنا باطل ثابت ہوا۔
 ہاں فقہاء کی اصطلاح میں زیادہ تر اس کا استعمال منقولات عرفہ کی طرح وراثت مالا، مالا، مالا

ہے۔ بالفرض اسے مجاز تسلیم کیا جائے تو عموم مجاز ہے جو حقیقت کی مانند نتائج و ذائع ہوتا ہے
 مثلاً ۱۶۲۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِ هُمْ خَلْفٌ وَدَثُوا الْكِتَابَ
 ۱۶۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْدِثُوا الْكِتَابَ ۚ ۳۶۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا ۚ ۵۶۔ وَ
 لِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ ۹۶۔

رہا یہ شبہ کہ مجاز میں استعمال کے لیے داعیہ چاہیے تو داعیہ یہ ہے کہ موصوم کے قول کو جھوٹ
 اور نامناسب بات سے بچانا ہے۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا منشاء یہ ہو کہ میرے مال کے
 وارث چچا زاد بھائی ہیں ان سے مجھے مال ضائع کرنے کا اندیشہ ہے۔ مجھے ایسا فرزند عطا فرما جو میرے
 مال کا وارث بنے تو ایک پیغمبر کی طرف اس کی نسبت بھی محبوب ہے۔ انبیاء کا دہن دنیا کے لیے نہیں
 یا متفکر نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر وہ موالی برے ہوں اور برائی میں مال خرچ کرنے کا اندیشہ ہو تو یہ
 بھی مفید نہیں۔ کیونکہ جب ان تک وراثت پہنچے گی وہ خود مالک ہوں گے اور بھلائی برائی کے ذمہ دار
 ہوں گے۔ حضرت زکریا کی ملکیت میں مال نہ رہے گا۔ پھر تفکر کا کیا فائدہ؟ ہاں نبوت و تبلیغ کے
 متعلق اندیشہ درست ہے۔ ممکن ہے وہ نااہل ثابت ہوں اور پیغمبری کے لائق نہ ہوں تو یہ میری او
 آل یعقوب کی نعمت نبوت ضائع ہو جائے گی۔ تو الہی مجھے وارث عطا فرما۔ آج گئے گزرے دور
 میں بھی جو اولوالعزم قسم کے خاندانی شریف ہوں اور مخصوص فن یا کمالات میں شہرت رکھتے ہوں وہ
 اولاد اس لیے نہیں مانگتے کہ ہمارے کماٹے ہوئے مال و جائیداد یا مکانات کے مالک نہیں بلکہ وہ اپنے
 ہنر اور فن کے بقا۔ خانہ کی عظمت و شہرت اور باپ وادے کی اقدار کو زندہ رکھنے کے لیے اولاد
 مانگتے ہیں۔ عالم کی اولاد عالم ہو۔ مرشد روحانی کی اولاد متقی و پرہیزگار ہو۔ معلم و پروفیسر کی اولاد
 علم دوست اور ساذ بنے۔ تاجر کی اولاد تاجر بنے۔ زمیندار کی اولاد زمیندار اور کھیتی باڑی میں
 دلچسپی لینے والی بنے۔ ہر ایک کو یہی تمنا اور آرزو ہوتی ہے۔ اور اسی فن و ہنر میں جانشینی کے لیے اولاد
 مانگتا یا اس کی تربیت کرتا ہے۔ اگر کسی کی اولاد اس کے ہنر و کمال میں وارث نہ بنے۔ خواہ مال و
 دولت یا دیگر امور میں بڑھ ہی کیوں نہ جائے باپ کی نظر میں وہ ناخلف ہی ہوتے ہیں۔ اسی حقیقت
 کے پیش نظر حضرت زکریا علیہ السلام پر بھی یہ نبوت کا وارث بننے کے لیے دعا مانگیں تو
 زیادہ بہتر ہے یا پیشہ آری جیسے آلات نجاری کو سنبھالنے کے لیے بیٹا مانگیں تو وہ ان کی شان کے

لائی ہے۔ اور وہ بھی محض اس خدشہ سے کہ حجاز اولاد یہ متصور نہ لے لیں نبیہ کو اللہ تعالیٰ اعظم و
 فہم نصیب کرے۔ ان کو حضرت ابو بکرؓ سے دشمنی میں اگر انبیاء و کرام کے لیے کتنی گھٹیا سوچ کرنی پڑی
 ہے۔ اس تو ایک مزدور پیشہ پیغمبر کے پاس ضروریات زندگی سے زائد بچت اکہاں سے گئی اور زائد ضرورت
 کمانے سے ان کو فرصت کیسے ملتی تھی پھر وہ سیرت انبیاء کے برعکس پس انداز کر کے اتنا خرچہ جمع کیسے
 کر چکے تھے جس کے ضیاع کا بنی الامم کے ہاتھوں اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ رہا یہ شبہ کہ انبیاء تو خدا کی پسندیدہ
 ہوتے ہیں۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا کی دعا تحصیل حاصل ہوئی تو وضاحت یہ ہے کہ یہ صفت کشف
 حال اور وضاحت مقصد کے لیے ہے صفت احترازی نہیں ہے۔ اسی سورت میں حضرت اسماعیل
 علیہ السلام کے متعلق ہے۔ وَكَانَ عَبْدًا رَپًا مَرْضِيًّا کہ وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے۔ سورۃ ص
 میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کے متعلق ارشاد ہے وَاتَّخَذُوا عِنْدَ النَّبِيِّ الْمُصْطَفِينَ
 الْأَحْيَاءِ بَنِي تَسْكٍ وہ ہمارے ہاں بہترین چنے ہوئے بندوں سے ہیں۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا کی
 دعا ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ رَاے اللہ
 ان میں سے ایک رسول بنا، کہ لَبَدُ نِيلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَكَلِمَتُهُمُ الْكِتٰبُ وَالْحِكْمَةُ رَجُو
 تیری آیتیں ان پر پڑھے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے، سے وضاحت فرمائی۔ کیا لفظ رسول
 کافی نہیں تھا؟ کوئی ایسا رسول بھی ہوتا ہے جس کا فرضیتہ تلاوت آیات اور کتاب و حکمت کی تعلیم و
 تذکرہ نہ ہو؟ یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اٰهْلِ هٰرُونَ اٰخِ
 اسْتَدُّ بِہٖ اٰزْمِرٰی دَارُوْنَ میرے بھائی کو میرا وزیر بنا اور میری کم اس سے مضبوط کر کے لبد
 وَاسْتَرْكٰہُ فِیْ اَمْرِیْ (اور اس کو میرے کام میں شریک کر) سے اپنے دعا کی وضاحت فرمائی۔
 جیسے یہاں تحصیل حاصل لازم نہیں آتی اسی طرح رَبِّ رَضِيًّا سے بھی نہیں آتی۔ یہ بھی ممکن ہے
 کہ ان الفاظ سے مقبول و محترم عند الناس ہونے کی دعا کی ہو۔ چنانچہ وہ مقبول بھی ہوئی جیسے آل
 عمران میں ارشاد ہے۔ هُوَ صِدْقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحْشُوْرًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ
 آپ کو کبھی ان کی بشارت ہو جو خدا کے کلمہ (عیسیٰ) کے مصدق، لوگوں میں سردار، پاکدامن اور
 نیک پیغمبروں سے ہوں گے،

راقم کے علم میں ان آیات سے متعلق شیعہ کی جو کٹختیاں تھیں ان کا جواب ہو چکا۔ واللہ الحمد

اور اظہارِ الشمس ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت مالی نہیں ہوتی بلکہ علمی اور منصبی پیغمبری اور اسکے متعلقات کی ہوتی ہے اور یہاں بھی مراد ہے۔

روایاتِ ہبہ کی حقیقت | شیعہ حیب دعویٰ وراثت میں ناکام ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حضور نے آپ کو زندگی میں ہبہ کر دیا تھا۔ پھر سیدہ نے ہبہ کا دعویٰ فرمایا اس پر گواہ بھی پیش کیے مگر خلیفہ نے رد کر دیئے۔ اس کا بطلان کئی وجوہ سے ہے۔

اولاً۔ ہبہ اور میراث دو متضاد باتیں ہیں مٹا جمع ہو ہی نہیں سکتیں ہبہ کا معنی یہ ہے کہ حضور نے اپنی ملکیت سے خارج کر کے سیدہ کی ملکیت اور قبضے میں دے دیا۔ اگر واقعی ہبہ تھا تو وراثت کا سوال کیسے؟ یہ تو اس مال میں ہوتا ہے جو مروت عنہ کی تاوقات ملکیت میں ہو اور اگر حضور کی ملکیت میں تھا تو سوال وراثت درست تھا تو ہبہ کی گمانی خود بخود لغو ہوئی۔ کیونکہ ایک چیز سداً دو ملکیتوں میں متضاد اسباب سے جمع نہیں ہو سکتی۔ خلافاً للشرکت فانھا بسبب واحد بعض شیعہ اسے حصول مقصد کی خاطر عنوان بدلنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ نے غزوہ کے ساتھ مناظرہ میں ایک دلیل ”میرا رب مازنا جلتا ہے“ چھوڑ کر دوسری دلیل ”میرا رب سوچ مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لاتا“ پیش کی۔ مگر یہ نری جہالت ہے۔ یہاں دونوں دلیلیں خدا کی صفت ہیں ان میں تضاد نہیں۔ دلیلِ ہبہ اور دلیلِ میراث میں ذاتی تضاد ہے۔ فافترقا۔

ثانیاً۔ اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خاوندہ بیٹے اور اپنی باندی کی گواہی نصابِ ناکمل ہونے کی وجہ سے مسترد کر دی تو یہ قرآنی اصولِ شہادت **فَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَمِنْ جُلُوٍّ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَادَةِ فَإِنْ ثَلَاثًا فَأُولَئِكَ قَبُولٌ** سے دو گواہ بناؤ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونی چاہئیں جن گواہوں کو تم (عادل پسند کرو) پر عمل کیا۔ سیدہ اور اس کے گواہ سچے سبھی مگر قاضی طاہر قانون پر فیصلہ دیا کرتا ہے قاضی کے ذاتی علم پر فیصلہ بعض مخصوص حالات میں ہوتا ہے۔ قاضی شریح نے ایک یہودی سے نزاع میں حضرت علیؓ کو جیسے سچے کا نہ دعویٰ تسلیم کیا یہ حسنینؓ کی گواہی مافی۔ حضرت علیؓ نے بادلِ سخواسنہ نہ صرف فیصلہ تسلیم کیا بلکہ قاضی کو اپنے منصب پر برقرار رکھا (کشف الغمہ) چنانچہ یہ اصول پسندی دیکھ کر یہودی مسلمان ہو گیا۔ آج مسئلہ فدک کی مثال سے مسلمان اپنے قانون کی عظمتِ تابیح سے

سربند کر سکتے ہیں۔

ثالثاً۔ بہرہ اور عطا کے متعلق روایات ہماری مستند اہمات کتب میں نہیں بلکہ بعض کتب تاریخ میں چچان بلین کے بعد بلا سند یا منقطع و مرود سندوں کے ساتھ ان کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس اہم مسئلہ پر ان سے استشہاد انصافی ہی ہے۔ اس سلسلہ کی اصل سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جو تفسیر درمنثور کثر العمال میں عبد الباقی اور مجمع الزوائد میں سورت اسبر لہ کی آیت وات ذا القربیٰ حقہ کے تحت تفسیر روایت کی گئی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت هذه الآية وات ذا القربیٰ حقہ دعا رسول اللہ فاطمة فاعطاها فداک عن ابن عباس قال لما نزلت آت ذا القربیٰ حقہ افطع رسول اللہ فاطمة فدکا تفسیر درمنثور ج ۱۴ ص ۱۷۱
ابو سعید سے روایت ہے کہ جب آیت وات ذا القربیٰ اتری تو حضور نے حضرت فاطمہ کو بلا کر فدک دیا۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت فاطمہ کو حضور نے جائداد دے دی حالانکہ آیت کی ہے فدک کا تصور و وجود ہی نہ تھا۔ پھر آیت پر عمل کی شکل میں چاہیے کہ مسکین اور ابن السبیل کو بھی مخصوص جائداد دی جائے جب یہ نہیں ہوا تو پہلا بھی نہیں ہوا۔

یاد رہے کہ یہ روایت ابو سعید خدری سے نقل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ درمنثور کثر العمال اور مجمع الزوائد میں ہے۔ اور ابو سعید سے راوی عطیہ عوفی ہے۔ یہ مشہور مدلس ہے۔ یہ محمد بن سائب کلبی کا شاگرد خاص تھا۔ (اور وہ مشہور کذاب تھا) یہ اس کی کفایت ابو سعید رکھتا تھا۔ پھر جب کلبی کی صراحت کیے بغیر عن ابی سعید کہتا تو لوگ ابو سعید خدری ہی سمجھتے اور صحابی سے روایت کرتے حالانکہ یہ رجل و تلمیذ عوفی کا کثر شمر ہے۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۰۱ عطیہ عوفی کے ترجمہ میں ہے۔

قال سالم المدادی کان عطیة یتشیع قال احمد ضعیف الحدیث وقال احمد بلغنی ان عطیة کان یاتی الکلبی فیأخذ عنہ التفسیر وکان یکنیہ بابی سالم مرادی کہتے ہیں عطیہ شیعہ تھا امام احمد سے ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں مجھے پتہ چلا ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آتا تھا اس سے تفسیر لیتا اور اس کی کفایت ابو سعید مشہور کرتا

سعيد فيقول قال ابو سعيد فيوم انه الخدرى -
 تھا جب کتنا ابوسعید نے فرمایا تو یہ وہم ہوتا
 کہ ابوسعید خدری صحابی مراد ہیں۔

امام نسائی اور ناقدین آئمہ کی جماعت اسے ضعیف کہتی ہے فریقین کے ہاں عطیہ عوفی
 شیعہ مسلم ہے۔

شیعہ علامہ ماتقانی کی تنقیح المقال فی احوال الرجال ج ۲ ص ۲۵۳ پر ہے۔
 عطیہ عوفی کو فی من اصحاب عطیہ عوفی کو فی تھا۔ امام باقرؑ کے شاگردوں
 سے تھا۔

باقی

تو قنارہ فیہ مسئلہ میں ایسے راوی کی روایت بالکل مردود ہے جب یہ امام باقرؑ کا
 شاگرد ہے تو حضرت ابوسعید خدریؓ کے زمانے میں شاید اس کا والد بھی نہ ہو۔
 فتوح البلدان بلاذری بحث فدرک میں جو عطیہ فدرک کے متعلق مذکور ہے اور صواعق
 محرقة شرح مواقف معجم البلدان کے مناصر مؤلفین تو محض ان کتب قدیمہ سے بلا سند نقل
 کر دیتے ہیں۔ اس سے روایت کی صحت تو ثابت نہیں ہوتی۔ وہ روایۃ کے اعتبار سے
 مجروح ہیں۔ صحیح السنہ نہیں۔ کثر الحال میں جو روایت ہے اس کا ایک راوی محمد بن مہمون
 ہے جس کو حافظ ذہبی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

ابراہیم من اجلاء الشیعۃ دوی ابراہیم بڑے شیعوں سے ہے علی بن عابس
 عن علی بن عابس خیرا عجیبا سے ایک عجیب روایت کی ہے۔
 (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۳)

علامہ عینی اس مفہوم کی روایات ذکر کر کے کہتے ہیں۔

قلت هذا الاصل له ولا یثبت به روایۃ انها ادعت ذلك
 وانما هو امر مفتعل لا یثبت
 (عمدة القادی شرح بخاری باب فرض
 الخمس تحت حدیث دوم)

میں کتاہوں یہ باطل ہے اور ایسی کوئی
 روایت ثابت نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے
 ایسا دعویٰ کیا ہو۔ یہ تو ایک من گھڑت بات
 ہے جو کبھی ثابت نہیں ہو سکتی۔

علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں عطیہ اور سہبہ کی روایات کو ان نقطوں میں رد

کیا ہے۔

قلت هذا باطل ولو كان وقع
ذالك لما جاءت فاطمة تطلب شيئا
وهو في حوزها وملكها ر ۲۸۲

میں کہتا ہوں یہ باطل ہے اگر سہبہ ہو چکا ہوتا
تو سیدہ فاطمہؓ کچھ مانگنے نہ آتیں جیکہ وہ آپ
کی تحویل و ملکیت میں تھا۔

تحت علی بن عباس،

کتاب اہل سنت کی طرف نسبت کر کے سہبہ فدک کے بارے میں جو روایات شیعہ علماء نے
اپنی کتب مناظرہ میں نقل کی ہیں ان کی تفصیل علامہ نواب مہدی علی خان (سابق شیعہ مہتمم)
نے آیات بنیات میں بحث فدک میں پیش کی ہے۔ وندورہ۔ وہ پوری سند اور روایت کی تفصیل
والی ۲ روایات بتاتے ہیں۔ اور بعض سند کے ساتھ یا صرف منقول عنہ کا ذکر کرنے والی
۵ روایات بتاتے ہیں۔ پھر ہر راوی کا کتب رجال سے شیعہ کمزور یا کذاب ہونا بتاتے ہیں ان
سب کا سرا اور ماخذ عطیہ از ابوسعید ہے۔ وہ ابوسعید خدری کا وہم دلانا ہے
اور بعض پچلے راویوں نے غلطی سے اسے خدری سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ کلبی کذاب شیعہ ہے جس کے
متعلق میزان الاعتدال میں ہے۔ محمد بن السائب کلبی ابوالنضر اخباری سائب مفسر مشہور ہے۔ ثوری
کہتے ہیں کلبی سے بچو۔ بخاری کہتے ہیں اسے بچو اور ابن ہدی نے چھوڑ دیا ہے۔ یزید بن ندیع کہتے ہیں
کلبی سبائی تھا جو علیؓ کی وفات کے قائل نہیں دوبارہ رحبت کے قائل ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ
المخاطب میں ہشام بن کلبی کے ذکر میں اس کے باپ کو رافضی لکھا ہے۔ یاقوت حموی نے معجم الادباء میں
محمد بن جریر طبری کی کتابوں کے حال میں لکھا ہے کہ طبری نے غیر معتبر تفسیروں سے تعرض نہیں کیا کہ
اس نے محمد بن سائب کلبی مقابل بن سلیمان اور محمد بن عمر واقدی کی کتابوں سے تفسیر نہیں لی۔ کیونکہ
یہ لوگ اس کے نزدیک مشکوکین سے ہیں۔ محمد طاہر گبرانی نے تذکرۃ الموضوعات میں کلبی کی نسبت
لکھا ہے کہ امام احمد نے کہا کلبی کی تفسیر از اول تا آخر جھوٹی ہے دیکھنا بھی جائز نہیں۔ ایک روایت
ابن عباسؓ سے نقل کی جاتی ہے مگر وہ بھی بلا سند ہے اور درمنثور تو طبقہ چہارم کی کتاب ہے جس
میں صحیح ضعیف موضوع ہر قسم کی روایات ہیں۔ بہر حال ایسی ہر روایت معیار صحت پر جانچے بغیر حجت

نہیں ہے۔

اس کے برعکس سبہ کی نفی پر اہل بیت کی یہ مشہور روایت شاہد ہے۔

کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کرتے۔ بنی ہاشم کے چھوٹے ناداروں پر لوٹاتے اور ان کے بیواؤں کی شادیاں کراتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان کو دے دیں تو آپ نے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسی دستور پر بنو ہاشم اور فقراء و مساکین میں تقسیم ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ مسافر آخرت ہو گئے۔ پھر جب حضرت ابو بکر (صدیق) خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنی زندگی میں وہی عمل جاری رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے۔ پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی وہی عمل جاری رکھا جو حضورؐ اور صدیقؓ نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بھی چلے گئے۔ پھر عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ نے بھی یہی دستور جاری رکھا، پھر مروانؓ اپنے دور میں اسے اپنا قطعہ بنا لیا۔ پھر یہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبضے میں آ گیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے روکی تھی میرا بھی اس پر کوئی حق نہیں۔ میں تم کو گواہ بنا کر اسے اسی طرز پر لوٹاتا ہوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں تھا۔ (البوادود ج ۲ ص ۵۹ مشکوٰۃ ص ۳۵۶)

یہ روایت گو مرسل ہے اور مرسل حدیث جمہور علماء کے نزدیک حجت ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مجمع عام میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے فاضل خلیفہ راشد نے بیان کی کسی نے اختلاف بھی نہیں کیا۔ تو یہ حکم متصل اور مرفوع کے قائم مقام ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ

۱۔ فدک حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کو سبہ نہیں کیا تھا بلکہ طلب کے باوجود نہ دیا جیسے نضال بن بابویہؒ ص ۳۹ کی شیعہ حدیث بھی گزری۔

۲۔ شیخینؒ وغیرہ خلفاء اسلام نے طریقہ نبوی سے نہیں بدلایا نہ اہلبیتؑ و بنو ہاشم کے مالی حقوق بند کیے بلکہ بدستوران کو دیتے رہے۔

بجاء اللہ و عونہ ہم نے منہ فدک پر سیر حاصل بحث کر کے ہر سہلو کو رد و شون
ایک لغو رسالہ کا جائزہ
کر دیا۔ شیعہ مؤلفین کے اعتراضات کا منبع بند کر دیا۔ ایک صاب

نے "مقدمہ باغ فدک" پر افسانوی رنگ میں قلم کاری کی ہے بقول اس کے "اس کتاب میں انتہائی رواداری و انسانیت کے ساتھ حضرات شیخین پر تنقید قلم کاری کی گئی ہے۔" یہی نہیں بلکہ بے اصولی تقصیر کی خلاف ورزی۔ بد تہذیبی۔ دروغ گوئی اور بے فائدہ لالچ بانیوں کے تکرار میں اپنی مثال آپ ہے کہ "وہی مجرم وہی مُصَدِّق" کا آئینہ ہے۔ اس کی اکثر باتوں کا جواب آگیا۔ کچھ حقوات لائق توجہ ہی نہیں۔ آخر میں بطور خلاصہ کتاب جو دعاوی اس نے بزعم خویش ثابت کیے ان سے اور چند اہم باتوں سے ہم آپ کو متعارف کرا دیتے ہیں۔

۱۔ قولہ۔ "الخرق ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کا مقدمہ فدک میں صادر کردہ فیصلہ نہ ہی اخلاقی لحاظ سے درست تھا نہ ہی قانونی مراتب سے۔"

سبحان اللہ۔ گالیوں اور لعن طعن کو مذہب بنانے والے اور کتاب و سنت چھوڑ کر اپنے دین کے منبع ائمہ سے لعن طعن کی ہی تعلیم پانے والے لوگ اہل سنت اور ان کے اکابر کو اخلاقی لحاظ سے نا درست بتاتے ہیں۔ درج ذیل مکالمہ سے آپ خود فیصلہ کر لیں کہ کس کا اخلاقی درست ہے۔

"فاطمہؓ نے فرمایا قسم بخدا میں ہرگز تجھ سے کلام نہ کروں گی۔ ابو بکرؓ نے کہا واللہ میں ہرگز تجھ سے دوری اختیار نہ کروں گا۔ فاطمہؓ نے کہا واللہ میں خدا کے حضور تجھ پر نضر کروں گی۔ ابو بکرؓ نے کہا واللہ میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔" (حق الیقین از شیعہ علامہ مجلسی ج ۲ ص ۵۶) بنض و قطع جمی کا کتاب اثر بہتان حضرت فاطمہؓ پر شیعہ نے لگایا مگر حضرت ابو بکرؓ کا تو مقرر فاطمہؓ اور دعا گو ہونا خود روایت کیا۔ قانون کتاب و سنت کا نام ہے اسی کے مطابق آپ نے فیصلہ کیا۔

۲۔ قولہ۔ "یہ فیصلہ فطرت کے فیصلوں کے بھی خلاف ہوا اور عقل و دانش کی کسوٹی پر بھی پورا نہیں اُترتا۔"

جواب۔ یہ ہوائی گپ ہے اور پورا رسالہ اسی ہوا سے بھرا ہوا غبارہ ہے جو احمقوں کی نگاہ میں اڑ تو سکتا ہے مگر کتاب اللہ سنت نبویؐ عمل اہل بیتؑ اور عقل سلیم کے سامنے یہ کاکہ کا وزن نہیں رکھتا۔ فطرۃ اللہ کا فیصلہ مال فتنے کی ذوی القربیٰ۔ غریب و مساکین اور مسافروں میں تقسیم کا ہے عقل و دانش کی کسوٹی۔ انبیاء اور اہل بیتؑ کو نہ ہدایتی ہے۔ نہ کہ

جاگیر دار ہونا کہ اگر وہ نہ ملے۔ فقر اور مساکین کا حق بنا دیا جائے تو پوری امت سے دشمنی رکھ لی جائے۔

۳۔ قول: ”اس فیصلہ کو نہ ہی کتابِ خدا سے کوئی تائید حاصل ہے نہ ہی سنتِ رسولؐ سے توثیق میسر آتی ہے۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس کے خلاف خود منصف نے عمل کیا۔ اس فیصلہ کو اکابر صحابہؓ نے مسترد کر دیا۔“

جواب: تینوں دعوے بالکل جھوٹ اور بہتان ہیں۔ سورتِ حشرؑ کی آیات پھر دیکھ لیں کہ مالِ فے (فدک وغیرہ) قسم کے لوگوں کا حق ہے کسی فردِ واحد کی میراث و ملکیت نہیں۔ کئی لایکوں دُولۂ بَیِّنۃً اَلَا غَنَیَّا وَمِنْکُمْ زَنَاکٌ وہ اموال و جاگیریں تمہارے غنیوں کے درمیان نہ پھرتی رہیں اِنَّ ذَٰلِ الْقُرْبٰی حَقُّہٗ وَالْمَسْکِیْنِ وَالْاَبْنِ السَّبِیْلِ واپ رشتہ داروں کو حقِ خدمت دیں اور مساکین و مسافروں کو بھی دیں، بھی یہی بتاتی ہے کہ مالِ فے صرف ذوی القربیٰ کا حق نہیں کہ ان کو ہی سپرد کر دو بلکہ وہ مسکینوں و مسافروں کا بھی حق ہے جب وہ لائق اور غیر معین ہیں تو یہ ذوی القربیٰ کو سپرد کیے بجائے تینوں اقسام پر وقف عام قرار پائے گا۔ اور یہی فیصلہ خود حضورؐ نے اور شیخینؒ نے کیا۔ اب ٹولف اپنی ہی تحریر اور روایت سے یہ فیصلہ پڑھیں جسے سچا کہتے ہیں۔

” (اے فاطمہؑ!) تم نہ اپنے حق سے روکی جاؤ گی اور نہ سچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی خدا کی قسم میں نے نہ تو رسولِ خدا کی رائے سے تجاوز کیا ہے اور نہ ان کے حکم کے بغیر کوئی کام کیا ہے۔ اب ودانہ کی تلاش میں آگے جانے والا اپنے اہل و عیال سے جھوٹ نہیں بولتا۔ میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے کہ میں نے رسولِ خدا کو یہ کئے ہوئے سنا کہ ہم گمراہ و انبیاء نہ تو سونے چاندی کو میراث میں چھوڑتے ہیں اور نہ مکان، جائیداد، ہم نبی لوگ تو کتابِ حکمت، علمِ نبوت کو وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ہمارے بعد ولی امر (حاکم) کا ہوتا ہے۔ جیسے کافی کی حدیث بھی گزری چکی۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے اور جو تم مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور سامانِ جنگ کے لیے مخصوص کر دیا جس کے ذریعے سے مسلمان کافروں سے

جماو کریں گے اور سرکش فاسقوں کا مقابلہ کریں گے اور یہ چیزیں نے تنہا اپنی رائے سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے اجماع کی مدد سے کی ہے اور میرا مال آپ کا مال ہے اور آپ کے سامنے حاضر ہے۔ آپ کی فضیلت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آپ کے فرع و اصل کو لپیٹ نہیں سمجھا جاسکتا۔ آپ کا حکم اس مال میں نافذ ہے جو میری ملکیت ہے پس کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے ان باتوں میں آپ کے والدِ محترم کی مخالفت کی ہے۔“ (صفحہ ۳۶-۳۷) (حق الیقین ج ۲ ص ۵۲ اردو)

ہمارا مقصد یہ شیخہ اقباسات نقل کرنے سے صرف یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعویٰ کی تائید کسی مسلمان نے نہیں کی اور شیخہ کے تینوں دعویٰ غلط ثابت ہوئے کیونکہ کتاب وسنت کے بعد سب اکابر و اصاغر صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کی تائید و حمایت کی۔ یہ تو سب کچھ شیخہ روایات نے بنایا۔ جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ سیدہ فریمان رسولؐ سن کر فیصلہ پر مطمئن ابوبکرؓ سے راضی مسلمانوں سے خوش اور فک سے معین حصہ کے ملنے پر راضی و شاکر تھیں۔ یہ خطبہ بالا اور یہ غیر احسن لفظی نہ شایان شان گفتگو آپ پر بہتان محض ہے جو دشمن اسلام و اہلبیت شیعوں نے تمام صحابہؓ کو گالیاں دینے ہیدہ کو بے وقار اور طالب دنیا بنانے کے لیے خود بنا کر اپنی کتب میں مشہور کیا ہے۔ (معاذ اللہ منہ)

۴۔ قولہ۔ اس فیصلہ سے اہل بیت کو اذیت پہنچی۔ عجم رسولؐ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کو ایک کاذب آئمہ نادر اور خائن منصف کا فیصلہ قرار دیا۔ واما رسولؐ حضرت علی علیہ السلام نے اسے ہرگز قبول نہ کیا۔

جواب۔ اتفاقاً ارادہ کسی بزرگ کے قول و فعل سے کسی بزرگ کو صدمہ پہنچا قابل طعن نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے بھڑا پوجنے اور حضرت ہارونؓ کے فہمائش کے سوا کوئی سخت اقدام نہ کرنے سے حضرت موسیٰؓ کو صدمہ ہوا اور بھائی پر گرفت فرمائی (الفرقان) حضرت فاطمہؓ کو شادی کے بعد بدوایت جلاء الحيون شکایات پیدا ہوئیں۔ حضرت حسینؓ، قیس بن سعد اور دیگر شیعانِ حسنؓ کو حضرت حسنؓ کے فیصلہ صلح و بیعت سے ناگواری اور اذیت ہوئی۔ مگر کسی پر کوئی طعن نہیں کیا جاتا۔ یہاں بھی طعن کا موقعہ نہیں۔ بقول مجلسی ”بزرگوں اور مقربانِ الہی کے معاملات میں دخل نہ دینا چاہیے۔“ (جلاء الحيون) دوسری بات بالکل بہتان محض ہے۔ مسلم کی روایت کے مطابق یہ الفاظ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے حق میں فرمائے جبکہ دونوں حضرت عمرؓ کی طرف سے صدقاتِ فک تقسیم کرنے میں متولی تھے۔ مگر مزاج کے اختلاف سے نزاع اور مخالفت کی نوبت آجاتی تو حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا کہ مجھے اس..... شخص سے چٹکارا دلائیے۔ یعنی میرا حصہ تولیت الگ کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے اسے منظور نہ کیا۔ حضرت عباسؓ مستغنی

ہو گئے حضرت علیؑ تنہا صدقات کے متولی اور قاسم قرار پائے۔ "حضرت عمرؓ نے چچا بھتیجے کی جب یہ تلخی دیکھی تھی تو اس مطالبہ کو شخصی میراث اور تمذیک کے مشابہ سمجھا اور مطالبہ رد کر کے استفہامیہ انداز میں یہ کہا کہ (کیا) تم ابوبکرؓ کو ایسا ایسا سمجھتے تھے کہ اس نے بطور وراثت و ملک تقسیم نہ کیا تھا حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ وہ بارہ راشد تابع الحق تھے (کیا) تم مجھ کو ایسا جانتے ہو حالانکہ میں بھی رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ کا ولی اور تابع ہوں۔ خدا کی قسم میں تاقیامت ان کے فیصلے کو ہرگز نہیں بدل سکتا۔ اگر تم مشترکہ متولی نہیں رہ سکتے تو یہ مجھے واپس کر دو (میں کسی اور کو متولی بنا دوں گا) ابوداؤد و مسلم

یہاں معنا حرف استفہام مقدر ہے۔ جیسے سورت انعام پ میں قوم کے ساتھ گفتگو میں حضرت ابراہیمؑ کے کلام میں حرف استفہام مقدر مانا جاتا ہے۔ "یہ سورج میرا رب ہے" یہ چاند میرا رب ہے۔ "یہ سنارے میرے رب ہیں" یعنی کیا یہ چیزیں میرے خدا ہیں ہرگز نہیں۔ تو اسی طرح مقولہ عمرؓ کا مطلب ہے۔ کیا تم ابوبکرؓ کو یا مجھ کو ایسا ایسا سمجھتے ہو کہ اس فیصلہ کے خلاف کروانا چاہتے ہو؟ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ زوج قبول حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ یقیناً قبول کیا تبھی تو حضرت عمرؓ کے نائب ہو کر صدقاتِ فدک کے متولی اور قاسم بنے۔ اگر نہ مانتے تو یہ عہدہ کیوں قبول کرتے۔ منکر و مستعفی ہو جاتے۔

۵۔ قولہ: مسلمانوں کی مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ کو یہ چاہیے تھا کہ وہ دیگر مقدمات کی طرح اس مقدمہ کو بھی دیگر صحابہؓ کے مشورہ سے کسی فرد عادل صحابی کو قاضی مقرر کر دیتے جو اس تنازعہ پر اپنا فیصلہ صادر کرتا۔

جواب۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب تمام صحابہؓ کے مشورہ اور اتفاق سے یہ کام کیا۔ جیسے ابھی گزرا تو اس بے فائدہ لفاظی کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں یہ دعویٰ اور مطالبہ ابوبکر صدیقؓ کی خلافت بلا فصل اور حقانیت پر مہرِ فاطمی ثبت کر رہا ہے کیونکہ جب وہ مدعا علیہ تھے تو حضرت فاطمہؓ کو دعویٰ امام حق علیؑ کی عدالت میں یا مسلمانوں کے کسی عدالتی بیچ میں کرنا چاہیے تھا۔ مدعی مقدمہ کا فیصلہ مدعی علیہ کے دربار سے کرائے عقل و دانش کے خلاف ہے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے یہ عمل کیا حالانکہ ظالموں سے فیصلہ کرانے کی کتبِ شیعہ میں ممانعت ہے اور حضرت فاطمہؓ ان

کے ہاں معصوم ہیں۔ تو حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ راشد عادل برحق ہونا ثابت ہوا۔

۴۔ قولہ: ”ہم کہتے ہیں۔ نصاب شہادت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جب دعویٰ کی تردید کرنے والا کوئی دوسرا موجود ہو۔ اگر حضرت ابوبکرؓ بضرع محال مدعا علیہ نہ تھے بلکہ محض قاضی تھے تو اب شہادت کے نصاب کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہی۔ صرف عادل منصف کو اپنی تسلی درکار ہے۔“

جواب۔ دراصل مدعی علیہ سب فقرا و مساکین اور مسافر مسلمان تھے۔ ان کا حق اس دعویٰ سے متاثر ہوتا تھا۔ بحیثیت ولی و سربراہ حضرت ابوبکرؓ ان کے نمائندے و فریق تھے۔ اب نصاب شہادت کی باقاعدہ ضرورت تھی اور وہ پوری نہ ہوئی اور ”عادل منصف کو درکار تسلی“ حاصل نہ ہوئی۔ طبقات ابن سعد ۲/۴۵۷ اردو طبع نفیس اکیڈمی کراچی“ سے ملاحظہ ہو۔

”ابوبکرؓ نے کہا کہ بجز آپ کے والد مجھ سے بہتر تھے۔ آپ واللہ میری بیٹیوں سے بہتر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چاہیں وہ صدقہ ہے۔ یعنی اموال موجودہ۔ آپ جانتی ہیں کہ آپ کے والد نے وہ آپ کو دے دیا ہے؟ واللہ اگر آپ ہاں کہہ دیں تو میں ضرور ضرور آپ کا قول قبول کروں گا اور ضرور ضرور آپ کی تصدیق کروں گا۔ انہوں نے کہا میرے پاس ام المین امیں اور انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ رسول اللہ نے فدک مجھے دیا ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ پھر آپ نے بھی آنحضرتؐ کو فرماتے سنا کہ فدک آپ کے لیے ہے؟ اگر آپ کہہ دیں گی کہ میں آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ فدک آپ کے لیے ہے تو میں آپ کی تصدیق کروں گا۔ فاطمہؓ نے کہا جو دلیل میرے پاس تھی اس سے میں آپ کو آگاہ کر چکی ہوں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام المینؓ کے کہنے پر ہی حضرت فاطمہؓ نے مطالبہ کیا تھا۔ اپنا ذاتی سماع از پیغمبرؐ، وثیقہ یا کوئی شہادت نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ نصاب شہادت نہ تھا۔ پھر آپ کے پاس نفی میراث پر حدیث ذاتی سماع سے تھی حضرت فاطمہؓ کے پاس نہ تھی۔ تو منصف عادل ثبوت اور تسلی کے بغیر اپنے سماع و علم کے خلاف کیسے فیصلہ دے سکتا تھا۔

۷۔ مؤلف کا دعویٰ ہے۔ ”کہ حدیث خلاف عقل ہے کیونکہ سب لوگ اپنے آباء کی میراث پائیں مگر اولاد انبیاء محروم رہے اور امت کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جائے۔“
 تو جواب یہ ہے کہ انبیاء کی عالمی رتبی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی وراثت وقف عام ہو۔ تاکہ کوئی وارث ان کی موت کی تمنا نہ کر سکے۔ پھر ایسے اموال جو نبوت اور حکومت کے زور سے حاصل ہوں وہ بیت المال کا حصہ ہوں اگر وہ بھی وراثت میں تقسیم ہوں تو عقل کا فیصلہ ان کے زہد و تقویٰ کے خلاف ہوگا۔ ہاں وہ امت کے رحم و کرم کے محتاج ہوں گے کہ بیت المال سے بصورتِ محسن یا فے سے ان کو حصہ باقاعدہ ملے گا اور وہ خلفاء ان کو دیتے رہیں گے پھر عام نظمی تبرع اور مہمہ میں ان کو مقدم رکھا گیا ہے۔ کیونکہ نہ کوثر و صدقات واجبہ ان پر حرام ہیں تو شریعت کا فیصلہ ان کے متعلق معتدل ہے۔

۸۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ ”ابو بکرؓ فدک ذاتی تصرف میں لائے۔ کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ فدک کی آمدنی کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔“
 جواب۔ یہ ڈھٹائی سے دروغِ محض ہے۔ میرٹ و نایب کا ایک ایک ورق بتاتا ہے کہ آپ حضورؐ کے بعد زاحد ترین تھے۔ بصورتِ خلیفہ جو رقم بیت المال سے مسلمانوں کے مجبور کرنے پر ملی تھی وہ بھی وفات پر زمین بیچ کر واپس کرادی۔ بیت المال بھی سب تقسیم کر دیا تھا۔ کوئی چیز باقی نہ تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے حضورؐ و حضرت ابو بکرؓ کی تقسیم کا حوالہ دے کر صدقاتِ فدک کا ناظم و خازن حضرت عباسؓ و علیؓ کو بنا دیا اور وہ خود بنو ہاشم کے علاوہ تمام فقراء و مساکین پر صرف کرتے تھے تو اس کا انکار دو پہر کے سورج کا انکار ہے۔ طبقاً ابن سعد ج ۳ ص ۳۱۲ اردو میں ہے کہ (وفات کے وقت) ان کے پاس نہ کوئی دینار تھا نہ درہم صرف ایک خادم ایک دودھ والی اونٹنی اور ایک دودھ دہنے کا برتن تھا۔ عمرؓ نے اسے اپنے پاس لاتے دیکھا تو کہا۔ اللہ ابو بکرؓ پر رحمت کرے۔ انہوں نے اپنے بعد والے کو مشقت میں ڈال دیا۔

۹۔ کہا جاتا ہے کہ ”یہ حدیث واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ خود حضورؐ نے اپنے باپ کی

میراث پائی تھی۔ مگر یہ استدلال تمام نہیں ہے۔ کیونکہ آپ اس وقت گو فی علم اللہ نبی مقرر تھے مگر بزعم مخالفین اور بالفعل نہ تھے۔ تمام سنی و شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بعثت نبوی ۶۱۰ سال کے بعد ہوئی پھر قرآن اترا تا شروع ہوا اس سے قبل نبی کی حیثیت سے آپ نہ مامور تھے نہ نبوت سے متعلقہ خصوصی احکام آپ پر جاری تھے۔ بجز اس کے کہ مروجہ باتوں سے آپ پاکدامن اور معصوم تھے۔

۱۰۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے خود اس حدیث کے خلاف کیا کہ عمرؓ کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے حضرت عباسؓ و علیؓ کو اس کا متولی بنادیا۔ حالانکہ بطور وارث مالک بنانا اور ہے اور بحیثیت متولی و خازن تقسیم کا ذمہ دار بنانا اور ہے۔

۱۱۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ حدیث نفی میراث لا وراثت ہے۔ اپنی نوعیت کی واحد حدیث صرف ابوبکرؓ، عمرؓ اور عائشہؓ سے مروی ہے۔ اس کا نشان نزول بھی معلوم نہیں۔ حالانکہ اس کی کئی و شیعہ کتب سے بالمعنی تخریج ہم کر چکے ہیں۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۱ اردو میں ہے۔ عائشہؓ، عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، زبیر بن العوامؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عباسؓ بن عبد المطلبؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اس سے رسول اللہ کی مراد اپنی ذات تھی۔ پھر ابوہریرہؓ کی حدیث ”لایقسم وراثتی دینا و اولاد دھا“ پیش کی ہے۔ اصولاً ایک صحابی سے روایت بھی حجت ہے چہ جائیکہ وہ ایک اکابر جماعت صحابہ سے مروی ہے، ہر آیت یا ہر حدیث کا نشان نزول پایا جانا نہ ایمان و عمل کے لیے ضروری ہے نہ معلوم کرنا ممکن ہے۔ اصول و کلیات بغیر نشان نزول کے بیان ہوتے رہتے ہیں کسی خاص سبب و واقعہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے کہ حدیث غدیر و ولایت حضرت علیؓ سے نہایت کے ازالہ کے لیے ارشاد فرمائی گئی تھی۔ حدیث منزلت ان کی تسلی کے لیے اور حدیث طہلین (قرآن و سنت) بطور وصیت ارشاد فرمائی تھی۔

۱۲۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ ابوبکرؓ نے اہل بیت کا خمس بند کر کے عمل رسولؐ کے خلاف کیا۔ جواب۔ یہ منالطہ ہے ورنہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سب ہم ذوی القربیٰ (خمس) ہیں۔

کو حضور کے اقرباء اور بنی ہاشم میں تقسیم کرنے تھے اور تقسیم خمس کے متوالی حضرت علی المرتضیٰؑ ہوتے تھے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

”حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ میں نے حضورؐ سے درخواست کی۔ آپ ہمارے حق خمس پر مجھے والی بنا دیں تو میں آپ کی زندگی میں تقسیم کروں تاکہ آپ کے بعد ہم سے کوئی جھگڑا نہ کرے تو حضورؐ نے مجھے والی بنا دیا تو میں نے آپ کی زندگی میں اسے تقسیم کیا۔ ثم ولانيه ابو بكر فقسمته في حياته ثم ولانيه عمر فقسمته في حياته۔ پھر مجھے ابو بکرؓ نے والی بنایا تو میں نے ان کی زندگی میں تقسیم کیا۔ پھر عمرؓ نے مجھے والی بنایا تو میں نے ان کی زندگی میں بھی تقسیم کیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے آخری سال تھے آپ کے پاس بہت مال آیا انہوں نے ہمارا حق جدا کیا اور میری طرف قاصد بھیجا کہ لے لو اور تقسیم کرو میں نے کہا اے امیر المومنینؓ ہم مال دار ہیں اور مسلمان عاجز مند ہیں یہ ان کو واپس کر دیجئے۔“ الكتاب الخراج للابن يوسف ص ۲ باب في قسمة الغنائم طمصر،

بالکل یہ روایت سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۱ باب مواضع قسم الخمس میں ہے اور امام احمدؒ نے اپنی سند کے ساتھ مسند اعلیٰ مسند احمد ج ۱ ص ۸۶ میں ذکر کی ہے۔ فاضل سیقیؒ نے سنن ابی بکر ج ۶ ص ۳۱۳ باب سهم ذوی القربی من الخمس میں اپنی سند سے اور سنن ابی یعلیٰ ص ۲۲۳ میں با سند حضرت علیؑ سے مروی ہے۔ نیز امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر ج ۲ ص ۳۸۱ میں بالفاظ ذیل یہ روایت درج کی ہے۔

عن ابن ابی لیلیٰ قال سمعت علیا قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یولیني الخمس فاعطانی ثم ابو بکر فاعطانی ثم عمر فاعطانی۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا میں نے حضرت علیؑ سے سنا۔ فرمایا میں نے حضورؐ سے سوال کیا تھا کہ خمس پر مجھے نگران بنا دیں تو مجھے بنا دیا پھر ابو بکرؓ نے بھی بنایا۔ عمرؓ نے بھی بنایا۔

(کچھ اور حوالہ بیہم حصہ دوم)

اور شیخہ بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ حق الیقین ج ۲ ص ۵۹ پر ہے۔ ”ابو بکرؓ نے کہا میں اس آیت سے یہ نہیں سمجھتا کہ وہ تمام تمہیں کو دوں مگر جس قدر تم کو کافی ہو میں دیتا ہوں

اور مرنے بھی اس باب میں اس کی تصدیق کی۔“

اور یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ کان ابو بکر یاخذ غلتھا فیدفع الیہم منها ما یکفیہم ویقسم الباقی وکان عمر کذلک ثم کان عثمان کذلک ثم کان علی کذلک کہ حضرت ابو بکرؓ فدک وغیرہ کی جائیدادوں کا غلہ لے کر نقد رکفایت و ضرورت اہل بیتؓ کو دیتے باقی تقسیم کر دیتے۔ پھر حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ نے اسی طرح عمل جاری رکھا (۱۔ حدیدی شرح نہج البلاغہ ص ۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹۔ شرح نہج البلاغہ لابن شمیم بحارنی ج ۵ ص ۱ طہ جدید طہرانی) ۳۔ درہ بخفیہ ص ۳۳۲، ۴۔ فیض الاسلام تقویٰ ص ۹۶ شرح نہج البلاغہ

۱۳۔ کہا جاتا ہے۔ ”کہ حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ سے قسم لے کر نصاب شہادت کیوں مکمل نہ کر لیا۔ ایک گواہ کو صادق جان کر ڈوگر می کیوں نہ دی۔ از خود تبرع سے حضرت فاطمہؓ کو دے کر خوش کیوں نہ کیا۔ یا مسلمانوں سے اجازت لے کر کیوں نہ دیا۔ جیسے حضورؐ نے ابو الہاشمؓ کو حضرت زینبؓ کا فدیہ میں بھیجا ہوا ہاں مسلمانوں سے اجازت لے کر واپس کر دیا۔“
جوابی گزارش یہ ہے کہ یہ سب مخصوصی المیر جنسی حالات ہیں۔ ان سے نہ کوئی قاعدہ کلیہ اخذ ہو سکتا ہے نہ ان کی پابندی سنت یا واجب ہے۔ جیسے نہ وزہ توڑ کر دوسرے کا دیا ہوا کفار سے کا مال بحکم نبویؐ خود کھانے والے غریب صحابیؓ کے واقعہ سے کوئی عام قانون نہیں نکلتا۔ اگر ابو بکرؓ ایسا کر دیتے تو ان کی صوابد یہ ہوتی۔ جب قاضی و حاکم کی حیثیت سے شرعی قانون پر عمل کیا اور بحکم قرآن و سنت مال نے کو ۸ قسم کے مسلمانوں کا حق وقف قرار دیا تو آپ پر طعن کیوں کیا جائے۔

بجاء مسئلہ فدک پر ہر قسم کے قدیم و جدید مطاعن کا تصفیہ ہو چکا۔ اب حضرت سیدہؓ کے جنازہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

جنازہ سیدہ فاطمہ الزہراؓ اور شیخین رضی اللہ عنہما شیعہ یہاں تک کہتے ہیں کہ سیدہؓ نے حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ کو اپنے جنازے پر نہ آنے کی وصیت کی تھی اور جنازہ رات کو اٹھانے میں یہی مقصود تھا کہ صحابہؓ نہ آنے پائیں۔ حالانکہ جب رضامندی کی احادیث اور سیدہ کے کریمانہ اخلاق کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ بات دل کو نہیں

لگتی تھیں سیدہ باغ فدک کے چند ٹکے نہ ملنے کی وجہ سے سب صحابہؓ سے ناراض ہو کر رخصت
 ہوں۔ رات کو دفن کی وصیت پر وہ پوشی اور پسکون وقت میں ملائکہ کے استقبال کرنے
 کی خاطر ہے یا یہ تاثر دینا ہے کہ رسول خدا کی صاحبزادی دنیا سے رخصت ہو کر گویا اہل
 و عیال اور مسلمانوں کو اپنے نور سے محروم کر کے جا رہی ہیں صحیحین کی روایات سے پتہ چلتا
 ہے کہ رات کو حضرت علیؓ نے دفن کیا اور ابو بکرؓ کو اطلاع نہ کی اور حضرت علیؓ نے جنازہ
 پڑھا۔ اس سے یہ تاثر تراشنا کہ شیخینؒ سے ناراض تھیں۔ اور گویا جنازہ میں شرکت سے
 منع فرمائیں نتیجہ کا غلط استدلال ہے۔ کیونکہ وفات و جنازہ کی اطلاع خود خداوند گھر گھر
 جا کر نہیں دیتا بلکہ ایسی خبر جنگل میں آگ کی طرح از خود پھیل جاتی ہے۔ جہاں تک ناسیخی حقیقت
 ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور مسلمان جنازہ میں شریک تھے۔ ”بعضہ رسولؐ“ کا جنازہ ہو
 اور یمین علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جان و مال قربان کرنے والے اور خدا سے رضا و جنت کی
 سندیں پانے والے صحابہ کرامؓ وغیرہ حاضر و محروم رہیں۔ یہ کوئی دشمن اسلام تو کہہ سکتا ہے
 جو سیدہ کو مسلمانوں کے دلوں میں اتنا بے وقعت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ صحیح العقیدہ
 مسلمان اس کا فائل نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا کہ حضرت ابو بکرؓ کو نہ وفات کی اطلاع ملی نہ
 وہ شریک جنازہ ہوئے درایت بھی غلط ہے۔ کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ کی الیہ محترمہؓ کا وراثت
 عیس سب بیماری میں سیدہ کی تیمار دار اور واحد خد متگا رہیں اور تہمین و تکفین اور غسل
 سیدہ کا کام بھی صدیق اکبرؓ کی بوی نے سرانجام دیا اور ان کے جنازہ کے پردہ کا گوارہ
 بھی صدیقؓ کی زوجہ محترمہ نے بنایا۔ آل صدیقؓ کے شرف کے لیے یہ معمولی بات نہیں۔
 اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زوجہ محترمہ اس خدنگ تیمار دار حاضر اور خادمہ ہوں اور خداوند
 کو ان کی وفات و جنازہ کا کبھی علم نہ ہو سکے۔ مسلم کی روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے
 جنازہ پڑھایا اور حضرت ابو بکرؓ وغیرہ مقتدی بنے ہوں تو کیا اعتراض کی بات ہے۔
 حضرت علیؓ والی تھے اور اگر اس کے برعکس حضرت ابو بکرؓ نے امامت کر لی
 خلیفہ وقت کو اس وقت امام بنایا جاتا تھا تو انکار کی بات نہیں ہے۔ امام بنی
 نے حضرت حسنؓ کے جنازہ پر حاکم مدینہ مسجد بن عاص اموی کو امام بنانے وقت فرمایا بولا اللہ

سنة ما قدمته (اگر حکام سے نماز پڑھانے کی سنت نہ ہوتی تو میں ان کو آگے نہ کرتا) بہر حال اصولی طور پر روایات نفی پر روایات اثبات کو ترجیح ہوتی ہے۔ تو جن روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباسؓ کے متعلق صلی علیہما کے الفاظ وارد ہیں ان سے جنازہ پڑھنا مراد ہے۔ امامت مراد نہیں۔

اب امامت صدیقی کے متعلق صریح احادیث ملاحظہ ہوں۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال ماتت فاطمة بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء ابو بکر وعمر لیصلوا فقال ابو بکر لعلی بن ابی طالب تقدّم فقال ما کنت لا تقدّم وانت خلیفتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقدّم ابو بکر فصری علیہا اربعاً (کنز العمال ج ۶ کتاب الفضائل من قسم الافعال ص ۳۱)

حضرت امام باقرؑ اپنے والد سے راوی ہیں کہ جب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئیں تو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ پڑھنے آئے تو حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ آگے ہوں اور جنازہ پڑھائیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں آگے نہیں ہو سکتا۔ جب آپ رسول اللہ کے خلیفہ موجود ہیں۔ پس حضرت ابو بکرؓ آگے بڑھے اور چار گیموں سے نماز جنازہ پڑھائی۔

طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۴۰ اردو پیہ ہے۔

بانیار محمد بن عمر بن عبد بن قیس بن ربع از مالک از شعبی "فاطمہؓ پر ابو بکرؓ نے نماز پڑھی تھی۔

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ شتم ص ۲۹۰ پیہ ہے۔

عن حماد عن ابراہیم قال صلی ابو بکر الصدیق علی فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر حماد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھائی اور تم بحیریں کہیں۔

علیہا اربعاً۔

اسی طرح یہ روایت لعینہ سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۹ پر بھی ہے۔ (جو ماٹل الی التشیع

بھی ہیں۔ (وللہ الحمد)

آخری گزارش

قارئین کرام! یہ ہے مسئلہ فک کی حقیقت جس سے تشیع کا مقصود صرف صحابہؓ کے متعلق اپنی دشمنی کو چھپنے کرنا ہے اور بس۔ ورنہ فی نفسہ حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے ہمدردی ان کو مقصود نہیں۔ اگر ہمدردی ہو تو وہ اس مسئلہ میں ایسے کیوں نہیں سوچتے اور بحث کرتے جس سے سیدہ خاتونِ جنت کی شان و بالا معلوم ہو چن دن کی خاطر دنیا کے چند ٹکوں کے لیے حضرت سیدہ کو ناخرموں کی عدالت میں پڑھایا جائے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے ناذن سے مناظرہ کرایا جائے۔ پھر ناراضی اور دشمنی پیدا کر کے سب مسلمانوں کو جنازہ کی شرکت سے بھی روک دیا جائے۔ صلہ رحمی۔ استغناء۔ صبر اور قناعت جیسی صفات کی نفی پر زور دیا جائے۔ اہل اسلام کی نظر میں ان کو بے قدر اور بے وقعت ثابت کیا جائے پھر ۱۰۰ سال تک مسلمانوں میں غیر ختمِ جدال و مناظرہ کا بازار گرم رکھا جائے۔ بقول شیعہ یہ مذکورہ بالا کارروائی درست ہے۔ یا اس واقعہ کو نیک نیتی سے صرف ایک غلط فہمی پر حمل کر کے طبعی سکرینجی کو رضا و صلہ رحمی سے دور کر دیا جائے حضرت علیؓ اور جملہ اہل بیتؓ کے طرزِ عمل کی تصدیق کی جائے اور ان کی اتباع کی جائے۔ ان کو ظاہر و باطن میں یکساں جان کر نفاق و تقیہ کی تہمت سے بچایا جائے۔ ان کو رحمہ اللہ کا مصداق جان کر ان میں جھگڑے اور اختلافات ثابت نہ کیے جائیں۔ طبعی یا اجتہادی اختلافی امور میں دیانت و انصاف کا مصالحانہ فیصلہ دے کر اَسْمَاءُ الْمُؤْمِنُونَ اَخَوَاتُ فَاصلِحُوا بَيْنَ اَخَوِيكُمْ دے شک مومن بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرو دیا کرو یا پر عمل کیا جائے۔ ہم تو مسلمان ہیں اور وَالصَّلٰوةُ خَيْرٌ اَصْلَحْ ہی بہتر ہے، ہی پسند کرتے ہیں۔ تعلیم قرآنی کے مطابق اگلے پچھلے سب مسلمانوں کے لیے یہ دعائیں گئے ہیں ”اے اللہ! ہمیں بخش دے اور ہمارے پہلے مومن بھائیوں کو بھی۔ اور ایمان والوں کے حق میں ہمارے دل میں کینہ نہ رکھ۔ رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيْمٌ (حشر، ۲۵)



عادتہ جمل و صفین

سوال ۱۱۔ قرآن پاک میں قدرت کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا
فَجَزَاءُ لَهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا
عَظِيمًا۔ (نساء پ ۹۶)

جو کوئی مار ڈالے مسلمان کو جان کر پس سزا اس کی دوزخ ہے ہمیشہ رہنے والا ایچ
اس کے اور غصہ ہوا اللہ اوپر اس کے اور لعنت کی اس کو اور تیار رکھا ہے واسطے اس کے
عذاب بڑا۔ (ترجمہ شاہ فیح الدین)

ارشاد فرمائیں کہ اگر مومن کو عمدہ قتل کرنے والا لعنتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے
کا توجیل و صفین اور تہوان کے کل مقتول ستاون ہزار آٹھ سو سات کے قاتل کہاں
جائیں گے۔ کیا کلام مجید کے قوانین سے صحابہ کرام مستثنیٰ ہیں۔ فیصلہ دو۔

الجواب۔ اہل سنت کا منندل فیصلہ اور حقہ
خلافت مرقومہ میں خانہ جنگیوں کا حکم

آیت صحابہ کرام کے وقائع کو شامل نہیں۔ اولاً اگر شامل مانا جائے تو قرآن پاک کی ان مسیول
آیات سے تارض اور مخالفت لازم آتی ہے جن میں صحابہ کرام کو مقبول الایمان قطعی جنتی
اور رضی اللہ عنہم ورضوئے کی بشارات دی گئی ہیں۔ پھر تاویل و توجیہ ایک آیت کی آسان ہے
لیکن اور سیکنڈ وں محکم آیات سے اعراض خالص بے دینی ہے۔ لہذا اس آیت سے ان آیات

کثیرہ کے معارض اسلہ لال باطل ہوا۔ ثانیاً آیت ہذا کی شرطیں وقائع صحابہؓ پر صادق نہیں آسکتیں کیونکہ اہل نہروان میں بالاتفاق ایمان کی شرط نہیں تھی۔ اہل جبل کے ساتھ معرکہ میں قصد و ارادہ نہ تھا جیسے عنقریب بیان ہوگا۔ اہل صفین میں گویا ایمان کامل اور فی الجملہ قصد و تعہد پایا گیا مگر وہ تاویل پر مبنی تھا۔ سورت حجرات کی آیت میں تاویل قتال کا جواز ہے۔ مع ہذا حضرت علیؓ کا نہج البلاغہ میں اہل صفین کے متعلق فیصلہ تو ان کو قطعی مومن و مسلمان بتاتا ہے۔ بالاتفاق مومن آخر کار جنتی اور جہنم سے آزاد ہوگا۔ تو حضرت علیؓ کے اعتقاد میں بھی یہ آیت اہل صفین کو شامل نہ رہی۔ ثالثاً صحابہ کرامؓ میں نیک نیتی سے قتال ہو گیا۔ آیت میں قتل پر وعید ہے۔ قتل و قتال میں فرق نہ کرنا بے انصافی ہے۔ لیکن افسوس کہ شیعہ حضرات اس مقول فیصلہ کو ”لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے“ کا مصداق درغور اعتناء نہیں سمجھتے مجبوراً انہی کے گھر سے تحقیقی و الزامی جواب سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بعض میں مست اور مدعی حب علیؓ سوال میں تو حضرت علیؓ المرتضیٰؓ پر ہی (الیاؤ بائند) اپنا بالا فتویٰ لگا رہا ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ بہت بہادر اور شیر جنگ تھے۔ شیعہ کے ہاں افضلیت علیؓ کی اہم وجہ یہی ہے۔ ان جنگوں میں سفک دما و سیدنا حضرت علیؓ کے لشکر کی طرف سے ہوا۔ بلکہ بروایت شیعہ خود حضرت علیؓ المرتضیٰؓ نے تمام ذمہ داری اپنے اوپر لینے کا اعتراف فرمایا ہے۔

عن ذر ازہ سمع علیا علیہ السلام قال انا فقامت عین الفتنة ولولا انا ما قتل اهل النهج دان و اهل الجمل (کشف الغمہ ص ۳۳)

ذر بن جہش کہتے ہیں۔ میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ہی فتنہ کی آنکھ پھولی ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو اہل نہروان قتل ہوتے نہ جبل والے۔

اہل نہروان بھی کوئی کافروں کی قوم نہ تھی۔ نہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھی۔ وہ حضرت علیؓ کے خاص الخاص شاگرد اور اصحاب تھے جو امامت کو منصوص من اللہ عمدہ کہتے تھے اور اس کے متعلق کسی ثالثی پنچایت یا شوریٰ کے فیصلوں کو باطل جانتے تھے۔ علی بن عیسیٰ اردبیلی کشف الغمہ میں رقمطراز ہیں۔

اذ اتخذنا طائفة من خاصة
اصحابنا في اربعة الاف وهم العباد
والنساء وفتح جوامع الكوفة وخالفوا
عليها عليه السلام وقالوا لا حكم الا
لله ولا طاعت لمن عصى الله وانما
اليهم رفيف عن ثمانية الاف من
يوري رايهم فصاروا اثني عشر الفا
(كشف الغمہ ص ۳۶۲)

ہو گئی۔

جب حضرت علیؑ کے خاص اصحاب میں سے
...م کی جماعت الگ ہو گئی جو بڑے نیک
اور عبادت گزار تھے تو کوفہ سے نکل کر حضرت
علیؑ کی کھلی مخالفت شروع کر دی اور کہتے تھے
فیصد تو صرف اللہ کا مانا جاتا ہے جو بندے
اللہ کی نافرمانی کریں ان کی اطاعت کیسی۔
ان کے ساتھ آٹھ ہزار ان کے ہم خیال اور بھی
(شکر علوی سے) مل گئے تو ان کی تعداد بارہ ہزار

ان ہی شیعہ غداروں سے حضرت علیؑ کو وہ جنگ لڑنی پڑی جس کے متعلق صحیح احادیث
میں پیشین گوئی موجود ہے کہ ان کو وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے قریب ہوگی۔ چنانچہ حضرت
علیؑ نے ان کو قتل کر کے اللہ کا شکر یہ ادا کیا۔

عن ابی الدرداء قال کان علی لما
فرغ من اهل النهسر وان حمد الله
واثنی علیہ (تذویر طبری ج ۵ ص ۸۹)

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت
علیؑ اہل نہروان (خارجیوں) کی جنگ سے
فارغ ہو گئے تو (شکر میں) خدا کی حمد و ثناء کی

انہی خاصان علیؑ اور شیعہ غداروں سے عبدالرحمن
بن ملجم مرادی جیسا بد بخت تھا جو کوفہ کا باشندہ تھا
حضرت عثمانؓ کے مخالف گروہ کے ہاتھوں مصر میں محب علیؑ ہونے کی ٹریننگ حاصل کی۔ پھر
خاص شیعہ علیؑ میں بھرتی ہو کر مدینہ اور کوفہ میں کئی سال حضرت علیؑ کی خدمت اور پرورداری
کی خدمت ادا کرتا رہا۔ پھر مذکورہ بالا سبب کی وجہ سے خارجی ہوا۔ پھر علیؑ کو شہید کیا۔
بعض عثمانؓ و معاویہؓ میں اس قدر پکارت تھی کہ قتل علیؑ کے بعد حضرت معاویہؓ کو قتل کرنے
کی اجازت چاہتا ہے۔ لیکن حسن المصقبیؓ نے یہ کار خیر نہ شیعہ ادا نہ کرنے دیا۔ اس ”محب
علیؑ“ نے قتل مقرر علیؑ کے بعد ”شہادت علیؑ“ پر رونا اور ماتم کرنے کی طرح ڈالی۔

جلاء العیون کے آفتابیات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ درایضائر الدرجات بسند ہائے معتبر روایت کردہ است چوں محمد بن ابی بکر گروہیہ از اشرف مصر السجدمت امیر المومنین فرستاد عبد الرحمن بن ملجم در میان ایشان بود مر ۱۸۳۔

کئی معتبر سندوں کے ساتھ بصائر الدرجات میں روایت ہے کہ جب محمد بن ابی بکر نے مصر کے معززین کی ایک جماعت حضرت امیر المومنین کی خدمت میں کھجی ان میں عبد الرحمن بن ملجم بھی تھا۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس نفرین کے باوجود اس نے تین مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوستدار ہونے کی قسم کھائی۔

بتا آنکہ سہ مرتبہ سجدمت آنجناب آمد در مرتبہ سوم با حضرت بعیت کرد چوں پشت کرد حضرت بار دیگر اور اطلبید و سو گند با داد کہ بعیت نشکند۔ مر ۱۸۵۔

تین مرتبہ وہ حضرت امیر کی خدمت میں آیا تیسری مرتبہ حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی جس وقت واپس ہوا تو حضرت نے پھر ملا کر میں دلوائیں کہ بیعت نہ توڑنا۔

۳۔ (بعد از قتل) آن ملعون گریست و گفت یا امیر المومنین آیا تو نجات میتوانی داد کہ در جہنم است۔ پس امیر المومنین برائے آن ملعون بہ امام حسن سفارش کرد مر ۲۸۳۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد وہ رونے لگا اور کہتا تھا اے امیر المومنین کیا آپ جہنم میں جانے والے کو نجات دے سکتے ہیں رشیدہ کا آج بھی یہی عقیدہ ہے م، امیر المومنین نے اس ملعون کے لیے امام حسن رضی اللہ عنہ سے سفارش کی۔

اسی سلسلہ میں ہے کہ ابن ملجم نے کہا میں نے تمہارے باپ کو قتل کرنے کا خدا سے عہد کر رکھا تھا وہ پورا کر دیا۔ آپ (اے حسن) مجھے چاہیں تو قتل کریں۔ اگر معاف کریں تو میں معاویہ کے پاس جاتا ہوں اور اس کو قتل کر کے اس کے شر سے تجھے راحت دیتا ہوں۔ مر ۲۱۸۔

کوفی مصری اور بصری بلوایوں کو ”صحاب رسول“ سے جھوٹی تعبیر کر کے حضرت عثمان پر طعن کرنے والو! اپنے اس بڑے قسم خور حب علی رضی اللہ عنہ دشمن معاویہ اور عزا دار علی رضی اللہ عنہ کے مذہب پر بھی غور و فکر کر کے حسرت و ندامت کے آنسو بہا یا کرو۔

یہاں تک اہل نہروان کا بیان ہوا جن کے قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ صاحب ... کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ شاید اس وجہ سے ان سے عقیدت و ہمدردی ہوگی کہ وہ شیعہ کے پیشوایانِ اول اور عقیدہ امامت کو منجانب اللہ خدائی عمدہ مانتے تھے اور شوریٰ اور اُرنے کے قاتل نہ تھے جو آج بھی شیعہ کا عقیدہ ہے۔ یہ قیاس کن زکستان من بہار۔ اور شاید یہی وجہ کہ ہونا نہ چکا نہ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہم بزرگانِ دین پر شیعہ لعنت بھیجتے ہیں۔ لیکن اس فہرست میں ابنِ ملجم کا نام نہیں ہے (فروع کافی ص ۱۶۸) شہداءِ جمل کی داستانِ بڑی دردناک ہے جب شہادتِ ذوالنورین اہلِ جمل کے قاتل کے بعد بلوایانِ عثمان مدینہ منورہ پر قابض ہو گئے اور حضرت عثمان کے حامیوں اور جمہور مسلمانوں پر سختی ہونے لگی اور لوگ مدینہ سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ جیسے ایک فراری عبید بن ابی سلمہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے استفسار پر فرمایا۔

اخذوا اهل المدينة بالاجتماع
على على والقوم الغالبون على المدينة
(طبری ج ۵ حوادث ۳۶۷)
بلوایوں نے کپڑے دھکڑے سے اہل مدینہ سے
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سبوت کروائی ہے اور وہ مدینہ
پر پوری طرح قابض ہیں۔
اور اس حالت کے عینی شاہد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ صحابہؓ نے بھی ام المومنین سے آکر عرض کی۔

فقالوا رما انا تحملنا بقلتنا
هر ابا من المدينة من غوغا و
اعراب وفارقنا قوما جباري لا يعرفون
حقا ولا ينكرون باطلا ولا يمنعون
انفسهم (طبری ج ۵ ایضاً)
کننے گئے ہمارے پیچھے مدینہ کی حالت یہ ہے کہ
ہم اپنی قلت کی وجہ سے مدینہ سے بھاگنے پر
مجبور ہو گئے ہیں۔ وہاں اجدگنواروں کا زور
ہے ہم ایسی قوم سے جدا ہو کر آئے ہیں۔ جو
حیران ہیں۔ حق نہیں پہچانتے باطل کا انکار
نہیں کرتے۔ نہ فساد سے اپنے نفسوں کو روکتے ہیں۔

ان تاریخی شہادتوں کے علاوہ منہج البلاغہ میں بھی یہ حقیقت مسطور ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاصِ عثمان کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے ابھی یہ کیسے ممکن ہے

ہم بیلکوننا ولا نملکھم۔ ہمارے وہ مالک بنے ہوئے ہیں (گویا حکومت ان کی کھڑپٹی ہے) اور ہم ان پر قابو یافتہ نہیں ہیں۔

ان حالات میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کے سفر سے واپسی کا رخ کیا۔ خلافت اسلامیہ کے وقار حضرت عثمان مظلومؓ کے قصاص میں حضرت علیؓ کی اعانت اور بلوایوں سے ان کی رہائی جیسے مقاصد حسنہ کے پیش نظر کہ مکرمہ میں لشکر کی فراہمی شروع کی لیکن فتنہ بازوں نے حضرت علیؓ کو غلط پورٹ پہنچائی۔ آپؓ نے بھی عجلت سے کام لیتے ہوئے اہل مدینہ کو طلحہ و زبریر اور ام المومنینؓ کے ساتھ جنگ کے لیے ابھارا۔ مگر اہل مدینہ نے نئے چند کے مواساقت نہ دیا (البدایہ و ابن اثیر ج ۵ ص ۱۶۴) مجبوراً آپؓ نے کوفہ سے بلوایوں کے رشتہ داروں کا لشکر فراہم کر کے بصرہ پہنچڑھائی شروع کر دی۔ بزرگ صحابہؓ کے روکنے سے بھی نہ رکے۔ طبری سے کچھ تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

”محمد اور طلحہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ مدینہ میں تھے آپؓ کو خبر ملی کہ طلحہ و زبریر وغیرہ قصاص عثمانؓ کی تیاری میں بصرہ جانا چاہتے ہیں اور مقصد آپؓ کو معلوم ہوا جس پر حضرت طلحہؓ و زبریرؓ عائشہؓ اور ان کے سردار اور تابعدار متفق تھے (یعنی قصاص عثمانؓ) تو حضرت علیؓ نے جو تیاری شام پہنچڑھائی کے لیے کر رکھی تھی اسی تیاری میں بصرہ پہنچڑھائی کے لیے نکل کھڑے ہوئے آپؓ کے ساتھ کوفیوں۔ بصریوں کے۔ فوجی تھے۔ آپؓ کا خیال تھا کہ طلحہ و زبریرؓ کا محاصرہ کر کے ان کو اس اقدام سے باز رکھیں گے۔ (طبری ج ۴ ص ۴۵۵ و ۴۵۶)

اسی دوران حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حضرت علیؓ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر فرمایا۔
یا امیر المومنین لا تخرج منها
فواللہ ان خرجت منها لا تخرج الیہا
ابدا ولا یعود الیہا سلطان المسلمین
ابدا فسیبوا فقال دعوا الیہا فنعیم
الرجل من اصحاب محمدؐ۔

آؤمی کو کہنے دو حضورؐ کے صحابہؓ میں سے یہ بہت اچھا آدمی ہے۔

اسی روایت میں ہے کہ (اور تو اور) آپ کے فرزند اکبر حضرت حسنؑ بھی اس خروج کے مخالف تھے اور روکتے ہوئے فرمایا۔ اباجان! آپ میری ہر بات میں مخالفت کرتے ہیں۔ میں نے محاصرہ عثمانؓ کے وقت آپ کو باہر چلے جانے کا کہا تاکہ لوگ قتل کا الزام آپ پر نہ لگائیں۔ میں نے کہا اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک باہر کے لوگ بیعت نہ کر لیں۔ میں نے کہا طلحہ وزیرؓ کے آپ کے ہاتھوں سے نکل جانے پر آپ خاموشی سے گھر بیٹھ رہیں تاکہ وہ صلح کر لیں۔ تو حضرت علیؑ نے فرمایا۔

واللہ ما ذلت مقہور امد ولیت
منقوصا لا اصل الی شیء ما ینبغی و
اما قولک واجلس فی بیتک ذکیف
بما قد لزمتی اومن ترید فی الخ
(طبری ج ۲ ص ۲۵۶ ابداً والنہایہ ج ۷ ص ۳۳۳)
اللہ کی قسم جیسے میں حاکم بنا ہوں مجبور کیا جا یا
ہوں اپنے مرتبے سے کم ہو رہا ہوں۔ کرنے کے
کام تک میری رسائی نہیں رہی تیری یہ بات
کہ میں گھر میں بیٹھ رہوں تو خلافت کی ذمہ داری
سر پر پڑنے کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے کیا تو چاہتا
ہے کہ عورتوں کی طرح دیک بیٹھوں۔

انرض ان تلخ حقائق کی روشنی میں بلوائیوں کے اصرار اور دباؤ سے آپ بصرہ کی طرف
جلدی میں چل تو پڑے لیکن جب فریقین کے بزرگ آپس میں ملے تو پتہ چلا کہ اختلاف فی فہم
کچھ بھی نہیں حضرت علیؑ قصاص لینے کے منکر نہیں۔ نہ حضرت طلحہؓ وزیرؓ وام المؤمنینؓ
حضرت علیؑ کے باغی اور مخالف ہیں بلکہ وہ تو فرامشی لشکر سے حضرت علیؑ کی حکومت سے
قصاص کے مسئلہ پر تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مصالحت کی بات چیت مکمل ہو گئی۔
حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؑ کی طرف قاصد بھیج کر بتلایا کہ وہ بلاشبہ صلح و اتفاق
کے لیے آئی ہیں۔ پس یہ لوگ بھی خوش ہو گئے اور وہ لوگ بھی (طبری ج ۲ ص ۲۸۹) پھر حضرت
علیؑ نے لوگوں میں خطبہ دیا حمد و ثناء کے بعد زمانہ جاہلیت کی بد بختی اور بد اعمالی کا ذکر کیا۔
پھر اسلام کا ذکر کرتے ہوئے اس کی وجہ سے مسلمانوں کی آپس میں محبت اور ایک جماعت
ہونے کا ذکر کیا۔

وان اللہ جمعہم بعد نبیہم اور بے شک اللہ نے اپنے نبیؐ کے بعد مسلمانوں

على الخليفة ابى بكر الصديق ثم بعد
عمر بن الخطاب ثم على عثمان ثم حدث
هذه الحوادث الذي جرى على الامّة

اقوام طلبوا الله وحيداً واعلى الفضيلة التي من
اللهها واداد وارداً للاسلام والاشياء على
ادبارها والله بالغ امره ثم قال الانى
مرتحل غداً فاتحلوا ولا يرتحل معي احد
اعان على قتل عثمان بنشئ من امور
الناس رطبي ج ٢ ص ٢٩٣ البدايه ج ٤ ص ٣٣٩ -
ابن خلدون ج ٢ ص ١٤٩ ابن اثير ج ٣ ص ٣٦

کو خلیفہ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر
پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا۔ پھر امت پر
یہ اختلاف کا حادثہ پیش آیا۔ یہ فتنہ باز دنیا
کے طالب ہیں اس امت پر اللہ کی نعمت اتناقی
پر حسد کرتے ہیں۔ اسلام اور اس کی اصلاح
کو پس پشت ڈال کر جاہلیت کا دور لانا چاہتے
ہیں پھر فرمایا۔ سنو! میں کل واپس ہونی والا
ہوں تم بھی واپس چلو اور میرے ساتھ ان
میں سے کوئی بھی نہ چلے جنہوں نے کسی قسم کی
قتل عثمان میں مدد کی ہے۔

یہی تمام مؤرخین کہتے ہیں کہ ”اس خطبہ کے بعد ہی بلوایٹوں نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر
تھے، ان کے لیڈر اکٹھے ہوئے جیسے اشتر نخعی، شریح بن ابی اوفی، عبداللہ بن سبا المعروف بابن
سوا، سالم بن ثعلبہ، علیاء بن الہیثم وغیرہ۔ ڈھائی ہزار نفوس کے لگ بھگ۔ ان میں صحابی
کوئی نہ تھا۔ الحمد للہ۔ تو کہنے لگے یہ کیا بات ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کی قسم کتاب اللہ کو قصاص عثمان کے
طالبوں سے زیادہ جانتے ہیں اور اس بات پر عمل کرنے کے زیادہ قریب ہیں اور تم انکافریان سن
چکے ہو۔“ بالآخر اس فیصلہ پر متفق ہوئے کہ دونوں لشکروں میں گھل مل کر سو جاؤ۔ رات کو کسی
وقت اٹھ کر تلوار چلانا شروع کر دو۔ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی کہیں طلحہ وزیر نے غدار کی۔ اور وہ
کہیں علی رضی اللہ عنہ نے غدار کی۔ تم اس تدبیر سے قصاص سے بچ جاؤ گے۔ وہ مسلمان اس فتنہ میں
بتلا ہو جائیں گے جو تمہارا مقصود ہے۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ ہر ایک نے فریق مخالف سے غدر
سمجھ کر دفعتاً تلوار چلائی (جملہ تواریخ، تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی سے چند
اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ققاع بن عمرو کی کوشش سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، طلحہ وزیر نے اپنے ”اصلاحی اقدام“
کو مصالحت کی شکل دی اور ہر شر انگیز مشورہ کو رد کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی جماعت کو

پرامن رکھنے کے لیے ایک دن اس کے سامنے تقریر کی کہ ”ان لوگوں (طلحہ و زبیر) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو اور پیش دستی سے بچو آج جو شخص جنگ کی ابتداء کرے گا۔ کل خدا کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا۔ غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے۔ اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ چنانچہ انحن بن قیس چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیہ ہو گئے۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بصرہ پہنچ چکے تھے۔ آپ اور حضرت طلحہ و زبیر میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی۔ اور مختلف فیہ مسائل پر بحث و مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر سرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ سوئے (مگر) سبائیوں کے لیے صلح بڑی شاق تھی۔۔۔۔۔ اس لیے انہوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے۔۔۔ چنانچہ ان لوگوں نے راتوں رات اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ مپ ہو گیا اس غیر متوقع حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ واقعہ کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت بھی روکنے کی کوشش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو! رک جاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لیے پہنچیں لیکن اس ہنگامہ میں کون کسی کی سنت۔ اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی۔ اس لیے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بد عہدی کی۔

ام المؤمنینؓ کے جاں نثاروں کی جانبازی اور جنگ کا خاتمہ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جاں نثاروں کی حوصلہ افزائی میں تبدیلی ہو گئی، اور ہر طرف سے محل پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ تیروں کی کثرت سے محل سا ہی بن گیا تھا۔ جاں نثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ قیدی بنی ضبہ اور ازبہ نے اونٹ کو اپنے حصار (سچاؤ) میں لے لیا۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو اڑھارو اور دو ہزار بنی ضبہ کے جاں نثار فدا کیے۔ اونٹ کی ہمار کپڑا گویا موت کے منہ

میں جانا تھا۔ لیکن جاں نثاروں نے تاننا نہ ٹوٹنے دیا۔ جیسے ہی ایک گز نا تھا فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا۔ اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ حضرت علیؑ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا اس وقت تک یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے اس حکم پر چند آدمی آگے بڑھے اور ایک شخص عیسیٰ بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیے وہ ہلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہؓ کی فوج کی بہت چھوٹ گئی۔

(تاریخ اسلام ندوی)

القصة۔ قاتلان عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے فوجیوں کی سازش سے یہ خونریزی مہم کے پیش آیا جس میں دس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ کشف الغمہ کے شہید مؤرخ نے بڑے فخر سے اس خونریزی کے متعلق لکھا ہے۔

”جنگ خوب گرم ہوئی حتیٰ کہ (ام المومنین عائشہؓ کے) اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں اور وہ گر پڑا۔ سب میدان خون سے سرخ ہو گیا۔ جبل والے (بصری) شکست کھا گئے۔ جبل کے مقتول لشکر کی تعداد ۱۷۹۰ تھی اور وہ کل ۳۰ ہزار تھے۔ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ۱۰۷۰ قتل ہوئے جبکہ ۲۰ ہزار تھے۔ (کشف الغمہ ص ۳۳)

فریقین کے مقتولوں کے متعلق اس میں جانب داری اور کذب و مبالغہ ضرور کار فرما ہے لیکن وجہ ظاہر ہے کہ جبل والوں پر اچانک صلح کے بعد یہ سوتے ہوئے حملہ ہوا اور حضرت علیؓ کا مقتول لشکر میدان اور فتنہ بھڑکانے میں تھا۔ اس نے بنیدین غافل مسلمانوں کو ذبح کر کے بہادری کا بڑا ڈپلوما حاصل کیا۔

تاریخ کے ان حقائق کی روشنی میں یہ خونریزی مہم کے قاتلان عثمانؓ کی سازش کا مہم جوئی منہ تھا۔ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے مطابق ذمہ دار اور گنہگار وہی بلوائی ہیں جو حضرت علیؓ کے فوجی تھے۔ نہ حضرت علیؓ پر ہم کوئی طعن کرنے ہیں نہ بلوائیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنے والے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پر کوئی ذمہ داری یا الزام ہے۔ شبیہ کو اگر زیادہ اصرار ہی ہے تو ان تفصیلات میں حضرت علیؓ کا محانت صحابہؓ کے باوجود مدینہ سے لشکر لانا پھر

اپنے لشکریوں کے مکر سے بقول شیعہ عالم الغیب اور مشکل کشا ہونے کے باوجود۔ بے خبر رہنا اور سازش کو ختم نہ کرنا۔ حتیٰ کہ ۸ ہزار یا ۱۰ ہزار مسلمانوں کا گاجوہولی کی کٹ جانا۔ آج بھی ان خونخوار معرکوں کو مزے سے بیان کرنا اور حضرت علیؑ کی اس بہادری پر فخر کرنا معاہدہ کر کے انصاف سے شیعہ ہی بتلائیں کہ اس خونریزی کا ذمہ دار کون ہوا۔ قیامت کے دن یہ ۸ ہزار کا خون کس کے سر ہوگا۔ اور ان کا منقولہ فتویٰ قرآنی کس پر چسپاں ہوگا۔

پس منظر جنگ صفین

صفین کی نوعیت بھی یہی ہے کہ قاتلان عثمانؓ کی سازش سے رونما ہوا۔ آپؐ غور کریں کہ حضرت علیؑ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ہی جنگ جمل سے پہلے اہل شام پر لشکر کشی کی مدینہ سے تیاریاں کیوں ہو رہی تھیں حضرت معاویہؓ نے تو خونریزی سے بچتے ہوئے اہل جمل کی بھی اگر مدد نہیں کی پھر بھی ایک عظیم لشکر یہیں سے شام کو چل قدمی کرتا ہے۔ اور صفین کے مقام پر اس کو جنگ پر ابھارا جاتا ہے۔

بے شک حضرت علیؑ نے لوگوں کو صفین کے دن جنگ پر ابھارا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی تجارت بتائی ہے جو تمہیں دوزخ و عذاب سے نجات دے گی۔

ان علیا حرض الناس یومہ
صفین فقال ان الله قد دلكم علی
تجادۃ تنجیکم من عذاب الیمہ
(طبری ج ۵ ص ۱۶)

طبری ج ۴ ص ۵۶۳ پر ہے کہ حضرت علیؑ نے (جمل سے فراغت کے بعد ہی) حضرت عبد بن عباسؓ کو لہجہ پر غلیفہ بنایا اور وہاں سے ہی کوفہ چلے وہاں جنگ صفین کیلئے تیاری کی اور لوگوں سے مشورہ لیا۔ ایک جماعت نے مشورہ دیا کہ خود نہ جائیں لشکروں کو بھیج دیں۔ دوسروں نے جانے کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؑ نے جانے پر ہی اصرار کیا۔ پھر لوگوں کا لشکر تیار کر کے چل پڑے۔ جب حضرت معاویہؓ کو یہ خبر ملی تو اس نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلا کر مشورہ کیا۔ تو اس نے کہا جب آپؐ کو خبر ملی ہے کہ وہ خود آ رہے ہیں تو آپؐ بھی خود چلیں اور اپنی عقل اور تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں (طبری ج ۴ ص ۵۶۳)

شانِ صحابیت کا تقاضہ تھا کہ مصالحت کی گفت و شنید ہو۔ چنانچہ بہت سے حضرات نے مصالحت کی کوشش کی مگر سب فی جماعت نے اپنی تمام تر قوتیں اس میں صرف کر دیں کہ

طرفین میں محبت اور رعایت کے بجائے دشمن اور نفرت کا جذبہ تیز ہو جائے چنانچہ یہ غدار اور مفسدہ پرداز گروہ اپنی مکروہ کوششوں میں کامیاب ہو گیا اور مصالحت کی ساری جدوجہد نقش بر آب ثابت ہوئی۔ تاریخ اسلام اردو اذکار نشر ج ۲ ص ۲۳۶

۱۔ شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور حضرت علیؓ کی مخالفت سے باز رہتے کا اصرار کیا تو امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں فضیلت میں ان کی برابر ہی کا مدعی نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں۔ امیر معاویہؓ نے کہا۔ بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالے کیا جائے ہم ان کی خلافت تسلیم کریں گے ابو مسلم خولانی نے کہا تم اسے کھ کر دے دو۔ میں علیؓ کے پاس لے کر جاؤں گا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے یہ خط لکھا۔ ”اما بعد! خلیفہ عثمانؓ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کیے گئے۔ تم ان کے گھر کا شور و غل سنتے رہے اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا۔ میں سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کیے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمانؓ کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت و بازو و تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے شیر کا ہیں۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمانؓ کے خون سے برکت کرتے ہو اگر تم اس میں سچے ہوتو قاتلوں کو قصاص کے لیے ہمارے حوالے کر دو ہم سب سے پہلے تمہاری بحیثیت کے لیے تیار ہیں۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہے۔ خدائے واحد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمانؓ کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کریں گے یا خود جان دے دیں گے۔ ابو مسلم یہ خط لے کر وفہ گئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہیں اگر آپ اس کے حقوق پورے کریں تو اللہ کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے پسند نہیں کرتے۔ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالے کیجئے۔ آپ ہمارے امیر ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے لیے بھی دلیل اور مقبول عذر ہو جائے گا۔

یہ مطالبہ سن کر حضرت علیؑ نے ابو مسلم کو ٹھہرایا اور فرمایا کہ اس کا جواب دوں گا دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ میں آپ سے ملے یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی فسرہ لگائے ہیں کہ ہم عثمانؓ کے قاتل ہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے انہیں میرے آنے کا سبب معلوم ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے حضرت علیؑ نے فرمایا میں نے ہر حید اس معاملہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن قاتلوں کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی میں نہ تھا اور میرا حوالہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ

”عثمانؓ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا۔ البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہو گیا۔ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمانؓ کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ اگر تم اس فتنہ انگیزی سے بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سوک باغیوں سے کیا جاتا ہے وہ تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔“

(تاریخ اسلام ندوی بحوالہ اخبار الطوال ص ۱۴۲-۱۴۱)

۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۹۹ تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوامامہؓ بابائیؓ جیسے بزرگ حضرت علیؑ کی طرف سے نمائندے بن کر حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور کہلے معاویہؓ آپؓ اس شخص سے کیوں لڑتے ہیں جو بچہ آپؓ سے اور آپؓ کے باپ سے اسلام لانے میں مقدم ہیں۔ آپؓ سے بڑھ کر حضورؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور اس امر کے تجربے سے زیادہ مستحق ہیں۔ شاید ان بزرگوں کا خیال ہو گا کہ اس طرز سے حضرت معاویہؓ کو شوق خلافت ہے۔ مگر حضرت معاویہؓ نے اپنی زبان سے اس خدشہ کی تردید کر دی آج بھی کچھ لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ مگر انسان کا قول و عمل جب اس کے خلاف ہو تو دونوں پر بدگمانی جائز نہیں۔ اسے علیم بذات الصدور ہی خوب جانتا ہے۔ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں خلافت کے لیے نہیں لڑتا، میں تو صرف حضرت عثمانؓ کے خون پر آپؓ سے لڑ رہا ہوں کیونکہ آپؓ نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ تم دونوں حضرت علیؑ کے پاس جاؤ اور کہو کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے ہمیں قصاص دلا دو پھر اہل شام میں سے سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جو حضرت علیؑ کے ہاتھ پر رجعت کرے گا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت علیؑ کے پاس گئے اور یہ پیغام پہنچا یا تو حضرت علیؑ

نے فرمایا۔ وہ یہ ہیں جن کو تم دیکھ رہے ہو پس ایک انبوہ کثیر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگے ہم سب حضرت عثمانؓ کے قاتل ہیں جو کوئی چاہے ہم سے قصاص لے لے حضرت ابوالدرداءؓ اور ابوامامہؓ یہ ماجرا دیکھ کر واپس ہو گئے۔ اور کسی طرف سے جنگ میں شرکت نہ کی۔ (البدایہ وغیرہ) مزید تفصیل ہماری کتاب عدالت صحابہ کرام میں دیکھیں۔

۳۔ حضرت امیر المومنین معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ کے اپنے گمان میں دیندار اور نیک نیت ہونے کا حضرت علیؓ نے اعتراف کیا ہے چنانچہ شیعہ کتاب کشف الغمہ ص ۶۵ پر ہے۔
 الا ان العجب العجبان معاوینہ
 بن سفیان و عمر و بن العاص السہمی
 یحییٰ ضان الناس علی طلب الدین
 بوعمرہما وانی واللہ لما خالف رسول
 اللہ قط ولم اعصہ فی امرہ قط۔
 کیا ہی عجیب تر بات ہے کہ معاویہ بن سفیان اور عمرو بن عاصؓ اپنے گمان کے مطابق لوگوں کو دین کے مطالبہ پر ہی ابھارتے ہیں حالانکہ میں نے بھی کبھی حضورؐ کی مخالفت اور کسی حکم میں آپؐ کی نافرمانی نہیں کی۔

۴۔ اسی طرح حضرت علیؓ کی طرف سے جو سفراء حضرت معاویہؓ کے پاس آتے تھے وہ ایسے تلخ اور تہدید آمیز گفتگو کرتے تھے جس سے بچائے صلح اور سکون کے خواہ مخواہ جنگ اور اشتعال انگیزی کی فضا پیدا ہو جاتی۔ ان میں ثابت بن ربعی کی تلخ کلامی اور فساد انگیزی سب مؤرخین نے لکھی ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ کے یہ متحدہ سفیر وہی صاحب ہیں جو حکیم کے موقعہ پر خارجی بن گئے پھر حضرت حسنؓ کے ساتھ مل کر کبھی مخالف ہو گئے۔ پھر شعیان حسینؓ میں سے ہو کر کوفہ میں حضرت حسینؓ کو بلایا تھا۔ پھر بوقت آپؐ سے غداری اور بے وفائی کر کے نصرت سے باز رہے اور آپؐ نے اسے اس کا دعوتی نوشتہ دکھا کر شرمندہ کیا تھا (جلال الجون) افسوس کہ بدقسمتی سے یہ قاتلان عثمانؓ اور بلوائی نام نہاد ایسے شعیان اہل بیتؑ بنے جن کی سازشوں اور غدائیوں بلکہ تلواروں سے اہل بیتؑ اور دیگر مسلمانوں کے خون سے تاریخ کا ایک ایک ورق رنگین ہے۔ مگر غضب یہ ہے کہ شیعہ آج بھی انہی لوگوں کی عقیدت کا دم بھرتے اندوہناک حادثات کو اچھالتے اور اپنے تخریب کار وجود پر فخر کرتے ہیں۔

جب صلح کی کوشش ناکام ہو گئی تو جنگ کا آغاز بھی سینے۔

فاخذ علي يامر الرجل في الشرف
فيخرج معه جماعة ويخرج اليه من
اصحاب معاوية اخذوه جماعة
فيقتتلان في خيليهما ورجالهما
(طبري ج ١ ص ٢٥٥)

پس حضرت علیؑ ایک ایک بہادر مرد کو حکم
دیتے تھے اس کے ساتھ ایک جماعت نکلتی
تھی۔ پھر حضرت معاویہؓ کی طرف سے بھی ایک
ایک آدمی باجماعت نکلتا تھا تو یہ سوار اور
پا پیادہ جنگ کرتے تھے۔

بایں ناز شہید علیؑ اور آپ کا باڈی کارڈ شمر ذی الجوشن (قاتل حسینؑ) بھی حضرت علیؑ
کی طرف سے لڑتا اور عربی کے اشعار پڑھتا تھا (طبري ج ١ ص ٢٥٥) جن کا ترجمہ اردو شاعر نے
یہ کیا ہے۔

علی میرا امام ہے اور میں علی کا غلام
ان متفرق جھڑپوں میں مسلمان ایک دوسرے کے احترام میں تیزی نہ دکھاتے۔ پھر
ایک دوسرے کے مقتولوں کی تجہیز و تکفین میں بھی رات کو شریک ہوتے تھے۔ سات ماہ اسی
حالت میں گزر گئے تا آنکہ ایک رات حضرت علیؑ نے فیصد کن جنگ کی ٹھانی اور لیلۃ الجبر
میں شہور حملہ کیا۔ اور اتنی خوفناک جنگ ہوئی کہ ستر ہزار نفوس کام آئے فان الله وانا اليه راجعون
اس کے باوجود حضرت علیؑ کو حسب منشا فتح نہ ہوئی۔ قاضی نور الدین مجالس المؤمنین ص ۲۴ میں
لکھتے ہیں۔

گرد و صفین طغریافت او در حنین
اگر حضرت علیؑ نے صفین میں فتح نہ پائی تو
فتح نیافت۔
واضح رہے کہ جنگِ جبل و صفین میں حضرت علیؑ کے بالمقابل حضراتِ نو صرف خون
عثمانؓ کا بدلہ چاہتے تھے۔ اہل جبل کا نظریہ گزر چکا ہے۔ حضرت معاویہؓ کا خط بھی آپؑ
پڑھا۔ ایک اور لفظ ملاحظہ ہو۔

واما الطاعت لمصاحبكم فانالا
نواها ان صاحبكم قتل خليفتنا و فرق
جماعتنا و اوى ثلانا و قتلتنا و صاحبكم
تمہارے صاحب (حضرت علیؑ) کی اطاعت
ہم جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اس نے ہمارے
خليفة کا قتل کیا۔ ہماری جماعت کو تتر بتر

يَزْعَمُ أَنَّهُ لَمْ يُقْتَلْهُ فَتَحْنُ لَا نَرُدُّ
ذَلِكَ عَلَيْهِ أَدَّيْتُمْ قَتْلَهُ صَاحِبِنَا
السُّتَمُّ تَعْلَمُونَ أَنَّهُمْ أَصْحَابُكُمْ
فَبَدِّعُوا إِلَيْنَا فَنَقْتُلْهُمْ بِهِ ثُمَّ نَحْنُ
نَجِيبُكُمْ إِلَى الطَّاعَةِ وَالْجَمَاعَةِ -

(طبری ج ۶ ص ۵۹)

ہمارے سپرد کر دیئے جائیں تاکہ ہم ان کو قصاص عثمان میں قتل کریں۔ پھر ہم تمہاری اطاعت اور جماعت میں شرکت کریں گے۔

صحابہ کرامؓ سپرد (الایا ذلالتہ) لغتی اور جہمی کافتوی لگانے والے شیعہ مترفس انگلیں کھول کر دکھیں اور انصاف سے کہیں کیا حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی اطاعت مشروط بالقصاص نہ کر دی۔ پھر بھی قصاص نہیں لیا گیا جبکہ نہج البلاغہ کی تصریح کے مطابق آپ قصاص لینا واجب جانتے تھے۔

قارئین کرام! کتب شیعہ و تاریخ کے حوالوں سے تمام حقائق آپ کے سامنے ہیں آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرات طالبن قصاص اپنے موقف میں کس قدر معذور اور درست تھے اور کس قدر غلطی پر تھے۔

یہی وہ تلخ حقائق ہیں جن کی بنا پر مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں پڑنے سے علماء اہلسنت نے منع فرمایا ہے کیونکہ فریقین سے بذلتی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک فریق مشکلات کی بنا پر معذور ہے تو دوسرے گمراہ کو بھی فترم صحابیت اور حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ اور "اصلاحی اقدام" کرنے میں معذور بنانا چاہیے اور زبان طعن نہ کھولنی چاہیے۔ اہلسنت نے ان جنگوں کے اس اندرونی پس منظر کو جانتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰؓ اور آپ کے مخلص ساتھیوں اور طالبن قصاص کے حق میں یہ منفقہ فیصلہ دیا کہ یہ خانہ جنگیاں اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہیں طریق سے طلب صواب ہی میں یہ کام ہوا۔ نیت ہر ایک کی نیک تھی دونوں کے مقتول بھی جلتی ہیں۔ اور طعن و تشنیع بھی کسی پر روا نہیں رکتب عقائد اہلسنت، کیونکہ خدائے علام الغیوب ان کا یہ

کر دیا ہمارے قاتلوں اور حملہ آوروں کو پناہ دی۔ تمہارے بزرگ کا خیال ہے کہ اس نے حضرت عثمانؓ کو قتل نہیں کیا تو ہم اس کے منکر نہیں ہیں لیکن تباہ و توتہم نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو دیکھا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ وہ تمہارے صاحب کے فوجی ہیں۔ وہ

ہمارے سپرد کر دیئے جائیں تاکہ ہم ان کو قصاص عثمان میں قتل کریں۔ پھر ہم تمہاری اطاعت اور جماعت میں شرکت کریں گے۔

صحابہ کرامؓ سپرد (الایا ذلالتہ) لغتی اور جہمی کافتوی لگانے والے شیعہ مترفس انگلیں کھول کر دکھیں اور انصاف سے کہیں کیا حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی اطاعت مشروط بالقصاص نہ کر دی۔ پھر بھی قصاص نہیں لیا گیا جبکہ نہج البلاغہ کی تصریح کے مطابق آپ قصاص لینا واجب جانتے تھے۔

قارئین کرام! کتب شیعہ و تاریخ کے حوالوں سے تمام حقائق آپ کے سامنے ہیں آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرات طالبن قصاص اپنے موقف میں کس قدر معذور اور درست تھے اور کس قدر غلطی پر تھے۔

یہی وہ تلخ حقائق ہیں جن کی بنا پر مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں پڑنے سے علماء اہلسنت نے منع فرمایا ہے کیونکہ فریقین سے بذلتی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک فریق مشکلات کی بنا پر معذور ہے تو دوسرے گمراہ کو بھی فترم صحابیت اور حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ اور "اصلاحی اقدام" کرنے میں معذور بنانا چاہیے اور زبان طعن نہ کھولنی چاہیے۔ اہلسنت نے ان جنگوں کے اس اندرونی پس منظر کو جانتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰؓ اور آپ کے مخلص ساتھیوں اور طالبن قصاص کے حق میں یہ منفقہ فیصلہ دیا کہ یہ خانہ جنگیاں اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہیں طریق سے طلب صواب ہی میں یہ کام ہوا۔ نیت ہر ایک کی نیک تھی دونوں کے مقتول بھی جلتی ہیں۔ اور طعن و تشنیع بھی کسی پر روا نہیں رکتب عقائد اہلسنت، کیونکہ خدائے علام الغیوب ان کا یہ

حال جاننے کے باوجود ان کو رضاد جنت کی سند قرآن میں دے چکا تھا تو آیت
 تہم قتل کی زد میں صحابہؓ آتے ہی نہیں۔ تفصیلی مواد کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب عدالت
 حضرات صحابہ کرامؓ باب پنجم، اگر اہل سنت کا یہ فیصلہ نہ ہوتا تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت حضرت
 علیؓ سے اسی طرح انگ بیادین ہوتی جیسے خود ان کے عہد حکومت کے آخر میں ہوائے صوبہ حجاز
 اور کچھ عراق کے ملک حضرت معاویہؓ کی طرف دار ہو گئی تھی۔ (ازالۃ الخفا،)۔ (کیونکہ شاذ و نادر
 ہی کوئی گھرو یا قبیلہ ایسا ہو گا جس کا کوئی آدمی ان جنگوں میں نہ مارا گیا ہو) طبری میں تصریح
 ہے کہ حضرت علیؓ نے معاویہؓ کی درخواست پر مصالحت کر کے ان کی حیثیت مستقل طور پر تسلیم کر
 لی تھی (گویا آخری عمل نے اول کو منسوخ کر دیا،)

عن ابی اسحاق لما لم یعط احد
 الفریقین صاحبہ الطاعۃ کتب معاویۃ
 الی علی اما اذا شئت فقلک العراق
 ولی الشام وتکف السیف عن هذه
 الامة ولا تنهق دماء المسلمین
 ففعل ذالک وتراضیا علی ذالک فاقام
 معاویۃ بالشام مجنودہ یحبیہا وما حولہا
 وعلی بالعراق یحبیہا ویقسمہا بین
 جنودہ (طبری ج ۵ ص ۱۸۷)

محدث ابواسحاق کہتے ہیں جب فریقین میں سے
 کوئی بھی دوسرے کا مطیع نہ ہوا تو معاویہؓ نے
 حضرت علیؓ کو سکھا آپ چاہیں تو عراق پر
 آپ حکومت کرتے رہیں۔ اور میں شام پر
 حاکم ہوں۔ آپ اس امت پر تلوار چلانا چھوڑ
 دیں اور مسلمانوں کا خون نہ بہائیں حضرت علیؓ
 نے اسے مان لیا اور دونوں اس فیصلہ پر رضامند
 ہو گئے حضرت معاویہؓ اپنے لشکر سمیت شام
 میں حاکم رہے۔ وہاں کے محاصل جمع کرتے
 اور حضرت علیؓ عراق میں محاصل جمع کرتے اور لشکر میں تقسیم کرتے تھے۔

بڑے درد سے یہ لفظ نکھنے پڑتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت علیؓ کو م اللہ وجہہ سر رارٹے
 خلافت ہوئے تو صوبہ شام کے سوا سب متحکم و پائیدار مملکت اسلامیہ آپ کے زیر نگین آئی لیکن
 آخری ایام میں مورخین کی تصریح کے مطابق کچھ عراق و حجاز کے علاوہ سب مملکت آپ کے
 تصرف سے نکل کر حضرت معاویہؓ کے زیر نگین آ گئی۔ جیسے طبری کے حوالہ بالا سے بھی معلوم
 ہو چکا۔

شیعہ پر حضرت علیؑ کی ناراضی

قدرت کی یہ نیزنگی بھی دیکھیے۔ آغاز خلافت میں جو لوگ آپ کے متخذ خاص اور شیعہ علیؑ کے کلمے اور ان کی موجودگی میں طلحہ و زبیر بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت علیؑ کے قدیم رفقاء کو بھی دربارِ علوی میں جگہ نہ مل سکی۔ اور جملہ وصفین کے نوئی مسکروں میں انہوں نے سپردِ کارپارٹ اوکيا۔ آج وہ حضرت علیؑ کے منسوب بد اعتماد اور غدار ثابت ہوئے اور آپ ان سے جان چھڑانے کے لیے موت کی آرزو کرتے تھے۔ شیعہ کے خاتم المحدثین سمجھتے ہیں۔

در احادیث معتبرہ وارد شدہ است کہ چوں علی از نافرمانی و نفاق و کفر و شقاق اصحاب خود دل تنگ شد و شکر معاویہؓ پر لطف و نواحي ملک آنحضرت غارت میا و رند و احمق آنحضرت یاری او نمے نمودند یہ منبر فرمود بچدا سو گندم دارم کہ حق تعالیٰ مرا از میان شما بیرون برد و در ریاض رضوان جہاد حمد پس فرمود خداوند امن از ایشان تنگ آندہ ام و ایشان از من تنگ آندہ اند۔ و من از ایشان طلال یافته ام و ایشان از من طلال یافته اند۔ خداوند امر از ایشان راحت بخش و ایشان را مبتلا کن بجے کہ مرا بید کنند (جلال العیون ص ۱۸)

معتبر حدیثوں میں وارد ہے کہ جب حضرت علیؑ اپنے ساتھیوں کی نافرمانی، منافقت، کفر اور مخالفت سے تنگ دل ہو گئے اور معاویہؓ کا لشکر حضرت کے ملک پر لینا کر رہا تھا اور حضرت کے ساتھی آپ کی مدد نہیں کر رہے تھے (خود مشکل کشا ہو کر غیروں سے طلبِ مدد ہشیوہ کے لیے معہ ہے) تو آپ نے منبر پر فرمایا اللہ کی قسم کھا کر دُعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے تم سے اٹھالے اور جنت کے باغوں میں جگہ دے۔۔۔ پھر فرمایا اے اللہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ میں ان سے دل برداشتہ ہو گیا ہوں اور یہ مجھ سے دل برداشتہ ہیں۔ اے اللہ مجھے ان سے وفات دے کر

آرام بخش اور ان کو ایسے شخص سے مبتلا کر کہ مجھے یاد کریں (قبول شیعہ عمدہ معاویہؓ میں شیعہ پر سختی کی وجہ دعائے مرتضوی ہی ہے،)

نبی البلاغہ۔ فروع کافی روضہ کافی وغیرہ کے جو خطبات ان شیعہ علیؑ کی مذمت اور غداری و نفاق پر آپ نے دیئے ہیں یہاں ان کی تفصیل کا موقعہ نہیں۔ صرف اتنا اشارہ کافی

ہے کہ اور تو اور اشتراکِ حق جیسے خاص مصاحبِ علمی کے متعلق بھی خود علماءِ مشیہ نے نفاق و تردد کا اظہار کیا ہے حالانکہ بروایت صاحبِ مجالس المؤمنین حضرت علیؑ نے فرمایا۔ اشتراکِ کونج سے وہی نسبت ہے جو مجھے حضورؐ سے تھی بشوسترے صاحبِ کھتے ہیں۔ ”اشترکے ان اوصاف و کمالات کے باوجود سیدِ عارف میرِ مخدوم قدس سرہ نے اشتراک کے متعلق تردد (نفاق) اور ترددِ نزل کی نسبت کی ہے۔۔۔۔۔ وہ شخص بڑا کمینہ ہے جو امتحان و آزمائش کے وقت ثابت قدم نہ رہے۔ حضرت شاہِ اولیا سے ان کی زندگی میں اس قدر خوارقِ باتیں اور ظاہری زندگی کے کاموں میں کمزوری ظاہر ہوئی کہ آپ کے تمام دوستوں کے قدم ڈگمگائے حتیٰ کہ مالکِ اشتراک بھی بجز حضرت سلمان فارسیؑ کے جو آپ کے فرزندِ روحانی اور یکے از اسماءِ حسنی تھے اور جو لوگ ولایتِ خاصہ کا دودھ نہیں پیتے وہ نفاق (ارتداد سے) محفوظ نہیں رہتے۔ (مجالس المؤمنین ص ۲۸۹) بیچِ البدلہ کے ایک خطبہ کے موافق آپ چاہتے تھے کہ اپنے دس دس فوجی دے کر معاویہؓ سے ایک ایک فوجی کا سودا کر لیں کیونکہ اس کے فوجی اور عمال وفادار و منظم تھے۔ اور حضرت کے بے وفاء و نالائق تھے۔ (و نحوہ فی البدایہ)

کہا جاتا ہے کہ معاویہؓ نے ان پر عطا یا کی بارش کی ہوئی تھی۔ لہذا وہ دولت کے لیے اتنے وفادار تھے۔ مگر دولت کی عطا میں حضرت علیؑ معاویہؓ سے کم فیاض تو نہ تھے۔ پانچ پانچ صد درہم انعام پر صفین کے شرکاء بھرتی ہوئے تھے۔ نصر بن مزاحم نے وقفہ صفین میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کی فوج میں سے ایک شخص بھاگ گیا تو اس کی لڑکی نے پوچھا یا ابست ابن الخمسمائۃ۔ ابا! ۵۰۰ روپیہ کہاں ہے؟ کہنے لگا میں تو بھاگ آیا ہوں وہ ثابت قدموں کے لیے ہے۔

تعب ہے کہ شیعہ کے خیال میں معاویہؓ کے پاس صرف دنیا تھی۔ مگر وہ وفاداری اور اطاعت میں ضربِ المثل تھے۔ حضرت علیؑ کے پاس دنیا و آخرت دونوں تھیں مگر وہ غدار کرتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہی نہ ہو کہ صحابہ رسولؐ پر طعن و بدگمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان بلوائیوں سے وفا۔ اطاعت اور ایمان و اخلاص کی دولت چھین لی تھی۔ ایک شاعر کا ازالہ | مکن ہے شاید آپ کہیں کہ پھر حضرت علیؑ کی خلافتِ راشدہ کیسی تھی۔

یا حضرت علی المرتضیٰؑ میں خلافت و حکومت کی صلاحیت کم تھی؟ مگر یہ رائے سطحی اور قلتِ تدبیر کا نتیجہ ہے۔ گو حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے محققین کی نظر میں خلافت کے دو درجے ہیں۔ خلافتِ خاصہ اور خلافتِ عامہ۔ خلافتِ خاصہ تو حضرت عثمانؓ پر ختم ہو گئی جس میں خلفاء کے مثالی اوصاف کے ساتھ مملکت میں نہایت امن و استحکام تھا۔ مگر خلافتِ عامہ حضرت علیؓ پر ختم ہوئی جس میں خلیفہ کے مثالی اوصاف کے باوجود ملک کا نظم و نسق خلل پذیر ہو گیا تھا لیکن درحقیقت حضرت علیؓ بہت معذور تھے۔ ان منافقین کے جھرمٹ میں پھنسے رہنے کے باوجود جس طرح حضرت علیؓ نے خلافت کے وقار کو سنبھالا اور کانٹوں کے درمیان اس گلِ تر کی حفاظت کی وہ آپ کی کمال لیاقت اور تدبیر کی دلیل ہے۔ اگر ان کی جگہ کوئی ایسا شخص خلیفہ ہوتا جو اہلیت میں ان سے کم ہوتا تو یقیناً مدینہ کی طرح مملکت اسلامیہ سے بھی خلافت کا خاتمہ ہو جاتا اور اس کی جگہ سبائیوں کی فاسق اور گمراہ حکومت قائم ہو جاتی۔ سبائیوں کے پیدا کردہ حالات میں جتنا کام آپ نے کیا اور جس حد تک انہوں نے مفسد گرد وہ کے شر سے امت کو محفوظ رکھا اس سے زائد کا تصور نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ آپ کا یہ بڑا کارنامہ ہے۔ باقی یہ بات صحیح ہے کہ جس طرح فضیلت عند اللہ کے اعتبار سے ان کے پیش رو خلفاء ثلاثہؓ کا مرتبہ ان سے بلند ہے۔ اس طرح تدبیر مملکت کی حیثیت سے بھی وہ حضرات حضرت علیؓ سے بلند و برتر نظر آتے ہیں۔ (از افادات مولانا سندیلوی شیخ الحدیث بکھنڈ)

مولانا شاہ عین الدین ندوی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں: "تعمیری عہدِ مرقوم پر ایک نظر کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشروں کے مقابل میں ناکام رہا۔ اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا جن میں آپ کو منصبِ خلافت ملا تھا اور جو لب میں پیش آتے رہے۔ ایسے مخالف حالات میں بڑے سے بڑا تدبیر فرما کر واقعی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا۔ پھر علل و اسباب کے تجزیہ میں مشکلات کا حضرت ابو بکرؓ کے دور سے موازنہ کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں۔

"عہدِ رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضبوط ہو چکی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہؓ جو

خلافت کے رکن اعظم تھے۔ اٹھ چکے تھے اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی جس میں اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچا جوش و ولولہ نہ تھا۔ ان کے اغراض بالکل مختلف تھے۔ متعدد اکابر صحابہؓ کو حالات نے حضرت علیؓ سے جدا کر دیا تھا۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں تھے آپ سے الگ ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے ان کا دین و تقویٰ مسلم لیکن ان میں بہت کم صاحب تدبیر و سیاست تھے۔ پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلہ میں حضرت علیؓ صاحب تدبیر و سیاست بزرگوں کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے۔ منیر بن شعبہؓ اور حضرت عبداللہ عباسؓ نے آپ کو آغاز خلافت میں مشورہ دیا کہ نبیر سحبت لیے امیر معاویہؓ کو معزول نہ کیجئے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیں گے لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قیس بن سعد جیسے مدبر کو جن نوجوانوں کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنے خلاف بنا لیا۔ آپ کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں میں صحابہؓ کے ساتھ نوجوان نسل جدید الاسلام عرب اور نو مسلم بھی تھے۔ جن کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی تڑپ نہ تھی بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لیے ساتھ تھے۔

آپ میں نہ حضرت ابوبکرؓ جیسا تحمل اور تواضع تھا جو مئی الفین کو بھی اپنا بنا لیتا تھا اور نہ حضرت عمرؓ جیسا دبدبہ و شکوہ تھا جس سے بڑے بڑے لوگ خضر تے تھے۔ حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو طلب کرتے تھے تو ان پر لڑھکاڑی ہو جاتا تھا۔ لیکن وہی امیر معاویہؓ آپ کے خلاف اٹھ کر ایک انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہیں۔ آپ میں خود اعتمادی بہت تھی جو رائے قائم کر لیتے تھے پھر اس میں کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے تھے جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نو مسلم عجمی تھے جو محبت اہل بیت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے جنہیں حضرت علیؓ کیا اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی۔ بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لیے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ انہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے خانہ جنگی کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی اگر ہر عنصر نہ ہوتا تو جمل و صفین کے واقعات پیش

ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے گویہ صداقت کا پتہ اور جہ ہے اور اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمانبروار کے لیے مصلحت وقت کا لحاظ ضروری ہے لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحت وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے۔ مثلاً عمالان عثمانی کی معزولی خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی لیکن آپ نے سخت نشین ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا جو کل آپ کے خلاف ہو گئے۔ آپ جس تقویٰ دیندارمی اور عدل کی نہ حکومت کرنا چاہتے تھے حالات کے تغیر سے لوگوں میں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی۔

ایران کے شیوخ محقق محمد حواد مخنیہ نے فی ظلال نفع البلاغۃ ج ۲، ۱۰۷، ۱۰۸ پر علی والخلافتہ کے عنوان سے لکھا ہے۔ "امام کی بحیثیت خلافت ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی اور رمضان ۳۶ھ میں شہادت پائی خلافت پانچ سال ہی۔ چار ماہ بعد اصحاب جہل سے جنگ کی پھر صفین میں معاویہؓ اور اہل شام سے جنگ کی پھر نہوان میں خوارج سے لڑے تو کیا فضا چھٹ گئی؟ حضرت علیؓ کے مسائل سلجھ گئے اور ان عظیم جنگوں کے بعد ہر مشکل ختم ہو گئی؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ اسکے بعد اور خوفناک درگڑ و امر و امین پیش آیا کہ خوارج وغیرہ حق سے خوفین لوگوں کے اندر رونی حملے علیؓ اعلان تھے یورپدوں کے امن کو توہ وبالاً کرتے تھے معاویہؓ باہر سے حملہ آور تھا۔ ہلاکت موت۔ گھبراہٹ اور بزدلی لگتا تھا تھی حضرت کا لشکر سست کم ہمت اور ناکام ہو چکا تھا آپ کے ساتھ کتنے تھے ہم نے سنا اور نہ فرمائی کی۔ جیسے بنی اسرائیل کہتے تھے۔ خوبیاں صرف اللہ اور اس کے کلام کی ہیں (ج ۱، ۱۰۸) طبع بیروت

شیدہ حضرت اپنے مدد و ج اعظم کے متعلق جیسا کہ ہمیں ہمیں اس سے بحث نہیں ہم بہ المہنت کو بہر حال حضرت علیؓ کی تکریم و تعظیم میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ چہام خلیفہ راشد عادل تھے۔ شیدہ راضی اگر ان کو خدا و رسولؐ کی صفات میں شریک کر کے عالیٰ محب و گمراہ ہیں۔ خارجی ان کے ایمان و اعمال صالحہ کی نفی کر کے مورد لعن ہیں۔ تو من کل الوجوہ آپ کی ناکامی اور خلیفہ راشد نہ ہونے پر یہ وہ پگنڈہ کرنے والے سنی تھانا صبی مٹو لین بھی راہ راست پر نہیں ہیں جبکہ آپ کی خلافت کی درستی پر اجماع امت ہے اور مذہب ذیل علمائے

اس پر شافی بحثیں کی ہیں۔ علامہ نوویؒ، ابن ہمامؒ، امام غزالیؒ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، ابن تیمیہؒ علامہ سلطیؒ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہؒ دیکھتے ہیں اثبات خلافت عامہ برائے خلفاء اربعہ از اجل بدلتا ہے۔

مقام کی مناسبت سے خلافت مرفوضی کا ذکر نہیں ہوا اگر حضرت امیر معاویہؓ کو تشریف باقی اور طعون قرار دینا درست نہیں۔ گو شیعہ لوگ حضرت معاویہؓ اور اہل جبل و صفین کو نشانہ طعن بناتے رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کو بدستور ابتداء قصاص عثمانؓ میں حسن نیت کی بدولت کامیابی دے رہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ اندیشہ صحیح ثابت ہو کر رہا کہ حضرت معاویہؓ پوری ملت اسلامیہ کے ایک دن خلیفہ بن جائیں گے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنصُورًا (پ ۶۷)

خو ظلماً قتل کیا جائے اس کے وارث کو ہم قوت بخشتے ہیں پس وہ قتل میں حد سے نہ گزرے بلاشبہ منجانب اللہ اس کی مدد ہوگی۔

حضرت علیؓ کا قطعی فیصلہ

شرکاء اور شہداء اہل و صفین کے متعلق معترض کو قاضی امت حضرت علیؓ کے اس قطعی فیصلہ پر ایمان لا کر اپنے کفر سے توبہ کر لینی چاہیے جسے آپؓ نے گشتی مرسد کے طور پر پوری مملکت میں پھیلایا۔

ومن کتاب له عليه السلام كتبه الى الامصار يقص فيه حاجي بينه وبين اهل صفين وكان بدوا من التقيتنا والقوم من اهل الشام والظاهران ربنا واحد وبنينا واحد ودعوتنا في الاسلام واحدة ولا نستزيد هم في الايمان بالله والقصد بقرسوله ولا يستزيد ونا الامم واحد الاما خلتنا فيه من دم عثمان ونحن نبذوا

آپ کا ایک خط یہ بھی ہے جو آپؓ نے گشتی مرسد کے طور پر اپنی مملکت میں پھیلایا اور اس میں جنگ صفین کی رویداد بیان کی ہے ”کہ ہماری اور شامیوں کی جنگ ہو گئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے اور ہمارا پیغمبر ایک ہے۔ ہماری اسلام میں دعوت ایک ہے ہم ان سے خدا و رسول پر ایمان میں اضافہ نہیں چاہتے اور نہ ہم سے یہ اضافہ چاہتے ہیں۔ مذہب و عقیدہ میں سب اتفاق ہے بجز اس کے کہ دم عثمانؓ میں ہمارا اختلاف ہو گیا۔ اور ہم اس الزام سے

سے خلفاء اربعہ (راشدین) کے لیے خلافت عامہ کا ثبوت بالکل واضح ترین بات ہے۔

پاک ہیں

حضرت علیؓ کے اس فرمان نے حضرت معاویہؓ اور اہل شام کو برحق اور کامل مومن بنا دیا اور اختلاف کی وجہ بھی بنادی کہ وہ قضا ص عثمانؓ ہے کہ خلافت علوی کا انکار اور اپنے لیے دعویٰ خلافت۔ اس فیصلہ کا منکر منکر علیؓ ہے اور منکر علیؓ شیخ کے ہاں جہنمی ہے۔ اب بتلائے جب اہل شام مومن کامل ہوئے تو ان کے قاتل پر کیا فتویٰ ہو گا۔ مختص صاحب فتویٰ تو صحابہ کرامؓ پر لگانا چاہتے ہیں مگر اپنے مدد و ح سمیت خود اس کی زد میں آگئے۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

ہمارے نزدیک قرآنی آیت اور اس کا فتویٰ جماعت صحابہ کرامؓ پر نہیں لگ سکتا۔ جیسے عنقریب سوال ۱۲ کے تحت مفصل آئے گا۔

سوال ۱۲۔ کلام مجید شاہد ہے وَمَنْ حَوَّكَكُمْ مِنْ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوَاعِلَى الْإِتِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ تَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُدْرُونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (توبہ ۱۲۶)

اور ان لوگوں سے کہ گردنہمارے ہیں بادیہ نشینوں سے منافق ہیں اور بعض لوگ مدینہ کے بھی سرکشی کرتے ہیں اور پرتفاق کے۔ تو نہیں جانتا ان کو ہم جانتے ہیں ان کو شب عذاب کریں گے ہم ان کو پھر پھر یہ جاویں گے طرف عذاب بڑے کے۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب) اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی رسول خدا کے زمانے میں منافق رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ مدینہ الرسولؐ میں کثرت سے منافق رہا کرتے تھے۔ انتقال مصطفیٰؐ کے بعد مسلمانوں کی دو پارٹیاں معرض وجود میں آئیں ایک حکومت کی اور دوسری بنی ہاشم کی پارٹی۔ ارشاد فرمائیں کہ منافقین کس پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ جو لوگ رسول اللہؐ کے زمانے میں منافق تھے انتقال رسولؐ کے بعد ان منافقین کو کیا آسمان نے اٹھالیا یا انہیں زمین نکل گئی۔ یا تمام منافقین حکومت سے تعاون کرتے ہی فرشتے اور مومن بن گئے۔ ان منافقین کی نشان دہی تو کر کہ وہ کہاں غائب ہو گئے جبکہ تاریخ شاہد ہے ان دو پارٹیوں کے علاوہ کوئی تیسری پارٹی ہی نہ تھی تحقیق ضروری ہے۔

الجواب۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عمدہ نبوتی میں بالعموم یہودیوں سے منافق ضرور تھے۔ مگر مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے مقابلے میں وہ ایک فیصد بھی نہ تھے۔ غزوہ بدر کے وقت ۳۱۳۔ احد ۳ھ کے وقت ۷۰۰۔ غزوہ خندق کے موقع پر تقریباً ۳۰۰۰ صحابہ کرام تھے۔ صلح حدیبیہ کے سفر میں ۱۵۰۰ یا ۱۸۰۰ کا نہایت ہی پاکیزہ لشکر تھا۔ جن کو بیت رضوان کا شرف حاصل ہوا اور بالاتفاق سنی شیعہ روایات یہ حضرات قطعی و وزخ سے نجات یافتہ اور جنتی ہیں فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر مدینہ سے آیا تھا۔ پھر اہل مکہ اور دیگر اہل عرب یکا خون فی دین اللہ اذکجا کا مصداق۔ فوجوں کی فوجیں مسلمان ہوتے گئے۔ غزوہ تبوک میں ۳۰،۰۰۰ یا ستر ہزار صحابہ تھے اور حجة الوداع میں ایک لاکھ سے بھی نہ اند تھے۔ قاضی نور اللہ مجالس المؤمنین میں لکھتے ہیں۔

(شیخ محقق) صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کی معین تعداد معلوم نہیں لیکن بعض غزوات اور سفروں میں ان کی تعداد کا ذکر ملتا ہے۔ جیسے تبوک اور حجة الوداع۔ تبوک میں علی اختلاف الروایات ۳۰ ہزار یا ۴۰ ہزار یا ۶۰ ہزار تھے اور حجة الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ حضور کے متبع صحابہ تھے۔ رضی اللہ عنہ و

صاحب روضۃ الصفا اور وہ کثرت صحابہ در عدد معین معلوم نیست و لیکن ضبط عدد ایشان در بعض غزوات و اسفار وارد شدہ مانند تبوک و حجة الوداع در تبوک سی ہزار یا چهل ہزار یا ہفتاد ہزار و در حجة الوداع زیادہ از صد ہزار ملازم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بودند (مجالس المؤمنین ص ۱۵۳) آکہ و صحابہ وسلم

اس کے برعکس مشہور منافقین میں عبداللہ بن ابی۔ جہد بن قیس۔ ودیعہ بن ثابت۔ خدام بن خالد۔ ثلبہ بن عاطب مدنی (غیر بدری و مہاجر) مجمع وزید حارثہ کے بیٹے۔ عتب بن قیس۔ عباد بن ازہر۔ نبتل بن حارث۔ بجاد بن عثمان (تفسیر خازن ص ۲۶۵) وغیرہم کے نام ملتے ہیں۔ یہ سجد ضرار کے بانی تھے۔ عدد کے لحاظ سے بعض روایات میں ۳۰۰ بعض میں کم و بیش بہر صورت چند صد سے متجاوز نہ تھے۔ مگر یہ مسلمانوں کی بہ نسبت ایک دو فیصد بھی نہ تھے۔ وہ باوجود سادہ ذہن رکھنے کے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ سازشوں کا وبال خود انہی پر پڑتا تھا۔

منافقوں کے متعلق ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُجْطَوُا أَعْمَالَهُمْ (محمدؐ ۶)

اور وہ ان کے اعمال بہت جلد اکارت کرے گا۔

بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو راہِ خدا سے باز رکھا اور بعد اس کے کہ ہدایت ان پر کھل چکی تھی۔ انہوں نے رسولؐ کی نافرمانی کی۔ وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑیں گے

شیعہ خیال کے برعکس منافقوں کے عزائم کو کامیاب بنانے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ان کی تخمین و تمہیل کی۔

۱۔ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

۱۔ حالانکہ حقیقی عزت (علیہ) اللہ کی ہے۔ اور اس کے رسولؐ کی اور مومنین کی لیکن منافق

(انہیں) نہیں جانتے۔

۲۔ قَاتِلَهُمُ اللَّهُ اَنۢیۡ یُّؤۡفَکُوۡنَ۔

۲۔ خدا ان کو غارت کرے کہ ہر یکے جاتے ہیں۔

۳۔ فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهَمُّ لَا یَفْقَهُوۡنَ۔

۳۔ اب اس کا ان کے دلوں پر چھاپ لگا دیا گیا

تو وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

منافقوں کی تخمین اور ناکامی کے متعلق شتے نمونہ از خروارے یہ اس لیے پیش کی ہیں تاکہ شیعہ کے اس خیال کا بطلان واضح ہو جائے کہ ”صحابہ کرامؓ (ما سوائے چند) العیاذ باللہ منافق اور دشمن علیؓ تھے۔ وہ دن بدن اس پالیسی اور مخالفت رسولؐ میں بڑھتے اور کامیاب ہوتے گئے یہی کہ مہنور ان کی سازشوں کی وجہ سے استخلافِ علوی میں کامیاب نہ ہو سکے اور بدل برداشتہ رخصت ہوئے (ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۳۹) بعد وفات تو حضرت علیؓ مقہور اور صحابہؓ غالب اور خلافت راشدہ کے بانی تھے۔“ کیونکہ خدا اور رسولؐ کے بالمقابل کسی کا کمر نہیں چاتا۔ گویا یہ آیات آج شیعہ پر منطبق ہوتی ہیں۔

معتز صہبائہ دشمنی کی وجہ سے قرآن پاک میں غور و فکر کی نعمت سے محروم ہے۔ ورنہ خود اس کی پیش کردہ آیت میں اس اعتراض کا جواب موجود ہے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا
عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ مَعْنُ نَعْلَمُهُمْ
سَعَدَ بِهِمْ مَسَرَّتَيْنِ ثُمَّ يَدُونُ إِلَى
عَذَابٍ عَظِيمٍ۔ (پ ۲۶)
لوٹائے جائیں گے۔

اور بعض اہل مدینہ میں سے بھی، نفاق پر اڑے
ہوئے ہیں۔ اے رسول! تم ان کو نہیں جانتے ہم
ان کو خوب جانتے ہیں۔ عقیقہ یہ ہم ان کو دہرا
عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف

بڑے عذاب سے مراد بعد از موت قبر اور حشر کا عذاب مراد ہے۔ اس سے قبل ان کو جلد ہی
زندگی میں جو دہرا عذاب خدا ان کو دے گا۔ کیا وہ آسمان پر اٹھا لینے یا زمین میں دھنسا دینے
کے لیے کافی نہیں؟

منافقین حضور کے زمانہ میں ہی اپنے عزائم میں ناکام اور مقتول و مردود ہوئے اور کچھ
بعد وفات نیست و نابود کر دیئے گئے۔ اس پر ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں۔ اس بحث میں تمام
آیات کا ترجمہ مقبول دہلوی کا ہے۔

تم یہ کہہ دو کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو
تو یہ بھاگنا تم کو ہرگز نفع نہ پہنچائے گا اور اس
صورت میں تم کو فائدہ حیات بھی کم دیا جائیگا۔

۱۔ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفُتُورُ اِنْ فَرَرْتُمْ
مِنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ فَاِذَا لَا تُنْتَعُونَ
اِلَّا قَلِيلًا (احزاب)

تو ہم ضرور تم کو ان کے درپے کر دیں گے پھر
اس شہر میں تمہارے پڑوس میں نہ رہیں گے۔
مگر بہت ہی کم اور ہر طرف سے ان پر لعنت

۲۔ لَنْفَعِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُحْيُوا رُوحَكَ
فِيهَا اِلَّا قَلِيلًا مَلْعُونِينَ اَيُّهَا تَقْفُوا
اَحْذَرُوا وَاَقْتُلُوا قَتِيلًا (احزاب ۸۶)

ہوتی رہے گی۔ وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ایسے قتل کیے جائیں گے جیسے
قتل کیے جانے کا حق ہے۔

اور منافق مردوں اور منافق عورتوں کو
اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو
جو اللہ کی نسبت برے برے گمان کیا کرتے
ہیں خوب سزا دے ان کی بدیوں کا پھر ان ہی

۳۔ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ
وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ
بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءَ عَلَيْهِمْ ذَاكِرَةُ السَّوْءِ
وَعَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ

جَهَنَّمَ رَوْ سَاءَتْ مَصِيرًا (فقہ ۱۶) پر پڑے گا اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا اور ان پر لعنت کرے گا اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

جہنم کا برا ٹھکانا تو آخری سزا ہے۔ لیکن غضب خداوندی اور لعنت تو حیات دنیا میں سے ہی ان پر شروع ہو گئی۔ حضور نے حکم قرآنی وَأَعْلَظْ عَلَيْهِم کی تعمیل میں ان پر سختی کی۔ مظلوموں سے نکالاجہ کے اجتماع میں ایک مرتبہ ۳۶ آدمیوں کو نام بنام الگ کیا۔ وہ سلم معانہ میں علانیہ رسوا اور ذلیل ہوئے اور ذلت کی موت سے بلا جوازہ زیر زمین ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ بقایا عہد صدیقی میں کھلے ارتداد انکار زکوٰۃ اور جھوٹے متنبیوں کی اتباع کی وجہ سے مقتول و ملعون ہوئے۔

”گلے از گلزارے“ کے تحت ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا منافق مخدول و مردود ہوئے کہ منافقوں کو اللہ نے دنیا میں شتاب و دوسرا عذاب دیا۔ ان کا رشتہ جیت ختم کر دیا گیا۔ وہ مجبور معمولی عرصہ کے مسلمانوں کے آس پاس رہ ہی نہ سکے۔ بایں صورت بھی ان پر لعنت و پھٹکار پڑتی رہی۔ وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے۔ کما حقہ قتل و غارت سے برباد ہوئے۔ مشرکین کی طرح اللہ نے منافقوں کو دنیا میں عذاب دیا۔ سانسوں کا وبال خود ان پر ہی پڑا اور وہ خدا کے غضب و لعنت کے شکنجے میں گرفتار ہوئے۔ جہنم کا آخری عذاب اس پر سزا دہوگا۔

بعض صحابہؓ کی وجہ سے بھارت قرآنی سے محروم ممتنع بصیرت قلبی سے غور کریں کہ قرآن پاک نے منافقوں کی نشاندہی میں کوئی دقیقہ باقی چھوڑا؟ اور کیا ان کو آسمان کا اٹھانا اور زمین کا نکلنا قرآن نے بیان نہ کر دیا؟

معلوم ہوا کہ بموجب قرآن حکیم منافق حضور کے زمانہ میں ہی ختم ہو گئے اور کچھ وفات نبوی کے بعد کھلے مرتد ہو کر مقتول و مردود ہوئے۔ منظم جماعت کی شکل میں ان کا وجود باقی ہی نہ رہا کہ وہ علی الاعلان اسلام کی مخالفت کرتے یا بقول شبیبہ مرتضیٰ دشمنی ان کے قول و عمل سے پتی پاوہ منافقانہ اسلامی حکومت میں ملکر اپنا اثر پھیلاتے کیونکہ ایسا ناممکن تھا۔ قرآن حکیم کی حکم کھانا نکذیب لازم آتی۔ لہذا گنتی کے چند افراد نامعلوم طور پر ۹ حصے دین تقیہ پر عمل کر کے

رہتے ہوں گے۔ مرنے پر صاحب السر حضرت حدیث بن الیمان ان کی نشاندہی کر دیتے تو ان کا جنازہ بھی نہ پڑھا جاتا۔ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے (البدایہ والنہایہ زاد المعاد وغیرہ) رہا یہ کہ کیا تمام منافقین حکومت سے تعاون کرتے ہی فرشتے اور مومن بن گئے، تو گزارش یہ ہے کہ مندرجہ ذیل آیت کی روشنی میں امکان ضرور ہے کہ کچھ منافقین میں سے کچھ افراد غلط تائب و مومن ہو گئے ہوں۔

وَيَعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ إِنَّ تَسَاءُ
أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنْ اللَّهُ كَانَ غَفُورًا
رَحِيمًا (احزاب ۶۴)

اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کر لے بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اگر تشبیہ بجائی گو یہ آیت جیسے تو وہ قرآنی الفاظ میں ہی رسی آسمان کی طرف لٹکا کر گلے میں پھندا ڈال لے۔ یہ اس کا غیظ و غضب اس تندہ پر سے ختم ہو جائے (حجج ۲) بنو ہاشم کو وفات نبویؐ کے بعد حکومت کے مقابل ایک پارٹی کہنا صریح جھوٹ ہے۔ طبری کی مسعودہ روایت کے پیش نظر جب بنو ہاشم کے سردار حضرت علی المرتضیٰؑ نے بھی بیعت کر لی تو سب بنو ہاشم نے بھی کر لی۔ بنو ہاشم سمیت سب امت کا حضرت ابوبکرؓ پر اتفاق اور ان کی بیعت۔ سوال ۲ کے جواب میں یا تو الگ گزری ہوگی ہے۔ ہاں تشبیہ کا یہ خیال ہے کہ سب امت میں سے حضرت علیؑ، ابوذرؓ، مقدادؓ، اور سلمان و عمار رضی اللہ عنہم، نے تقیہ کر کے بغیر رضا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تھی (ملاحظہ ہو روضہ کافی ص ۱۱۵۔ احتجاج طبری ص ۴۸۔ اصول کافی ص ۲۴۶ رجال کشی) مگر بیعت تو سب نے کر لی۔ بنو ہاشم بھی مستثنیٰ اور الگ نہ رہے اور سوائے مشتر متضمن کے کسی شیعہ کی یہ تصریح کہ بنو ہاشم حکومت سے الگ پارٹی تھی، میرے ناقص مطالعہ سے نہیں گزری۔ بلکہ متعصب مجتہد قاضی نور اللہ شوستری نے کئی جگہ لکھا ہے۔

حضرت امیر و سائر بنی ہاشم از روئے
اکراہ بابی بکرم بظاہر بیعت کردند
کہ حضرت علیؑ اور سب بنو ہاشم نے مجبوراً
حضرت ابوبکرؓ کی بظاہر بیعت کر لی۔

(مجلس المؤمنین ص ۲۲۴)

بغیر ثبوت و دلیل کے ان بزرگوں کی ظاہری بیعت کو باخبر و اکراہ اور دل کے مخالف

۵۔ وہ عہدِ نبوی کے عام لوگ (صحابہ کرامؓ) کی طرح ایمان نہیں لاتے نہ ان کی علمیت و بزرگی کے قابل ہیں۔ بلکہ ان کو نادان و بے وقوف کہتے ہیں۔

قَالُوا اَنْتُمْ فِي كَمَا اَمِنَ السُّفَهَاءُ
تو انہوں نے یہ کہہ دیا کیا ہم اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بے وقوف ایمان لے آئے۔

۶۔ وہ سنتِ رسولؐ کی پیروی سے روکتے جماعتِ رسولؐ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور

فساد پھیلاتے ہیں۔

اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ
وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ
خبردار رہو یہ لوگ بلاشبک مفسد ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

۷۔ وہ توحید و رسالت کے کلمہ اسلام کو پڑھ کر بے اعتبار و بے نجات مانتے اور دعوایمان میں جھوٹ بولتے ہیں۔

اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا
نَشْهَدُ اَنْكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ اِلٰى لٰكِنْ بُوْن
جب منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم ضرور اللہ کے رسول ہو۔۔۔۔۔ یہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

۸۔ وہ سابقین، اولون، مہاجرین و انصار اور ان کے نیکی میں پیروکاروں اور اہل سنت و الجماعت کو خدا کے پسندیدہ اور جنتی بالکل نہیں مانتے بلکہ ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ یہی تو اللہ نے پ ۲ میں آیت و السابقون کے بعد ان کو منافقوں کا ذکر کیا ہے جو منترض نے لکھا،

۹۔ وہ اہل بیتِ نبویؐ ازواجِ الرسولؐ امہات المؤمنین کی عصمت و کردار پر طعن و شبہ کرتے۔ حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کو برا بھلا کہہ کر خدا و رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ رَاٰحِزَاب
بالتحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔

۱۰۔ وہ ایک زرعِ محمدی سے اگل کر فصلِ بہاری کے طرح تمام روئے زمین پر چھا جانے والے صحابہ رسولؐ و انقلابِ نبوت کی تعمیر و ترقی سے جل سڑ کر لیغیظِ بہما انکفاد

(تاکہ ان کے ذریعہ سے کفار کو غصہ دلائے) کا طوق گلے میں لٹکاتے ہیں۔ منافقین ان دس
 خصوصیات کے حامل تھے وہ تو انجامِ قرآنی قتلِ ذلت اور دوسرے عذاب سے مرعہ لگے۔
 اب اگر شیعوہ سے نہ مانیں تو وہ خدا ربِ نظرِ انصاف دیکھیں کہ یہ اوصافِ عشرہ خود ان میں
 پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ اور وہ منافقین کے سچے جانشین بنے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ
 حضرت جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے منافقوں کے متعلق کوئی آیت نہیں اناری
 مگر وہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو شیعوہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (رجال کشی ص ۱۹۳)
 یہی دوسری بات کہ منافقوں کا انجامِ قرآنی کیا ہوا تو

شیعوں پر علاماتِ نفاق منطبق ہیں | منافقوں کی نشان دہی چاہئے والے شیعہ دوست
 اپنے اس عقیدہ پر غور کریں کہ بعد وفات نبوی
 اہل بیت اور ان کے شیعوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے جن جن کو قتل کر دیئے گئے۔
 ان پر عرصہٴ حیات تنگ کیا گیا۔ عہدِ صحابہؓ میں وہ پینپ ہی نہ سکے۔ پھر ان پر ظالم پر آج
 شیعہ کا ہزاروں صفحات کا لٹریچر گواہ ہے۔ اور شیعہ کی گریاں و نالائ ماتمی شکلیں شاہد
 عدل ہیں شیعہ کے خاتمِ امتِ مبین بھی روتے ہوئے ایک شیعہ امام سے ناقل ہیں۔
 حضرت امیر علیؑ کی سبیت، پھر قتل و غدر حضرت حسنؑ کی سبیت۔ پھر اہل کوفہ کا ان پر قاتلانہ
 حملہ حضرت حسینؑ کی سبیت، پھر مریدوں کے ہاتھوں ان کی شہادت جیسے

و انما کہ باو سبت کردہ بودند شمشیر
 بر روئے او کشیدند بنروز بچتھائے
 آنحضرت در گردن ایشان بود کہ اورا
 شہید کردند بعد از اس سپوتہ بابل سبت
 ستم کردند و مارا ذلیل کردند و اند و از
 اموال خود محروم ساختند و سعی در کشتن
 ما کردند و مارا خائف و ترساں داشتند
 و ایمن بنودیم بر خونہائے خود و خونہائے

اور جن لوگوں نے (بواسطہ مسلم بن عقیل)
 حضرت حسینؑ کی سبیت کی تھی خود انہی نے
 حضرت حسینؑ پر تلوار اٹھائی اور شہید کر ڈالا
 حالانکہ حضرت کی سبیت ابھی ان کی گردن میں
 تھی۔ اس کے بعد مسلسل ان لوگوں نے اہل بیت
 پر ظلم کیے اور ہم کو ذلیل کیا اور اپنے مالوں سے
 ہمیں محروم کیا۔ ہمارے قتل کی کوششیں کیں
 ہم کو خائف اور ڈرنے والا بنا رکھا ہم اپنے

دوستان خود الخ جلاء الیون ۲۶۲ اور غلص دوستوں کے خون سے مطمئن نہ رہے۔
 سوال یہ ہے کہ منافقوں کے متعلق قرآنی پیشینگوئیاں۔ بدترین سزائیں اور خوفناک
 انجام بقول شیعہ ان لوگوں پر تو صادق نہیں آگئے۔؟ انصاف مطلوب ہے۔ فاعتر و ابایولی
 الابصار۔

اگر ان پر صادق نہیں مانتے تو ان لوگوں پر بھی صادق نہیں آ سکتے جن کو اللہ تعالیٰ
 نے اپنے وعدہ کے مطابق تاج خلافت پہنایا۔ اپنے مرتضیٰ و پسندیدہ دین کو ان کے ہاتھوں
 سے مضبوط کیا۔ ان کے خوف کو امن سے بدلا۔ ان کو صرف اپنا عابد اور شرک سے بیزار بنایا۔
 (نور سعۃ) نصف دنیا میں اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھوں سے لہرایا۔ قیصر و کسریٰ کے تاج
 ان کے قدموں میں ڈال دیئے۔ سوائے رافضی شیعہ کے سب لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت
 و عظمت ڈال دی اور تادم زلیست اللہ کا فضل و احسان ان کے شامل حال رہا۔
 تو معلوم ہوا کہ منافقوں کا معمولی ٹولہ عہد نبوی اور اس کے متصل ہی خدائی اطلاعات
 کے مطابق تبیست و نابود ہو گیا۔ اس کا مصداق نہ خلافت راشدہ کے بانی اور فاتح عرب و عجم
 اور عالمی مبلغین اسلام صحابہ کرامؓ ہیں۔ نہ حضرات اہل بیت کرامؓ۔ شیعوں کا جھوٹا شیعہ کو
 مبارک ہو۔

سوال ۱۳۔ مذہب اہل سنت والجماعت کی بنیاد چار اصولوں پر ہے۔ ۱۔ قرآن مجید
 ۲۔ حدیث المصطفیٰ ۳۔ اجماع۔ ۴۔ قیاس۔ سقیفہ کی کارروائی کو پیش نظر رکھ کر ارشاد
 فرمائیں۔ کیا خلافت ثلاثہ قرآن مجید سے اور حدیث سے ثابت ہے یا کہ اجماع کی مرہون منت
 ہے۔ ہاں اگر اجماعی خلافت ہے تو قرآن مجید لا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین
 دیکھئے، پر بخور فرما کر ارشاد فرمائیں۔ ان بزرگوں نے قرآن پاک سے اپنی خلافت کو کیوں
 ثابت نہ کیا جبکہ قرآن مجید میں ہر خشک و تر کا ذکر موجود ہے اگر سقیفہ کی کارروائی میں حضرت
 ابو بکرؓ نے اپنی خلافت کی تصدیق میں کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کی تو آج کا مسلمان
 کیا حق رکھتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی خلافت قرآن و حدیث سے ثابت کرے۔

الجواب۔ شیعہ و وسیت کے اعتراف کے مطابق الحمد للہ اہل سنت کے مذہب برحق

بنیاد چار چیزیں ہیں۔ جیسے مکان کی چار دیواریں بنیاد ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیث مصطفیٰ کا بنیاد مذہب حقہ ہونا تو واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ
اور یہ کتاب جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔

فَاتَّبِعُوهُ (دپ ۷۶)
بابرکت ہے پس اس کی پیروی کرو

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ
جو تمہیں رسولؐ دیں لے لو اور جس سے منع

نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر ۱۶)
کریں باز آ جاؤ۔

اجماع امت بھی تیسرے نمبر پر بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و سنت

کے کسی ذومعانی یا مشکل مسئلہ کا فیصلہ کرنا ہو تو سب امت کے اتفاق سے یا اہل علم حضرات

کی اکثریت سے جو فیصلہ ہوگا وہی برحق اور مراد خدا و رسولؐ سمجھا جائے گا۔ یا کوئی نیا مسئلہ

درپیش ہو اور قرآن و سنت سے اس کا واضح حکم نہ مل سکے تو امت کے متخذ علماء اس کا جو

فیصلہ بالاتفاق کریں گے وہ حجت سمجھا جائے گا۔

اجماع کا جواز عقلاً بھی ہے اور سمعاً بھی عقلی و دلیلیں ہیں۔ ۱۔ قرآن حکیم اور

جملہ دین خداوندی ہم پچھپوں تک چند وسائل سے پہنچا۔ اور ان وسائل کا قطعی یقینی

اور محفوظ عن الخطأ والعیان ہونا ضروری ہے۔ پہلا واسطہ جبریل علیہ السلام کا ہے۔

جو قطعی امین ہیں۔ اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ

مَكِينٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِينٍ بے شک وہ روایت ہے ایک بزرگ فرشتے جو صاحب

طاقت۔ خدا سے ہاں معزز اپنے حلقہ میں متبوع و رئیس ہے اور پھر امانت دار ہے۔

دوسرا واسطہ خود سرورِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے جن کا جملہ گناہوں سے

اور تبلیغ رسالت میں ہر قسم کی بھول چوک سے معصوم و محفوظ ہونا متفقہ مسئلہ ہے۔ وَمَا

يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحٰی۔ دین کے بارے میں پیغمبرؐ اپنی

خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان کو بھیجی جاتی ہے۔

تیسرا واسطہ صحابہ کرامؓ کا ہے جو نزول قرآن و شریعت کے عینی شاہد ہیں براہِ راست

زبان رسالت مآب سے تحصیل۔ سماع اور تلقی بالقبول کر کے دین و دنیا کی تمام کامرانیوں

سمیٹنے والے ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کو مبلغ امت ہونے کی سند اور اجازت بھی مل گئی۔ فَلْيَسِّلْهُ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ حاضِرین غائبین تک میرے یہ احکام پہنچا دیں رحمت القلوب ج ۲ ص ۵۳ خطبہ حجۃ الوداع

اس طبقہ وادائی کی طرح بدستور ہمارے زمانہ تک اور تا قیام ساعت اُتدہ نسلیں اس بات کی مکلف ہیں کہ وہ پہلوں سے دین و شریعت سیکھ کر پھلوں تک پہنچائیں۔ ہر زمانہ میں کروڑوں نفوس کا ایک پیڑہ سیکھنا۔ اعتقاد رکھنا اور پھر عمل کر کے دوسروں تک پہنچا دینا۔ یہی اجماع امت کی حقیقت و صداقت پر دلیل ہے۔ اگر تبریل و مصطفیٰ کی طرح یہ واسطہ قطعی نہ ہو اور امت مجموعی طور پر تبلیغ دین میں غلطی اور سہو سے پاک نہ ہو تو ہم لوگ ایمان لانے کے مکلف نہ ہوں۔ اس لیے کہ کس یقین سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قرآنِ خدا فی کلام ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم پیغمبر تھے۔ اور یہ وہی بعینہ دینی و شریعت ہے۔ جو پودہ سو سال قبل حضور پر نازل ہوا لہذا اجماع امت اور تواثرہ کالیقینی حجت ہونا ضروری ہے۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہو گا نہ کتاب اترے گی جس میں زمانے کے نئے مسائل تفصیلی جزئیات کی شکل میں بیان کیے جائیں گے۔ اسلام قیامت تک رہے گا۔ کروڑوں مسلمان بھی قیامت تک رہیں گے۔ زمانہ کے انقلابات مختلف قوموں کے ساتھ میل جول۔ بین الاقوامی تہذیب و تمدن۔ سائنس کی روز افزوں ترقی۔ برقی ایجادات۔ دشمن اسلام طاقتوں کے بالمقابل تحفظ اسلام کیلئے عصر حاضر کے سانٹفک طریقے۔ وغیرہ ہزاروں مسائل میں جو رفتار زمانہ کے ساتھ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر تاسنوں نہ پیدا ہوتے آرہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ان مسائل کے حل کے لیے بنیادی ماخذ کو قرآن و سنت ہی ہیں اور سینکڑوں دفعات ان میں مل سکتی ہیں۔ لیکن ان کی نشاندہی۔ جزئیات کی تفصیل و تشریح اور ان کا تعین۔ ان پر عمل کے طریقے سب امت کے متقدم علماء کے اتفاق و اجماع سے منضہ شہود پر آئیں گے۔ مسائل جدیدہ کے حل کے لیے اگر اجماع امت اور قیاس کا لچک آمیز اصول موجود نہ ہو تو اسلام ایک جامد مذہب ہی۔ قرنِ اول کے لیے بن کر رہ جائے گا۔ اور زمانہ کی ترقی و رفتار کا چیلنج قبول نہ کر سکیگا۔

ہاں بشرط یہ ہے کہ اجماع و قیاس قرآن و سنت کے تابع ہی ہوں گے۔ گویا ان کی نسبت یہ دو فرعی ہیں۔ قرآن و سنت کی کسی واضح تعبیر اور حقیقت کے برعکس نہ اجماع ہو سکتا ہے اور نہ معتبر ہے۔ اور نہ قیاس و اجتہاد کی گنجائش ہے۔

سمعی اور نقلی دلائل۔ اجماع امت کی مخالفت پر دلائل تو بے شمار ہیں۔ یہاں چند پر اکتفا کی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ تُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ (نساء ۱۸۶)

اور جو شخص وضوح ہدایت کے بعد رسول اللہ کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے سے الگ چلے ہم اسے ادھر بھیجیں گے جہنم جائے اور جہنم میں داخل کریں گے۔

دخول جہنم کے لیے مخالفت رسول کافی ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راستے کی مخالفت اور غیر اتباع کو ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ سبیل المؤمنین اتباع نبوی سے جدا نہیں بلکہ اسی طرح واجب الاتباع راستہ ہے۔ بلکہ اتباع نبوی کی یہ واضح اور عملی تفسیر ہے۔ فرض کرو ایک شخص خواجہ کی طرح پیغمبر کے کسی قول یا فعل سے (کلمتا حق) ارید بھا الباطل کا مصداق، ناجائز استدلال سرتا ہے اور کوئی مسلمان اس کی تائید نہیں کرتا۔ تو وہ کھلا گمراہ ہے۔ کیونکہ اپنے دعویٰ میں گو اتباع رسول کرتا ہے۔ مگر جب اتباع سبیل المؤمنین کی اسے سند حاصل نہیں یا وہ سبیل المؤمنین کا کھلا منکر و مخالف ہے۔ تو آیت بالاکی رو سے وہ گمراہ اور جہنمی ہے۔ شیعہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ دخول جہنم کا یہ حکم۔ مخالفت رسول اور مخالفت جماعت مومنین کے مجموعہ پر لگایا گیا ہے جیسے تنہا اتباع رسول کا حکم قرآن پاک میں آیا ہے۔ اسی طرح تنہا جماعت مومنین کے اتباع کا حکم دکھایا جائے۔ تب اہل سنت کا استدلال تام ہوگا (ملاحظہ ہو تفسیر مجمع البیان طبرسی زیر آیت ہذا)

لیکن اس اعتراض میں کوئی جان نہیں کیونکہ اتباع سبیل المؤمنین کو قرآن پاک نے یہ درجہ تو دے دیا کہ وہ اتباع نبوی کے ساتھ مذکور ہے۔ تو دونوں واجب الاتباع

مٹھرے قیوم المقصود۔ اگر مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت مضر نہ ہو اور اس مخالفت سے اتباعِ نبوی پر حرف نہ آئے تو یہاں اس کے ذکر کا کوئی معنی ہی نہیں۔ قرآن پاکِ نبویانی سے پاک ہے۔ علاوہ ازیں اتباعِ مومنین کا صراحتہ اور حکماً بھی امر موجود ہے اور ان کی مخالفت حرام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ** اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کو نواہِ صَادِقِينَ کے ساتھ ہو جاؤ۔

شانِ نزول اور سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں صَادِقِينَ سے مراد وہ تمام (۳۰)۔ ۴۰۔ ہزار علی اختلاف روایات، صحابہ کرامؓ، مراء ہیں جنہوں نے غزوہ تبوک میں حضورؐ کا ساتھ دے کر اپنے قول و فعل کو سچ کر دکھایا۔

۲۔ نیز سابقوں اولوں۔ مہاجرین و انصار کی اتباع کرنے والے بعد کے مومنین کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَرَضُوا عَنْهُمْ وَأُفٍّ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ ۱۰۶)

(اسلام قبول کرنے میں) سب سے پہلے اور آگے جانے والے تمام مہاجرین اور تمام انصار سے اور ان لوگوں سے جنہوں نے نیکیوں میں ان کی پیروی کی۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ ان کے واسطے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں

اور وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ معلوم ہوا کہ بعد والوں کے لیے خدا کی رضا جنت میں داخلہ اور بڑی کامیابی۔ مہاجرین و انصار کی اتباع پر ہی منحصر ہے اور اتباع اس وقت تک نہیں ہو سکتی تاؤ فیکہ ان کو قابلِ اعتماد سپا اور گمراسی سے محفوظ نہ مانا جائے۔ مہاجرین و انصار اور عام امت کے اجماع کے حقانیت پر اس سے واضح دلیل کیا ہو سکتی ہے۔

چند احادیث بھی کتبِ شیعہ سے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت علیؓ مہاجرین و انصار کے متعلق ہی فرماتے ہیں۔

ماكنت الارجل من المهاجرين
 اوردت كما اوردوا و اصدت كما
 اصدروا و ما كان الله ليجمعهم
 على الضلال (شرح تہج البلاغہ) ج ۱
 تحفہ اشاعشہ فارسی ۱۹۵

میں بھی مہاجرین کا ایک فرد تھا جہاں وہ گئے
 میں بھی گیا۔ جہاں سے وہ پلٹے میں بھی پلٹا یعنی
 بالاتفاق ہم مہاجرین نے خلافت ثلاثہ کی بیت
 کی، اللہ پاک نے ان کو گمراہی پر متفق نہیں
 کروا تھا۔

۲۔ نیز اہل شام کی خدمت میں کہتے ہیں۔ لیسوا من المهاجرين والا نصار (شرح ۲ ابن
 ابی الحدید ج ۳ ص ۲۸۶) وہ نہ مہاجرین نہ انصار۔ تاکہ ان کی بات حجت سمجھی جائے۔ (معلوم
 ہوا مہاجرین و انصار کا اجماع حجت ہے۔ نیز حضرت امیر کا ارشاد ہے۔

۳۔ الزموا السواد الاعظم فان
 يد الله على الجماعة و اياكم والفرقت
 فان الشاذ من الناس للشيطان۔
 (تہج البلاغہ ص ۲۶)

بڑی اکثریت کا دامن کھڑو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ
 جماعت پر ہوتا ہے۔ علیحدگی اور تفرقہ بازی سے
 بچو۔ کیونکہ جماعت سے الگ شیطان کا شکار
 جیسے ریوڑ سے الگ بکری بھڑیے کا شکار بن
 جاتی ہے۔

کیا ان ارشادات مرقومہ سے خلافت ثلاثہ مہاجرین و انصار اور اجماع امت اور
 مذہب اہل سنت والجماعت کی صداقت و حقانیت اظہر من الشمس نہیں ہے؟ ایک مجزہ میں
 حدیث قدسی کے طور پر من جانب اللہ حضور کو فرمایا گیا کہ تیری آل کی طرح
 ۴۔ و صحابہ تو بہتر انداز صحابہ الیثاں
 و امت تو بہتر انداز امت الیثاں (حیات
 القلوب ج ۲ ص ۱۶۴)

تیرے صحابہ بھی اور پیغمبروں کے صحابہ سے اور
 تیری امت بھی دوسروں کی امتوں سے افضل
 اور بہتر ہیں۔

معراج کی رات آپ نے شراب اور دودھ میں سے دودھ کو اختیار کیا تو حضرت جبریلؑ
 نے بشارت دی۔

ہدایت یافتہ و امت تو ہدایت یافتہ
 (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۶)

آپ نے بھی ہدایت پائی اور آپ کی امت نے
 ہدایت پائی۔

حضور نے فرمایا حق تعالیٰ کی طرف سے میری امت کو تیسرا عطیہ یہ ملا کہ پہلی امتوں پر ان کے رسولؐ گواہ تھے مگر

۶۔ امت مرا گواہ بر جمیع خلق گردانید
چنانچہ میفرماید لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
میری امت کو تمام مخلوق پر گواہ بنایا چنانچہ
ارشاد ہے تاکہ ہو جاؤ تم (اے امت محمدیہ)

۷۔ وایتنال را بر گمراہی جمع نمی کند
(حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱)

۸۔ وایتنال را بر گمراہی جمع نمی کند
(حیات القلوب ص ۱۳۸)

۹۔ وایتنال را بر گمراہی جمع نمی کند
(حیات القلوب ص ۱۳۸)

۱۰۔ وایتنال را بر گمراہی جمع نمی کند
(حیات القلوب ص ۱۳۸)

حق تعالیٰ نے سابقہ تمام امتوں پر امت محمدیہ کو (حسب روایت مجلسی از حضرت علیؑ در
حیات القلوب ص ۱۳۹ تا ۱۴۰) جن ۲۰ باتوں میں فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۹۔ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا

۱۰۔ لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

گوہمی دو۔

۱۔ وایتنال را بر گمراہی جمع نمی کند
اور ان کو خدا گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔

(تلك مشقة کامله) کیا ان واضح ارشادات خداوندی۔ فرامین نبوی اور فرمودات مرقنوی

کی موجودگی میں اس امت کی صداقت اور اجماع کی حقانیت میں کسی کو شک و شبہ ہو سکتا ہے کیا

اجماع امت کو حجت نہ ماننے والے اب بھی مسلمان اور امت محمدیہ کہلائیں گے؟

قیاس کی ضرورت اور مشروعیت اجماع کے بیان میں قدرے گزر چکی ہے۔

نقل صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔

وَلَوْ دُرِّدُوا إِلَى النَّسُولِ وَالْإِلَى
أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَ الذَّيْبُ

اگر وہ اس بات کو رسولؐ کی طرف اور ان
لوگوں کی طرف جو صاحبان علم ہیں۔ لڑتے

نکالتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اولوالامر صاحبان اجتہاد و قیاس، صحابہ کرامؓ ہی سے ہوں گے اور وہ قرآن و سنت سے مشکل مسائل کا استنباط اور حل پیش کریں گے۔ عام امت کو ان کی طرف رجوع اور پھر اتباع کرنی ہوگی۔ شیخہ حضرات اس اصول کو عقل سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا وہ عقل کو قرآن و سنت کے تابع کرنے کے بجائے نصوص کو عقل کے تابع بنا دیتے ہیں اور ان کی تاویلات کرتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت نئے مسئلے اور نصوص میں ایک مشترک علت تلاش کر کے عقل کے مطابق حلت و حرمت کا حکم اس پر لگاتے ہیں۔

قارئین آپ کو تعجب تو ہو گا کہ چاروں اصول جب شیخہ حضرات چاروں اصول کے منکر ہیں قرآن و سنت سے قطعاً ثابت ہیں تو شیخہ ان سے

کیوں اعراض کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ ان چاروں اصولوں کے منکر ہیں۔ تبھی تو وہ اہل سنت مسلمانوں پر غیظ و غضب کے دانت پستے رہتے ہیں۔ کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۔ یہ قرآن حکیم ان کے مذہب کی بنیاد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی صحت و صداقت پر ان کو اعتماد ہی نہیں۔ وہ اپنی دو ہزار متواتر احادیث کی رو سے اسے محرف۔ بدلا ہوا۔ اور خدائی تنزیل سے کم و بیش مانتے ہیں۔

۱۔ اصول کافی جہاں یہ باب مستقل باندھا گیا ہے۔ باب فیہ نکت و تنق من التزیل فی الولاية (اس بات کا بیان کہ قرآن کریم میں سے عقیدہ امامت کے متعلق آیات میں خلاص الفاظ نکال دیئے گئے ہیں) یہ باب اصول کافی طبع جدید تہران ج ۱ ص ۱۱۲ سے ص ۱۳۶ تک پھیلا ہوا ہے اس میں سے ۹ آیات محرفہ کی فہرست راقم نے تیار کی ہوئی ہے۔ تفصیل کا موقوعہ نہیں۔ اسی کتاب میں اور مقامات پر بیسیوں آیات محرفہ کا ذکر اس کے علاوہ ہے۔

۲۔ شیخہ کے نہایت مستند ترجمہ و تائیدی از مقبول دہلوی میں مستند کتب شیخہ کے حوالہ جات سے جگہ جگہ ان آیات محرفہ کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تقریباً ۲۲ عدد آیات راقم نے اپنی بیاض میں قلمبند کی ہوئی ہیں۔ بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔ آیت وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا بِوَعْدِ

اَتَّهَمُ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ ۚ - اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا ۚ

۳۔ اصول کافی باب النوادر میں ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو قرآن
حضرت جبریلؑ حضورؐ پر لائے تھے وہ
ستر ہزار آیتیں تھیں۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام
قال ان القرآن الذی جاء به جبریل
علیہ السلام سبعة عشر الف
آیت۔

حالانکہ موجودہ قرآن پاک میں ۶۶۶۶ آیات ہیں۔ شیعہ کے خیال میں دو تہائی قرآن
لوگوں نے نکال دیا۔

حدث جزائری کے قول کا حاصل یہ ہے کہ
سب شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کی تحریف
پر صراحتہ دلالت کرنے والی احادیث صحیح
مشہور اور متواتر ہیں۔

۴۔ قال السید المحدث
الجزائری ما معناه ان الاصحاح قد
اطبقوا علی صحة الاخبار المستفیضة
المتواترة الدالة بصريحها علی وقوع
التحریف فی القرآن (فصل الخطاب ص ۳)
.... وان الاخبار ذالک تزيد علی
الفی حدیث۔

اور بلاشبہ یہ احادیث دو ہزار سے
زائد ہیں۔

اور جامعین (صحابہؓ) نے کتاب میں وہ
باتیں جمادی ہیں جو اللہ نے نہیں کہیں تاکہ
وہ مخلوقات کو دھوکہ دیں۔

۵۔ انهم اثبتوا فی الكتاب ما
لم یقله الله لیلبسوا علی الخلیفة -
(احتجاج طبرسی ص ۱۲۵)

پس (صحابہؓ کے) صاحبان اختیار نے اس
قرآن کو جمع کیا ہے اور اس میں وہ باتیں
زیادہ کر دی ہیں جن کا صداقت اور فصاحت
وبلاغت کے برخلاف ہونا ظاہر ہے۔ حضورؐ
کی جو مذمت قرآن میں ظاہر ہے وہ محمدوں

۶۔ فالله ذو اختیارهم وذادوا
فیہ ما ظہر تناکرة و تنافرة والذی
بدأ فی الكتاب من الازراء علی النبی
من فریة الملحدین (احتجاج طبرسی ص ۱۳)
بحوالہ اہلسنت یا کتبک،

کے افتراء کا نتیجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں صرف کئی اور تحریف نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے اپنے کلام کا اضافہ بھی کر دیا ہے (توبہ توبہ)

ایک سوال | جب یہ قرآن شیعہ مانتے ہی نہیں تو ماننے کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں۔ پھر سب شیعہ کی تاریخ میں صرف چار عالم ایسے کیوں ہوئے جنہوں نے تحریف کا انکار کیا۔ اور صاحب من البحیرہ الفقہ نے اپنے رسالہ اعتقاد یہ میں عقیدہ تحریف کا انکار اور مذمت کیوں کی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ کے بقول خود ہزاروں علماء و مجتہدین میں سے صرف کم کا تحریف کا انکار کرنا اس عقیدے کو اور پختہ کرتا ہے ان چاروں کا انکار بھی محض تفتیہ کے طور پر ہے۔ ورنہ قائلین تحریف پر انہوں نے کفر یا کفر سی کا فتویٰ کیوں نہیں لگایا۔ موجودہ شیعہ علماء کا انکار تحریف بھی محض تفتیہ اور تبلیغ پر مبنی ہے۔ کیونکہ حالیہ علماء میں سے مزار احمد علی حلی مجتہدین کے قرآن پر اعتراضات مشہور اور شائع شدہ ہیں۔ مولوی مقبول کاترجمہ وحاشیہ آیات مخرفہ کی نشان دہی کے ساتھ بار بار چھپ رہا ہے اور اس پر دیوبند شیعہ کے متعدد علماء کے دستخط اور تصدیقات موجود ہیں۔ (طبع قدیم دہلی) اور آیات مخرفہ کی انہوں نے تردید نہیں کی۔ کیا یہ سب کاروائی اس حقیقت کے جملانے کے لیے کافی نہیں کہ شیعہ کا اعتقاد تحریف یقینی ہے اور انکار محض تفتیہ اور مسلمانوں کے الزام سے بچنے کے لیے بمنزلہ ڈھال کے ہے۔ اور شیعہ اس قرآن پاک کو کیسے مکمل اور کمی بیشی سے محفوظ مانتے جبکہ ان کے اعتقاد میں پورا قرآن صرف حضرت علیؑ نے جمع کیا اور آج امام مہدی کے پاس موجود ہے۔ وہ قریب قیامت ظہور فرما کر وہ اصلی قرآن لوگوں کو ٹپہ بامیں گے۔ اصول کافی ص ۲۲ پر یہ باب موجود ہے۔

باب انه لم یجمع القرآن کله الا
الائمة علیہم السلام وفیه عن
ابی جعفر یقول ما دعی احد من
اس بات کا بیان کہ سوائے ائمہ علیہم السلام
کے کسی نے سب قرآن جمع نہیں کیا۔ اس
باب میں امام باقرؑ کی یہ حدیث ہے۔ فرماتے

الناس انه جمع القرآن كله كما انزل
الاكذاب وما جمعه وحفظه كما
انزل الاعلى بن ابى طالب والائمة
من بعده - وفيه عن ابى جعفر
انه قال ما يستطیع احد ان يدعی
ان عنده جميع القرآن كله ظاهراً
وباطنه غير الاوصیاء

ہیں کہ لوگوں میں سے سوائے کذاب کے کوئی
بھی یہ دعویٰ نہ کرے گا کہ اس نے منزل شدہ
پورا قرآن جمع کیا۔ تنزیل کے مطابق اس کی
جمع اور حفاظت سوائے علی بن ابی طالب
اور ان کے بعد والے ائمہ کے کسی نے نہیں
کی اور ایک دوسری روایت میں امام باقرؑ
نے فرمایا سوائے ائمہ شیعہ کے کوئی یہ دعویٰ
نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس ظاہر و باطن پورا قرآن موجود ہے۔

بلکہ قاضی نور اللہ شہید ثالث نے شیعہ احادیث کے تضاد کے سلسلہ میں یہ اعتراف
کیا ہے کہ آج سنی شیعہ سب کا دین محرف اور غیر منزل من اللہ ہے۔
”امام باقرؑ نے فرمایا..... بحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد لوگ پہلی امتوں
کے نقش قدم پر چلے پس خدا کے دین میں تغیر و تبدل کر دیا اور کئی بدعتی کردی اور اللہ کے
دین میں کچھ اضافہ کیا اور کچھ کمی کر دی۔ آج کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس پر سب لوگ قائم ہیں۔
مگر وہ منجانب اللہ اتری ہوئی وحی کے خلاف ہے۔ زرارہ اجویات نہیں کہی جائے مانتے
جاؤ۔ خاتم پر رحم کرے تا آنکہ وہ مہدی آجائے تو تم کو از سر نو اللہ کا صحیح دین پڑھائے
گا۔ (مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۳۴۳ ترجمہ زرارہ)

ایک شبہ کا ازالہ
ہیں لیکن یہ محض جھوٹ اور مغالطہ ہے۔ کتب اہل سنت کی ضعیف
ترین روایت بھی اس مضمون کی نہیں ملے گی کہ قرآن کی فلاں آیت ان الفاظ سے
نازل ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کو یوں بدل دیا۔ ”درحقیقت ہماری روایات میں
دو قسم کی باتیں ہیں۔

۱۔ نسخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بعض آیات اتار کر کچھ عرصہ کے لیے اس پر عمل کروائے۔
پھر اس کے خلاف آیت نازل فرما کر سابق کی مدت عمل ختم کر دے یا اسے بالکل بھلا دے

جیسے ایک پیغمبر کی شریعت دوسری کے لیے نسخ کا سا عمل کرتی ہے۔ یہ حقیقت قرآن پاک سے ثابت ہے۔

۱۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا
یا ویسی ہی نازل نہ کرویں۔

بے۔ سَنُقَدِّمُكَ فَلَا تَنْسَى إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ
اے رسول! ہم عنقریب تم کو پڑھائیں گے۔ پھر تم نہ بھولو گے مگر جو خدا چاہے

ترجمہ مفید

ج۔ اور روضہ کافی ص ۲ پر ہے کہ قرآن میں نسخ و منسوخ کا سلسلہ پایا جاتا ہے۔

لہذا آیات نسخ کو محبت تحریف میں پیش کر کے جدال کرنا نہایت نا انصافی ہے۔

۲۔ اختلاف قراءۃ۔ قرآن پاک عربی زبان میں اترا۔ ہر زبان میں۔ لغت۔ گرائمر اور ادائیگی

کے لحاظ سے معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی۔ بعض قبائل کے محاورات و لہجے۔

لغت اور صرفی نحوی وجوہ کے پیش نظر نہ رہ۔ زیر۔ پیش کا سا معمولی اختلاف بعض روایات

میں ملتا ہے۔ یہ سب اختلاف قراءت کے قبیلہ سے ہے۔ کیونکہ اس میں مخروی فرق خاص نہیں

پڑتا۔ برخلاف شبہہ کی لفظی تحریف کے کہ اس کی وجہ سے ان کے اعتراف کے مطابق ”عقیدہ

امامت“ و لا یت اہل بیت کو قرآن سے خارج کر دیا گیا اور کفر کے ستون اس میں کھڑے

کر دیئے گئے (روضہ کافی)

علاوہ ازیں۔ قرآن پاک عہد نبوی سے تا ہنوز قطعی الثبوت اور قطعی التواتر ہے اور ہم

اسے ہی قرآن کہتے ہیں۔ نور الانوار وغیرہ میں ہے۔

هو القذان المثل علی الرسول
المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ

نقل متواتر بلا شبہہ
کتاب اللہ قرآن پاک ہے جو رسول اللہ پر

اترا اور مصاحف میں لکھا گیا ہے اور آپ

سے منقول ہو کر رہا ہے اور بلا شبہہ متواتر ہے۔
روایتیں اختلاف قراءت کی ہوں یا نسخ کی۔ بہر حال وہ خباہتیں متواتر اور قطعی

قرآن نہیں۔ لہذا ان سے معارضہ شبہہ حضرات کے عقیدہ تحریف سے نہیں ہو سکتا۔ جو ان چہ قرار دے

کے ساتھ مبینہ حقیقت ہے۔ ۱۔ روایات تخریف دو ہزار سے زائد ہیں۔ ۲۔ روایات تخریف قرآن شیعہ کی مستند سے مستند کتاب اصول کافی تک میں ہیں جو امام محمدی کی مصدقہ ہے۔ ۳۔ تخریف قرآن پر ہی صاف دال ہیں۔ ۴۔ قرآن کی طرح متواتر ہیں۔ ۵۔ شیعہ ان کے مطابق تخریف قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ ۶۔ قرآن کا حرف ہونا نقل کے علاوہ عقل کے بھی موافق ہے کیونکہ دشمنان شیعہ (صحابہ کرامؓ) کے ہاتھوں جمع شدہ اور منقول ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تشریح ”ہم سنی کیوں ہیں؟“ ص ۶۵ تا ۱۷۱ میں ملاحظہ کریں۔

۲۔ احادیث مصطفیٰ بھی شیعہ مذہب کی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ اولاً

احادیث نبویہ کا انکار | گو شیعہ زبانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول من اللہ مانتے ہیں لیکن تبلیغ رسالت میں کوتاہی کا الزام ضرور لگاتے ہیں۔ جب منصب نبوت سے مقصود تبلیغ احکام کا سلسلہ پورا کامیاب نہ ہوا۔ تو رسول کو ماننا غیر مفید ہی رہا۔ تفتیہ کا گھناؤنا الزام حضور پر بھی لگاتے ہیں۔ چند روایات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت صادقؑ سے پوچھا گیا کہ آیا رسول پاکؐ لوگوں کے خوف سے تفتیہ بھی کرتے تھے۔ فرمایا۔ آیت وَاللّٰهُ يَعْصِيْمُكَ مِنَ النَّاسِ را اللہ پاک آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ نازل ہونے کے بعد تفتیہ نہیں کیا۔ پہلے کبھی کبھی کرتے تھے (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۱۸)۔ ۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حج کے متعلق جو مختلف احادیث آئی ہیں ممکن ہے

بعض تفتیہ پر محمول ہوں (ایضاً ج ۲ ص ۵۳۷)۔

۳۔ حضور کو بار بار ولایت علیؑ کی تبلیغ کا حکم ملا اور یہ کہ اس کا منکر کا فرار اور

بیعت میں شریک کرنے والا مشرک ہے۔

پس حضرت رسولؐ اپنی قوم سے ڈر گئے۔ مبادا اہل شقاق و نفاق پر اگندہ شوند و بجا بلیت و کفر خود برگردند (ایضاً ص ۵۳۲)۔

۴۔ رسول خداؐ از ترس قوم خود بخار رفت و قبیکہ ایشان را بسوئے خدا دعوت میں چھپ گئے۔ جب ان کو خدا کی طرف دعوت

دیتے تھے۔

میکرو۔ (جلد العیون ۲۵۹)

۵۔ لشکرِ اسامہؓ کی تیاری اور لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنا۔ اور فضائلِ قتال و شہاد

بیان کرنا محض اس وجہ سے ہے۔

مدینہ ازیشیاں خالی شود و احدی
تاکہ مدینہ ان سے خالی ہو جائے اور کوئی
از منافقان در مدینہ نماند (حیات القلوب ۲۷) ۵۵۹
منافق مدینہ میں نہ رہے (اور حضرت علیؓ
سے نزاعِ خلافت کوئی نہ کر سکے)

عزیز کیجئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی لوگوں کے ڈر سے تقیہ کریں۔ ارکانِ
ہج بھی غلط ادا کریں۔ حضرت علیؓ کی ولایت کی تبلیغ میں کسستی کریں۔ دعوتِ توحید دینے والے
قوم سے ڈر کر غار میں چھپ جائیں۔ تو دین کے کس مسئلہ پر اعتماد رہے گا۔ اور کوئی حدیث
مصطفیٰؐ قابلِ عمل ہوگی۔ جبکہ (الحیا ذبالہ) آپؐ کی نیتِ حبشِ اسامہؓ کے جہاد سے مدینہ کو
منافقوں سے خالی کرانا اور حضرت علیؓ کے لیے خلافت کی راہ ہموار کرنا ہے۔ مگر صد افسوس
آپؐ کی آخری تدبیر بھی ناکام ہو گئی اور وہ منافق خلافت پر قابض ہو گئے۔

کیا حضورؐ کی حسنِ نیت اور کامیابی مقصد پر اس سے بدترین حملہ بھی ہو سکتا ہے؟ کیا
شیخہ نے بحثِ رسالت کی ناکامی پر صریح شہادت نہ دے دی؟

ثانیاً۔ جب شیخہ حضرات۔ حضورؐ کی عمر بھر تبلیغی جدوجہد کے بعد بھی صرف۔ نہیں چار آدمیوں
کے آپؐ سے ایمان و ہدایت پانے کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ بھی منالطہ ہے۔ کیونکہ کشف الغمہ
ج ۱ ص ۱۹۹ کے بیان کے مطابق۔ حضرت ابوذرؓ، سلمانؓ۔ ابو الدرداءؓ، حضرت عیسیٰؓ کی
شاگردی اور اتباع سے مومن و فیض یافتہ ہیں اور سوائے حضرت مقدادؓ کے سلمانؓ۔ ابوذرؓ
اور عمارؓ کو بھی ایمان میں شک تھا۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۷) از شیخ کشتی بسند حسن از امام
باقرم۔۔۔ باقی سب صحابہ کرامؓ کو تو وہ کھلا مرتد کہتے ہیں (اصول کافی ج ۲ ص ۲۲۶ وغیرہ)
تو وہ حدیثِ مصطفیٰؐ (کہ کسی صحابیؓ سے حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نہ رسالت پر دعویٰ ایمان کوئی
عقل مند تسلیم کرے گا۔ یہ انکارِ ایسا ہی ہے کہ۔ ایک شخص کہے میں اس ڈاکٹر کو نہیں ماننا کیونکہ
یہ جعلی سند رکھتا ہے۔ دوسرا کہے میں بھی علاج نہیں کرے واسکنہ۔ کیونکہ مستند تو ہے مگر سوا

گھر کے چند آدمیوں کے۔ جو بیمار ہی کبھی نہ ہوئے۔ جن ہزاروں مریضوں کا اس علاج کیا سب مر گئے ایک بھی صحت یاب نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں اس ڈاکٹر کے منصب کے منکر ہیں۔ ایک ظاہر دوسرا باطن۔ مگر دوسرا زیادہ خطرناک ہے۔

مثلاً۔ رہا بواسطہ حضرت علیؓ حدیث مصطفیٰ کا بنیاد مذہب ہونا۔ یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ شیعہ کے اعتقاد میں حضرت علیؓ کا علم حضورؐ کی تعلیم اور واسطہ سے ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ پیدائشی منجانب اللہ لدنی اور عطائی ہے۔ حضرت علیؓ پیدائشی جاہل اور کافر نہ تھے کہ حضورؐ سے علم اور اسلام سیکھتے۔ باقر علی مجلسی کہتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے پیدا ہوتے ہی حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ کے صحیفے۔ حضرت موسیٰؑ کی تورات اور حضرت عیسیٰؑ کی انجیل ایسے سنادی کہ ان انبیاء سے بھی افضل یا دتھی جن پر یہ نازل ہوئی اور اگر وہ ہوتے اعتراف بھی کر لیتے۔

پس قرآن کے بر من نازل شد تلاوت پس جو قرآن مجید پر بعد میں، نازل ہوا وہ بھی منوہ ہے آنکہ از من لبشند (جلال العیون) ۱۸ مجھ سے سنے بغیر قرآن سنا ڈالا۔

جب حضرت علیؓ نے آپ سے سنے بغیر قرآن پڑھا ہوا تھا حالانکہ ۸ سال قبل از نبوت نزول قرآن کا بھی تصور نہ تھا، تو قرآن کی تعلیم اور تشریح میں بدرجہ اولیٰ آپ محتاج پیغمبر نہ تھے۔ چنانچہ آپ یُعَلِّمُھُ الدِّیْنُ وَالْحِکْمَۃُ (وہ نبی ان مومنوں کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے) کے عموم سے خارج ہیں۔ لہذا شیعہ کی منزل پر پیغمبر قرآن اور اس کی تعلیم و حکمت سے محرومی بالکل واضح ہے۔ یہی نبوت کا کھلا انکار اور حدیث مصطفیٰ سے حرمان کی دلیل ہے۔ اور ان کو حدیث مصطفیٰ کی ضرورت کیسے ہو۔ وہ تو نبوت کے برعکس امامت کو مانتے ہیں۔ اور یہ بھی مثل نبوت منجانب اللہ خدائی عہدہ ہے جو اتباع نبوی سے بجائے انتخاب خداوندی سے ملتا ہے۔ امامت رسالت سے بھی افضل ہے۔ عصمت نزول وحی۔ حلال و حرام میں خود مختاری۔ نئی امت (بنام شیعہ) کی تاسیس۔ اس کے انکار پر فتویٰ کفر میں نبوت کے ساتھ شریک ہے۔ لفظ اصطلاحی فرق کے علاوہ کوئی شیعہ نبوت و امامت میں واقعی امتیاز نہیں بنا سکتا۔

تشیع اور اہل سنت میں فرق

شرع نبویہ کے بجائے شرع امامیہ تشیع کا معمول ہے۔ کیونکہ

مسلما ن تو ما اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فخذُوْہُ و ما نَہٰکُمُ عَنْہُ فانتہُوْا (جو تم کو رسولؐ دیں وہ لو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ۔) پر عمل پیرا ہیں۔ مگر تشیع مذہب کے امام جعفرؑ فرماتے ہیں۔

ما جا ربہ علی اخذہ و ما نفی عنہ انتہی عنہ
جو تشریعت علیؑ نے لائے ہیں میں وہ لیتا ہوں اور جس سے وہ روکیں رکنا ہوں۔

مسلمان تو صرف حضورؐ کو افضل الخلق اور آپؐ کے برابر سب پیغمبروں کو بھی نہیں مانتے مگر تشیع امام فرماتے ہیں۔

جری لہ من الفضل ماجری لمحمد و لمحہ الفضل علی جمیع من خلق اللہ و کذلک یجری الامۃ المہدیۃ و احد البعد واحد۔
حضرت علیؑ کی وہی فضیلت ہے جو محمدؐ کی ہے۔ محمدؐ خدا کی تمام مخلوق پر (سوائے علیؑ کے) فضیلت رکھتے ہیں۔ یہی مساویانہ مرتبہ اور نشان یکے بعد دیگرے ائمہ ہدیٰ کی ہے۔

مسلمان تو حدیث مصطفیٰؐ کو ہی حرزِ جان اور واجب العمل جانتے ہیں مگر تشیع حضرات احادیث ائمہ کے قائل اور ساری شریعت ان سے لیتے ہیں۔

مسلمان تو مصدر اتباع فاتبعونی کے تحت صرف حضورؐ کو مانتے ہیں۔ مگر تشیع امام حضرت علیؑ کی دعوت دیتے ہیں۔

کان امیرالمومنین الباب الذی لا یبغی الامنہ و سبیلہ الذی لا امن سلتک بغیرہ یهلك دامعول کافی ط لکنی کے بغیر چلنا ہلاک ہوا۔
امیرالمومنینؑ ہی صرف وہ دروازہ ہیں جس میں داخل ہونا پڑتا ہے اور وہ راستہ ہیں۔ جس پر چلنا ضروری ہے۔ سلباً جو اس راستے

مسلمان تو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو اپنانے میں فخر جانتے ہیں۔ مگر تشیع امام کا فتویٰ ہے کہ لوگوں کے ہاتھ میں کوئی بھی سچی بات نہیں ہے۔ جو اس کے جو ائمہ اہل بیتؑ سے نکلے اور ہر

یخروج من عندہم فہو باطل وہ چیز جو ان سے نہ نکلے وہ باطل ہے۔

(کلمۃ الاصول کافی ص ۳۹۲)

شیعہ ائمہ کے پاس یہ حق بحسب بیان سابق تعلیمات نبوی سے تو ہو ہی نہیں سکتا اس سے جدا کوئی چیز ہے جو ان ائمہ پر نازل شدہ صحائف سے مانو ذہبے چنانچہ شیعہ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ ہر امام پر ایک مستقل صحیفہ نازل کیا گیا اور وہ اسی پر عمل کرتے تھے۔

کلینی نے سند معتبر کے ساتھ روایت کی ہے کہ حریر نے حضرت صادق سے پوچھا آپ لوگ جلدی وفات کیوں پا جاتے ہیں حالانکہ لوگوں کو آپ کی احتیاج زیادہ ہے۔ حضرت فرمود ہر ایک ازما صحیفہ وار کہ انجہ باید در مدت حیات خود لعل آورد و در آل صحیفہ است چوں آل صحیفہ تمام مے شود میداند کہ وقت ارتحال اوست (جلال العیون فصل سوم)

حضرت نے فرمایا ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک آسمانی کتاب ہے کہ جو کچھ امام کو اپنی زندگی میں کرنا ہوتا ہے۔ وہ سب اس میں لکھا ہوتا ہے جب وہ صحیفہ تمام ہو جاتا ہے تو امام کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے مرنے کا وقت قریب ہے۔

نیز جلال العیون ۹۱ حضرت حسینؑ کے حالات میں ہے۔ ”دوسری معتبر روایت میں ہے کہ رسول جلیلؐ کی وفات کے وقت حضرت جبریلؑ ایک وصیت نامہ لائے (اس کے بارہ اجزا پر) بہشت کی بارہ طلعتی مہریں لگائیں۔ کہ ہر امام اپنی مہر کو اٹھائے گا اور جو کچھ اس کے نیچے لکھا ہو گا اسی پر اپنی زندگی میں عمل کرے گا۔

معلوم ہوا کہ شیعہ ائمہ کے پاس حق وہ صحائف اور مہر زدہ وصیت نامے ہیں وہ ان پر ہی عمل کرتے اور شیعہ سے کہتے ہیں۔ منزل بر پیغمبر قرآن اور تعلیمات نبویہ سے ان کو کیا تعلق؟ کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے انکار ختم نبوت۔ اعداء نبوت۔ مسلمانوں سے الگ اسلام کی تاسیس کرتے اور مسلمانوں کی تکفیر کرنے میں۔ فرقہ شیعہ کی گرد کو بھی پہنچ سکا ہے؟۔ نہیں وہ تو ان کے سامنے طفل مکتب ہے۔

ایجماع و قیاس کا انکار۔ یہاں تک قرآن و حدیث مصطفیٰ کے شیعہ مذہب کی بنیاد نہ بن سکنے کا بیان تھا اب اجماع و قیاس کا بیان سنیہ مسلمان امت

کے اجماع کے نتیجہ حضرات کھلے منکر ہیں۔ وہ تقریباً ہر مسئلے میں۔ اصول و فروع میں حتیٰ کہ کلامیہ تک میں امت محمدیہ سے الگ ہیں۔ اجماع امت ان کا دشمن ہے اور وہ اس کے دشمن ہیں۔ ہاں متعہ ربلاوی اور گواہوں کے غیر خاوند والی عورت کا کسی مرد سے مقررہ اجرت پر مقررہ وقت میں رضامندی سے جنسی تعلق، بدآرخدا کا مستقبل سے بے خبر ہونا، تقیہ (سچائی چھپا کر بھوٹ ظاہر کرنا) تکفیر صحابہ جیسے مسائل میں وہ اجماعت الامامیہ - اتفق اہل الامامة - اجمع اہل التشیع فرما کر اجماع شیعہ کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتب فقہ و اصول شیعہ۔

اہل سنت کے سامنے تو قیاس کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر قرآن کریم اور حدیث مصطفیٰ کے برخلاف اپنے ہر مسئلہ کو ڈھکوسلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ فالی اللہ المتکلی ورنہ تقریر ہو یا تحریر کسی بھی شرعی مسئلہ میں ان کو عقلی دلیل دینے کا اپنے مذہب کی رو سے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ خلفائ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ قرآن حکیم سے بھی ثابت ہے۔ اور ادم بربر مطلب حدیث مصطفیٰ سے بھی۔ اجماع صحابہؓ اور اجماع اہل بیتؑ سے بھی معلوم

ہونا چاہیے کہ قرآنی آیات خلافت کی پیشینگوئیاں ہیں جس کا مفاد اور اوصاف خاصہ مجموعی طور پر تمام خلافت راشدہ میں پائے گئے پیشینگوئی میں عموماً ابہام اور عدم تعین ہوتا ہے۔ مکمل ہونے پر اس کی صحیح صورت حال سامنے آتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ پیشینگوئی فلاں کے حق میں پوری ہوئی۔ اس سے قبل محض آغاز پر کچھ کہنا حاضرین کے علم میں غیر تقینی سا ہوتا ہے اور غیر موزوں لگتا ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کی اجنبت رسالت کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کی دعا و بشارت حضرت عیسیٰؑ کی بشارت۔ تورات میں حضورؑ کی رسالت کی پیشینگوئی اور ایساز رفدوسیوں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں سے اگر غلبہ پانا۔ مذکور ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ آغاز پر فرمایا کرتے تھے۔

وَمَا أَدْرِى مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ
لَنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ

میں نہیں جانتا کہ (دنیا میں) میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا۔ میں تو صرف

یہ تعریف اصول کافی البواب المتعہ سے ماخوذ ہے۔

اپنی طرف آنے والی وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

اور یہی مناسب تھا کیونکہ تحریک کے آغاز پر محنت سے کام کرنا پڑتا ہے ذرہ سابقہ پیشینگوئیوں کو اپنے اوپر منطبق کرنے لگ جانا وقت گزرنے پر وہ خود بخود چسپاں ہو جاتی ہیں۔ اور دنیا پر اس تحریک کی صداقت اظہار من الشمس ہو جاتی ہے۔ اس سے شبیہ دوست کے اس نوجملے کا جواب ہو گیا۔ ”کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کی تصدیق میں کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کی تو آج کا مسلمان کیا حق رکھتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی خلافت قرآن و حدیث سے ثابت کرے۔“ کیونکہ سرکارِ دو عالم نے بھی آغاز نبوت پر انبیاء کی سابقہ پیشینگوئیوں کو نہ اپنے اوپر چسپاں کیا اور نہ اس پر ان کو دلیل بنایا۔ بلکہ بدستور اپنے مشن میں لگ گئے۔ اور سچے لوگوں کی یہی شان ہوتی ہے۔ کہ وہ خدا کی سوچنی ہوئی ذمہ داریوں کو ادا کرنے لگ جاتے ہیں بحث و مناظرہ میں اور پیشینگوئیوں کے اپنے اوپر فٹ کرنے میں ایسے وقت ضائع نہیں کرتے۔ جیسے مرزا غلام احمد قادیانی دعویٰ نبوت و مسیحیت کے ساتھ ہی سابقہ پیشینگوئیوں کو بطور کذب اپنے اوپر منطبق کرتا تھا۔ خدا نے اس کا جھوٹ دنیا پر آشکار کر دیا۔ تو کیا اب ہم بھی یہود و نصاریٰ کے سامنے سابقہ انبیاء کی پیشینگوئیاں بابت نبوت پیش نہ کیا کریں؟۔

مزہ اسی میں ہے کہ اپنے حق میں وہ آیات تلاوت نہ کریں تاکہ خود ستائی اور جاہ طلبی کا وہم نہ ہو بلکہ دیگر حضرات ان کے حق میں وہ آیات منطبق کریں۔ جیسے حضرت علیؑ نے سونے نور کی آیت و عائد الخ کو حضرت عمرؓ کی خلافت پر چسپاں کیا (شرح تفسیر البیان فی القرآن الاسلام نقوی ج ۲ ص ۴۲۸) حدیث اکبر نے توبہ تلاوت پر حضرت ایک جملہ سقیفہ کے دن بولا۔ اللہ من قریش۔“ آسمان و زمین اور تاریخ کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے کہ یہ ارشاد سچا ثابت ہوا۔ صدیوں تک۔ جب تک مسلمانوں کا متحدہ نظام خلافت رہا۔۔ قریش کی حکمرانی دنیا نے دیکھی۔ یہ شبیہ مذہب کی بات نہ تھی کہ حضورؐ تو ان کے بقول) من کنت مولاه فعلی مولاه (بقول شبیہ جس کا میں حاکم ہوں اس کے علیؑ خلیفہ ہیں) سے خبر دیں۔ مگر العباد یا اللہ وہ جھوٹی ثابت ہوا اور خلافت غصب کر کے خلیفہ کوئی اور بن جائے۔ یا اللہ تعالیٰ تو وعدہ فرما دیں یٰٰدُّنْ لِّیْطِیْقُوْا اللّٰهَ یٰٰفُوْاھِمْ وَاللّٰهُ مُتَمِّدٌ لَّھُمْ وَکُوْکَرُ الْکَافِرِیْنَ۔ لوگ تو جانتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی چھونک سے بچا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے

اگر چہ پھر اسے برا ہی جانیں (توبہ ص ۴)

اور نور سے مراد باعقادِ شیعہ حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کا قیام مراد ہو۔
(اصول کافی ص ۱۹۶) لیکن اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے سے عاجز آجائیں اور حضرت ابو بکرؓ
و عمرؓ حضرت علیؓ سے خلافت چسپیں کر پھر ان کے گلے میں رسی ڈال کر گھسواٹے پھریں۔
جلال الیون ص ۱۲۳ اور (البیاض باللہ) خدایہی اسے مکروہ جان کر خاموش ہو جائے۔

کمال اسی میں ہے کہ خود دعویٰ خلافت نہ کریں۔ دوسرے صحابہ کرامؓ بالاتفاق امام
تسلیم کر لیں (ملاحظہ ہو مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۵۵) اس میں کوئی کمال نہیں کہ جبکہ جگہ جلوت
و خلوت میں از خود کہتے پھریں۔ ہم خدا کے بنائے ہوئے امام ہیں۔ ہم ایسے ویسے میں نئے مہم
حسینؑ کو کندھے پر بٹھا کر مہاجرین و انصاریوں کے در پر پھر میں مشکل کشا ہو کر ان سے فریاد
و نصرت طلب کریں۔ مگر بائچ آدمی بھی ساتھ نہ دیں (جلال الیون ص ۱۲۳) بالآخر مفاد پرست
اپنے ہی ثواب ہی غداری کریں اور رشتہ حیات منقطع کر لیں۔ ان اشارات کی روشنی میں کیا شیعوں
کو اپنے مذہب کی سخافت اور اہل بیتؑ کی توہین نظر نہیں آتی؟ پھر اس عقیدے سے توبہ
کیوں نہیں کرتے۔

قرآن کریم اور خلافتِ راشدہ (۱۲ آیات کی روشنی میں) | اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ
سے وعدہ فرمایا۔

۱۔ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يُبَدِّلُ دِينَهُ وَيُنَزِّلُ الْبُيُوتَ لِيُنْزِلَ فِي سُبُلٍ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (نور ص ۷)

ان سب لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے
اور جنہوں نے نیک عمل کیے۔ اللہ نے یہ وعدہ کیا
ہے کہ ضرور ان کو اس دین میں جانشین بنائے
گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو جانشین بنایا تھا
اور ضرور ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے
پسند کر لیا ہے ان کی خاطر سے پائیدار کر دے
گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل
دے گا۔ اس وقت وہ میری ہی عبادت

کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا پس
نافرمان وہی ہیں (ترجمہ مقبول ص ۲۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ۱۔ خلافت اللہ کا وعدہ ہے۔ جو کسی صورت میں ٹل نہیں
سکتا۔ ۲۔ نزول کے وقت جو مسلمان موجود اور خطاب کے اہل تھے صرف ان سے وعدہ ہے۔
لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا باقی شیعی ائمہ اس کے مصداق سے خارج ہو گئے۔ شیعہ مفسر طبرسی اسکے
شان نزول میں کہتے ہیں۔ ”حضرت ابی بن کعب نے فرمایا جب حضور اور آپ کے صحابہ مدینہ آ گئے
اور انصار نے ان کو ٹھکانا دیا تو کفار باقاعدہ ان سے جنگیں لڑنے ہر سال آتے تھے اور مسلمان
خوفزدہ مسلح ہو کر رہتے تھے۔ ایک مسلمان نے کہا کیا ایسا بھی ہو گا کہ ہم غالب ہو جائیں۔ اور یہ
خوف امن سے بدل جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت مقداد بن اسود حضور سے
راوی ہیں۔ آپ نے فرمایا زمین پر کچا اور خیمے کا گھر بھی نہیں رہے گا مگر کلمہ اسلام اس میں اللہ تعالیٰ
عزت یا ذلت کے ساتھ داخل کریں گے۔ یا تو اللہ ان کو عزت دے گا اور منور اہل اسلام بنا
دے گا۔ یا ان کو عاجز کر دے گا۔ تو وہ اس دنیا کے آگے جھک جائیں گے۔

۳۔ وہ خلفاء مومن کامل۔ اور نیک ہوں گے۔ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ایمان و عمل شیعہ شیخ سلوک
و شبہات سب زائل ہو گئے۔ مدت الترقیہ کامل ایمان و عمل سے مانع ہے لہذا شیعی ائمہ خارج
ہو گئے۔

۴۔ لَیْسَتْ خَلِیْفَتُهُمْ فِی الْاَرْضِ (یقیناً اللہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا، وہ زمین میں
یقیناً صاحب اقتدار خلیفہ بن کر رہیں گے۔ کوئی ان سے غصب نہیں کر سکتا۔ شیعہ ائمہ کو نہ
حکومت ملی۔ نہ عوام کے دلوں پر عظمت کا سکہ بیٹھا۔ یہ سب کچھ بقول شیعہ، ان سے دوسروں
نے چھین لیا۔

صاحب تفسیر صافی کہتے ہیں۔ ۱۔ لَیْجْعَلْنَهُمْ خُلَفَاءَ بَعْدَ نَبِیْہِمُ (یعنی یقیناً نبی
کے بعد ہی ان کو خلیفے بنائے گا، اگر بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حمادی مراد ہوں تو نہ لفظ جمع
کا استعمال درست ہے نہ بحدیث متصل ہے۔ شیعہ علامہ طبرسی آیت ہذا کے تحت فرماتے ہیں۔
لَیْسَتْ خَلِیْفَتُهُمْ۔ ۱۔ اِیْ اَرْضِ الْکُفَّارِ مِنَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ۔ ان کو خلیفہ بنائے گا یعنی

عرب و عجم کی زمین کا حاکم بنائے گا۔

شبیہ کے متعدد مفسر کاشانی بھی آیت ہذا کے تحت لکھتے ہیں۔

”نصوڑے عرصہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ یہ وعدہ پورا کر دیا۔ جزیرۃ العرب
ممالک کسریٰ اور روم کے شہران کے حوالے کر دیئے۔“ شبیہ مفسر طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں
والمعنی لیورثنہم ارض الکفار
من العرب والعجم فیجعلہم سکانہا و
ملوکہا۔
معنی یہ ہے کہ ان کو وارث بنائے گا عرب و
عجم کے کفار کی زمین کا پس ان کو اس کا حاکم
اور باشندہ بنائے گا۔

”تاریخ کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ عرب و عجم کے ملکین اور فرمانروا اور وارث خلفاء العجم
راشدین ہی بنے۔“

۵۔ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (جیسے اللہ نے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی،

اس شبیہ سے معلوم ہوا کہ یہ خلافت نبیوں کی سی حکمرانی ہوگی۔ جیسے شبیہ تفسیر مجمع البیان میں ہے
مثلاً آدم و داؤد و سلیمان۔ اللہ تعالیٰ کی طرف استخلاف کی نسبت اس کے منافی نہیں کہ صحابہ
کرام ان پر اتفاق کر کے ان کی بیعت کر لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے ان کے دلوں میں
عظمت خلفاء و اہل کرخلفاء کا انتخاب کر لیا۔ جیسے رزق۔ ملک۔ موت و حیات۔ سب اللہ ہی دیتے
ہیں۔ مگر بظاہر مساویان اسباب پیدا فرما دیتے ہیں اور کبھی اسباب کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے

۶۔ وَ لَیْمَنَنَّ لَهُمْ دِیْنُهُمُ الَّذِی اَرْزَقْنٰی لَهُمْ۔ ان کے خدائی پسندیدہ دین کو قوت
اور شان و شوکت عطا ہوگی۔ خلفاء ثلاثہ رضہ کا دین حق ہی عرب و عجم میں شائع اور تمکین پذیر
ہوا۔ شیعی ائمہ کا دین تو ہمیشہ تقیہ میں رہا۔ وہ صرف گنتی کے چند نفوس ہی مومن بنا سکتے ہیں۔

۷۔ وَ لَیْسَ لَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنٌ۔ خلفاء ثلاثہ رضہ کا طبعی خوف امن سے بدلا
کیونکہ شیعی ائمہ کو ان کے خیال میں یا خوف ہو ہی نہیں سکتا۔ یا پھر انکو امن نصیب ہی نہیں
ہوا۔ اور نہ خدا کے پسندیدہ دین کتاب و سنت کو قائم کر سکے۔

عن ابی جعفر قلت ما منعه ان
یبین للناس فقال خشی ان لا یطاع و
امام باقر رضہ سے میں نے پوچھا کہ حضرت علی رضہ کو
کیا رکاوٹ درپیش آئی کہ لوگوں کے سامنے

لو ان علیا علیہ السلام ثبتت لہ قدما
 اقام کتاب اللہ والحق کلہ (رفدہ کافی)
 ج ۵ صفحہ ۵۱۸
 سارے حق کو قائم کرتے۔

شیخہ فرانس قرآنی جملہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں مد یعنی اسلام کی فوت اور پھیلنے کے ساتھ
 اللہ ان کو امن والا کر دے گا اس کے بعد کہ وہ مکہ (وغیرہ) میں خوفزدہ تھے۔ محتاج کتنے ہیں
 کہ اللہ نے ان کے ساتھ (بلکہ) اس امت کے ان سے پچھلے لوگوں کے ساتھ بھی یہ سلوک کیا ان
 کو زمین میں اقتدار دیا۔ خوف کو امن سے بدل دیا اور زمین (فتوحات) میں کشادگی عطا فرمائی
 تو اللہ نے ان سے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا (مجمع البیان ج ۱۸ ص ۶۱)
 مگر شیخہ آئمہ اس کا مصداق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ امام باقرؑ نے فرمایا۔

و ما را خائف و ترساں داشتند و
 ایمن بنویم بر خونہائے خود و خونہائے دستان
 خود (جلال العیون ص ۲۶۲)
 اور ہم کو وہ لوگ ڈراتے دھمکاتے رہے۔ ہم
 اپنے اور اپنے دوستوں کے قتل سے مامون
 و محفوظ نہ تھے۔

۸۔ یَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا۔ دورانِ حکومت وہ صرف خدا کے پرستار
 اور عابد ہوں گے۔ نشہ اقتدار میں مست ہو کر خدا کو نہیں بھلائیں گے۔ خلفاء کی دینداری اور
 اخلاص پر یہ ٹبری شہادت ہے۔ بالفرض اگر قبل خلافت زمانہ جاہلیت میں کسی سے ایسی
 غلطی ہوئی بھی تو مضر نہیں کیونکہ دورانِ خلافت وہ ان صفاتِ حسنہ کے ضرور حامل ہونگے
 فہو المقصود۔ اہل سنت کے علاوہ شیخہ کے امام اول حضرت علیؑ بھی اس آیت کو خلفاء
 راشدین پر منطبق فرماتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو مشورہ برائے عدم شرکت در غزوہ فارس، دیتے ہوئے حضرت علیؑ
 فرماتے ہیں۔

وہودین اللہ الذی اظہرہ
 وجندہ الذی اعدہ و امدہ حتی
 اور یہی وہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے ظاہر
 و غالب کر دیا اور اس کا وہ لشکر ہے جسے اس

بلغ ما بلغ وطلع حيثما طلع ونحن على
موعود من الله والله منجز وعده و
ناصر جندك (منهج البلاغة ج ۲ ص ۲۲۸)
اور اپنے لشکر کی مدد کر رہا ہے۔

نے تیار کیا اور مدد دی حتیٰ کہ وہ پہنچ گیا جہاں
پہنچ گیا اور چڑھ گیا جہاں چڑھ گیا۔ ہم اللہ کے
وعدے پر ہیں وہ اپنے وعدے پورے کر رہا ہے

یہاں حضرت فاروق اعظم کی خلافت کو اللہ کا غالب دین۔ لشکر فاروقی کو خدا کا ساختہ
منصور لشکر فرمایا ہے۔ اور آیت کے وعدہ کے ایفاء کی خبر دی ہے۔ چنانچہ اسی خطبہ کے تحت شراح
نہج البلاغہ فیض الاسلام ج ۱ ص ۲۳۰ و ابن مہتم بخاری ج ۱ ص ۱۶۷ پر رقم طراز ہیں۔
مذکر یہ وعدہ آیت وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا (دوسرے) میں مذکور ہے۔ ”قدیم نہج البلاغہ کے
نسخوں میں تو آیت بھی تھی مگر اب نکال دی گئی ہے۔“ (م)

آیت ۲۔ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ
الْأَرْضَ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ
وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (حج ۵۶)

وہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں تمکین (افشاء)
دیں گے تو وہ (باقاعدہ) نماز پڑھیں گے اور
زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم کریں گے
اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے،
(ترجمہ مقبول ص ۳۸)

اس آیت میں ان مظلوم مہاجرین کا ذکر ہے۔ جو اپنے گھروں سے صرف توحید کے جرم میں در
بدر کیے گئے اور پھر کافروں کے ساتھ ان کو جنگ و جہاد کی اجازت ملی۔ پھر بیان تک نفرت و
حمایت کا وعدہ فرمایا کہ ان کو خلافت دینے کا بھی وعدہ فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ دولت صرف
مہاجرین صحابہ کرام کو ملی۔ غیر صحابہ شیعہ ائمہ نہ ان کے اوصاف سے موصوف ہوئے نہ وہ تمکین فی
الارض پاکر اقامۃ الصلوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ تقیہ اور خوف کی وجہ سے انجام
دے سکے۔ کما تقدم۔ نتیجہ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اللہ سبحانہ نے یہ مہاجرین کا وصف ذکر
فرمایا ہے پس معنی یہ ہے کہ ان کو ہم ایسے کام کرنے کی طاقت دیں گے اور زمین میں حکمران بنائیں گے۔
تو وہ تمام حقوق سمیت نماز ادا کریں گے اور اللہ کا ان پر فریضہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔

آیت ۳۔ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا إِلَى اللَّهِ
اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی کہ ان پر

مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمْتُمْ اَلنَّبُوَّةَ تَهُمُ فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَّلَا اَجْرُ الْآخِرَةِ اَلْكِتٰبُ (نحل ۷۶)

ظلم کیا گیا۔ خدا کی خوشنودی کے لیے ہجرت کی۔
ہم ضرور بر ضروران کو دنیا میں رہنے کی اچھی
جگہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہوگا۔

سابقہ آیت کی طرح مہاجرین سے اللہ نے دو وعدے فرمائے۔ ۱۔ دنیا میں باعزت
مقام اور آخرت کی کامیابی۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا باعزت مقام رتبہ اور خلافت ہے۔ الحمد للہ
خلفاء کو لوگوں کے دلوں پر حکمرانی نصیب ہوئی۔

نتیجہ کی مختصر تفسیر مجمع البیان میں ہے۔
ہم ان کو یقیناً دنیا میں اچھی جگہ بخشا دیں گے اور وہ مدینہ طیبہ ہے۔ از ابن عباس رضی
وقیل لنعطینہم حالة حسنة و
ہی النصر و الفتح و قیل ہی ما استولوا
علیہ من البلاد و فتح لہم من الولاہ
حسنہ کے وعدہ سے وہ مراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ اور اس کی فتوحات موعودہ الہی اور آسمانی وحی کی صداقت
کا مظہر تھیں۔

آیت ۲۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ
الْاَعْرَابِ سِتْرٌ يَّحْذَرُونَ اِلَى الْقَوْمِ اُولٰٓئِ
بَاۡسٍ مُّشَدِّدٍ يُفَالِقُوۡنَهُمْ اَوْ يَسْلُبُوۡنَ
فَاَن تَطِيۡعُوۡا يُوۡفِیْکُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَّ
اِنْ تَتَوَلَّوۡا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنۢ قَبْلُ
یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیۡمًا (فتح ۲۶)

تم ان پیچھے رہ جانے والے بدوؤں سے یہ کہہ دو
کہ عنقریب تم ایک بڑی سخت لڑاکا قوم
کی طرف بلائے جاؤ گے (یا تو) تم ان سے
لڑو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔ پھر اگر
تم اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو بہت ہی اچھا
اجر عنایت فرمائے گا اور اگر تم اسی طرح روگردان
ہو جاؤ گے۔ جیسا کہ تم پہلے روگردانی کر چکے ہو تو تم کو دردناک عذاب سے عذب کریگا (ترجمہ مقبول)

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ جہاد سے جی چرانے والے اعراب کو ایک وقت میں
پھر دعوت الی الجہاد دی جائے گی۔ یا ان کو لڑنا پڑے گا یا وہ کافر مسلمان ہو جائیں گے۔

سنی شیعہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد عہد نبوی میں صرف غزوہ تبوک ایسا ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی مگر اس میں جنگ ہی نہیں ہوئی۔ اور غزوہ حنین و تبوک اس سے قبل ہو چکے تھے۔ ان میں اعراب کو دعوت نہ دی گئی تھی۔ لہذا اس کا زمانہ خلافت راشدہ کا ہے۔ غزوہ شام و فارس کے لیے ان کو دعوت دی گئی تھی۔ تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۲۶ میں ہے کہ اس سے مراد مسلمہ کذاب کے پیروکار بنو حنیفہ ہیں۔ ازہری۔ یا اہل فارس ہیں از ابن عباس یارمی ہیں از حسن بصری و کتب توبہ میں دعوتیں خلافت راشدہ میں ہوئیں۔ یہاں داعی کی اطاعت پر اللہ نے اجر حسن کا وعدہ فرمایا ہے توبہ جہاد صحیح ہوا۔ اور داعی خلیفہ امام برحق ہوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب بعض قبائل اعراب ہیں۔ جیسے۔ اسلم۔ جہینہ۔ سمریہ۔ غفار اور استیع اور طرفین کے مؤرخین کا اجماع ہے کہ نزول آیت کے بعد سرور کائنات کے عہد میں بحزب غزوہ تبوک کے ایسا غزوہ نہیں ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی ہو۔ اور غزوہ تبوک اس آیت پر منطبق نہیں ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے۔ تم جنگ کرو گے اپنے حریفوں کے ساتھ۔ یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ مگر ان میں سے ایک بات بھی تبوک میں نہ ہوئی۔ معلوم ہوا وہ دوسرا مکر ہے تو یقیناً یہ داعی خلفاء ثلاثہ میں سے ہے۔ کہ جس نے اعراب کو مرتدین کے مقابلے میں دعوت جہاد دی۔ جیسے خلیفہ اول حضرت صدیق رضی اللہ عنہ۔ اور خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اہل فارس و روم کے ساتھ جنگ کی اعراب کو دعوت دی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء میں تقریر کا حاصل بھی یہی ہے کہ نزول آیت کے بعد غزوہ خیبر میں تو اعراب کو دعوت ہی ممنوع تھی۔ قُلْ لَنْ يَتَّبِعُونَا كُنْ لَكُمْ قَالِ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ۔ فتح مکہ میں جنگ کی صورت نہ تھی۔ غزوہ حنین و طائف میں بارہ ہزار مسلح اسلامی لشکر کے مقابلے میں بنو نضیر کمزور و اذلیل تھے۔ نہ کہ صاحبان باس شدید۔ گو مسلمانوں کو کثرت کے گھمٹ میں ابتداء کچھ نقصان اٹھانا پڑا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ آیت عہد نبوی کے بجائے خلافت راشدہ کے متعلق پیشین گوئی ہے۔

آیت ۵ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ
يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَ
اَذَلَّةً عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ اَعْتَدْ لِّكَ
الْكَافِرِيْنَ يَجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۲۰ مائدہ)

اے ایمان لانے والو! جو تم میں سے اپنے
دین سے پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان
نہیں، خدا عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا
جن کو وہ دوست رکھتا ہے اور اس کو
وہ دوست رکھتے ہیں۔ مومنوں کے لیے وہ
رحم دل ہیں (اور) کافروں کے لیے سخت
راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت
کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ

فضل خدا ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور خدا تعالیٰ صاحب علم و وسعت ہے (ترجمہ مقبولہ ص ۱۴۶)
عبد نبوی کے بعد مرند ہونے والے لوگوں سے جہاد کرنے والے مومنوں کی اس آیت میں
خوب توصیف و تمجید کی گئی ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ان سے جہاد صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ
اور آپ کے لشکر نے کیا۔ منکرین زکوٰۃ۔ مرتدین اور جھوٹے مقبیلوں سے بلا خوف ملامت کنندگان
حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس ثابت قدمی اور برأت و ہوصلہ سے مقابلہ کیا اور ایک دن
میں فوج کے ا دستے تیار کر کے مختلف محاذوں پر بھیجے اور ہر طرف سے فتح پائی۔ یہ ایسا کارنامہ
ہے کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت عمرؓ کا مقولہ مشہور ہے۔ ”کہ میں
اپنی عمر کے نیک اعمال ابو بکرؓ کو صرف ایک رات اور دن کے عمل کے بدلے میں دینے کو
تیار ہوں۔ رات وہ کہ جس میں غارتوں میں حضورؐ کی تنہا رفاقت و پاسبانی کی۔ اور دن
وہ جس میں مرتدین کے ساتھ جہاد کیا (مشکوٰۃ) یہ دولت جہاد صرف حضرت ابو بکرؓ کو حاصل
ہوئی۔ نہ حضرت علیؓ اور دیگر بزرگ وہ شیعہ ائمہ کو کیونکہ عہد نبوتؐ کے بعد حضرت علیؓ کو بھی
نہ کفار سے جہاد نصیب ہوا نہ سختی کرنے کا موقع ملا۔ وہ تو ملامت کرنے والوں کے خوف
کی وجہ سے بقول شیعہ اصلی اسلام کو بھی ظاہر و ناقد نہ کر سکے (روضہ کافی ص ۵۹-۶۰)

اہل جمل و صفین پر چسپاں کر کے حضرت علیؓ کو اس کا مصداق بنانا بھی قطعاً غلط ہے
کیونکہ شیعہ اعتراف کے مطابق اہل جمل صرف باغی تھے اور باغی بنص قرآن مومن ہے کافر

منافق نہیں رکشف الغمہ۔ روضہ کافی ص ۱۸ اور اہل شام بھی مومن و خالطی تھے۔ جیسے تفصیلاً گزر چکا۔ تو معلوم ہوا۔ اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکرؓ اور آپ کا لشکر کاہل مومن۔ خدا کے محب اور محبوب۔ مومنوں پر مہربان اور کافروں پر سخت۔ مجاہد فی سبیل اللہ طعن و ملامت سے بے نیاز اور خدا کے خصوصی فضل سے مشرف ہیں۔ ولہ الحمد۔

مولانا عبد الشکور بکھنویؒ اس آیت (قتال مرتدین) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اسے حضرت ہمدی کے عہد پر بھی چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔ اول یہ کہ آیت لفظ منکم تیار ہی ہے کہ یہ پیشینگوئی صرف زمانہ نزول کے مخاطبین کے ساتھ خاص ہے۔ اگر عام مانا جائے تو خلاف مشاہدہ اور بطلان لازم آئے گا۔ آج کے مرتدین پر کون سی قوم مسلط ہوتی ہے۔ دوم بضر محال عام بھی مانیں تو بھی آیت میں شرط و جزا کے بیان کے مطابق جب کبھی فتنہ ارتداد ہو تو اس پر قوم مسلط ہونی چاہیے۔ اور یہ مسلم ہے کہ آخر عہد نبویؐ اور خلافتِ اولیٰ میں فتنہ ارتداد ہوا۔ لہذا ان پر قوم موصوف کا تسلط ضروری ہوا۔ المختصر متواتر واقعات کا انکار ناممکن ہے۔ نتیجہ کے مفسرین و مؤرخین اسے عہد صدیقیؒ کے متعلق تسلیم کر رہے ہیں۔ (منہاج الصادقین وغیرہ) (ملخص ص ۳۲۷ تفسیر آیات قرآنی)۔

آیت ۶۔ وَیَوْمَئِذٍ یَعْلَمُونَ
بِیْمَنِ اللّٰهِ یَعْلَمُونَ مَنْ یَّشَارُ وَهُوَ الْغَیْبُ
الرَّحِیْمُ وَعَدَ اللّٰهُ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدًا
وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا یَعْلَمُونَ (روم ۶)

اور اس دن ایمان والے اللہ کی نصرت سے
خوش ہوں گے۔ وہ جس کی چاہتا ہے نصرت
فرماتا ہے۔ اور وہ زبردست اور بڑا حکمت
والا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کبھی وعدہ

کے خلاف نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں (ترجمہ مقبول ص ۴۸)

یہ آیت غزوہ روم اور مسلمانوں کی فتح سے متعلق ہے۔ کہ ایک وقت آئے گا۔ فارس پر مسلمان غالب و حاکم ہوں گے اور وہ منلوب و محکوم۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو عہد فاروقی میں پورا کیا۔ اگر آپ کی خلافت برحق نہ ہوتی یا وہ ناقص الایمان ہوتے تو قرآن میں ایسی پیشینگوئی قطعاً نہ آتی۔ کافی کتاب الروضہ ص ۲ پر ہے۔

کہ ابو عبیدہ نے امام باقرؑ سے اللہ کے ارشاد اللہ عَلَیْکَ الرُّدْمُ کے متعلق پوچھا تو

فرمایا۔ اس کی حقیقت اللہ اور آل محمد کے پختہ عالموں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس روم سے مراد شام اور اس کے آس پاس کے علاقے مراد ہیں۔ یعنی فارس رومیوں پر غالب ہونے کے بعد مغرب مغلوب ہو جائیں گے۔

یعنی مسلمان کچھ سالوں میں ان رومیوں پر غالب آجائیں گے (کیونکہ اختیار پہلے بھی اللہ کو رہے اور بعد میں بھی اللہ کو ہوگا اور جس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد کے ساتھ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہے۔ پس جب مسلمانوں نے روم والوں سے جنگ کی اور اسے فتح کر لیا تو مسلمان اللہ کی مدد پر خوش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ کیا اللہ نے چند سالوں کا لفظ نہ کہا تھا؟ حالانکہ مسلمانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابو بکرؓ کے دور خلافت میں بہت سال گزر گئے۔ اور مومنوں کو فارس پر غلبہ تو حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا تو حضرت باقرؓ نے فرمایا کہ میں نے تجھے نہ کہا تھا کہ اس آیت کی تاویل و تفسیر ہے اور اے ابو عبیدہ! قرآن میں ناسخ و منسوخ بھی ہے۔ کیا تو نے اللہ کا فرمان نہیں سنا؟ آگے اور پیچھے اختیار اللہ کا ہے یعنی اسی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی بات کو مومنوں پر مدد والے یقینی دن تک لیٹ کر دیکھے تو اس قول الہی سے یہی فتح روم

یعنی یغلبہم المسلمون فی بعض سنین للہ الامر من قبل ومن بعد یومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء وقلنا عن المسلمون وافتتحوها فرح المسلمون بنصر اللہ قال قلت ایس اللہ عز وجل یقول فی بعض سنین وقد مضی للمؤمنین سنون کثیرة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امارۃ ابی بکر وانما غلب المؤمنون فارس فی امارۃ عمر فقال الما قل لکما ان لہذا تاویلا وتفسیرا والقرآن یا ابا عبیدہ ناسخ ومنسوخ اما تسمع لقول اللہ عز وجل للہ الامر من قبل ومن بعد یعنی الیہ المشیئۃ فی القول ان یؤخر ما قدم فی القول الی یوم القضاء بنزل النص فیہ علی المؤمنین فذلک قولہ یومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء ای یوم یجتم القضاء فیہ بالنصر

مرا ہے ” کہ اس دن مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔
یعنی اس دن میں کہ مدد کا یقینی فیصلہ کرے گا۔“

عام روایات کے مطابق تور و میوں کے غلبے کی بشارت ہے۔ عہد نبوی یعنی جنگ بدر کے
دن کہ مسلمانوں کو دوسری خوشی ہوئی تھی۔ مگر امام باقرؑ نے اس شیعہ تفسیر کے مطابق دیوینڈ
کو الگ مستقل جملہ بنا کر عہد فاروقی میں فتح روم کی پیشگی کوئی بتایا۔ اور نہ وگرائس اس کے
متحمل ہیں۔ واللہ الحمد والفصل ما شہدت بہ الشیعتہ

کس قدر وضاحت کے ساتھ حضرت امام باقرؑ نے نصرت خداوندی مسلمانوں کی
خوشی اور فتح فارس کے ضمن میں حضرت فاروقی اعظمؓ کی خلافت کی حقانیت اور آپ کے
شکر کے ایمان و صداقت کو بیان فرمایا۔

آیت ۱۶۸ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ
اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ (پ ۲ بقہ ۱۶۸)
تنبیہ مفسر طبرسی سے اس آیت کا ترجمہ و تفسیر یہ ہے۔

مہ جو لوگ ایمان لائے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کی اور جو لوگ مہاجرین
یعنی رشتہ داروں کو چھوڑا۔ گھروں سے جدا ہوئے۔ اپنے مال چھوڑ دیئے اور اللہ کی راہ میں
جہاد کیا۔ یعنی خدا کی فرمانبرداری میں جو اس کے بندوں کے لیے مقررہ راستہ ہے۔ کفار سے
جہاد کیا۔ یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں یعنی دنیا اور آخرت میں اللہ کی
رحمت کی امید رکھتے ہیں جو دنیا میں نصرت و فتح سے ہوگی اور آخرت میں ثواب ملنے سے ہوگی۔
اس سے معلوم ہوا کہ حب بشریت الہی ان مہاجرین و مجاہدین کو دنیا میں فتح و نصرت حاصل
ہو کر رہی۔ اسی کا نام خلافت راشدہ کی صداقت ہے۔ اور آخرت میں ثواب و اجر اور رحم و
منفرت ضرور ملے گا۔ جو خلفاء اور ان کے پیروکاروں کے کامل الایمان جلتی ہونے کی
ضمانت ہے۔

آیت ۱۷۰۔ وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزُّبُورِ
مَنْ بَعْدَ الَّذِیْکَ اِنَّ الْاَرْضَ لِیَرِثُهَا
اور بے شک زبور میں ہم نے بعد نصیحت
کے یہ لکھ دیا تھا کہ (آخر میں) میرے نیک

عِبَادِي الصَّالِحُونَ۔ (پہلے انبیاء) بندے زمین کے وارث ہو جائیں گے۔

موسوی مقبول شیعہ زمین سے دنیا کی زمین (فلسطین و شام) مراد لے کر مہدی آئندہ اوروں کے ساتھیوں کو وارث قرار دیتے ہیں۔

مگر یہ اس کے مخالف تو نہیں کہ مخاطب آیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھی مراد ہوں جن کے ہاتھ پر اللہ نے یہ مقدس زمین بوجہ جنگ کے محض حضرت عمرؓ امیر المومنین خلیفہ ثانی کی شکل و علامات دیکھ کر یہود و نصاریٰ سے دلدادی تھی جو تاریخ کا روشن باب ہے۔ شیعہ مفسر طبری مفسر اہل بیت حضرت ابن عباسؓ سے ایک تفسیر یہ نقل کرتے ہیں۔ وقیل فی الارض المعر وفتی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے معروف زمین (فلسطین) مراد ہے جس کے وارث امت محمدیہ کے مجاہد ہوں گے جو کفار کو جلا وطن کر کے اسے فتح کریں گے۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا میرے آگے زمین کی گئی ہیں اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا تو جو زمین (کے ممالک) مجھے دکھائی گئی وہ میری امت کی بادشاہی میں

یونہی امة محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بالفتوح بعد اجلاء الکفار كما قال زویت لی الارض فاریت متشادقھا و مغادبھا و سیبلغ ملک امتی ہا زوی لی منها عن ابن عباس فی روایۃ اخری (پہلے ص ۶۷)

آئیں گے۔ دوسری روایت میں یہ ابن عباسؓ کی تفسیر ہے۔

شیعہ کو غلطی اس سے لگ رہی ہے کہ وہ الارض سے تمام زمین مراد لیتے ہیں۔

حالانکہ الف لام عہد کا ہے اس سے وہ خاص زمین مراد ہے۔ جسے یہود و نصاریٰ اپنی مقدس جگہ کہتے ہیں جو کنعان و فلسطین ہے۔ اور یہ ذکر کل ارادہ جز ایسے ہے جیسے حضرت یوسفؑ کے اقتدار میں فرمایا وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ (اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو زمین میں اقتدار دیا۔ پ ۱۶۰) اور بنی اسرائیل کے متعلق ہے وَنَمَكِّنُ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ (اور ہم ان کو زمین میں اقتدار دیں گے) كَأَنَّهُمْ يُصْعَقُونَ (فِي الْأَرْضِ) کہ ہم نے زمین کے مشرق و مغرب کا مالک و وارث اس قوم کو بنادیا جو زمین میں کمزور گئے جاتے تھے پ، قینوں آیات میں الارض سے مراد مصر کی زمین ہے۔

الغرض آیت میں ایسا کوئی قرینہ اور لفظ نہیں کہ اصحاب رسولؐ کو چھوڑ کر اصحابِ مہدیؑ کو عبادی الصالحون کا مصداق بنایا جائے۔ اس سے تو دجل و قلیس کا الزام (معاذ اللہ) قرآن پر آتا ہے کہ جن کو بشارت و انعام سنایا جا رہا ہے ان کے کسی فرد کا بھی اس میں حصہ نہیں۔ تو ان عقلی و نقلی وجوہ سے ثابت ہوا کہ اس سے مراد اصحابِ رسولؐ اور لشکرِ فاروقی ہے۔ اور ان کی خلافت راشدہ سچی اور موعودہ الہی ہے جس کا منکر منکر قرآن ہے ولعلہ الحمد آیت ۹۔ کَتَبَ اللَّهُ لَا غَلْبَ اَنَا یہ تو اللہ بکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول و رُسُلِی اِنَّ اللہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (مجادلہ ۲۸) ضرور بالضرور غالب رہیں گے۔

شیعہ مفسر طبرسی اس کے شانِ نزول میں کہتے ہیں۔ "روایت ہے کہ جب مسلمانوں کو رزق میں دکھ لایا گیا کہ خدا ان پر شہر فتح کرے گا تو مسلمانوں نے دعویٰ کیا کہ خدا ضرور بالضرور ان پر روم و ایران کو فتح کرے گا تو منافق کھنے لگے کیا تمہارا خیال ہے کہ روم و فارس ان بوجھ سے شہروں کی طرح (معمولی) ہیں جن پر تم غالب ہوئے ہو تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔" (مجمع البیان ۱۹) اس سے معلوم ہوا کہ قصیر و کسریٰ کی فتوحات درحقیقت خدا و رسولؐ کا غلبہ اور فتح تھی حضرت عمرؓ اور آپؐ کے لشکرِ مؤمنین کو اس کا منظر اور آکر بنایا گیا تو خلافت راشدہ کی حقانیت اظہر من الشمس ہو گئی۔

آیت ۱۰۔ هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ كَاَعْلٰی الدِّیْنِ كُلِّهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔ وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور دیکھ بھال کے لیے اللہ کافی ہے۔ (ترجمہ مقبول، فتح ۴۶ پ ۲)

شیعہ مفسر طبرسی اس کی تین تفسیریں کہتے ہیں۔ ۱۔ یعنی دینِ اسلام کو دلائل اور برہین کے ساتھ تمام دینوں پر غالب کر دے۔ ۲۔ دین کو غلبہ شوکت اور دنیا کے شہروں میں اشاعت و ترقی دے کر غالب کر دے۔ ۳۔ کہ اس کی تکمیل مہدیؑ کے نکلنے پر ہوگی پس زمین میں سوائے دینِ اسلام کے اور کوئی دین نہ رہے گا۔ (مجمع البیان ۲۶ پ ۱۸) تبصرہ پہلی تفسیر کی ضرورت نہیں کیونکہ دلائل و برہین سے غلبہ اسلام تو روزِ نازل

سے حاصل تھا کون سی دلیل کو کفار توڑ سکتے تھے۔ دوسری تفسیر یہ یقینی اور متبر ہے کہ اسی کی ضرورت تھی تاکہ کفار کو مرعوب و مغلوب کر دیا جائے اور وہ اسلام کو مٹانے کے پروگرام میں ناکام ہو جائیں۔ تیسری تفسیر دوسری کے مخالف نہیں۔ کیونکہ گو تکمیل خاص مصلحت کے تحت اس وقت ہو مگر دین کے غلبہ و اشاعت کا سلسلہ تو حضرت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور سے شروع ہو چکا ہے اور دشمنان مٹ گئے ہیں۔ اب اگر زمانہ آخر میں یہود و نصاریٰ کا پھر غلبہ ہو جائے۔ زمین ظلم سے بھر جائے اور حضرت عیسیٰؑ و مہدی علیہما السلام کے ذریعے خدا دوبارہ اسلام کا اظہار و انقلاب برپا فرما دے تو وہ جہاد بات ہے اور دیگر دلائل صریح سے ثابت ہے اس آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آیت ۱۱۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
بے شک ہم زندگانی دنیا میں اپنے رسولوں کی مدد کرتے رہتے ہیں اور ان لوگوں کی بھی جو ایمان لائے ہیں (ترجمہ مقبول)

شیعہ مفسر طبرسی فرماتے ہیں ”کہ ہم ان کی مدد کوئی طرح کرتے ہیں۔ کیونکہ مدد حجت (اور استدلال) سے ہوتی ہے اور جنگ میں غلبہ سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے حکمت کا انقضاء ہوا وہ اللہ سبحانہ مصلحت جانتے ہوں اور مرہ بانہی کرنے کا تائید کرنے اور دل کو مضبوط کرنے سے بھی ہوتی ہے اور دشمنوں کو ہلاک کر دینے سے بھی ہوتی ہے اور یہ سب قسم کی امدادیں منجانب اللہ انبیاءؑ اور مومنین کو حاصل ہوئی تھیں (مجمع ۷/۲۲۲ ص ۲۰۶)

اس آیت کے تحت ہم کہتے ہیں کہ خود حضور علیہ السلام اور مومنین صحابہؓ کو بھی اللہ نے یہ سب نصرتیں عطا فرمائی تھیں۔ وہ حجت و استدلال سے غالب ہوئے۔ جنگوں میں کفار پر مظفر ہوئے۔ تائید ربانی سے ان کے دل مضبوط ہوئے اور ان کے دشمن ان کی تلواروں سے ہلاک ہوتے رہے۔ اور یہ سب کچھ خلافت راشدہ ہی کی تشریح ہے جس کی حقانیت کی یہ آیت بھی ضامن ہے۔ کیونکہ اگر ان کو اس کا مصداق نہ مانا جائے تو یہ ہو کہ وعدہ و بشارت نصرت سچی ہوگی کہ مخالفین صحابہؓ و شیعہوں کو تو ناہنوزان میں سے کسی قسم کی مدد حاصل نہ ہوگی۔

آیت ۱۲۔ اِذْ رَمٰى اَحَدُہُمْ شَطَاطًا
کہ وہ کھیتی کے مانند ہیں کہ اس نے اپنی

كَأَذْدًا فَاسْتَعْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ
سَوْدِهِ يَعْجِبُ الدُّعَا لِيُعْطِيَهُمُ
الْكَفَّارَ دِرْهَمَ ٢٦ فَتَحَ ٢٧

کفار کو غصہ دلائے (ترجمہ مقبول)

کو نپل نکالی پھر طاقت ور اور مضبوط ہو کر
اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی اب کھیتی کرنے والوں
کو اچھی معلوم ہوتی ہے تاکہ ان کے ذریعے سے

مفسر طبری لکھتے ہیں۔ ”واحدی کہتے ہیں کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی
اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کی دی ہے۔ پس کھیتی تو محمدؐ میں اور پودے اس کے اصحاب اور
آس پاس رہنے والے مومن میں جو انتہائی کمزور تھے اور قلت میں تھے جیسے شروع میں ہجری
(فصل) کمزور ہوتی ہے پھر موٹی اور مضبوط ہو کر بڑھا دیتی ہے (یعنی ایک سے کئی شاخیں بن
جاتی ہیں) تو اسی طرح مومنین صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے مل کر مضبوط ہو گئے اور خوب
سمت طاقتور ہو گئے۔ اور اپنی خلافت (اسلام) پر پورے کھڑے ہو گئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان
کی ترقی کی وجہ سے کفار کو چڑائے۔ یعنی خدا نے ان کو بہت کثیر بنا دیا اور مضبوط کر دیا تاکہ یہ خدا
کی اطاعت پر اتفاق اور اپنی کثرت کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائیں۔“ (مجمع البیان ۲/۱۸۷)
یہ آیت سورت نور کی آیت اختلاف ہی کی تفسیر و تشریح ہے کہ وہ کثرت ہو کر فتوحات
کے ذریعے دنیا پر ہلکاتی کھیتی کی طرح چپا گئے فصل بونے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو تو یہ اچھے لگتے ہیں مگر کافران سے جلتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ممالک اور علاقے صحابہؓ کے قبضے میں
آگئے اور معلوم دنیا کی سب بڑی طاقتیں ختم ہو گئی تھیں۔ اب شیعہ حضرات ہی انصاف کر کے
بتلائیں کہ وہ صحابہ کرامؓ کی تعمیر و ترقی اور فتوحات کے ذکر خیر سے چڑتے ہیں اور خلافت راشدہ
کو بالکل برحق نہیں مانتے اور ان کے عیوب کی تلاش میں سرگردان رہتے ہیں۔ لِيُعْطِيَهُمُ
الْكَفَّارَ دِرْهَمَ ٢٦ فَتَحَ ٢٧ میں ان کو کیا خطاب دیا جائے؟ جب حضورؐ کو ان کی یہ ترقی اور کثرت
پسند گئے اور آپ ان کو۔ ۳۔ ۴۔ ۱۰ نفوس کہہ کر فصل اجاڑنے کا مشغلہ جاری رکھیں تو کیسے
کوئی آپ کو مومن بالرسول اور خیر خواہ اسلام باور کرے گا؟

احادیث مصطفیٰؐ اور خلافت راشدہ | سوال ۳ کے جواب میں کچھ ذکر ہو چکی ہیں شیعہ
اصول پر کچھ یہ ہیں۔

۱۔ بعض از واج مطہرات کو تبلیا کہ میرے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔
 حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۰ تفسیر قمی ص ۳۶۶ تفسیر مجمع البیان ص ۳۱۴ ج ۳ سورۃ تحریم۔
 اصل الفاظ یہ ہیں۔ ”فقال ان ابا بکر یلی الخلافت بعدی ثم بعدہ ابوک فقال
 من اخبرک بهذا فقال اللہ اخبرنی۔ اس بنیادی مسئلہ پر یہ سب سے قطعی دلیل
 ہے کہ فرمان و خبر نبوی ہے۔ اگر خلافت صدیق و فاروق کو منجانب خدا و رسولؐ سپی اور فیصلہ
 شدہ مانا جائے تو مذہب شیعو باطل ہے۔ اگر شیعو سچے ہوں تو خدا و رسولؐ کی صداقت ختم
 ہو جاتی ہے۔

۲۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو ولیعہد کی طرح امام نماز بنایا جیسے ابن سعد طبری ابن
 اثیر ابن خلدون وغیرہ تمام کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ اور صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الاماۃ
 میں ہے کہ ابوبکرؓ کو امامت کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ نے اس امامت منصرہ سے امامت کبریٰ پر
 استدلال کر کے آپ کی بیعت فرمائی۔

۳۔ متعدد مواقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قصیر و کسریٰ کی فتح کی بشارت دی اور
 اپنی طرف نسبت کی۔ علامہ باقر علی مجلسی آیت قل اللہم ملک المملک کے تحت فرماتے
 ہیں۔

۴۔ معتبر روایات کے موافق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ فتح مکہ یا جنگ خندق کے
 موقعہ پر حضورؐ نے خبر دی۔

کہ خدا میں و امت من بداد ملک بادشاہان
 خدانے عجم و روم اور یمن کے بادشاہوں کے ملک
 عجم و روم و یمن و منافقان گفتند کہ محمد
 مجھے اور میری امت کو دے دیئے اور منافق
 گفتے تھے کہ محمدؐ مکہ و مدینہ پر اکتفا نہیں کرتا
 بادشاہاں میکنند (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۵۸-۱۵۹)
 اور بادشاہوں کے ممالک کا لالچ رکھتا ہے۔

۵۔ حضورؐ کے فرمودہ کے مطابق عجم کے بادشاہ بڑی طاقت و شوکت کے باوجود ختم
 ہو گئے (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۰۱)۔ اور حق تعالیٰ نے چند آیات دیگر میں خبر دی
 ہے کہ بلاد فارس و روم کے علاوہ دیگر فتوحات اور نصرتیں خدا کی طرف سے ہوں گی۔ جن کا

ذکر میں نے بجا اللہ انوار میں کر دیا ہے۔ (حیات ۲۷ ص ۱۶)

۶۔ ایک عرب کے مشہور عالم عبدالمسیح بن عمر غسانی نے بشارت دی تھی: پیغمبر آخر الزمان کے مبعوث ہونے پر۔۔۔۔۔ ملک شام و عجم ان کے بادشاہوں کے ہاتھوں سے نکل جائیگا۔ اور قسری کے گرنے والے ننگروں کی مانند وہ بادشاہی کریں گے پھر ان کی بادشاہی ختم ہو جائے گی جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ پھر مجلسی کہتے ہیں کہ ان کے ۱۰ بادشاہ ۴۴ سال میں ختم ہوئے۔ باقی حضرت عثمان کے زمانہ تک رہے۔ اور نیست و نابود ہو گئے۔ (حیات القلوب ص ۵۶۔ جلال العیون ص ۴۱)

۷۔ کئی مرتبہ حضور نے اہل عرب کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ خدا اور رسول کو مان لو۔

بادشاہ عرب و عجم شہید و در بہشت تاکہ تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ اور بہشت بادشاہ با شہید (حیات القلوب ص ۲۶۱، ۲۶۲) میں بھی بادشاہ رہو گے۔

۸۔ جنگ خندق کے موقع پر کھدائی کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا نے پہلی چمک میں مین کے محل مجھے دیئے۔ دوسری میں شام کے محل مجھے دیئے۔ تیسری میں مدائن کے محلات مجھے ملے اور عجم کی حکومتیں مجھے مل گئیں۔ پھر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (حیات القلوب ص ۲۶۱، ۲۶۲) تاکہ اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام ادیان (و ملل) پر غالب کر دے اگرچہ مشرک اسے ناپسند کریں۔

۹۔ جب قسری نے حضور کا مکتوب پھاڑ دیا تو آپ نے فرمایا امت من بزودی مالک زمین او میری امت جلد ہی اس کی زمین کی مالک بن جائے گی۔ (خوابند شد (حیات القلوب ص ۴۱) بن جائے گی۔)

قیصر و قسری کے قاصدوں سے فرمایا۔ اپنے بادشاہوں سے جا کر کہو۔ کہ بادشاہی من ثابتہائے زمین کہ میری بادشاہی زمین کی اشنا تک پہنچے گی اور قیصر و قسری کے ملک میری امت کے خواہر رسید و ملک قیصر و قسری بقصر

امت من در خواہد آمد (حیات القلوب) قبضے میں آجائیں گے۔

قیصر و کسریٰ کی فتح کی پیشینگوئی کے متعلق یہ صرف ایک کتاب کی کچھ عبارت ہیں ورنہ یہ قصہ کتب شیعہ میں بھی متواتر ہے۔ باتفاق سنی شیعہ یہ فتوحات عمدہ فاروقی و عثمانی میں ہوئیں۔ آپ نے ان کی نسبت فتح خود اپنی طرف یا اپنی امت کی طرف کی ہے جس سے خلافت راشدہ کی حقانیت اظہر من الشمس ہو گئی

۱۰۔ شیعہ کی قدیم ترین معتبر تفسیر قمی (مصنفہ علی بن ابراہیم استاذ کلینی) ج ۲ ص ۴۸ اسورت از اب حالات خدق میں ہے۔

مد کہ حضور نے کدال لے کر خود چٹان پر ماری تو بجلی چمکی اور ہم نے شام دو قیصر کے حملات دیکھے پھر دوسری دفعہ ماری تو بجلی چمکی اور ہم نے دائن (ایران) کے حملات دیکھے۔ پھر تیسری دفعہ ماری اور بجلی چمکی تو ہم نے یمن کے حملات دیکھے تو حضور نے فرمایا یقیناً اللہ ان ممالک کو تم پر فتح کرے گا جو بجلی میں تم نے دیکھے۔“

۱۔ حضور علیہ السلام نے خلافت راشدہ کی حقانیت پر اہل سنت کی ۱۲ احادیث فرمایا۔ میں سو یا ہوا تھا کہ

نواب میں دیکھا کہ ایک کنوئیں پر کھڑا ہوں۔ ڈول رکھا ہے۔ میں نے اس سے پانی کھینچا جتنا اللہ نے چاہا۔ پھر ابن ابی حمازہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ سے لیا تو ایک دو ڈول انہوں نے نکالے مگر ان کے بھرنے میں کچھ صنف تھا اللہ ان کو صاف کرے۔ پھر وہ ڈول بہت بڑا بن گیا تو اسے عمر بن الخطابؓ نے لے لیا میں نے کسی زور آور کو نہیں دیکھا کہ وہ عمرؓ کی طرح زور و طاقت سے بھرتا ہو۔ یہاں تک کہ سب لوگ میرا ہونگے۔ بخاری و مسلم از ابو ہریرہ و ترمذی از ابن عمر رضی اللہ عنہما

اس حدیث میں صریح اشارہ شیخین کی خلافت کی طرف ہے اور حضرت عمرؓ کی خلافت

مہ کافی کتاب الروضہ ص ۲۱۶ طہران میں منشی علی اکبر غفاری صاحب فرماتے ہیں چٹان والی یہ حدیث متواترات میں سے ہے اسے خاصہ اور عامہ سب نے بہت سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے شیخ صدوق نے بھی اپنی سند سے حضرت برادر بن عابدؓ سے روایت کیا ہے۔ انتہی۔

کی قوت اور کثرت فتوحات کا بھی بیان ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا صنف خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کثرت فتوحات نہ ہونے کی وجہ سے بیان فرمایا ہے۔ گو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مدت خلافت صرف دو برس تین ماہ ملی۔

۲۔ ابوداؤد نے حضرت ابوبکرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا۔ گویا ایک ترازو آسمان سے اتاری اس میں آپ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ وزن کیے گئے تو آپ وزنی رہے۔ پھر ابوبکرؓ و عمرؓ تو لے گئے تو ابوبکرؓ و عمرؓ وزنی رہے۔ پھر عثمانؓ وزن کیے گئے تو عمرؓ و عثمانؓ وزنی رہے۔ اس کے بعد وہ ترازو اوپر اٹھالی گئی اس خواب کو سن کر (ترازو کے اٹھ جانے سے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور آپؐ نے فرمایا کہ یہ خلافت نبوت ہے۔ اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا (ترمذی ابوداؤد۔ مشکوٰۃ ج ۵)

ابن مردودہ کی روایت میں ہے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترازو میں تولے جانے کا خواب ذکر فرمایا۔ تھوڑا سا فرق عنوان بیان کا ہے۔ اس روایت میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا بیان ہے۔

۳۔ حاکم نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں مجھے قبیلہ بنو مصطلق کے لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ آپ کے بعد ہم اپنی زکوٰۃ کس کو دیں۔ آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ کو۔ میں نے یہی جا کر ان سے کہہ دیا۔ انہوں نے کہا جاؤ پوچھو کہ اگر ابوبکرؓ کی وفات ہو جائے تو پھر کس کو دیں۔ آپؐ نے فرمایا عمرؓ کو۔ ان لوگوں نے کہا پھر عمرؓ کے بعد کس کو دیں۔ آپؐ نے فرمایا عثمانؓ کو۔

مولانا عبد الشکور کھنویؒ یہ روایت لکھ کر فرماتے ہیں۔ اس مضمون کی روایات بہت ہیں کسی میں زکوٰۃ کا حوالہ اپنے بعد خلفائے ثلاثہؓ پر فرمایا ہے کسی میں اپنے فرض کی ادائیگی کا کسی میں کسی اور معاملہ کا یہ سب ولی عہدی کے دلائل ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ پوچھا گیا حضرت عثمانؓ کے بعد تو فرمایا کہ عثمانؓ کے بعد ہو سکے تو مر جاؤ یعنی ان کے بعد بڑے بڑے فتنے ہوں گے۔

۴۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت کتاب اللہ میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب نبیؐ نے ایک راز کی بات اپنی بعض بی بیوں سے کہی تھی۔ وہ یہ کہ آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ تمہارے والد اور عائشہؓ کے والد میرے بعد لوگوں پر حاکم ہوں گے۔ اس کو کسی سے بیان نہ کرنا۔ یہ روایت علامہ واحدی نے لکھی ہے۔ کتب تبلیغہ سے حوالہ جات گزر چکے ہیں۔

۵۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے فرمایا کہ بہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابو بکرؓ کو اور ان کے بیٹے کو بلا لاؤں اور عہد نامہ لکھوا دوں تاکہ دعویٰ نہ کچھ نہ کہیں۔ اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کریں۔ پھر میں نے کہا کہ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان نہ دکر دیں گے کہ ابو بکرؓ کے سوا اور کوئی خلیفہ بنے (بخاری ج ۷ ص ۲۸۵)

۶۔ جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کسی معاملہ میں آپؐ سے گفتگو کی۔ آپؐ نے اسے حکم دیا کہ پھر آنا اس نے کہا اگر میں آپؐ کو نہ پاؤں۔ مطلب یہ کہ آپؐ کی وفات ہو جائے تو آپؐ نے فرمایا۔ مجھے نہ پاؤں تو ابو بکرؓ کے پاس آنا۔ یہ حدیث بخاری ج ۱ ص ۱۸۵ ترمذی۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے) ۷۔ بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تمہارے اندر بارہ (مقتدر) خلیفہ ہوں گے۔ ابو بکر صدیقؓ تو میرے بعد تھوڑے دن پائیں گے اور وہ عرب کی چکی چلانے والا اچھی زندگی پائے گا۔ اور شہید ہو کر مرے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ (چکی چلانے والا) کون شخص ہے۔ فرمایا عمر بن الخطابؓ۔ پھر آپؐ عثمان بن عفانؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم سے لوگ درخواست کریں گے کہ ایک قمیض جو اللہ نے تمہیں پہنائی ہے انار دو لیکن قسم اس کی جس نے حق کے ساتھ مجھے بھیجا اگر تم اس کو اتارو گے تو جنت میں داخل نہ ہو گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نکل جائے (چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مطلوبانہ شہادت پالی مگر قمیض خلافت نہ اتاری) حضرت عمرؓ کو عرب کی چکی چلانے والا اور قطب حضرت علیؓ نے بھی فرمایا ہے۔ فکن قطباً واستدرا الوحی من العرب (منہج البلاغۃ قسم اول ص ۲۸)

۸۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول خدا دنیا سے نہیں گئے۔ یہاں تک کہ مجھے یہ خبر دے گئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ ان کے بعد میں ہوں گا۔ مگر میری خلافت پر سب کا اتفاق نہ ہوگا۔ (ریاض النضرہ غنیۃ الطالبین)

۹۔ حاکم نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیاد میں ایک پتھر رکھا تو پھر فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پتھر میرے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ پھر فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک پتھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ پھر فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک پتھر عمر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے خلیفہ ہوں گے۔

۱۰۔ محدث بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ میں گیا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور سلام کہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو سلام کہا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے سلام کہہ کر وہ بھی بیٹھ گئے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں تھیں۔ ان کو آپ نے اٹھایا ہتھیلی میں رکھا تو وہ کنکریاں تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی کھکی کی سنی۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں زمین پر رکھیں تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھیں تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی کھکی کی سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی کھکی کی سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔)

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وسلم هذه خلافة النبوة کہ یہ خلافت نبوت کی ہے۔

اور ابن عساکر نے اس اور زیادہ روایت کیا ہے کہ آپ نے فرداً فرداً ہم لوگوں کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھا مگر کسی ایک کنکری نے بھی ہمارے ہاتھوں سے نہ پڑھی۔
ابوالنفسیر آیات قرآنی ص ۱۵۶-۱۵۷۔ از مولانا عبد الشکور بکھنوی

۱۱۔ عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادمی ما بقائی فیکم فافتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمرؓ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۹)
حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ کتنا عرصہ تم میں زندہ رہوں گا تو تم میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی پیروی کرنا۔

ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت حذیفہؓ سے ربیع بن حراش کے واسطے سے دو سندیں ذکر کی ہیں۔

شیخین کو خلیفہ بنانے پر یہ حدیث مرفوع بالکل صریح دلیل ہے۔ تبھی تو سب صحابہ کرام نے اس پر عمل کر کے ان کی خلافت پر کھلی اتفاق کیا۔ بایں معنی ان کی خلافت کو اجماعی یا شورائی کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ آج ایک نیک آدمی (حضورؐ کی ذات مراد ہے) کو خواب آئی کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑا گیا اور عمرؓ کو ابوبکرؓ کے ساتھ اور عثمانؓ کو عمرؓ کے ساتھ جوڑا گیا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہؐ کے پاس سے اٹھے تو یہ تبصرہ دیتے تھے کہ رجل صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جنوں کا بعض کے ساتھ جوڑ کا معنی یہ ہے کہ یہ اس شریعت کے والی اور خلفاء (نبوی) ہیں۔ جو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۱ باب الخلفاء)

یہ تمام احادیث خلافت راشدہ کی حقانیت اور خلفاء کے ولی عہد نبوی ہونے پر صاف صاف دلالت کرتی ہیں۔

رہا یہ کہ پھر خلفاء نے بیعت لیتے وقت ان کو پیش کیوں نہ کیا تو اس کی رکاکت ظاہر

ہے۔ کیونکہ خلفاء کو خود میاں مٹھو بن کر اپنے لیے یہ احادیث پڑھنے اور کشمکش برپا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بعض ان میں صرف چند کارناموں اور فتوحات پر مشتمل ہیں۔ جب تک فتوحات عمل میں نہ آئیں تو کوئی کیسے فاتح یا خلیفہ راشد فی الاحادیث ہونے کا دعویٰ کرے۔ شیعوں کے یہاں احادیث مصطفیٰ سے احادیث ائمہ کا درجہ زیادہ ہے۔ لہذا اس ضمن میں حضرت علیؓ کی بھی ایک حدیث پیش خدمت ہے۔ (یقینہ ارشادات ائمہ سوال ۳ کے جواب میں ملاحظہ کریں)

خبردار! میں ان شخصوں سے ضرور جنگ کروں گا۔ ایک وہ جو ناحق پر دعویٰ کرے اور دوسرا وہ جو حق کو دوسروں سے روکے (منع البلاغہ) تاہم شاہد ہے کہ حضرت علیؓ نے خلفاء ثلاثہؓ سے جنگ نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک ان کی خلافت برحق اور صحیح تھی۔

اسی شیعہ کتب حدیث۔ سیرت اور تاریخ سے یہ مصرح ہے

خلافت اور اجماع امت کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دیگر سب خلفاء پر حضرات

صحابہ کرامؓ اور سب امت نے اتفاق فرمایا۔ شیعہ بھی اس کے معترف ہیں۔ نتیجی تو سب صحابہ کرامؓ اور امت سے ناراض اور ان کو گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اجماع سے کوئی خلیفہ نہیں بن سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں بالقرض اگر قرآن و سنت سے کوئی نص اور اشارہ خلفاء ثلاثہؓ کی خلافت راشدہ پر نہ ہو تب بھی سب صحابہ کرامؓ کے اتفاق و اجماع سے خلافت راشدہ کی حقانیت قطعی اور یقینی ہے۔ اولاً۔ امت گمراہی سے محفوظ ہے تو اجماع برحق ہوا۔ جیسے تفصیل گزر چکی ہے۔ ثانیاً۔ صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے

ہم الصادقون — ہم الدائرون — ہم المومنون حقا —
 ہم المفلحون — ہم الغلبون — ہم الفائزون —
 ہم المتقون — ہم الصالحون — جیسے القابات سے نوازا۔
 سب کو کَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنٰی اور رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَضَعَهُ
 کی سند عطا کی۔ کیا عقل سلیم کسی بھی درجے میں یہ باور کر سکتی ہے کہ العباد
 باللہ یہ سچے۔ راست رو۔ بچے مومن۔ ابدی کامیاب۔ کفار برعکس۔ کامیابی سے

سرفراز۔ خدا سے ڈرنے والے۔ نیکوکار۔ سب ہی بھلائی کے مستحق۔ خدا کے پسندیدہ و مقبول اور خدا سے راضی و مسرور۔ سب گمراہ ہو جائیں اور مرنے کی خلافت عند الشیخہ حضرت علیؑ کو چھوڑ کر غیر مستحق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر اتفاق و اجماع کر لیں۔ کلا ان هذا لا بہتان عظیم۔

ثالثاً۔ حضرت علیؑ المرتضیٰ کے مذہب میں بھی اجماع سے خلیفہ بنتا ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہوئے اپنی خلافت کی حقانیت پر یہی دلیل پیش کی۔
 انہ بالیعنی القوم الذین بالیعوا
 ابابکر و عمر و عثمان علی ما بالیعوم علیہ
 فلم یکن للشاہد ان یختار و لا
 للغائب ان یردوا انہا الشوری
 للمہاجرین و الانصار فان اجتمعوا
 علی رجل و سموہ اماما کان ذالک
 للہ رضی (نہج البلاغہ ج ۳ ص ۳۳۷) و اخذ
 الطوال ۱۶۰ بحوالہ تاریخ اسلام ندوی ۱/۱۶۷

بے شک میری ان مہاجرین و انصارؓ لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی بیعت کی تھی۔ اسی منصب خلافت پر جس پر ان کی بیعت کی تھی۔ اب موجود کو خلیفہ نہیں کہ اور کسی کو خلیفہ چنے نہ غائب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بیعت رد کرے یہ مشورہ سے استخلاف مہاجرین و انصارؓ کا سختی ہے۔ وہ اگر کسی آدمی پر اتفاق کر لیں اور اسے نامزد

کر دیں تو اللہ کا پسندیدہ امام بھی وہی ہوتا ہے۔

بطور اختصار اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سقیفہ میں انتخاب حدیث نبویؐ کے تحت ہوا کہ آپؐ نے الأئمۃ من قریش فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ انصارؓ کے بجائے مہاجرینؓ اور وہ بھی قریشی حقدار ہیں۔ پھر جب سب صحابہ کرامؓ نے بنا بر حکم نبویؐ امام نماز ہونے کے سب سے افضل ابوبکرؓ کو جانا تو مشورہ سے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور شوری و اجماع سے یہ بیعت حجت قطعیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ دمسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشورہ سے ہوتے ہیں، اسی پر حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کی حقانیت تبلیغ کی اور پھر طالبن قضاہ پر تلوار اٹھائی۔ جب ایک کام اصولی طور پر درست ہو چکے کسی دلیل سے ثابت ہو تو ضروری نہیں کہ

سب ادا شرعیہ سے اس کو اسی وقت ثابت کیا جائے خصوصاً اگر وہ زمانہ کے اعتبار سے اپنے اندر ابہام رکھتا ہو۔ جیسے بالعموم پیشینگوئیوں کی یہی صورت ہوتی ہے کہ وعدہ کے ایفاء یا پیش گوئی کے پورا ہو چکے پر ہی اس کی حکایت کی جاتی ہے۔ قبل از وقت اسے استعمال کرنا یا دلیل بنانا موزوں نہیں ہوتا۔ جیسے فتح خیبر کے موقع پر آپ نے فاتح کے محبوب خدا و محبوب خدا ہونے کی بشارت دی تھی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پانے کے بعد یہ کام کر چکے تب اس کی تعمین ہوئی ورنہ اس سے قبل ہر شخص امیدوار تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ لیتے وقت وہ حدیث نہ پڑھتے تھے تو مسئلہ ہذا کو بھی اسی طور پر سمجھیں۔





جنگِ جمل کے اسباب و علل

سوال ۱۲۱۔ اگر کوئی شخص خلیفہ وقت کو نہ مانے اور اس کی علی الاعلان مخالفت کرے تو ایسے شخص کی کیا سزا ہے۔ مگر یاد رہے۔ بی بی عائشہؓ، حضرت معاویہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے خلیفہ وقت حضرت علیؓ سے جنگیں کی ہیں۔ واقعات جنگِ جمل و صفین و نہروان کو پیش نظر رکھ کر فتویٰ صادر فرمائیں کہ خلیفہ رسولؐ کی مخالفت کرنے والے کی سزا کیا ہے؟ انصاف مطلوب ہے۔

الجواب۔ یہ سوال، سوال ۱۱۱ ہی کا چرہ ہے۔ وہاں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ پھر ملاحظہ کر کے اور سوچ کر فیصلہ دیں کہ کیا ان حضرات کی طرف سے علی الاعلان خلیفہ وقت کی مخالفت ہوئی یا امام برحق حضرت عثمانؓ کے باغی قاتلوں سے قصاص کا جائزہ اور آئینی مطالبہ تھا؟ ام المومنینؓ کا موقف ان کی تقریر میں۔ قاضی نور اللہ حبیبیؒ عالمی مؤلف نے بھی نقل کیا ہے کہ جب بصرہ کے مرتضوی گورنر عثمان بن حنیفؓ نے آپ کے بصرہ آنے کا مقصد پوچھا تو فرمایا۔

جمعے از سفہائے بلا و بقیاع از اطراف
و اکثاف و رباع اجتماع نموده و اراقمہ دم
عثمان بن عفان بے گناہ کردہ اند و من
اور مومنانم سپاہ جمع آورده ام تا ازاں
مختلف مقامات اور علاقوں کے بے وقوف
اور جہلا کٹھے ہوئے اور حضرت عثمانؓ بن
عفان کا بے گناہ خون بہایا۔ میں مومنوں
کی ماں ہوں لشکر اکٹھا کر لائی ہوں تاکہ

جمع انتقام کشم (جالس المؤمنین ج ۲۶) اس بلوائی جماعت سے بدلہ لوں۔

حضرت طلحہؓ وزیر نے بھی اپنے اسی موقف پر بصرہ میں تقریر کی تو اہل بصرہ کی ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی (ایضاً ص ۲۲) پھر اسی موقف کی حقانیت پر ایمان کا یہ نتیجہ تھا کہ لافواد اصحاب جبل اس دن شہید ہوئے اور جس کجاوے میں حضرت عائشہؓ سوار تھیں وہ مسلسل دشمنوں کی طرف سے تیروں کی وجہ سے چلنی ہو گیا تھا بنو ضبہ اونٹ کی لید ہاتھ میں لے کر یوں کہتے تھے کہ ام المؤمنین کے اونٹ کی لید مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر فخر کرتے ہوئے اونٹ کی مہار کرتے تھے۔ بہادری کے جوہر دکھاتے اور اس کے سامنے شہید ہوتے جاتے تھے۔ اور (قتل عثمان) اثر شکنی یہ خونریزی کر رہا تھا مجالس المؤمنین ص ۲۸۶ ترجمہ اثر

تاریخ طبری وغیرہ کے حوالجات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف بھی گزر چکا ہے۔ اور نہج البلاغہ کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قصاص عثمان کو واجب جانتا اور اپنے اور معاویہ کے اختلاف کو صرف دم عثمان میں منہ کر دینا بیان ہو چکا ہے۔ ملا باقر علی مجلسی حق الیقین ج ۲ ص ۱۳۹ اردو میں لکھتے ہیں۔ مگر فضیلت و مناقب آنحضرت کا وہ (معاویہ) بھی منکر نہ تھا اور اسوائے قتل عثمان نہیں شریک ہونے کے اور کوئی فسق آپ سے منسوب نہ کر سکتا تھا بلکہ وہ اسی پر قانع تھا کہ حضرت امیر اس کی امارت برقرار رکھیں اور وہ حضرت کی بیعت کر کے حضرت کی خلافت کا اقرار کرے اور لوگ حضرت کے مناقب و فضائل مکرر اس کے سامنے ذکر کرتے تھے اور وہ ان کا انکار بلکہ ان کو پسند نہ کرتا تھا، شیعہ کے خاتم المحدثین کی یہ تحریہ بچار بچار کر کہہ رہی ہے کہ علیؓ و معاویہؓ کا اختلاف صرف دم عثمان میں تھا۔ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی خلافت کے منکر اور آپ کے مخالف ہو گئے تھے بلکہ آپ کے ماتحت امیر رہنا اور بیعت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ کو تو مجبور اپنا دفاع کرنا پڑا۔ جیسے تفصیل سوال ۱۵ میں آ رہی ہے۔

قدیم و جدید تاریخ کی روشنی میں یہ عالمی سیاسی اصول مسلم ہے کہ حکومت رعایا کے جذبات کا احترام کرے ان کو ذہنی سکون دیا کرتے ہوئے ان کے واقعی مطالبہ کو لوہا کرے

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شہادتِ عثمانؓ کے بعد مملکتِ اسلامیہ میں انتقام اور غیظ و
 غصہ کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اہل مدینہ اور اطراف و جوانب کے لوگ اس خلیفہ برحق عثمان
 مظلوم کا قصاص چاہتے تھے جس کا ۱۲ سالہ دورِ حکومت نہایت ہی پر امن اور مالی فراوانی
 و خوشحالی کا گوارہ تھا۔ حتیٰ کہ زکوٰۃ لینے والا بھی کوئی نہ ملتا تھا۔ اور مسلمانوں پر چاروں
 طرف سے فتوحات کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے افراد جو قصاص
 عثمانؓ کی شرط پر حضرت علیؓ کے ساتھ ہوئے تھے۔ مگر جب آپ قصاص پر قادر نہ ہو سکے۔ تو
 مجبوراً وہ بھی آپ سے علیحدہ ہو گئے۔ اور طالبانِ قصاص کے حق میں اپنا فیصلہ دیا۔ بلوایوں
 کے مکرو فریب سے نونی حادثات کے بعد بھی قانونی طور پر حکومت سے یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ اور
 رعایا مطمئن نہ ہوئی حتیٰ کہ کوفہ اور اہل حجاز کے سوا سب صوبے حضرت معاویہؓ کی تجویز میں چلے
 گئے اور شیعہ کے خیال میں تو حضرت علیؓ کے حامی بہت کم تھے۔ اسی حقیقت کو۔ مخالفتِ خلافت
 کا غلط رنگ دے کر۔ قاضی نور اللہ صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔

”جب خلافت حضرت امیر تنک پہنچی تو مجبور مسلمان حضرت کی تابعداری سے الگ رہے
 اور طلحہ رضہ زبیر رضہ اور معاویہؓ باغی کی موافقت کو امیر رضہ کی تابعداری پر ترجیح دی حتیٰ کہ کتب
 سیرت میں مؤرخین نے لکھا ہے۔

کہ با حضرت امیر از قبیلہ قریش در
 حرب صفین پنج نفر ہمارے نمودند و سیزده
 قبیلہ از ایشان با خانہ و کورہ ہمارہ معاویہ
 بودند (مجلس المؤمنین ص ۲۴۹)

کہ جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ
 قریش کے صرف ۵ آدمی تھے اور قریش
 کے ۱۳ قبیلے مع اپنے افرادِ خانہ اور سب
 کے معاویہؓ کے ساتھ تھے۔

حالانکہ مخالفتِ خلیفہ کا طعن بدانتہا غلط بات ہے کیونکہ حضرت معاویہؓ اور طلحہ رضہ
 و زبیر رضہ نے خلافت کا دعویٰ تو نہیں کیا تھا۔ وہ تو صرف قصاصِ عثمانؓ کے طالب تھے
 پانچ آدمیوں کے سوا قریش کے تیرہ قبائل کا تمام آدمیوں سمیت۔ طالبانِ بدلہ کی صف میں
 شامل ہونا یہ بتلانے کے لیے کافی نہیں کہ اس وقت کی پوری قوم اور رعایا کا مطالبہ
 قصاص ہی تھا۔ حضرت علیؓ ابوہریرہؓ و چند تعجیل میں معذور تھے۔ مگر اس موقف پر آپ کے

ہم خیال بہت کم لوگ تھے۔ اتنی واضح بات کو مخالفت خلیفہ کا طعن دینا یا طالبان قصاص کو حضرت علیؑ سے جنگوں کا فخر تکب کہنا بہت بے انصافی کی بات ہے۔ کیا عام پبلک سابقہ صدر مملکت کے قتل کے قصاص کا نئے صدر سے مطالبہ کرے تو کیا یہ مخالفت صدر ہوگی۔ اور وہ نہ کر سکے یا نہ کرنا چاہے۔ اور پبلک از خود تنظیم بنا کر مجرموں سے قصاص لینا چاہے تو کیا یہ حکومت سے اس کے فرض کی ادائیگی میں تعاون ہوگا یا اس کی مخالفت ہوگی؟ اور کیا کسی حکومت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس جائز مطالبہ پر پبلک پر لشکر کشی کر کے ان کو تھس تھس کر دے۔

اگر ان سب امور کا جواب نفی میں ہے تو شیعہ حضرات ان حادثات کو سنی نقطہ نظر سے کیوں نہیں دیکھتے کہ یہ بلوائیوں کے مکر و فریب اور غلط فہمی کا منفی نتیجہ تھیں حقیقتہً اختلاف صرف دم عثمانؓ بلکہ اس کے طریق کار میں تھا۔ اور باوجود مثبت کثیر مواد ملنے کے اس منفی انداز پر کیوں سوچتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی سب پبلک مخالفت تھی۔ بڑے بڑے اکابر اور سیاستدان صحابہؓ ناراض تھے۔ پانچ آدمیوں کے سوا کوئی قریشی بھی آپؐ کا ساتھ نہیں دیا۔ اس طرز تفکر میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور معاویہؓ پر اتنا حرف نہیں آتا جس قدر حضرت امیرؓ پر آتا ہے۔ لیکن شیعہ حضرات ہیں کہ ”حب علیؑ نہیں بغض معاویہؓ“ اور دشمنی صحابہؓ رسولؐ کی وجہ سے نادان دوستی کے رنگ میں حضرت علیؑ و اہل بیتؑ کو مظلوم، مضر و ب۔ غیر مقبول۔ رعایا کے دل میں غیر محترم۔ اپنے مقاصد میں ناکام۔ دوستوں کی اعانت سے محروم اور سب مسلمانوں کے مخالف و دشمن ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ اس طرز فکر اور انداز تحریک سے مقام اہل بیتؑ میں اضافہ تو درکنار توہین و رتوبہن ہوتی ہے۔ ہاں شیعہ حضرات کو اپنی گروہ بندی اور جہال مسلمانوں میں تفرقہ بازی پھیلانے کا خوب تر بہانہ ملتا ہے۔

دہا یہ امر کہ خلیفہ رسولؐ کی مخالفت کرنے والے کی سزا کیا ہے؟ تو اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ مخالف بالذکر روشنی میں۔ یہ حضرات مخالفوں کی فہرست میں نہیں آتے اور نہ حضرت علیؑ نے ان کو اپنا مخالف مانا۔ ہاں قصاص عثمانؓ کے طریق کار میں یہ اختلاف

ضرورت تھا۔ جو غلط فہمی اور اجتہادی اختلاف پر مبنی تھا۔ ایسے اختلاف پر گود مار پیٹ اور قتال ہمہ کی نوبت کیوں نہ آجائے۔ اسے مخالفت اور دشمنی نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کو اپنے بڑے بھائی کی اس خیال پر سر اور واڑھی پکڑی اور نہ دو کوب کرنا چاہا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ میں کوتاہی کی (القرآن) ۲۔ ایک اسرائیلی کی نصرت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو بطور تنبیہ ایک مکا مارا۔ اور وہ مر گیا۔ پھر دوسرے دن اسی اسرائیلی نے آپ کو نصرت کے لیے بلایا تو اس شیعہ کو آپ نے نفوٹی میں کھلا گمراہ کہا۔ (القرآن پید) اگر اس کی شرارت کا آپ کو پیسے دن پتہ چل جاتا۔ تو قبطی کا قتل اور جلاوطنی کی نوبت نہ آتی۔

۳۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسنؑ نے شیعہ اکابر کے اجتہادی اختلافات حضرت معاویہؓ کو خلافت سپرد کر کے بیعت خلافت کر لی تو حضرت حسینؑ بہت ناراض ہوئے اور فرماتے تھے۔ اگر میری ناک کٹ جاتی تو اس سے بہتر تھا جو میرے بھائی نے کیا۔ حضرت حسنؑ نے فرمایا۔ بھائی! امام میں ہوں۔ چپ رہ ورنہ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دوں گا (شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت حسینؑ کی بہ نسبت شیعہ حضرت حسنؑ کا نام بہت کم لیتے ہیں۔ ان سے ناراض ہیں۔ ان کے نام کی مجلس۔ تہذیب مکہ۔ ماتم عزاداری۔ کارناموں اور قربانیوں کی تشبیہ وغیرہ شیعہ سے ہم نے نہیں سنی۔ حتیٰ کہ شیعہ کے سب سے بڑے مؤلف کلینی نے کافی کے باب الزیارات میں حضرت حسنؑ کے جنت البقیع میں مزار اور ان پر صلوة و سلام کا تذکرہ تک نہیں کیا، ظاہر ہے اتنے شدید اختلافات میں بھی ایک بھائی کو دوسرے کا دشمن نہیں کہا جاسکتا۔

۴۔ حضرت حسنؑ کی اسی بیعت کے سلسلہ میں ایک کٹر شیعہ سفیان بن ابی یسار نے آپ کو یوں سلام دیا۔ السلام علیک یا نذل المؤمنین (جلاذ العیون) ۳۶۳ؓ جس المؤمنین ۳۱ؓ اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے تجھ پر سلام ہو۔ اس کے باوجود شیعہ کے نزدیک یہ پکا شیعہ اور مومن ہے۔ اس طنز و مخالفت حسنی کے باوجود وہ آپ کا دشمن نہیں۔

۵۔ صلح و بیعت حسنی کے دو سال بعد تک بھی شیعہ ابان کو نہ تناسف و حسرت اور معاویہ سے لڑنے کی آرزو کرتے۔ حتیٰ کہ ان کے لیڈر سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت حسنؓ کو کینہ دقت میں آکر کہا۔ آپ کی صلح سے ہمارے تعجب دور نہیں ہوا۔ جبکہ ہم ہزار تنخواہ خور جنگجو آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر حضرت حسنؓ نے ان کو اپنے شیعہ اور دوست کہا (جلال العیون ص ۲۳۲) معلوم ہوا کہ نظریہ اور عمل میں دو سال تک حضرت حسنؓ کے مخالف رہنے والے بھی دشمن نہیں بلکہ محب شیعہ ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت حسنؓ کے کانڈرائف حضرت قیس بن سعد کے متعلق شومتری نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسنؓ نے خلافت معاویہؓ کے سپرد کی تو قیس اس عمل سے ناراض اور رنجیدہ ہو گئے۔ اور دل جلے ہو کر (حضرت حسنؓ کے متعلق) گستاخانہ باتیں کرتے اور حضرت کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے۔ مگر قیس کی قوم حضرت حسنؓ سے جدا نہ ہوئی اور ان کے لیے حضرت معاویہؓ سے امان لے لی۔ قیس مدینہ جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ ۶۰ھ خلافت معاویہؓ کے آخر میں وفات پائی (مجالس المومنین ص ۲۳۹)

یہاں بطور نمونہ صرف پانچ مثالیں پیش تن کے حیداروں کے لیے کافی ہیں۔ یہ اختلافات بظاہر ربیے اختلافات ہیں۔ فریق ثانی یا پیغمبرؐ یا امام موصوم جن کی توسیع یا قول و فعل کی ناپسندیدگی کفر ہے مگر وہ کونسا شیعہ ہے۔ جو حضرت موسیٰ یا حسینؓ۔ سفیان ابن ابی یعلیٰ اور حضرت قیس بن سعدؓ پر خارج از ایمان ہونے کا فتویٰ لگائے گا (دیدہ باید)

ان شدید اختلافات کے باوجود اگر ان پر فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ اور یہی صحیح مذہب ہے۔ کیونکہ یہ اختلافات اور تندی و تیزی البعض فی اللہ کے تحت ایمانی جذبات کے ترجمان ہیں۔ اور علم غیب اور اسرار پر آگاہی نہ رکھنے والوں سے انے چیزوں کا حد و رہی ایک گونہ کمال ہے۔ اسی طرح حضرت طلحہ۔ زبیر۔ عائشہ صدیقہ اور معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے قاتلان عثمانؓ سے بعض فی اللہ کے تحت قصاص عثمانؓ کی تحریک چلائی۔ کیونکہ عند الرسولؐ حضرت عثمانؓ کا مقام۔ اور قصاص عثمانؓ پر آمادگی کی وجہ سے ہی بیعت رضوان اور ۵۰۰ صحابہ کرامؓ کے حلیتی ہونے کی قرآنی سند

۶۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمرؓ کی حضورؐ سے گفتگو کا الزامی جواب یہی ہے۔ منہ

ان کو معلوم تھی۔ اور وہ ایسا کرنے میں معذور تھے۔ حضرت علیؓ بھی حضرت عثمانؓ کا مقام جانتے
 اور اس مسئلہ کی نزاکت سے خوب واقف تھے۔ مگر آپ اپنے اجتہاد میں تاخیر مفید جانتے تھے۔
 لہذا آپ بھی معذور تھے۔ ایک تیسرے گروہ غیر جانبدار رہنے والوں کا بھی تھا جو کسی طرف سے
 بھی شریک نزاع نہیں ہوا۔ اپنے اجتہاد کی حد تک وہ بھی معذور تھا۔ اہل سنت کے نزدیک
 یقینوں گروہ اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں معذور و مامور تھے۔ نیت سب کی نیک تھی۔
 اللہ کے ہاں یقینوں مقبول ہیں۔ جیسے حضرات حسنینؓ اختلاف اعتقاد و عمل کے باوجود عند اللہ
 مقبول ہیں اور ان کا اختلاف مصلحت سے خالی نہیں۔ ہمارے حنفی علامہ ابن ہمام نے مسامحہ
 شرح مسایرہ میں کیا خوب کہا ہے تِلْكَ دِمَاءُ طَهَّرَ اللَّهُ مِنْهَا أَيْدِيَنَا فَلَا تُلَوِّثُ بِهِ
 السِّنْتَنَا۔ ان خونوں سے اللہ نے ہمارے ہاتھ پاک کئے ہیں۔ تو ہم اپنی زبانیں ان سے ملوث
 نہیں کرتے۔ اسی طرح منصف مزاج شیعہ بھی کہتے ہیں۔ ہر کہ ایک جماعت پر حق متنبہ ہو گیا۔ وہ
 امام علیؓ کی نصرت سے رکے رہے۔ دنیا میں تو وہ اس تخیل سے شرمندہ رہے لیکن آخرت
 میں عذاب سے محفوظ ہوں گے گو دنیا میں ملامت سے نہ بچ سکے (کشف الغمہ ۳۲۲ لا ردی)۔
 جو کچھ ہونا تھا خدائی نوشتہ و تقدیر کے مطابق ہو چکا۔ خلافت مرقصوی کی یہ نہانہ جنگیاں
 قلب و جگر کو واقعی کباب بنا دیتی ہیں۔ ان پر جمعی اظہار افسوس بھی ناکافی ہے۔ لیکن ان
 واقعات کو اچھال کر اپنے مخصوص مذہب کو رواج دینا۔ مسلمانوں میں ۴۰۰ سال بعد نفرت و
 عداوت کے بیج بونا۔ گڑھے مروے اکھاڑ کر پھینچ کر ہرے کرنا۔ نہ دین و دانشمندی کی بات ہے
 نہ قوم و ملک کی کوئی خدمت ہے جس میں شیعہ حضرات منہمک ہیں۔ جبل و صفین کے ۸۰ ہزار
 کشتگان کے متعلق ہم حسن ظنی رکھتے ہیں۔ اصولاً ہمیں اس وقت کی حکومت کے خلاف
 پروپیگنڈہ کر کے اپنی مظلومی کا نالہ و تشیون کرنا چاہیے۔ مگر حنا و کلا کوئی مسلمان ان قضیوں
 میں نہیں پڑتا کیونکہ امیر المومنین۔ داماد رسول۔ زوج قبول۔ آسمان شجاعت و قضاء کے
 آفتاب۔ حضرت ابو تراب رضی اللہ عنہ بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں اور ایک سنی مسلمان
 آپ پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ فریق ثنائی صرف بہتر حضرات شہداء کربلاؑ کی اڑھائی ۲۰۰ سال سے

مسلمانوں میں تفرقہ بازی اور شرانگیزی کا مذہب کا رد بار بار اور ۲۷ کے علاوہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین، ہاشمی وغیرہ ہاشمی، علوی وغیرہ علوی، بزرگان دین پر سب دشمن اور تضلیل و تفسیق کی بمباری کرتے آ رہے مگر اس کا ہاتھ کپڑے والا کوئی نہیں۔

باجی اس فرد یا گروہ کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کی باقاعدہ منظم حکومت کی مخالفت اور مقابلہ کرتا ہے۔ شیعہ فاضل ظل حسین زیدی بیچ البلاغہ اردو

کے مقدمہ نمبر ۱۳ پر تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کے دوست انگلیوں پر گنے جانے والے تھے اور مخالف دشمن لاتعدادین طبقوں میں منقسم تھے۔ اس شیعہ تصریح کے مطابق جب حضرت علیؓ کی جماعت بہت کم تھی اور عام رعایا مخالف تھی تو آپ کی حکومت منظم اور محکم نہ تھی۔ ایسی حکومت کے خلاف انقلابی کوشش بھی بغاوت شمار نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ سابق خلیفہ کے قتل کا طلب انصاف اور قصاص، شریک کی شکل میں بغاوت سمجھا جائے۔ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، امیرؓ باصطلاح شرع باجی تھے یا نہ۔ یہ شیعہ اور مسلمانوں کا اختلافی مسئلہ ہے۔

لیکن حضرت عثمانؓ کی بارہ سال سے باقاعدہ منظم خلافت کے خلاف بغاوت کرنے والے بلوائی بالاتفاق باجی تھے۔

بیچ البلاغہ اردو نمبر ۱۶ میں ہے: ”آپ کی سبیت ہو جانے کے بعد اصحابؓ کی ایک جماعت نے آپ سے عرض کیا اگر آپ ان لوگوں کو سزائیں دیں جنہوں نے عثمانؓ پر فوج کشی کی تھی تو اچھا ہے۔ حضرت نے فرمایا: اے بھائیو جو بات تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن یہ قوت کہاں ہے؟ جبکہ فوج کشی کرنے والے (باجی) پوری قوت و شوکت میں ہیں۔ وہ اس وقت ہم پر مسلط ہیں ہم ان پر حاوی نہیں۔ حد یہ ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔“

بعض علما کی تحقیق میں حضرت عمارؓ کا قاتل بھی یہی فتنہ باغیہ تھا۔ جیسے حضرت علیؓ اور حسینؓ کے قاتل اسی قماش کے کوفی لوگ تھے۔ اس بالاتفاق فتنہ باغیہ کو قتل کی سزا حضرت امیرؓ نے کیوں نہیں دی جبکہ آپ ان کا جرم اور قصاص کی فرضیت خوب جانتے تھے۔ فہو جوابکم فہو جوابنا۔ ے دے کے بعد اسی نتیجہ پر آدمی پہنچتا ہے کہ شہادت صحابہؓ میں خاموش رہے۔

سوال ۱۵۔ دو تئوریہ انسانی اور اصول فلسفہ ہے کہ ایک چیز یہ اگر دو آدمی آپس میں جھگڑے ہیں تو وہ دونوں جھوٹے تو ہو سکتے ہیں۔ مگر دونوں کے نہیں ہوا کرتے جب ایسا ہے تو جنگ جہل و صفین کے طریقے کے بارے میں دونوں کس طرح سچے ہوئے۔ جو صاحب غلطی پر تھے ان کی نشاندہی تو کر کہ فلاں بزرگ سے خطا ہوئی۔ کیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں جائیں گے؟

الجواب۔ اس کا جواب بھی سوال ۱۱ اور ۱۲ کے ضمن میں آچکا ہے۔ مزید وضاحت یہ ہے کہ منطقی اصول کے مطابق تناقض و تضاد کے لیے آٹھ وحدتوں کا اجتماع شرط ہے۔ ان میں ایک جہت بھی ہے اگر جہت و حیثیت بدل جائے تو دونوں باتیں صادق ہو سکتی ہیں۔ حضرت علیؑ خلافت کا نظم و نسق بچانے کے لیے تلوار اٹھاتے ہیں اور بحیثیت خلیفہ سچے ہیں۔ حضرات طالبین قصاص۔ انتظام مملکت میں خللی یا خلیفہ بدلانے کے لیے یہ اقدام نہیں کرتے۔ بلکہ خلافت کے دُور کو سنبھالنے اور باغیوں سے قصاص لے کر خلافت کو مزید مستحکم کرنے کے لیے ناگزیر یہ راہ اختیار کرتے ہیں۔ جب قتال کی وجہ مختلف ہو گئی تو اختلاف علیؑ نشی واحد نہ رہا۔ اپنے اپنے موقف میں دونوں سچے ہوئے۔ مشہور صاحب کا خیالی دستور انسانی اور اصول فلسفہ باطل ہو گیا۔

ہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ کتب عقائد اہلسنت میں لکھا ہے کہ ان مشاہرات میں حضرت علیؑ مصیبت تھے اور دیگر حضرات غلطی تھے۔ اس میں صواب و خطا کا یہ معنی نہیں کہ حضرت معاویہؓ و دیگر حضرات کی خلافت غلط تھی اور حضرت علیؑ کی درست تھی۔ کیونکہ وہ سب حضرات اور دیگر مؤرخین تصریح کرتے ہیں کہ خلافت و امامت میں طرفین کا دعویٰ اور نزاع نہ تھا۔ بلکہ نزاعی مسئلہ صرف دم عثمانؓ تھا۔ بلو اٹیوں کے حضرت علیؑ کے ساتھ حسن تعلق اور حمایت کی بنا پر اہل شام یہ گمان کرنے لگے کہ قتل عثمانؓ حضرت علیؑ کی سازش سے (الحیا و باللہ) ہوا۔ حضرت امیرؓ نے اختلاف کو صرف اسی نکتہ میں منحصر کر کے اپنی صفائی پیش کی۔

الامس واحد الاماختلف فیہ
من دم عثمان و نحن منه بوار
بر بات متفقہ ہے بجز قتل عثمانؓ میں اختلاف
کے اور ہم اس التزام سے پاک ہیں۔

حاشا وکلا کوئی بھی سنی مسلمان اس گناہ عظیم میں حضرت علیؑ کو ملوث نہیں مانتا۔ سیدنا
 حضرت معاویہؓ نے بھی اس صفائی کے جواب میں فرمایا۔ فنحن لانرد ذالک علیہ السلام ہم
 آپ کی پاکدامنی کا انکار نہیں کرتے لیکن قاتلان عثمانؓ جو علیؑ کے ساتھی ہیں ملتے چاہیں تاکہ ہم
 ان کو قصاصاً قتل کر کے خلیفہ کی اطاعت اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔ (طبری ج ۵ ص ۵۷)
 لیکن صد افسوس تو یہ ہے کہ آج کے نام نہاد مجاہدین علیؑ۔ اہل اسلام اور حضرت عثمانؓ
 سے کمال بغض کی وجہ سے صراحتہ حضرت علیؑ کی پاکدامنی اور قتل سے برأت کا دعویٰ نہیں کرتے
 بلکہ اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ و عثمانؓ میں ذاتی اور اعتقادی دشمنی تھی وہ قتل کے
 مستحق تھے۔ بلوانی حضرت علیؑ کے خاص طرفدار تھے اور محمد بن ابی بکر اور اشتر بنی جو قتل عثمانؓ
 میں شریک تھے (مجلس المومنین ص ۲۸۴) وہ حضرت علیؑ کے خاص مقرب اور سپہ سالار تھے۔

(مجلس المومنین ص ۲۸۴-۲۸۵)

اب آپ ہی خود کریں اگر یہ بیان درست ہے اور شیعہ کو اسی پر بعد افتخار اعتماد ہے۔ تو
 حضرت علیؑ پر بالواسطہ قتل کا الزام لگانے میں خود شیعہ نے مواد فراہم نہیں کیا۔ پھر اہل شام
 کا شبہ یا الزام بلا دلیل نہیں کہا جاسکتا۔ جسے غلط کہا جائے۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آساں کیونہ ہو

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و ام المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی خطا
 کا مطلب یہ ہے کہ وہ قصاص میں جلد باز تھے اور حضرت علیؑ

خطا و صواب کا معنی

کو قادر علی القصاص جانتے ہوئے مال مٹول کا الزام دے رہے تھے۔ حضرت امیرؓ نے
 اس کے جواب میں یہی کہا کہ میں قادر نہیں ہوں۔ اس قوم سے میں کیسے قصاص لے سکتا ہوں
 جو ہمارے مالک بنے ہوئے ہیں اور ہم ان پر قابو یافتہ نہیں ہیں۔ (نہج البلاغہ) ورنہ نفس
 قصاص میں اختلاف نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے طلحہؓ و زبیرؓ کے موقف کو سمجھتے اور تسلیم کرتے
 ہوئے جمل کے موقف پر خلفائے ثلاثہؓ کی تعریف۔ ان پر امت کا اتفاق۔ قاتلین عثمانؓ پر لعن
 طعن اور ان کو اپنے ساتھ نہ چلنے کی تاکید کر دی تھی (کما تقدم) ہمارے شیعہ منہ مض کو اگر
 یہی اصرار تھا تو ہم نے خاطی کی نشان دہی۔ اور اس کی وجہ بیان کر دی۔ اب ان کو یہ اختلاف
 یہ محمدؐ تباری نیست سے حضرت عثمانؓ کے پاس آیا تو اگر آپ کے بھڑکنے سے واپس ہو گیا۔

و شقاق چھوڑ کر دوبارہ اہل سنت مسلمانوں میں مل جانا چاہیے۔ بشرطیکہ حق و انصاف کی طلب ہو۔ اور اگر وہ غلطی کی نشاندہی سے صرف ان پر لعن طعن کرنا چاہتے ہوں۔ تو ایسا کرنا بڑی گمراہی ہوگی۔ کیونکہ خطا و نسیان لازمہ انسانی ہے۔ انسان صرف حسن نیت کا مکلف ہے۔ فکر و عمل میں بھول چوک سے پاکدامن رہنے کا مکلف نہیں۔ ہاں درست کار کو دوبارہ اہتر ملتا ہے اور خطا کار کو ایک گنا ملتا ہے۔ امامت کو مخصوص من اللہ اور زندہ شایع امام کا ہر زمانہ میں وجود تسلیم کرنے والے شیعہ بھی جو غیر منصوص مسائل کے لیے "مجتہدین کے اجتہاد" کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ وہ بھی خطا و صواب کے دونوں پہلو تسلیم کر کے ایک کو اختیار کرتے اور یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

کالمیلین سے سہو کا وقوع | اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ متقدمین شیعہ انبیاء علیہم السلام کے خطا و نسیان تک کے قابل ہیں۔ چنانچہ آیت و اہا یٰٰنسیئک الشیطان کی تفسیر میں شیعہ کے سب سے مستند عالم شیخ الطائفة محقق طوسی نے تفسیر تبیان ج ۱ ص ۱۹۱ پ ۱ میں اور علامہ طبرسی نے مجمع البیان پ ۱۷۱ میں سہو انبیاء کی تصریح کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ہم سنی کیوں ہیں؟ ص ۲۹

خیر جب اہل سنت اور متقدم علماء شیعہ کے اتفاق سے خطا و نسیان انبیاء تک سے جائز ہے اور قرآن پاک اسی کی تائید کرتا۔ فَنَسِیَ آدَمُ وَلَکُمْ مِجْدَلُهُ عَنْ مَاءِ حَرَزَتِ آدَمَ بھول گئے ہم نے ان کا ارادہ نہ پایا۔

تو غیر انبیاء حضرت علیؑ و معاویہؓ سے اس کا صدر در بدر ہم ائمہ جائز ہے۔ خود حضرت علیؑ المرقضیؑ نے صفین میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

فلا تکفوا عن مقالۃ بحق او مشورۃ بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطی ولا اؤمن من ذالک من فعلی الا ان یکفی اللہ من نفسی الخ (روضہ کافی ص ۳۵ و نہج البلاغہ)

مجھے سچی بات کہنے سے اور منصفانہ مشورہ دینے سے باز نہ رہو۔ کیونکہ میں غلطی کرنے سے بالا نہیں ہوں اور نہ میں اپنے کاموں میں چوکنے سے بے فکر رہتا ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہو۔

قرآن و سنت سے کسی معین گروہ کی بالیقین تصویب اور دوسرے کی تلبیط ثابت نہیں جو کچھ قرآن و سنت میں بالیقین مذکور ہے وہ کلاً و عداً اللہ الحسنیٰ ہر ایک سے اللہ نے بھلائی (جنت) کا وعدہ کیا ہے) کے تحت نہی کا نیک مؤمن جہنمی۔ منفور اور مرضی عند اللہ ہونا ہے۔ قرآن نے ان کے عہد پر پور نہ وردے کر بدگوئی کو حرام بتایا ہے تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر طعن تشنیع اور بدگوئی سے منع فرمایا ہے۔ نتیجہ مذہب سے نائب ہونے والے ان کے علامہ مجتہد مہدی حسن خاں صاحب آیات بنیات جہا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث نقل فرماتے ہیں۔ من سبنی فاقتلوا و من سب اصحابی فاجلدوا۔ جو مجھے برا کہے اسے قتل کرو اور جو میرے صحابہ کو برا کہے اسے کوڑے لگاؤ۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ سب صحابہ کرام کا ذکر بھلائی سے کیا جائے اور مشاجرات میں پڑنے اور کسی گروہ پر طعن و تشنیع سے ضرور سی بچا جائے۔ (تفصیلات کے لیے عدالت صیابہ رضاز مولف ملاحظہ کریں)

خطا و اجتہاد پر دشمنی اور طعن و تشنیع اس بنا پر بھی جائز نہیں کہ بڑے بڑے کاہلین بھی اس سے نہ بچ سکے جتنی کہ عند الشیخہ مصدقین اور خاندان اہل بیتؑ میں بھی یہ باتیں پائی گئیں۔ سابقہ سوال میں گزشتہ پانچ مثالیں اسی نوعیت کی ہیں۔ انہیں بچہ ملاحظہ کر کے مندرجہ ذیل مثالوں سے بھی دل و نگاہ روشن کریں۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ بنا بر قول اصح) بزرگ پیغمبر ہیں مگر دونوں کے مخصوص عطائی و علم۔ شرعی اور کونی میں فرق تھا۔ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضرؑ کی خدمت میں بھیج دیا۔ ان کے ہر کام پر رضا اور خاموشی کا معاہدہ بھی ہو گیا۔ مگر حضرت خضرؑ کا کشتی توڑنا۔ بچے کو مار ڈالنا، غیر مروت لوگوں کی دیوار دست کر دینا۔ صرف یہ تین کام ہی جب حضرت موسیٰؑ نے ملاحظہ کیے تو اپنے علم و اجتہاد سے انہیں غیر شرع سمجھ کر ہر دفعہ اعتراض کیا اور معاہدہ کی پابندی کا خیال نہ رہا۔ آخر کار حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ میں جدائی ہو گئی (القرآن کہف ۱۰۶)

اس واقعہ میں بڑے فوائد اور مصلحتیں ہیں منجملہ یہ کہ ایک کامل کو اپنے علم و اجتہاد

کی بنا پر دوسرے کا اس سے اختلاف و مناقشہ درست ہے۔ عند اللہ دونوں مقبول ہیں کسی کی تغلیط و تردید نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً مشاہرات گوشتی عقیدہ کے مطابق غیر موصوم کا موصوم پر قیاس ہے۔ مگر دونوں غیر موصوم فریقین کے پاس اپنے دعوئی پر موصوم کی نص اور حجت تو موجود ہے ثبوت القضاہ کیونکہ اللہ کا حکم ہے وَ تَكُونُ فِي الْقَضَا صَ حَيَاتِهِ رَدْلَهُ لِيْنِ مِ نْ تَمَاهِي زَنْدِ كِي (ہے) اور شرعی قانون ہے۔ ”حد کا جاری کرنا واجب ہے۔“

۷۔ بھیڑوں کے ققیہ میں حسرت راء و علیہ السلام نے ایک فیصلہ دیا مگر اس کے برعکس حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دیا۔ قرآن پاک نے فَقَهْمَنْهَا سُلَيْمٰنُ (وہ فیصلہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا) سے حضرت سلیمان کی تائید کی کیا حضرت داؤد کے فیصلہ کی تغلیط یا اس پر طعن و تشنیع عند الشیخ جائز ہوگی؟

۸۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک درخت کا پھل کھانے سے روکا گیا تھا۔ آپ نے خاص بڑی درخت سمجھا۔ حالانکہ عند اللہ پوری نوع کی نسی تھی۔ چنانچہ خطا را اجتہادی سے کھا بیٹھے۔ پھر استغفار کی تو اللہ نے ماف فرما دیا۔

۹۔ حضرت سید المرسلین علیہ الف الف تحیۃ نے غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین کو جھوٹے جیلے بہانوں کی وجہ سے گنجائش سمجھ کر نہ جانے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اجازت ناپسند تھی۔ معمولی تنبیہ کے بعد ماف فرما دیا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذْنْتَ لَهُمْ حَتّٰی يَتَّبِعَنَّ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَّقُوا وَ تَعْلَمُ الْكَافِرِيْنَ (توبہ ۷۶) اللہ آپ کو ماف کرے۔ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی (اجازت نہ دینی چاہیے تھی) تا وقتیکہ سچے آپ کے سامنے نکھر جاتے۔ اور جھوٹوں کو آپ جان لیتے۔

بہر حال قرآن پاک میں ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔ جن میں بڑے بڑے اکابرین سے بعض اوقات فہم و اجتہاد پر چوک ہو گئی اور ان کا فیصلہ یا عمل مروج قرار پایا۔ مگر وہ مٹا ہے نہ اس پر طعن درست ہے۔ اور نہ ان کی شان میں کچھ کمی آئی۔ تو مسئلہ نہ یہ بحث میں بھی صحابہ کرام اکابرین دین کی مجلس سے میں گواہ بنایا علیہم السلام کی نوع سے نہیں۔ علمانی و مرتب

ان کا احترام اور ان سے دفاع بھی ضروری ہے۔ اور ان کی اجتہادی خطائیں بغضِ قرآنی مرتب ہیں۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكَ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔

۱۰۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے ہزاروں خطوط سے متاثر ہو کر اپنے تفکر و اجتہاد سے زیرِ پیرِ نروج جائز سمجھا۔ مگر خاندانِ مرتضوی اور بنو عبدالمطلب میں سے صرف چند افراد نے آپ کی موافقت کی۔ حضرت علی المرتضیٰؑ کے اس وقت موجود کئی فرزندان اور دامادوں میں سے کسی نے ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ محمد بن الحنفیہؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے فضلاء بھی موجود تھے۔ شیعی مذہب میں یقیناً یہ حضرات خاطی تھے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ ۲ نفوس کے سوا (جن میں چالیس افراد غیر اہل بیتِ نبویؐ ہیں) حضرت علیؑ کی اولاد اور خاندانِ بنو ہاشم کے سینکڑوں افراد کو شیعہ حضرات کفر، نفاق، دشمنی اور جہنم کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔

۱۱۔ حضرت علی المرتضیٰؑ نے اہل شام پر لشکر کشی کی اور صفین کے مقام پر خوناک جنگ لڑی اور مسلمانوں کی خونریزی کو جائز سمجھا۔ نورِ نظر و فرزندِ اکبر سیدنا حسن المجتبیٰؑ کے روکنے پر بھی نہ رکے۔ لیکن زمامِ امامت جب حضرت حسنؑ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے برضاد و رغبت معاویہؓ سے صلح کی۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے لشکر کی ناراضی، طعنہ بازی اور قاتلانہ عمل کے پرکے بھی سمے۔ لیکن امت کی خونریزی سے بچنے کی خاطر یہ عظیم کام کیا۔ مسلمانوں کی خونریزی پر دلدادہ شیعوں کی جزبہ باز اور طعنہ بازی کے جواب میں کیا خوب ارشاد فرمایا۔

غرض من اطاعت امر حق تعالیٰ است اس صلح و بیعت سے میری غرض حق تعالیٰ کے برحفظِ خونائے مسلمانانِ پسِ راضی با شیعہ
بقضائے خدا (جلاد الیمون) ۲۶۳
راضی ہو جاؤ۔
حکم کی اطاعت ہے جو کہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرنا ہے۔ پس خدا کے فیصلے پر

اب شیعہ ہی انصاف سے بتائیں اس کلی تضاد اور پیر و پسر کے اختلافِ عمل میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ کیا زمانہ حسن میں حضرت معاویہؓ اور دیگر مسلمان زیادہ نیک ہو گئے تھے؟ یا عہدِ مرتضوی میں خدا نے مسلمانوں کی خونریزی کی وحی کی تھی اور اب منسوخ ہو گئی؟

۱۲۔ حضرت حسینؑ نے اس بے نظیر حسنؑ سنت کے برعکس پھر علم جنگ باند کیا۔ شیوہ کے ہاں بھرت مادیہ ویزید میں چنداں فرق نہیں۔ پھر دونوں بھائیوں کے عمل کا یہ تضاد اپنے اپنے اجتہاد اور صوابدید کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہاں کسی ایک کو غلط کار کہا جائے گا یا نہ۔ اگر نہیں تو فریقین حمل و صفین کے متعلق کچھ مرت کہیے۔

۱۳۔ عام شعلی پر دستگیر کی روشنی میں حضرت حسینؑ نے اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کو خدا کے سپرد کر دیا۔ مزید کے آگے نہیں جھکے۔ آپ کے جانشین بالغ حضرت علی زین العابدینؑ نہ صرف یہ کہ والد کے ساتھ شریک جنگ ہو کر شہید نہیں ہوئے بلکہ دمشق میں شاہی دسترخوان پر ۱۵ دن تک بیزید کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ تاریخ سے نفرت کا ثبوت نہیں ملتا۔ بالآخر آسمان وزمین نے وہ دن بھی دیکھا کہ آپ نے موافقت کر کے اپنے والد ماجد کے عمل کو منسوخ کر دکھایا۔ حادثہ حرہ میں بیزید کے خلاف تحریک میں شریک نہیں ہوئے۔ بیزید نے بھی لشکر کو خصوصی تاکید کی تھی کہ زین العابدینؑ میرا وفادار ہے اس کی حفاظت کرنا۔ (تاریخ اسلام بحقیقہ بابی) شیعہ مؤلف بھی یہ حقیقت یوں مسخ کر کے پیش کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

قد اقررت لک ما سالت انا
عبد مکرم فان شئت فامسک و
ان شئت فبع دروضہ کافی ص ۲۳۵
جو کچھ تو نے (سجبت کا) مطالبہ کیا۔ میں نے
مان لیا۔ میں آپ کا مجبور غلام ہوں آپ چاہیں
تو اپنے پاس رکھیں۔ چاہیں تو بیچ ڈالیں۔
حالانکہ واضح ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق باپ بیٹے کا یہ تضاد طرز عمل ایک کو یقیناً
خطا کا ٹھہراتا ہے۔ مگر امامیہ عقیدہ میں دونوں معصوم اور برحق ہیں۔ اس میں تفسیر کا سہا
بھی ان سے مذاق کرنا ہے۔ آخر وہ کون سی نص اور ترازو وحی تھی جس کی بنا پر حضرت حسینؑ
کے لیے تفسیر حرام تھا۔ اور حضرت زین العابدینؑ کے لیے واجب تھا۔ یہ کہنا بھی باطل ہے کہ اگر
یزید کی مخالفت کرتے تو قتل ہو کر سلسلہ امامت ختم ہو جاتا اس لیے کہ شیعہ عقیدہ میں موت و
حیات امام کے اختیار میں ہوتی ہے۔ اور امامت کی وصیت بیٹے کے لیے لازم نہیں اپنے بھائی
یا بھتیجے کو کر دیتے۔ جیسے حضرت حسنؑ نے حسینؑ رضی اللہ عنہ کو کی تھی۔

۱۴۔ حضرت محمد بن الحنفیہ نے امامت میں اپنے بھتیجے علی بن حسینؑ سے نزاع کیا۔ اور ان کا

پروکار فرقہ کیساریہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح حضرت زید بن زین العابدینؓ نے اپنے بھائی محمد باقرؓ اور بھتیجے جعفر صادقؓ کی امامت کا انکار کیا۔ خود دعویٰ امامت کر کے عباسیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور ان کے متعلق مرفوع حدیث میں حضورؐ نے فرمایا۔ ”اے حسینؓ اتیری صلب سے (پوتا) ایک زید نامی شخص پیدا ہوگا۔ جو مقتولاً شہید کر دیا جائے گا۔ وہ اور اس کے جماعت قیامت کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے... پھر حضرت باقرؓ نے فرمایا۔ میرے باپ (حجی) زید پر اللہ رحم کرے وہ بڑے عبادت گزاروں میں سے تھے۔ رات کو قیام کرتے دن میں روزہ رکھتے اور اللہ کے راستے میں کما حقہ جہاد کرتے تھے۔ (مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۲۵۷ قصہ زید)

حضرت طلحہ رضی و معاویہؓ پر فتویٰ لگانے والے شیعہ کیا حضرت محمد بن علی (ابن حنفیہؓ) اور زید پر بھی یہی فتویٰ لگائیں گے۔ (دیدہ باید) اگر نہیں تو وہ اصول کہاں گیا۔ کہ کسی ایک امام کی امامت کا منکر خدا و رسول کے منکر کی طرح کافر ہے۔ (ارجیات القلوب ج ۲، اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ الزہراؓ کے خانگی تنازعات جبار السیون وغیرہ میں بکثرت مذکور اور مشہور ہیں۔ ہمارا ضمیر ان کی نقل مناسب نہیں جانتا۔

غور کا مقام ہے کہ ان سب اختلافات میں یا طرفین شیعہ کے ہاں محصوم ہیں کسی کو خاطی اور غلط کار نہیں کہا جاسکتا۔ یا ایک طرف امام محصوم ہے اور دوسری طرف منکر امام زیادہ ہاشمی علوی ہے۔ علی الاعلان شیعہ اس پر کفر و فسق کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ جو امور تکفیر اور خطیبہ سے یہاں مانع ہیں وہی حضرات طلحہ رضی۔ زید رضی۔ ام المؤمنینؓ اور حضرت معاویہؓ پر طعن اور بدگوئی سے مانع ہیں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا۔

یہی یہ بات کہ ”کیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں جائیں گے“ تو ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ سوائے ان بلوائی غنڈوں کے جو لشکر علوی میں شامل تھے یا مبہم طور پر بدینیت مسندوں کے وہ سب مقتولین جنت میں جائیں گے جو اس بحکام خلافت اور حدود اللہ کے اہل کے لیے لڑے۔ اہل جہل کا قصہ تو واضح ہے۔ بلوائیوں کے مکر سے یہ جنگ خطا سے ہوئی۔ اور خطا قاتل و مقتول حقیقی ہوتے ہیں جیسے جنگ احد میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے والد مسلمانوں

کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اہل صفین کے متعلق تو ہماری روایات میں حضرت علیؑ نے فرمایا ہے۔

قتلای و قتل معاویۃ فی
الجنة (رواہ طبرانی) و رجالہ و ثقیلوا
و فی بعضہم خلاف (مجمع الزوائد ۹۶)

اور بیخ البلاغہ ج ۳ ص ۲۵۸ کے خطبہ میں بھی ان کو کامل مؤمن فرمایا ہے اور مومن کا جنت میں داخلہ بالاتفاق ہوگا۔

جنگ جمل کے حالات میں تاریخ طبری ص ۳۱۶ میں ہے کہ آپ سے اپنے ساتھی ابوسلمہ نے پوچھا کہ کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا جو بھی خالصہ لشکر صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا (بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۸۵ شاہ معین الدین ندوی)

نیز سیدنا علیؑ سے متواتر یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو حضرت طلحہؓ کی شہادت پر بہت صدمہ ہوا اور ان کے صاحبزادے محمدؓ سے رور دکر فرمایا کرتے تھے۔ میں اور تمہارا باپ جنت میں ہوں گے اور یہ آیت ہمارے ہی حق میں انری ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ
غَيْلٍ اِخْوَانًا عَلٰی سُرٍّ مُّتَّقِبِلَيْنِ۔
بحوالہ مخقر التوفۃ الاشی عشرہ ص ۴۸

اور حضرت عثمانؓ کے متعلق بھی یہی آیت تلاوت فرماتے تھے جب عمر و بن حرمزہ حب علیؑ سبائی نے لشکر سے الگ نماز و سجدہ کی حالت میں حواری رسولؐ اور بھوپ بھی زاد برادر پیغمبرؐ حضرت زبیرؓ بن عوام کو شہید کیا۔ اور خوشی سے اگر حضرت علیؑ کو آکر اطلاع دی تو آپ نے غصہ سے فرمایا۔

ابشرا قاتل ابن صفیۃ بالناد
فقال عم و نقتل اعداءکم و تبشرونا
اسے صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل اچھے جنم مبارک ہو۔ عمر و کہنے لگا ہم تمہارے دشمنوں کو قتل

تنگ دل ہو کر اس نے خودکشی کر لی،

اور تم سہیں جنہم کی بشارت دیتے ہو۔ (پھر)

جمل وصفین کے متعلق ان تمام ابجاث میں حضرت علیؑ کے جملہ ارشادات کو پڑھ کر شیعہ حضرات کو اپنے عقیدہ کی اصلاح کر لینی چاہیے۔ آخرت کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ زبانی محبت کا دعویٰ اور اعتقاد و عمل میں کھلی مخالفت کہیں ان کو جہنم کا ایندھن نہ بنا دے۔ واللہ العالی۔

ان حادثات کے بعد تاریخِ طرفین کے بعض بعض حضرات کی ندامت اور توبہ کا پتہ بھی دیتی ہے۔ اس پر بھی مغفرت اور قاتل و مقتول کا جنت میں داخلہ ضروری ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دو بندوں پر سنتے ہیں کہ ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے۔ اور دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں مقتول اللہ کے راستے میں لڑتا اور شہید ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ قاتل کو توبہ اور اسلام کی توفیق دیتا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستے میں لڑ کر شہید ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ ۸۲ طبرست)

سوال ۱۶۔ جناب رسولِ خداؐ نے کئی بار فرمایا یا علی انت وشیعتک ہم الفائزون اے علیؑ! تو اور میرے شیعہ ہی نجات یافتہ ہیں۔ کیا ایسی کوئی حدیث حنفی شافعی حنبلی مالکی کے لیے بھی مل سکتی ہے۔ اگر نہیں تو دیوبندی۔ بریلوی۔ نجدی۔ سہروردی۔ چشتی۔ قادری۔ نقشبندی حضرات کے لیے ہی تلاش کر کے اطمینان دلا دیجئے۔

الجواب۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے صحاح ستہ اور دیگر کتب متداولہ اہل سنت میں اس کا وجود نہیں ہے۔ شیعہ دوست کو اس کا حوالہ دینا چاہیے۔ لیکن چور مال مروتہ کا اتہ پتہ کیسے بنا سکتے ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب موصوعات سے اسے نقل کر کے دلیل بنا دیا۔ بالعموم شیعہ کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنی خود ساختہ حدیثوں کو اس قدر شہرت دیتے ہیں کہ وہ عام لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہیں۔ پھر ان کے کید و مکر سے آگاہی کے لیے بڑے بڑے محدثین کو ایسی کتابیں لکھنی پڑی ہیں جن میں صرف بناوٹی حدیثوں اور ان کے گھڑنے والوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ایسی کتابوں کو ”کتب موصوعات“ کہتے ہیں۔ جیسے علامہ

سیوطی کی لائے المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ اور ملا علی قاری کی تذکرہ موضوعات وغیرہ ان کتابوں سے منہم بالوضع حدیث سے استدلال انتہائی بخیانیت ہوتی ہے۔ اور شیعہ کو اہلبیت کے فضائل میں حدیثیں بنانے اور اس متنازع کا سد کو مارکیٹ میں لانے کا اس قدر ملکہ حاصل ہے کہ شیعہ محترم زلی علامہ ابن ابی الحدید کو شرح منہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۳۷ پر اعتراض کرنا پڑا ہے۔
 واعلم ان اصل الاکاذیب فی احادیث الفضائل کان من جهة الشیعة فانهم وضعوا فی مبداء الامر احادیث مختلفة فی صاحبہم حملہم علی وضعها عن اذیة خصوصہم۔
 و واضح رہے کہ فضائل کے سلسلے میں جھوٹی احادیث بنانے کی بنیاد شیعہ کی طرف سے ہوئی۔ کیونکہ اولاً انہوں نے ہی مختلف حدیثیں اپنے صاحب (حضرت علیؑ) کے حق میں بنائیں اور اس بناوٹ پر ان کو مخالفوں کے ساتھ عناد اور دشمنی نے آمادہ کیا۔

نجات شیعہ کی یہ موضوع حدیث بلفظہ تو کتب صحاح یا موضوعات میں نہ مل سکی البتہ اس کے ہم معنی یہ موضوع حدیثیں دستیاب ہوئی ہیں۔
 ا۔ شیعہ حضرت علیؑ سے راوی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

”اے علیؑ! تو اور تیرے شیعہ (پیروکار) جنت میں ہیں۔ ایک قوم (بنام شیعہ) ایسی جن کا بدلہ لقب رافضی ہوگا۔ جب تم ان کو ملو تو قتل کر دو کہ وہ مشرک ہوں گے۔“ ابو نعیم کہتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ شیعہ کہتے ہیں۔ ہم نے اسے عصام سے سنا۔ ابن جوزی کہتے ہیں۔ اس کی روایت میں سوار ہے۔ جسے امام احمدی بکلی اور نسائی متروک کہتے ہیں۔ (العلل المتناہیہ لابن الجوزی ص ۱۵۸) علامہ سیوطی لائی المصنوعہ ج ۱ ص ۳۷۹ میں سوار کو متروک بتاتے ہیں۔ اور انت و شیعتک فی الجنة کے متعلق لکھا ہے۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ سوار ثقہ نہیں ہے اور جمیع بن عمر بصری کذاب ہے۔ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (ایضاً ص ۲۷۹)

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو خود شیعہ پر حجت ہے۔ کیونکہ جنتی تو حضرت علیؑ کے پیروکار (اہل سنت والجماعت) ہوں گے۔ اور نام نہاد شیعہ تو اب بھی رافضی مشہور ہیں۔ شرک سے معمور قتل میں موزر اور جنت سے دور ہیں۔

۲۔ "ہمارے شیعہ قبروں سے نکلیں گے تو ان پر کوئی گناہ و عیب نہ ہوگا الخ اس میں محمد بن سالم اور محمد بن علی کندی دونوں ضعیف ہیں۔ کنانی کہتے ہیں محمد بن سالم ابوہل کوئی ہے جو مندرک ہے محمد بن علی کو حافظ ذہبی اور ابن حجر نے بقول از دی ضعیف کہا ہے۔ ذہبی بخیر موضوعات میں بیروایت لانے کے بعد کہتے ہیں۔ "اس کی سند اندجیری ہے اور متن جھوٹ ہے۔ (تشریح الشریعۃ عن الاخبار الثنیۃ الموضوعۃ ج ۱ ص ۱۹۹ مولفہ علی بن محمد بن عمار کنانی المتوفی ۹۶۳ھ) سوال والی حدیث کتب صحاح سنۃ اہل سنت میں تو نہیں ہے۔ ہاں شیعہ کی کافی کتاب اردنہ میں مرفوع نبوی ہونے کے بجائے حضرت جعفر صادقؑ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔ "کہ بنی عباس کا اختلاف۔ علی نداء۔ قائم کا خروج یقینی باتیں ہیں۔ راوی نے پوچھا۔ وہ نداء کیا ہے امام نے فرمایا۔ اول دن میں آسمان سے ایک منادی نداء دے گا۔ الا ان علیا وشیعۃ ہم الفائزون (حضرت علیؑ اور ان کی پارٹی کامیاب ہیں) اور پھر دن کے آخر میں منادی آواز دے گا۔ الا ان عثمان وشیعۃ ہم الفائزون (سنو! حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی کامیاب ہیں)۔

اس میں شیعہ کے مقابل حضرت عثمانؓ اور آپؐ کی جماعت کی کامیابی کا بھی ذکر ہے۔ چونکہ وہ آخری دن میں ہوگا۔ تو شیعہ علیؑ کے متعلق پہلا اعلان۔ باطل یا منسوخ سمجھا جائے گا۔ چونکہ یہ اعلان خروج مہدی کے وقت ہوگا تو آپؐ کا مذہب بھی تولد عثمانؓ ہوگا۔ اور آپ کے ساتھ تولد عثمانؓ رکھنے والی سب مسلمانوں کی جماعت بالآخر کامیاب ہوگی اور نام نہاد شیعہ علیؑ اس وقت بھی ناکام ہونگے۔ ولہ الحمد۔

علیؑ تقدیر التسلیم حدیث کا یہی مفہوم درست ہے۔ کیونکہ آخری نجات کے متعلق دو فرقوں کا تقابل اور دونوں کی کامیابی کا اعلان غیر محقول ہے۔ اور حدیث کا سیاق و سباق اس نظر امام برحق کی موجودگی میں دنیوی کامیابی کو متعین کرتا ہے۔ ورنہ یہ حدیث درایت کے لحاظ سے موضوع ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے شیعہ کے بجائے ان کے دشمن اصحاب محمدؐ کی کامیابی کی بشارت دی ہے۔

۱۔ اُولَئِكَ جُذِبَ إِلَيْهِمُ الْآيَاتُ
یہ اللہ کا شکر ہے سنو! اللہ کا شکر ہی غالب

حِزْبُ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ۔

ہونے والا ہے۔

۲۔ اُولَٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ۔
یہی لوگ درجہ میں اللہ کے ہاں سب سے بڑے ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔

قرآن پاک کے یہ ارشادات تاریخ کی کسوٹی پر پور سے اترے۔ کامیابی نے اصحاب محمدؐ اور خلفاء اسلام کے قدم چومے۔ قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں تلے روندے گئے۔ آج کے ۹۵ کروڑ مسلمان ان کی ہی قربانیوں اور فتوحات کی بدولت اسلام کے سایہ میں ہیں تو ان کے مخالف شیعہ کا وجود خود بخود کذب کا آئینہ ہے۔ اور کبھی ان کو تابع اسلام ہونے کی حیثیت سے کامیابی اور ترقی نہ ہو سکی۔ جتنی کہ ان کے سب اماموں نے بقول حضرت حسنؑ و حضرت محمدیؑ مستور فی الغار۔ اپنے اپنے زمانہ کے (ان کے خیال میں) ظالم امام کی بیعت کی۔ (جلد العیون ص ۲۴۱ و مجالس المؤمنین ص ۴۲۳) تاہم بغیر شیعان چہ رسد۔

واضح رہے کہ شیعہ ائمہ کی واقعی تعلیمات کی روشنی میں شیعہ ہر اصل شیعہ اور ان کی تعداد پوٹو سے بھنگی۔ مراسی گوئیے۔ پنج تن کے نام پر بھکاری۔

مادر زاد ننگے ملنگان علیؑ تارک شریعت قلندر۔ نسب پرست نام نہاد سید۔ متعہ و عیاشی میں مست امراء کو نہیں کہتے جو بالعموم عشرہ محرم میں ماتمی مجالس اور شور و غوغا برپا کر کے فرضی جنت کا کٹھ۔ نماز روزہ سے پاک اور منچھیں لمبی داڑھی صاف ڈاکروں سے حاصل کر لیتے ہیں۔ بلکہ ائمہ کے دین میں شیعہ وہ ہوتا ہے جو براہ راست معصوم امام زمانہ سے تعلیم شریعت حاصل کرے۔ پھر اس پر مکمل عمل کرے اور امام سے کماحقہ وفاداری کرے۔ چنانچہ کافی ج ۲ باب الطاعة والتقوى میں یہ صراحت ہے کہ خدا کا نافرمان ہوا دشمن ہے۔ ہماری محبت صرف عمل اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔ بایں محی حضرت علیؑ کے عمر بھر صرف تین یا م شیعہ تھے۔ (روضہ کافی ص ۳۳) باقی تمام جم غفیر کو وفات سے پہلے آپ نے کفر و نفاق کی سند دی۔ (جلد العیون ص ۱۶۹) حضرت حسنؑ کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا۔ ورنہ خلافت معاویہؓ کے سپرد کر کے شیعستان عراق و کوفہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں پناہ گزین نہ ہوتے۔ حضرت امام حسینؑ کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا ورنہ ۷۲ اصحاب مکہ اور افراد خاندان کے ساتھ۔ کوئی شیعہ کے ہاتھوں

مظلومی کی شہادت نہ پاتے۔

حضرت زین العابدینؑ کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا ورنہ وہ یزید کی غلامی اور بیعت کا طوق گلے

میں نہ ڈالتے (روضہ کافی ص ۲۳)

امام سہم حضرت باقرؑ کے بھی کوئی ونا دار شیعہ نہ تھے ورنہ وہ اوصاف شیعہ میں یوں نہ فرمایا۔

قال فیہم التمیذ و فیہم التنبیل و فیہم التحیص تا قی علیہم سنون تفتینہم و طاعون یقتلہم (اصول کافی باب المؤمن و علامتہ)

ان میں چھپاٹی ہوگی ان میں مذہب کی تبدیلی ہوگی
ان کو پرکھا جائے گا۔ ان کو فناء کر دینے والی قوط
سالی ان پر مسلط ہوگی اور طاعون ان کو قتل
کرے گا۔

امام ششم حضرت جعفر صادقؑ کے بھی تین شیعہ مومن نہ تھے ورنہ وہ تقیہ حلال نہ جانتے اور
کوئی حدیث نہ چھپاتے (کافی باب قلۃ المؤمنین ص ۲۴۲)

امام ہفتم۔ نہم۔ یازدہم کے بھی کوئی پیروکار شیعہ نہ تھے ورنہ ان کے نیرو شر کا کچھ شیعہ
لڑکر سے ثبوت ملتا۔

امام ہشتم علی رضاؑ کے بھی کوئی مخلص شیعہ نہ تھے ورنہ وہ اپنے شیعہوں کے ریزلٹ اور
انجام کا یوں اعلان نہ کرتے۔

مگر آپ میرے شیعہ کی پہچان کریں تو سب کو قیل پائیں اور اگر ان کو پرکھیں تو سب کو مرتد
پائیں اور اگر ان کی چھانٹی کریں تو ہزار میں سے ایک بھی نہ نکلے اور اگر ان کو چھاننی سے چھانیں تو
کوئی بھی نہ بچے۔ بجز اس کے جو میرا ہو۔ یہ مدت سے کتبہ پرٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں ہم
شیعہ علیؑ ہیں۔ حالانکہ شیعہ علیؑ نہ تو صرف وہی ہے جو اپنے قول و فعل کو سچ کر دکھائے (روضہ کافی)

حضرت امام العصر و الزمان ممدی النائب کے ۲۵۵ھ سے تا ہنوز علی اختلاف الروایات
۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲ مومنین شیعہ بھی بیک وقت نہیں ہوئے ورنہ حضرت امام باہر نکل کر ظلم و کفر کا
خانہ اور عدل و توحید کا ڈھکا بجا دیتے۔

اصول کافی باب التعمیص والامتحان ص ۳۳ میں ہے۔ کہ امام جعفر صادقؑ سے سوال ہوا کہ
قائم کے ساتھ کتنے لوگ ہوں گے؟ فرمایا۔ نصف السیر۔ تھوڑے سے آدمی ہوں گے۔ راوی نے کہا لوگوں

میں مہدی کی حمایت کا دعویٰ کرنے والے تو بہت ہیں۔ فرمایا یقینی بات ہے کہ (شیعہ) لوگوں کو پرکھا، چھاننا اور چھانا جائے گا اور بہت سی مخلوق چھاننی سے نکل جائے گی۔
 بارہ آئمہ کے شیعہ کی سب تعداد آپ کے سامنے ہے جو چند صد بھی نہیں بنتے کیا صرف یہی واحد مسلمان ہیں جو شیعہ علیؑ حقیقی اور کامیاب ہیں۔ اور خلفائے ثلاثہؓ کو ماننے والی کروڑوں اربوں کی تعداد میں امت محمدیہ شیعہ کے خیال میں جہنم میں جائے گی۔ تو پھر اصول کافی کی اس صحیح حدیث کا کیا مفہوم ہوگا۔

والناس صنفون عشرون و
 مائة الف صنف ثمانون الف صنف
 من امة محمد وادبعون الف صنف
 من سائر الامم (کتاب فضل القرآن ص ۵۹۶)

سب لوگوں کی ایک لاکھ بیس ہزار صنفیں ہوں گی
 ۸۰ ہزار صنفیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
 امت کی ہوں گی اور ہم ہزار سب امتوں کی۔

یہ لوگ وہ ہیں جو بالآخر جنت کے حفزار ہوں گے۔ ۸۰ ہزار صنف مذہب اہل سنت کے پیروکاروں کی ہی ہو سکتی ہے۔ جو امت محمدیہؐ کہلانے پر فخر بھی کرتے ہیں شیعہ کی فہرست بالا کے مطابق ایک صنف بھی نہ بنے گی۔ پھر وہ کیسے کامیابی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

حدیث۔ انت وشیعتک ہم الفائزون کی حقیقت بیان ہو چکی۔ اب
 فائدہ مہمہ | آپ کے افادہ کے لیے چند موضوع احادیث بھی ذکر کی جاتی ہیں جن سے
 شیعہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں تاکہ آپ ان کی چالوں میں نہ آئیں۔ نفیہ کی آڑ میں
 شیعہ حضرات نے وضع حدیث کے سلسلے میں بڑا کمال دکھایا اور شریعت محمدیہ کے برعکس آئمہ
 کے نام سے متعلق شریعت اور فقہ احادیث تصنیف کر ڈالے۔ علامہ نوویؒ نے شرح مسلم ج ۱ ص ۸۳
 پر لکھتے ہیں۔ رافضہ سب فرقوں سے جھوٹا فرقہ ہے حضرت علیؑ کے ساتھی کا قول ہے اللہ
 شیعہ رافضہ کو پرہیزگار سے کتنا بڑا علم ضائع کر ڈالا (یعنی افسر ابر علیؑ کی وجہ سے آپ کی طرف ہر
 منسوب بات مشکوک معلوم ہونے لگی۔)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں اس امت میں جتنا حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ پر جھوٹا باندھا گیا۔ اتنا
 کسی پر نہیں (حضرت علامہ اپنے دور کی بات کرتے ہیں۔ ورنہ شیعہ نے جتنا حضرت باقرؑ و جعفرؑ

پرافتراد کیا اور وہ جزو مذہب بنا حضرت علیؑ پر اس کا عشرہ شبہ بھی نہیں باندھا گیا یا وہ انقلابات دہر کے بھنور میں پھنس کر موجودہ شیعہ تک بھی نہ پہنچ سکا۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ رافضیوں کا جھوٹ ضرب المثل ہے۔ علامہ ابن مبارک فرماتے ہیں صحیح دین حدیث کے ماننے والوں کا ہے۔ مناظرہ اور جلیہ بازی۔ ڈھکوسلہ بازوں کا حصہ ہے۔ اور جھوٹ رافضیوں کا شعار ہے۔ حماد بن سلمہ کہتے ہیں مجھ سے ایک شیخ نے بیان کیا جو رافضی مذہب سے توبہ کر چکا تھا کہ جب ہم اکٹھے ہوتے اور ایک بات کو پسند کرتے تو ہم اسے حدیث بنا کر روایت کر دیتے (السنة قبل التدوین ۱۹)

شیعہ بن کر ائمہ اہل بیتؑ پر کذب و افتراء کا اقرار موجودہ محققین شیعہ کو بھی ہے چنانچہ ایرانی عالم سید احمد الحسینی رجال کشی کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں۔

ولم یسلم الأئمة ایضاً من ناس
دسوا أنفسهم فی اصحابهم واخذوا
یختلفون علیهم الا کاذب ویرودون
عنهم الاحادیث ویوجدون البدع
الاسماء الضالة حتی ان بعض الدجالین
وضع الوفا من الاحادیث ونسبها
الی من لم ینفقوا بحرف واحد منها
(تقدیم ص ۱۸۲ تہران)

احادیث شیعہ میں واقعی اختلاف و تضاد اور اصولی مختلف فرقوں کے وجود کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ کیا وہ یہی شریعت یا بے عیب واسطہ ہے جس پر شیعہ فخر کرتے اور مسلمانوں کو اہل بیتؑ سے انحراف کا طعنہ دیتے ہیں۔

۱۔ انا مدینة العلم وعلی بابہا۔ اسے امام ترمذی نے شیعہ کی موضوع احادیث جامع میں ذکر کر کے فرمایا ہے کہ یہ منکر و غیر ثقہ راوی سے ہے۔ سخاوی نے بھی یہ کہہ کر فرمایا ہے کہ اس کی کوئی وجہ صحت کی نہیں۔ ابن معینؒ کہتے

ہیں یہ جھوٹ ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ ابوسعید اور یحییٰ بن سید بھی یہی کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ (موضوعات کبیرہ از علاء الدین قاری) ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۸ پر اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔

۲۔ ”اے علی! آپ میرے بھائی میرے دھی میرے خلیفہ اور میرے بویہ اقرض ادا کرنے والے ہیں۔“

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں اسے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور یہ موضوع ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ مطر نامی روای موضوعات روایت ہے۔ اس سے روایت کرنا سلال نہیں ہے۔ ابن عدی کی روایت بھی اسی مطر بن میمون سے ہے۔ اس میں خلیفہ فی الہی کے الفاظ ہیں۔ (المنتقى ۶۹۳) مطر بن میمون کو امام بخاری منکر الحدیث کہتے ہیں۔ (موضوعات کبیرہ ص ۴)

۳۔ ایک پرندہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے دعا کی اے اللہ اس پرندے کا گوشت کھانے کے لیے کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیج جو مجھے اور تجھے سب لوگوں سے عزیز تر ہو۔ اتنے میں حضرت علی التشریف لائے۔ یہ حدیث سب محدثین کے نزدیک جھوٹی اور موضوع ہے مشہور محدث امام حاکم سے اس حدیث الطبر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں۔ حالانکہ حاکم شیعہ کی کتاب میں ہے مگر حاکم اور دیگر علماء حدیث مثلاً نسائی و ابن عبد البر کا شیعہ تفضیل علی کی حد تک نہیں پہنچتا۔ محدثین میں کوئی ایسا عالم نہ تھا جو حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے افضل قرار دیتا ہو۔ (المنتقى ۶۹۵)

۴۔ دو حصوں نے صحابہؓ کو حضرت علیؑ پر سلام بھیجنے کا حکم دیا اور فرمایا آپ سید المرسلین امام المتقین اور اہل جنت کے قائد ہیں، شیعہ اس کی سند اور صحت ثابت نہیں کر سکتے بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ روایت کسی صحیح کتاب اور قابل اعتماد مستند میں موجود نہیں۔ اس کی اسناد میں متعم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں اور مزید یہ کہ علماء اسے موضوع قرار دیتے ہیں اسی طرح اس کے یہ الفاظ وہودی کلی مومن بعدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بتیان ہے۔

۵۔ میرے اہل بیت کشتی نوح کی طرح ہیں جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا۔ اور جو بچھڑ گیا۔ ڈوب گیا۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کشتی نوح والی حدیث صحیح نہیں اور حدیث کی کسی قابل اتھا کتاب میں موجود نہیں (منہاج السنۃ)

۶۔ ”من احب حسنا وحسینا والدیہما کان معی فی الجنة“ یہ محدث

قطیعی نے کتاب الفضائل میں منہ احمد کے آخر میں اضافہ کے طور پر نقل کی ہے۔ محدث ابن الجوزی نے اس روایت کو بواسطہ علی بن حبضار موسیٰ موضوع قرار دیا ہے۔ (المنتقى ۲۰۷)

۷۔ ”حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ تمہاری محبت علامت ایمان ہے۔ اور تمہاری عداوت موجب کفر تیرے محبوب سب سے پہلے جنت میں جاؤں گے اور تجھ سے عداوت رکھنے والے سب سے پہلے واصل جہنم ہوں گے۔“

ہم کہتے ہیں یہ صریح جھوٹ ہے۔ کوئی مسلم یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خوارج و نواصب فرعون والو جہل علیہ رؤساء کفار سے پہلے دوزخ میں جاؤں گے۔ یا غالی اسماعیلیہ جھوٹے روافض اور فاسق امامیہ جب علیؓ کی بنا پر انبیاء کرامؑ سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

۸۔ خطیب خوارزم نے مرفوع روایت کی ہے کہ ”جو حضرت علیؓ کی خلافت کو ناپسند کرتا ہو وہ کافر ہے۔ اور اللہ کے رسولؐ کے خلاف جنگ آزمائی کر رہا ہے۔“

۹۔ بروایت انسؓ علیؓ کو اتنے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا۔ ”میں اور علیؓ بے وز قیامت اپنی امت پر حجت ہوں گے۔“

۱۰۔ معاویہ بن حیدۃ القشیری مرفوعاً روایت کرتے ہیں جو شخص حضرت علیؓ سے عداوت رکھتے ہوئے مر جائے تو پر وہ نہ کریں کہ یہودی مرا ہے یا نصرانی۔

یہ مینوں روایات صحیح نہیں۔ اس لیے کہ خطیب خوارزم کا ان روایات کو نقل کرنا ان کی صحت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کی تصانیف موضوعات کا ملندہ ہیں۔ جن کو دیکھ کر ایک حدیث دان شخص حیرت کا اظہار کرنے لگتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ ہذا بہتان عظیم۔ وہ حقیقت شناس شخص جو واقعات سے آگاہ ہو اور آثار و اقوال میں مہارت رکھتا ہو اس بات

سے بخوبی واقف ہے کہ اس قسم کی احادیث کذاب راویوں نے عصر صحابہ و تابعین کے اختتام کے بعد وضع کر لی تھیں۔ (کذا فی منهاج السنۃ لابن تیمیہ)

۱۱۔ امام نسائی نے فضائل علیؑ میں عباد بن عبد اللہ اسدی سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ میں اللہ کا بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں۔ میں ہی صدیق اکبر ہوں میرے بعد جو اس کا دعویٰ کرے گا وہ کاذب ہوگا۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔“

یہ روایت امام احمد نے اپنی کتاب الفضائل میں ذکر کی ہے۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے عباد مٹم بالکذب ہے۔ ابن المدینی نے بھی عباد کو ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں منہال راوی بھی ہے جو تنبیہ کے نزدیک متروک ہے۔ اثرم کا قول ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا جھوٹا ہے۔ یہ منکر الحدیث ہے۔ (المنقذی ص ۹۱)

دراستہ بھی حضرت علیؑ جیسے راست گفتار سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنی خود ستائی اور برتری کے لیے غلط بات کہیں۔

۱۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا تو پہلا شخص ہے جو بروز قیامت مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ تو صدیق بھی ہے اور فاروق بھی تو مومنوں کا بیسب ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی سند میں عباد بن یعقوب اور علی بن ہاشم دونوں ضعیف ہیں۔ اس کی دوسری سند میں عبد اللہ بن داہر ہے جسے محدث ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ بطور نمونہ یہ متبرک عدد والی بارہ احادیث موضوعہ ذکر کی گئی ہیں ۲ تا ۱۰ ابن مطہر حلی نے منہج اکرامہ میں خلافت علیؑ پر پریش کی ہیں جس کے رد میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ نے شہرہ آفاق تصنیف ”منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض الشیخۃ القدیریۃ“ لکھی ہے ہماری تنقید اسی سے ماخوذ ہے۔

اہل سنت ہی فائز المرام ہیں | مسترض کا یہ کہنا کہ ایسی کوئی حدیث حنفی، شافعی، حنبلی یا کسی حضرات کے لیے بھی مل سکتی ہے، اگر نہیں تو ویسبندی

بریلوی۔ نجدی۔ سہروردی۔ چشتی۔ قادری۔ نقشبندی حضرات کے لیے تلاش کر کے اطمینان دلانا
 دیکھئے۔ ایک لغو بات ہے۔ کیونکہ چاروں ائمہ مجتہدین کے پیروکار یا علم تصوف میں چاروں سلاسل
 کے سالکین۔ آپس میں کوئی اصولی اختلاف نہیں رکھتے نہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں بلکہ تیر و
 شکر ہو کر ایک دوسرے کے سچھے نمازیں پڑھتے ہیں جب یہ سب اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہیں
 تو سب کے لیے ایک حدیث نبویؐ اور فیصلہ مرتضوی کافی ہے۔ ملاحظہ ہو حضرت علیؑ فرماتے
 ہیں۔

وسیہا لک فی صنفان محب
 مفرط ینہب بہ الحب الی غیر الحق
 ومبغض مفرط ینہب بہ البغض
 الی غیر الحق وخیر الناس فی حالا
 النمط الاوسط فالزموہ والزموا
 السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعۃ
 وایاکم والفرقة فان الشاذ من الناس
 للشیطن الخ (نیج البلاغۃ قسم اول ص ۲۱۷)

اور عنقریب میرے بارے میں دو قسم کے
 لوگ ہلاک ہوں گے ایک وہ جو محبت میں غلو
 رکھتا ہو کہ محبت اس کو خلاف حق راستہ پر
 لے جائے اور ایک وہ جو عداوت میں غلو
 رکھتا ہو کہ عداوت اس کو خلاف حق کیط
 لے جائے۔ میرے متعلق سب سے اچھے وہ
 لوگ ہوں گے جو درمیانی راہ اختیار کریں گے
 لہذا تم درمیانی راہ کو لازم سمجھو اور سواد اعظم
 کی پیروی کو لازم سمجھو کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ خبردار جماعت سے علیحدہ نہ ہونا۔ جماعت
 سے علیحدہ ہونے والا شیطان کا شکار ہے جس طرح وہ بکری ہو گلے سے علیحدہ ہو جائے بھڑے
 کا شکار بنتی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص تم کو جماعت سے علیحدہ ہونے کی ترغیب دے اس کو
 قتل کر دو۔ اگرچہ وہ میرے اس عمامہ کے نیچے ہو (یعنی اگرچہ میں ہی کیوں نہ ہوں)۔“
 نیج البلاغۃ میں دوسرے مقام پر حضرت علیؑ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ
 حدیث نقل فرمائی ہے۔

اس یقینی ارشاد مرتضوی کی رو سے خوارج اور شیعہ کا باطل و ہلاک ہونا اظہر من الشمس
 ہے۔ کیونکہ ایک غالی دشمن ہے۔ ایک غالی محب کہ آپ کے اندر خدا و رسولؐ کی صفات کا بھی
 عقیدہ رکھتا ہے۔ صحیح مسلمان سواد اعظم میں جو اہل سنت والجماعت ہیں۔ اور آپ کے متعلق

مستدل عقیدہ رکھتے ہیں۔ سوادِ اعظم سے مراد بڑی جماعت ہی ہے۔ جیسے حضرت علیؑ نے نصرت فرمادی اور ان کی اتباع کی فرضیت بتائی۔ علماءِ شیعہ بھی ”سوادِ اعظم“ سے اکثری جماعت اور اہل سنت مراد لیتے ہیں۔ مثلاً شیعہ کے شہید ثالث نور اللہ شوستری مجلسِ المؤمنین ص ۵۲ پر لکھتے ہیں۔

فقیر گفت کہ اہل سنت ہمیشہ سوادِ اعظم فقیر کہتا ہے کہ اہل سنت ہر دور میں سوادِ اعظم ہوئے ہیں۔

اہل سنت جب سوادِ اعظم اور برحق و ناجی ہیں اور ارشادِ مرقضوی جیسے دنیا میں برحق نکلا آخرت کے اندر بھی برحق ہوگا اور اہل سنت فائز المرام اور جنات النعیم کے وارث ہوں گے اور جن مجبان اہل بیت پر حضرت امیر نے ہالک کا فتویٰ لگایا اور تباہی حقائق کی روشنی میں غدار و قاتل اہل بیت ٹھہرے۔ ان سے بددعا میں لیں اور آج بھی اتباعِ اہلبیت سے محروم اور بددعا کے علمبردار ہیں۔ ۱۳۰۰ سال سے ناکامی ان کا مقصد بن چکی ہے۔ اور ظلم و سفاکی سے بھرپور خمینی انقلاب ایران کا جو ذمہ مسووعملی فقہ جعفری کے نمودار کارہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آخرت مَن كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۱۶

جو اس دنیا میں حق دیکھنے ماننے سے اندھا رہا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ ترین ہوگا۔

اور ایسا کیوں نہ ہو محبِ علیؑ شیعہ میں دسیوں فرقے قائم ہوئے۔ ہر ایک دوسرے سے اصولی اختلاف رکھتا۔ الگ امام بناتا اور دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔ صرف امامیہ کے ۳۹ فرقے ہیں۔ تین بڑے فرقے۔ زیدیہ۔ اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ”کہ امت کے تندر فرقے ہیں۔“

ثلاث عشرۃ فرقۃ تلتحل ولا یتناوودتنا اثنتا عشرۃ فرقۃ منها فی النار وفرقۃ فی الجنة۔

۱۲ فرقے ہماری ولایت و محبت کے قابل ہیں۔ ان کے بھی ۱۲ فرقے جہنم میں ہوں گے صرف ایک جنت میں ہوگا۔

(روضہ کافی جلد ۲۲)

کیوں صاحب! شیعہ علیؑ اگر فائز ہیں تو بانی تشیع امام ان کو جہنم کی سند کیوں دیتے ہیں اور نہ معلوم مشہر صاحب اور ان کے ہم مسلک جہنمی فرقوں سے ہیں یا ایک خفیہ فرقہ کے فرد ہیں۔

اور واضح رہے کہ شیعہ عقاید و لٹریچر کی روشنی میں عہدِ کلمہ کے بعد جنت کا مستحق صرف وہی مختصر گروہ ہو گا جس کی تعداد بیش از بیش ۳۱۳ ہوگی اور وہ بالفعل حضرت قائمؑ کی نصرت کرے گا۔ ان کے علاوہ سب مدعیان تشیع منافق ہیں۔ کیونکہ اگر اتنے مومن بھی ان میں ہوں تو حضرت مہدیؑ غائب کو غار یا مخفی مقام سے باہر نکل آنا واجب ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو ردضہ کافی ص ۳۱۳ طایران،

سوال ۱۷۔ حضرت بی بی عائشہؓ کے تعلقات خلافت عثمانؓ کے وقت حضرت عثمانؓ کے ساتھ کیسے تھے؟ کیا بی بی عائشہؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس بڈھے نقتل کو قتل کر دو خدا اسے قتل کرے۔ اگر ایسا ارشاد فرمایا کر آپؐ کہ شریف لے گئیں تو حضرت علیؓ کی خلافت ظاہری کو سن کر حضرت عثمانؓ کو کس طرح انہوں نے مظلوم تسلیم کر لیا۔ کیا حضرت علیؓ سے دیرینہ حضرت عائشہؓ کو ذاتی رنجش نہ تھی ارشاد فرمائیں کہ جنگ جمل حضرت عثمانؓ کی حمایت میں ظہور پذیر ہوئی۔ یا حضرت علیؓ کی دیرینہ دشمنی کا نتیجہ تھی۔

الجواب۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے تعلقات حضرت عثمانؓ میں عقیدہ مندی اپنے فرزند و داماد حضرت عثمانؓ سے بالکل درست تھے۔ آپؐ کا بھائی محمد حبیب حضرت عثمانؓ پر تنقید کرتا تھا تو آپؐ اسے سمجھاتیں مگر صند سے باز آجاؤ لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ ہر سال کے دستور کے موافق حضرت عائشہؓ اسی اثنا میں حج کے ارادے سے مکہ منظرہ چلی گئیں۔ محمد بن ابی بکرؓ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ صحابہؓ میں جن (چند) لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل سے اختلاف تھا۔ اور جن میں ایک (جھوٹے پر و پگنڈہ پر مبنی) روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ بھی داخل ہیں وہ بھی اس کے روادار نہ تھے اور نہ عائشہؓ ان کا مقصد تھا۔ واقعہ سے پہلے اشرار نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا تھا کہ اس شخص (حضرت عثمانؓ) کے قتل کی نسبت آپؐ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا ما ذالک میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرمایا: خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی کسی قسم کی بے عزتی ہو۔ اگر ایسا کبھی میں نے پسند کیا تو تو ویسی ہی میری بھی ہو۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں۔ اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں۔ اے عبداللہ بن عمر (ان کے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکہ نہ دے۔ اصحاب رسول کے کاموں کی اس وقت تک تحقیق نہ کی گئی جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہوا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بے جا پھینکا۔ اس نے وہ کہا جو نہ کہنا چاہیے تھا وہ پڑھا ہے جو نہ پڑھنا چاہیے۔ اس طرح نماز پڑھنی جس طرح نہ پڑھنی چاہیے۔ ہم نے ان کے کاموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صبیحہ کے احوال کے قریب تک نہ تھے یہ پوری تقریر حیرت خیز خلق احوال العباد پر امام بخاری نے نقل کی ہے (بحوالہ سیرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲۱ از سید سلیمان ندوی) اس اعلان سے زیادہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مخالف عثمان رضی اللہ عنہ کو ہونے کی افواہ کے جھوٹ ہونے پر کیا دلیل چاہیے۔ درحقیقت یہی نتیجہ کاغذ پر و پگنڈہ ہے جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کو نہیں مانتے تو ان کے درمیان حسن تعلق یا اختلاف سے شیعہ کا کیا واسطہ۔ اسی سے شیعہ کی بدعتی اور فساد انگیزی نمایاں ہو جاتی ہے۔

جنگِ جمل کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مصالحت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حسنِ تعلقات

حسن نیت اور اصلاحی اقدام پھر لوہائیوں کی سازش سے اچانک جنگ کا قصہ سوال ۱۳ کے تحت طبری وغیرہ تاریخ کے حوالہ جات سے گزر چکا ہے اسے مرقضی دمشقی پر چمل کرنا بدترین بدعتی ہے جو اذہر دے قرآن حکیم عام مسلمانوں کے بارے میں بھی حرام ہے۔ چہ جائیکہ حبیبہ حبیب رب العالمین وامہات المومنین کے متعلق ایسی یادہ کوئی کی جائے۔

احادیث صحیحہ اذہن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات ہوئی تو ہر ایک نے گریہ و زاری کر کے معذرت اور امرِ جنگ سے لاعلمی ظاہر کی۔ دو آدمیوں نے ام المومنین کے حق میں گستاخی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ۱۰۰-۱۰۰ درے کی

حد لگائی اور فرمایا کہ بخدا کہ یہ تمہارے پیغمبر کی دنیا و آخرت میں اہلیہ اور تمہاری ماں ہیں ان سے لخصرش ہو گئی۔ ورنہ میرے اور ان کے درمیان کوئی خصوصیت نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی برأت کرتے ہوئے فرمایا۔ ”میرے اور علیؑ کے درمیان کوئی نہ تھی ہاں کبھی ایسی بات ہو گئی جو خاوند کے رشتہ دار اور بیوی کے مابین ہو سکتی ہے تو ممکن ہے۔“

اکذانی کشف الغمہ ص ۲۱۲ علی بن عیسیٰ اردبیلی شیعہ) شاید اس سے اشارہ اس شکر رنجی اور صدمہ کی طرف ہو جو قذف کے موقع پر آپ کو حضرت علیؑ کے حضور کو اس مشورہ دینے سے پہنچا تھا۔ ”کہ آپ پر نیکی نہیں۔ آپ اور شادی کر لیں۔“ جبکہ قرآن حکیم اور سب قرآن پڑھنے والے صبر کرام نے آپؐ کی قطعی برأت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کے تحت اس شدید صدمے کا اثر۔ دیر پا بھی ہو سکتا ہے۔ صدیقیہ بنت صدیقؑ نے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ تو یہ دوستانہ غتاب ہے۔ اسے جنگ جمل کا سبب قرار دینا انتہائی ظلم اور خبیث باطنی کا اظہار ہے۔ ترمذی مناقب علیؑ میں حضرت ام المومنینؑ نے حضرت علیؑ کی تعریف فرمائی ہے۔ اور فرمایا کہ حضرت فاطمہؑ کے شوہر بہت نماز گزار اور روزہ دار تھے۔ صحیح بخاری مناقب قرابت اور مناقب فاطمہؑ میں حضرت عائشہؑ سے یہ روایت کی ہے کہ مرض وفات میں حضرت فاطمہؑ کو حضورؐ نے بلا کر چپکے سے کچھ کما توڑ ڈیڑھے میں۔ پھر کچھ فرمایا تو مہنس ٹپس۔ پھر حضرت عائشہؑ نے پوچھا تو فرمایا مجھے حضورؐ نے اپنے وفات پانے اور خاتون جنت ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت علیؑ کا آل عبا میں داخل ہونا اور اہل بیت ہونا ہمیں حضرت عائشہؑ کے ذریعہ ہی معلوم ہوا۔ (صحیح مسلم)

متحد و مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عائشہؑ کے پاس مستفتی آئے ہیں (خود جواب دے کر) انہوں نے ان کو حضرت علیؑ کی خدمت میں جانے کی ہدایت کی ہے (مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۵) حضرت علیؑ کبھی سفر سے واپس آتے تو داماد کی ضیافتیں کرتے۔ (مسند احمد ایضاً) خوارج کی آپ سے مخالفت اور شہادت سن کر حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا۔ خدا علیؑ پر رحمت بھیجے۔ ان کو جب کوئی بات پسند آتی تو یہی کہتے۔ صدق اللہ و رسولہ۔ اہل عراق ان پر تھوٹ تہمت باندھتے ہیں اور بات کو بڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۸۶ بحوالہ سیرت عائشہؑ)

اختلاف کا سبب قصاص قتل عثمانؓ ہی تھا۔ ایک پیغمبر کریمؐ کی بہترین اہلیہ میں۔ اور۔ ایک معزز داماد میں۔ ان دونوں میں نفرت اور دشمنی ثابت کرنا پیغمبرؐ کی تعلیم و تربیت کا منکر ایک یہودی یا نصرانی تو کر سکتا ہے۔ مگر آپؐ کے محب اور مسلمان سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی۔

ملاشیں بسیار کے بعد تنقید کا یہ قصہ ہمیں تاریخ اقتلوا العتلا کا قصہ وضعی ہے [طبری ج ۴ ص ۵۹ پر ملا۔ مگر افسوس کہ شیعہ کا یہ قلعہ مبلدہ آب ثابت ہوا۔

اولاً اس کی سند میں حسین بن نصر عطار۔ ابو نصر بن مزاحم۔ محمد بن نویرہ۔ طلحہ بن اعلم حنفی وغیرہ ایسے مجہول لوگ ہیں جن کا عام کتب رجال و تاریخ میں تذکرہ نہیں ملتا۔ ثانیاً۔ ایک راوی سیف بن عمر معروف ہے۔ مگر اس پر کتب رجال میں کڑی جرح موجود ہے۔ میزان الاعتدال میں سیف کے ترجمہ میں ہے کہ وہ لیس شئی (کچھ بھی نہیں) ہے متروک ہے منکر الحدیث ہے۔ وضع و زندقہ سے متہم ہے۔ پھر آخری راوی اسد بن عبد اللہ مروی عنہ کا نام نہیں لیتا۔ تلمیس کرتا ہے۔

ایسی بے سرو پا اور جعلی روایت سے ام المومنینؓ جیسی مسستی پر طعن کرنا واقعی شلیک کوئیوب دیا ہے۔

ثالثاً۔ وارثیہ بھی یہ قصہ لٹو ہے۔ بلکہ شاذ و منکر ہے کیونکہ اس کے خلاف حضرت عائشہؓ سے بہت سی روایات ثابت ہیں جن میں آپؐ نے حضرت عثمانؓ کا دفاع کیا۔ قتل کو نفرت و حقارت سے دیکھا۔ ان پر لعنت کی اور حضرت علیؓ نے بھی آپؐ کی تائید میں ان پر لعنت کی۔ (طبری ج ۴ ص ۵۹۳ المتفق ص ۳۲۹)

رابعاً۔ حتی الامکان آپؐ حضرت عثمانؓ اور بلویوں کے اختلاف کو دفع کرتے ہیں۔ ماں کی حیثیت سے بلویوں کی کسی غلط رویہ پر آپؐ کو حضرت عثمانؓ پر تنقید کا حق حاصل تھا کبھی کبھ کہتا ہوتا وہ کس منطق سے حضرت عثمانؓ سے دشمنی کے ذیل میں آئے گا۔ معاصر تنقید عام بات ہوتی ہے۔ درحقیقت بلوائی کینے آپؐ کی عزت کے بھی دشمن تھے۔ لگائی

بجھائی سے قتلہ برپا کرنا چاہتے تھے اور یہ تنقید ان کی ہی خود ساختہ ہے جب انہوں نے ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی بھی بے عزتی کی تو آپ عزت پر کراؤ رچ کے لیے مکہ مکرمہ چلی آئیں۔ اگر آپ بزرگ شیعہ مخالف عثمانؓ اور آپ کی قتل پر خوش تھیں۔ یہ مقصد مدینہ تشریف میں رہ کر جلدی حاصل کر سکتی تھیں۔ بلوائیوں کی ڈھارس بندھتی۔ مگر آپ کا عمل اس کے برعکس تھا۔ خامسا۔ درحقیقت یہ تنقید بھوٹ ہے۔ نخل کا لفظ صرف قاتلین عثمانؓ کی زبان پر جاری ہوا۔ سب سے پہلے یہ لفظ بولنے والا جبکہ بن عمرو ساعدی تھا اس نے کہا اے نخل میں آپ کو قتل کر کے ایک خارشہ اونٹ پر سوار کروں گا اور اسے شہر سے باہر تھیر لی زمین کی طرف ہانک دوں گا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۱۱ مطبع حسینینہ مصر) بعد ازاں یہ لفظ جنگ جمل کے موقع پر ہانی بن خطاب اور بھی کی زبان پر جاری ہوا وہ کہتا ہے۔ ۷

ابت شیوخ من حجج وھمدان ان لایر دو نغلا کما کان
تیسری مرتبہ یہ لفظ عبدالرحمن بن حنبلؒ نے جنگ صفین کے موقع پر بولا۔ وہ کہتا ہے۔
ان تفتلونا فاننا ابن حنبل انا الذی قتلت فیکم نغلا
جب جبکہ بن عمرو ساعدی نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرتے ہوئے پہلی مرتبہ نخل کا لفظ بولا حضرت عائشہؓ اس وقت مکہ مکرمہ میں محو عبادت تھیں۔ جب حج سے واپس ٹوئیں تو یہ لفظ آپ کے کانوں میں پہنچا۔ (تحشیہ الخطیب بر مقتدی ص ۳۲)
سادسا۔ زیر بحث تاریخی روایت میں یہ بھی ہے کہ عبدالبن ام کلاب نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آپ کیوں قصاص عثمانؓ چاہتی ہیں جبکہ آپ نے ان پر نکتہ چینی کی تھی۔
قالت انھما استنباوہ ثم قتلوا
وقلت وقالوا وقلی الاخیر خیر
من قولى الاول (طبری ج ۶ ص ۴۵۹)
ان کے متعلق (میرے پاس غلط رپورٹ) بیان کی تھی۔ میری آخری بات (حقیقت پر مطلع ہونے کی وجہ سے) پہلی بات سے بہتر ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ جملہ ثابت بھی ہو تو غلط خبر پر مبنی تھا۔ جیسے حضرت عائشہؓ نے تصریح

کردی ہے:

سابقہ بصرہ کے شہر میں حضرت طلحہ و زبیرؓ کی تقریموں کے بعد حضرت عائشہؓ نے فرمایا لوگ حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کرنے لگے اور آپ کے حکام پر الزام لگاتے۔ ہمارے پاس یہ لوگ مدینہ میں آتے تو جو کچھ بیان کرتے ہمیں اس کے چھپانے کا حکم دیتے اور ہماری نرم بات کو اپنے حق میں بہتر جانتے جب ہم ان کے الزامات میں غور کرتے تو حضرت عثمانؓ کو بری، پرہیزگار اور وفادار پاتے۔ اور ہم ان کو بدکار اور جھوٹا سمجھنے کہ یہ جو کچھ ظاہر کرتے اس کی خلاف ورزی نہ کرتے تھے۔ مطلب حق کے بجائے قتل عثمانؓ جب یہ باغی ٹولہ بنانے پر قادر ہو گئے تو گھر میں گھس کر حرام خون، حرام مال اور حرام شہر کو حلال کر لیا۔ (طبری ج ۶ ص ۴۶)

حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا تھا۔ اے عثمانؓ! اللہ اگر تجھے ایک دن بھی خلافت کی قمیص پہنائے اور منافق اتر و انا چاہیں تو اللہ کی اس پہنائی ہوئی قمیص کو کبھی نہ اتارنا۔ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا تھا۔ رادی نے کہا اے اماں قتل والے دن آپ نے یہ حدیث کیوں نہ سنائی۔ فرمایا بھول گئی تھی۔ (ابن ماجہ ص ۱۱)

سوال ۱۵۔ مسلمانوں کے چار امام حضرت امام ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ ہیں۔ کیا ان کی امامت نص سے ثابت ہے یا حکومت وقت کی پیداوار تھی اور چار مصلح جو خانہ کعبہ میں بنائے گئے تھے ان کا شرعی جواز کیا تھا اور اب ان کو اٹھا بھی دیا ہے تو حکومت کا اپنی مرضی سے ان چار مصلحوں کو کعبہ میں قائم کرنا اور عرصہ کے بعد اٹھانا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان بزرگوں کی امامت حکومت کی سرہون منت ہے۔ فاعترفاً یا ولی الالبصار۔

الجواب۔ اس بھونڈے سوال میں تو مشنر کا مسلمانوں سے شدید عناد و نفیہ سے باہر نکل آیا اور جہالت سے ائمہ اربعہ کا تقابل اپنے خود ساختہ ۱۲ ائمہ سے چاہنے لگا۔ اس پر واضح ہونا چاہیے کہ اہل سنت کے فقہاء مجتہدین و ائمہ اربعہ کی امامت نہ نبوت سے افضل ہے نہ نبوت کی مثل ہے۔ نہ منصوص ہے۔ اور نہ اہل سنت شیعہ کی طرح جناب پیغمبر خاتم النبیینؐ کی مثل ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور منصب و اوصاف میں اس شرک عظیم اور کفر صریح کو جاننے سمجھنے میں بلکہ یہ تو قرآن حکیم اور سنت نبوی میں نئے درپیش مسائل کے لیے غور و فکر اور صواب و احوال کی تلاش میں اجتہاد کا نتیجہ ہے اور کئی غیر منصوص نئے مسائل میں یہ اختلافات آراء ایک ایک مذہب کی حیثیت اختیار کر گئے۔ جیسے خود حضرت باقر و جعفر رحمہما اللہ میں یا حضرت زید اور دیگر اہل بیتؑ میں فقہی اختلافات ہیں جن میں ایک دوسرے کی نہ قطعی تخلیط کی جاسکتی ہے نہ کسی مابین مسلک کو ماننا ہی باعث نجات ہے اور یہی اختلاف امت کے لیے رحمت ہے جہاں تک حادثات نو کے حل کے لیے اجتہاد و قیاس کی ضرورت و اہمیت کا تعلق ہے ہم اس سے قبل سوال ۱۳ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک آیت کا حوالہ کافی ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ۔ اور جو ہمارے دین کے پاسے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور ان کو اپنا راستہ دکھائیں گے اور اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (ترجمہ مقبول ص ۸۲)

مولوی مقبول صاحب نے حاشیہ پر لکھا ہے ”حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے علم کے بموجب عمل کرے گا خدائے تعالیٰ اس کو اس علم کا بھی وارث کر دے گا جس کو وہ نہ جانتا ہو“ (ایضاً)

آیت و حدیث کا مفہوم اس جد و جہد اور کوشش کو یقیناً شامل ہے جو نئے مسائل کے دینی احکام معلوم کرنے کے لیے قرآن و سنت کے معلوم ذخیرہ میں کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ مجتہدین کو ان کا علم اور حل عطا فرما دیتے ہیں۔ جو پہلے سے معلوم نہیں ہوتا۔

حدید ہے کہ شیعہ حضرات اجتہاد کا یہ دروازہ مثل پیچیدہ شارب و محصوم اور صاحبان وحی و کتاب ۱۲ ائمہ کا زندہ وجود ماننے کے باوجود بھی بند نہ کر سکے۔ اور وہ ہر زمانے میں مجتہد جامع الشرائط کی ضرورت اور وجوب تقلید کے قائل ہیں اور ایسے مجتہدین ان کے یہاں سینکڑوں ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا فیصلہ و اجتہاد دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک مجتہد کی وفات پر اس کے سارے مسائل باطل ہو جاتے ہیں اور نئے مجتہد و شرعیہ کو خود

شیعہ ہی منتخب کر کے امام العصر کی سیٹ پر غاصبانہ بٹھا دیتے ہیں۔ ان کے قرآن و سنت کے مخالف مسائل کا تذکرہ طوالت کا موجب ہوگا۔

اہل سنت کے ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہاد کی پوزیشن واضح ہو۔
علامہ ابوالحسن شعرانی شافعی میزان البکری ج ۱ صفحہ ۱۷۱ پر رقمطراز ہیں۔

فقد بان لك يا اخي مما نقلناه
عن الائمة الاربعه وغيرهم ان جميع
المجتهدين داؤد مع ادلة الشر ليتحيث
دارت وانهم كلهم منزّهون عن القول
بالرأى في دين الله وان مذاهبتهم كلها
محرفة على الكتاب والسنة كتحريف
للاذهب والوجوه..... وما بقى لك
عذر في التقليد لاي مذهب شئت
من مذاهبتهم فانها طرقت الى الجنة
كما سبق بيانه۔

ائمہ اربعہ وغیر ہم سے جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے
اس سے اسے بھائی تجھ پر واضح ہو چکا ہوگا کہ
تمام مجتہدین اولہ شریعہ کے ساتھ گھومتے ہیں
جہاں وہ گھومیں اور بلاشبہ وہ سب اللہ کے
دین میں اپنی رائے کی بات کرنے سے منزہ
اور پاک ہیں۔ ان کے مذاہب راجعہ کتاب
اور سنت نبوی پر ایسے چھپے ہوئے ہیں جیسے
سونے اور جواہرات پر نقش و نگار۔ اب تیرے
لیے کوئی عذر باقی نہیں تو ان مذاہب میں سے
جس کی چاہ ہے تقلید کر لے کیونکہ یہ سب حسب

بیان سابق جنت میں پہنچانے والے راستے ہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی حجتہ اللہ البالغہ ص ۳۴ پر لکھتے ہیں۔

”خلاصہ یہ کہ جب ان قواعد شریعہ پر فقہانہ فقہ کی بنیاد رکھی تو کوئی اختلافی مسئلہ
زمانہ سابق کا یا ان کے اپنے زمانے کا ایسا نہ رہا جس پر دلیل نہ مل سکے۔ ہر مسئلہ پر انہیں حدیث
مرفوعہ متصل یا مرسل یا مرفوعہ صحیح یا حسن۔ اور اعتبار واستدلال کے قابل مل گئی یا شیخینؒ،
باقی خلفائے اربعہؒ سے شہروں کے قاضیوں اور علماء کے فیصلے ان کو مل گئے۔ یا قرآن و سنت
کے محمول میں سے بطور اقتضاء النص یا اشارۃ النص ان کو استدلال کی سمجھ آگئی تو اس طرز
پر اللہ تعالیٰ نے ان کو سنت نبوی پر عمل کرنا آسان کر دیا۔

مجتہد کے لیے۔ اولہ شریعہ۔ کتاب اللہ سنت رسولؐ۔ اجماع امت۔ قیاس صحیح۔

کے علاوہ علوم عرب میں مہارت اور تقویٰ و بصیرت کے زیور سے بھی آراستہ ہونا ضروری ہے سوال ۱۳ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اجماع امت اور قیاس صحیح مستقبل اور نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن و سنت کی فرع ہیں۔ کتاب و سنت کے صریح برعکس نہ اجماع منقذ ہو اور نہ قیاس کی گنجائش ہے۔ شیعہ حضرات بھی اپنے علماء کے اجماع کے اور مجتہد کے لیے ضرورت قیاس و عقل کے قائل ہیں۔ گو تعبیر میں اختلاف سہی۔ ایک شیعہ مؤلف لکھتا ہے۔

”شیعہ کے نزدیک فقہ کے چار مآخذ ہیں۔ قرآن مجید۔ سنت رسول و ائمہ طاہرین اجماع علماء بشر طبع خلاف قرآن و سنت نہ ہو، اور عقل سلیم۔ جبکہ غیر شیعہ فقہوں میں قیاس کو مآخذ مانا گیا ہے۔“ (شیعہ مذہب سچا ہے ص ۱۱۳)

گو مجتہدین بہت ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ان چاروں کی بزرگی اور اہمیت پر متفق کر دیا اور ایسی مقبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ فرقہ شیعہ اور چند اہل ظاہر کے سوا سب کرڈرو مسلمانوں نے ان کی تقلید کی۔ اور قرآن و سنت پر ان کے واسطے سے عمل کیا۔ یہی ان کی حقانیت کی دلیل ہے۔

کتب اہل سنت میں یہ حدیث قطعی الثبوت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الله لا يجمع امتی علی ضلالة ولا شیعہ اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے دین الله علی الجماعة ومن شذّ شذّافی (النار زرقانی)

کتب شیعہ سے اس حدیث کا ثبوت دیا جا چکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ وما کان الله لیجمعهم علی الضلال اور اللہ تعالیٰ ان عیالہ کو اور بعد والی امت کو گمراہی پر جمع کرنے والا نہیں ہے۔

ائمہ اربعہ پر امت کا یہ اتفاق اور قبولیت عامہ عطیہ خداوندی ہے۔ اس سعادت بزرگ و باریک و نسیبیت تانہ بخشہ خدا کے بخشندہ یہ حکومت وقت کی پیداوار نہیں اور نہ ان ائمہ نے اپنے شاگردوں اور پیروکاروں کو رشوت دی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو حکومتوں کے اختتام کے ساتھ یہ مذاہب بھی ختم ہو جاتے۔

اور حکومتیں ان پر جو روجہ نہ کرتیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ المتوفی ۱۵۰ھ نے منصور عباسی کے جلی خانہ زندا میں وفات پائی۔ حضرت الامام احمد بن حنبلؒ خلق قرآن کے مسئلہ کے سلسلے میں ۳۳ سال جیل میں رہے اور سرور دوز کوڑے کھاتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان ائمہ کی مقبولیت عامہ کے پیش نظر حکومتیں ملکی قوانین کی بنیاد ان کی فقہ پر رکھتیں جسکی وجہ سے مسلمان اندرونی طور پر متحکم تھے۔ اور بیرونی طور پر جہاد اور فتوحات کے دروازے کھلے ہوتے تھے تاہم لہیت کے پیش نظر یہ ائمہ اپنی فقہ و مسلک کو جبراً تمام مسلمانوں پر نافذ کرنے کے حق میں نہ تھے۔ مثلاً موطا امام مالکؒ کو ہارون رشید نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا تو خواہش ظاہر کی کہ اسے تمام مملکت میں بطور قانون نافذ کر دیا جائے مگر حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔ ہر شہر میں صحابہ کرامؓ آئے ہیں اور فقہ و حدیث کا خزانہ ان لوگوں کو ملا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارا مجموعہ حواہل مدینہ کی روایت و عمل سے ہے۔ ان سے کچھ مختلف ہو۔ تو اس کے جبراً انفاذ سے ان کو حرج واقع ہو۔ یشیعہ کے امام نہ تھے کہ اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو بے ایمان اور خارج از اسلام قرار دیں۔ جیسے حضرت علیؓ کے متعلق ہے۔ ”کہ جو آپ کو پہچانے وہی مؤمن ہے اور جو آپ کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اور جو کسی اور کو آپ کی بیعت میں شریک کرے وہ مشرک ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۲۶)

اور عالمانہ بھیس میں حکومت و امارت کے لیے بے چین ہوں۔ جیسے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

لوکلن لی شیعة بعد دھذا	اگر میرے ان بکریوں کے برابر یشیعہ ہوتے تو
الجند ازما وسعی الفقود و نزلنا	مجھے طلب خلافت و حکومت سے بیٹھ رہنا
وصلینا فلما فغننا من الصلوة عطف	جائز نہ ہوتا۔ راوی کہتا ہے ہم نے اتنے گنہگار
علی الجند او فعد دتھا فاذاھی سبعة	پڑھی اور بکریاں گنیں تو وہ صرف تیرہ تھیں
عش (اصول کافی ج ۲ ص ۲۲۲ باب قلۃ المتوبین)	

حضرات اہل بیتؑ کو اپنے مقام سے اٹھا کر یشیعہ نے جس بلند مقام رسالت والوہیت پر بٹھایا ہے۔ اس کا مفصل نقشہ ہم سوال ۱۲ کے جواب میں دکھائیں گے۔ یہاں صرف یہ کہنا ہے

کہ شیعہ حضرات اگر حضرت جعفر صادقؑ اور محمد باقرؑ پر مبنی گھڑت روایات تھوپنے کے بجائے ان کے تفقہ اور استدلالات کو روایت کرتے اور اصول و فروع میں ان کو اہل اسلام سے الگ نہ دکھاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور حلقہ تعلیم بھی وسیع ہوتا۔ جہاں تک اہل سنت کا ان سے حسن تعلق تھا۔ انہوں نے ان سے احادیث اور فقہ بھی روایت کی۔ اور معتد بزنگ عالم بھی تسلیم کیا۔ ان کا حلقہ احباب بھی وسیع ہوا۔ تاہم جو مقبولیت ائمہ اربعہ کو اللہ نے عطا کی وہ ان سے زیادہ تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ جب کبھی مدینہ آتے تو حضرت جعفر صادقؑ احتراماً کھڑے ہو کر استقبال کرتے۔ اصول کافی میں بھی ان کے آنے اور ملاقات کرنے کا ذکر ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اہل الرائے کا پرہیز گندہ کر کے حضرت امام اعظمؒ سے جناب صادقؑ کو بدظن کرنا چاہا۔ آپ نے جب مختلف سوالات کیے تو امام ابوحنیفہؒ کو اس نعمت سے بری پایا۔ نیز امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ امام ابن معین کہتے ہیں میرے نزدیک مغیرہ فقہ امام ابوحنیفہؒ کی ہے۔ اسی پر لوگوں کو عمل کرتے پایا۔ ایک امام کا قول ہے۔ ائمہ مشہورین میں سے جس قدر امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد و اصحاب ہوئے اور کسی کے نہیں ہوئے اور علماء اور تمام لوگوں نے جس قدر نفع امام ابوحنیفہؒ سے پایا اور کسی سے نہیں پایا۔ علامہ عینی بنیہ میں فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی تعریف بڑے ائمہ نے کی ہے۔ حبیبہ ابن مبارک۔ سفیان بن علیہ۔ اعمش۔ سفیان ثوری۔ عبد الرزاق۔ حماد بن زید۔ وکیع۔ امام مالک۔ شافعی۔ احمد بن حنبل و غیرہم رحمہم اللہ (تاریخ ابن خلدون)

چاروں مصلوں کو خانہ کعبہ میں قائم کرنا شرعاً جائز تھا۔ حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔ ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت ہو سکتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چاروں ائمہ کے پیروکار کثرت سے ہیں اور ایک دوسرے کے وجود کو رواداری اور خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد سعودی حکومت نے بعض مصالح کے پیش نظر متعدد جماعتوں کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو کوئی اس پر طعن و تشنیع نہیں کرتا کیونکہ جائزہ کام کو جائزہ سے مصالح کے پیش نظر بدلا ہے۔ واجب سے ناجائز کی طرف نہیں بدلا۔ اور اب بھی مختلف ممالک کے امام ہیں۔ رافقہ الحروف کو امسال (ذوالحجۃ ۱۳۹۵ھ) خود شرف حج حاصل ہوا خانہ کعبہ کے

نماز بیچکانے کے چار امام تھے۔ اگر ایک وقت شافعی مسلک امام نماز پڑھتا ہے تو دوسرے وقت حنبلی مسلک جماعت کرتا ہے۔ ایک ہی امام کے سمجھے چاروں مسالک کے لوگ بلا تکبر و نزاع نماز ادا کرتے ہیں۔ گروپ بندی یا تعصب و اختلاف کی کوئی بات ہی نہیں۔ جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) میں جانے کا اتفاق ہوا تو تبادر خیال سے معلوم ہوا کہ چاروں ائمہ کی فقہ کی تدریس ہوتی ہے۔ اور مدرسین بھی چاروں مسالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو استاذ جس مذہب پر چاہے پڑھاتا ہے اور اپنے مسلک کی خوب تائید کرتا ہے۔ کوئی مخالفت یا جانبداری نہیں۔ اللہ پاک نے سعودی حکومت کے ہاتھوں مصلے اٹھا کر اتفاق اہل سنت کی ایک تازہ مثال قائم کر دی ہے کہ ۱۲۰۰-۱۳۰۰ سال بعد بھی مسلمان ایک ہی کلمہ ایک ہی قرآن اور ایک ہی پیغمبر اور ایک مرکز ملت خانہ کعبہ کے قائل ہیں اور وہ حقیقت یہ شیعہ اور قادیانی اسلام دشمنوں کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے جو بدگمانی سے مسلمانوں کے چاروں مسالک کو ایک دوسرے کی ضد جانتے یا ان میں اختلافات کو اور نمایاں کر کے اتحاد ملی کو دفن کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے چند عالی جہلاء سے قطع نظر کسی بھی ملک کے سنی المسلک کو خواہ حنفی ہو یا شافعی یا حنبلی علیحدہ نماز پڑھتے یا جماعت کرتے نہیں دیکھا۔ میں نے ترکی، مراکش، طرابلس، مصر، شام، افریقہ ہر ملک و مسلک کے مسلمانوں سے ملاقات کی سب کے دل میں بہت ہی الفت و محبت کے جذبات دیکھے۔ ہاں ایرانیوں کو ارشاد یاس کی وجہ سے تعصب ہو گا، متکبر و متنفر یا یا۔ حاکم بدین۔ انہی لوگوں کو میں نے نماز کے وقت حرم شریف سے بھاگتے دیکھا۔ الگ جماعتیں ان کی مسجد نبوی اور خانہ کعبہ مسجد حرام سے باہر اپنے ڈیروں پر دیکھیں۔

ایہیں سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان ایک پیغمبر ۷
 شیعہ پانچ وحدتوں کے دشمن ہیں | ایک کتاب۔ ایک کلمہ اور ایک کعبہ اور ایک

امت پر اتحاد کو باعث فخر جانتے ہیں۔ شیعہ ان پانچ وحدتوں کے ازلی دشمن ہیں۔

وہ پیغمبر کے بجائے حضرت علیؑ کو اپنے لیے مخصوص من اللہ، ہادی اور مفترض اطاعت جانتے ہیں۔ جیسے امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد ہم نقل کر چکے ہیں۔ ”میں تو وہ شریعت لیتا ہوں

جو علیؑ لائے ہیں اور جس سے وہ روکیں گئے ہوں۔ جدی لہ من الفضل ماجری
 محمدؐ آپ کا وہی منصب و مرتبہ ہے جو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ درحقیقت وہ حضرت
 علیؑ کو حضورؐ سے بھی افضل مانتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں امامت نبوت سے افضل ہے اور
 حضرت علیؑ شیب انبیاء سے شیعہ کے ہاں افضل ہیں۔ تو وہ حضورؐ سے کم رتبہ یا مساوی کیسے
 ہو سکتے ہیں؟

یہی وجہ ہے کہ جس چیز کی نسبت صرف حضرت علیؑ کی طرف ہو اس کا احترام شیعہ زیادہ
 کریں گے۔ نسبت اس چیز کے جو صرف حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہو مثلاً
 ۱۔ امت محمدیہ کہلانے کے بجائے وہ شیعہ علیؑ کہلاتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ حتیٰ الامکان
 امت محمدیہ کی مذمت کرتے اور شیعہ علیؑ کی مدح کرتے ہیں۔ کافی میں حضرت جعفر صادقؑ
 کا فرمان موجود ہے۔ فما هذه الامة الملعونة - هذه الامة اشباح الخنازير۔ یہ
 امت خنزیریہ وں جیسی ہے۔ یہ کیسی ملعون امت ہے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۳۳۷) نیز آپ کا یہی
 ارشاد ہے۔ ”ہمارے شیعہ کے سوا سب لوگ کنجریوں کی اولاد ہیں۔“ (روضہ کافی ص ۲۸۵)
 ۲۔ حضرت علیؑ کے والد جناب ابوطالب کو تو بلا دلیل اور خلاف قرآن مومن اور محترم
 مانتے ہیں۔ مگر حضورؐ علیہ السلام کے محترم چچا حضرت عباسؑ کو ذلیل النفس اور ضعیف الایمان
 کہتے ہیں۔ (روضہ کافی ص ۱۸۹ حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱)

۳۔ حضرت علیؑ کے مسکن کو فہ کو حرم شریف قبۃ الاسلام وغیرہ کہتے ہیں۔ حالانکہ اسی
 شہر کے منافقوں نے حب اہل بیت کی آڑ میں اہل بیت رسولؐ پر قیامت توڑی اور عزت
 و خون خاک میں ملا دیا۔ مگر مسکن نبویؐ و مسکن خلفائ ثلاثہؓ مدینہ طیبہ کے متعلق ان کی احادیث
 یہ ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ اہل شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ مسلمان) رومیوں
 (عیسائیوں) سے بدتر ہیں اور اہل مدینہ مکہ والوں سے بدتر ہیں اور اہل مکہ خدا کے کھلے منکر ہیں۔
 اور دوسری روایت میں ہے کہ اہل مکہ کھلے کافر ہیں اور مدینہ والے ان سے تر گنا بڑے

پرہیز ہیں۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۱۸۱)
 غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ نور اللہ شومتری نے لکھا ہے۔

- ۱۔ امانہ و مدینہ محبت ابو بکر و عمر
برائیاں غالبست (مجالس المؤمنین) ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت بہت ہے۔
- ۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ازدواج کو محترم ماں کی طرح جانتے ہیں۔ مگر آیات تطہیر کی مالکہ ازدواج مطہرات نبوی کو اہل بیت سے خارج اور خصوصاً حضرت عائشہ و حفصہ و ام حبیبہ کو جو منکحات کھتے ہیں۔ قلم میں لکھنے کی تاب نہیں۔
- ۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں کا احترام کریں گے مگر حضرت فاطمہ کے سوا باقی تین صاحبزادیوں حضرت زینب، رقیہ و ام کلثوم کے تذکرہ سے چین بھینس ہونگے۔ یا ان کا باپ العیاذ باللہ اور تجزیہ کریں گے۔
- ۴۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دامادوں کا احترام کریں گے مگر حضور کے دامادوں کو ایماندار بھی تسلیم نہ کریں گے۔
- ۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب مومنوں کا پیر مانتے ہیں۔ مگر حضور کے فیض سے پانچ افراد بھی مومن نہیں مانتے۔ ایک لاکھ ۲۲ ہزار صحابہ کرام کو العیاذ باللہ ایمان سے خارج اور منافق (کافر) جانتے ہیں۔
- ۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ و آئمہ اہل بیت کے سب اصحاب محترم ہیں خواہ کیسے بھی ہوں۔ مگر حضور کے ہر صحابی پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔
- ۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانشینوں کو تو واجب الاتباع جانتے ہیں۔ مگر حضور کے خلفاء کو العیاذ باللہ سامری اور بتوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶)
- ۸۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ و آئمہ کی براہ راست تعلیم کو تو کامیاب، مؤثر اور شائع مانتے ہیں۔ مگر حضور کی تعلیم براہ راست کو ۵ آدمیوں میں کبھی مؤثر نہیں مانتے۔
- ۹۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات کے نام سے شریف رضی کی مرتبہ نہج البلاغہ کو اور ابو جعفر کلینی کی مرتبہ اصول کافی کو سب مستند، واجب العمل اور تحریف سے پاک مانتے ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب اللہ کو محرف، ناقابل اعتبار اور بلا ضمیمہ قول امام ناقابل عمل مانتے ہیں۔ (اصول کافی ص ۱۸ کشف الغمہ ج ۱ ص ۳۸) چہ جائیکہ ارشادات نبوی

پیشتر مل کوئی کتاب تیار کی ہو یا اسے حجت قطعیہ جانتے ہوں۔

۱۲۔ عزاداری اہل بیت پیشتر مل جملہ بدعات و خرافات کو تو سب سے زیادہ مہتمم بالمشائخ سمجھ کر سب شیعہ انتہائی اجتماعات اور جلوس کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ مگر قرآن و سنت کی حقیقی تعلیم نماز روزہ وغیرہ کو ہر بھی ادا نہیں کرتے۔ یہی کتاب اللہ کی وحدت نوشیہ ہرے سے موجودہ قرآن کی صحت کے قابل ہی نہیں۔ نہ اس پر تعامل کے مفصل بحث گزر چکی ہے۔ یہاں صرف ایک حوالہ کافی ہے۔ حضرت باقرؑ اپنے شاگرد زرارہ و ابوبصیر کے اختلاف کے متعلق کہتے ہیں۔

”بلاشبہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلے تو اللہ کی کتاب کو نسخ و تبدیل کر ڈالا اور اس سے کچھ احکام مٹا ڈالے اور اللہ کے دین میں کچھ اضافہ کیا اور کچھ کمی کی۔ آج سب لوگ (سنی شیعہ) جس مسئلہ پر بھی ہیں وہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے خلاف ہے۔ پس اے زرارہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ جو تجھے کہا جائے مانتے جاؤ۔ تا آنکہ وہ شخصیت (ہمدی) آجائے تو تمہیں از سر نو اللہ کے دین کی تعلیم دیں گے (مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۳۴۵)“

معلوم ہوا کہ حضرت باقرؑ کے پاس بھی اصلی خدائی تعلیم نہ تھی۔ نہ قرآن کو صحیح کر سکے۔ اور امام ہمدی کے سپرد کر دیا۔

تیسری وحدت کلمہ طیبہ۔ کو بھی ختم کر دیا ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ماننے والے کو شیعہ ہرگز نہ مومن اور کامل مسلمان تسلیم نہیں کرتے۔ جب تک وہ ان کے علی ولی اللہ و صی رسول اللہ خلیفۃ بلا فصل کے خود ساختہ پیوند پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ اب سکولوں کے نئے نصاب و نیات میں مسلمانوں کا کلمہ نہیں آنے دیا اور اپنا خود ساختہ کلمہ لکھائے اساتذہ ص ۳۵ پر درج کر دیا۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ کلمہ کی بحث آخر میں آئے گی۔

چوتھی وحدت۔ کعبۃ اللہ کا حشر تو سامنے ہے کہ شیعہ وہاں نماز بھی باجماعت نہیں پڑھتے۔ حالانکہ وہاں یہاں کی بہ نسبت ایک لاکھ گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ ایک

شبیہ شاعر حاجی برٹھن کر کے کتاب ہے

بدن پر جامہ احرام دل میں بغض علی

تیرے نصیب کا چکر ہے طواف نہیں

نور اللہ شوستری نے مقلدین مسیب شبیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے ایک حاجی کو وصیت کی تھی۔ میری طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام پہنچا کر کہنا کہ اگر ابو بکرؓ و عمرؓ آپ کے ساتھ دفن نہ ہوتے تو یقیناً میں سر آنکھوں پر آپ کی زیارت کے لیے آتا ہوں جیسا یہ مبادکس را (مجلس المؤمنین ج ۲ ص ۳۳۳)

یہی وجہ ہے کہ ایران کے ہوں یا ہند و پاک کے شبیہ حج بیت اللہ و زیارت مدینہ کی نسبت کر بلا۔ بغداد اور نجف کی زیارات کے لیے زیادہ تر جاتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو جبکہ ان مقامات کا حج حج بیت اللہ سے بھی افضل ہے۔ مثلاً زیارت قبر حسینؑ کے متعلق امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

ایما مومن اتی قبر الحسین علیہ السلام عارفاً بحقہ فی غید یوم عید کتب اللہ لہ عشرين حجۃ وعشرين عمرة مبرورات مقبولات وعشرين حجة مع نبی او مومل او امام عادل۔
(فرد ۶ کافی ج ۲ ص ۵۸)

جو مومن حضرت حسینؑ کی قبر پر یوم عید کے علاوہ آپ کا حق پہنچاتے ہوئے آئے اللہ اس کے لیے ۲۰ حج اور ۲۰ عمرہ کا ثواب رکھے گا جو پاک اور منظور شدہ ہوں گے اور ان ۲۰ حجوں کا ثواب رکھے گا جو نبی مرسل یا امام عادل کے ساتھ کیے ہوں۔

پانچویں وحدت امت کو تو ان کا توڑنا واضح ہے کہ اصول و فروع میں پوری ملت سے الگ ہیں اور مسلمانوں کو بغیر مومن اور منافق جانتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان کی ہمد دیا مسلمانوں کی بہ نسبت ہمیشہ کفار سے رہی ہیں۔ ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی ان کے فاضل طوسی اور ابن الحلقمی کے کارنامے ہیں۔ نادر شاہ رافضی کے ہاتھوں دہلی کی تباہی پر آج بھی فخر کرتے ہیں۔ عالم اسلام میں انتشار اور سنی مسلمانوں کا قتل عام ان کا دل پسند مشغلہ ہے۔ حالیہ ۱۹۸۱ء کی عرب اسرائیل جنگ میں جب سب عالم اسلام نے بالاتفاق تیل کی سپلائی مغربی ممالک کو بند کر دی تھی تو صرف ایران کی شیعہ ریاست نے روایتی غداری کر کے تیل کی سپلائی

جاری رکھی اور سیاست میں عیسائی فروغ کی بنا پر انڈونیشیا سے بھی یہی حماقت ہوئی تھی۔

اللہم قنا من شرہم

۹؎ میں ”اسلامی انقلاب کے عنوان سے جناب آیتہ اللہ خمینی ایران میں رہبرِ وقت اُٹے تو تمام مسلم ممالک میں انتشار پھیلانے کے لیے یہ بیان جاری کیے کہ ہم ہر ملک میں باغیوں کے خلاف ہیں۔ ہمارے پیروکاروں (شیعہ) کو چاہیے کہ وہ اپنے باؤں ہوں کی حکومتیں ختم کریں۔ چنانچہ عراقی شیعہوں نے جب اپنے صدر صدام حسین کے خلاف تحریک چلائی تو وہ بالآخر عراق ایران جنگ پختہ ہوئی۔ جو اب ایک سو تک بند نہیں ہوئی۔ ایران نے حصہ علاقائی اور جانی بھاری نقصان اٹھانے کے بعد بھی صلح نہیں کرتا۔ خود اندرون ملک وہ سنی کردوں کو اہلاً سے زائد ایک دو سال کے عرصہ میں شہید کر چکے ہیں۔ جیسے نو اے وقت لاہور، ۱۱ فروری ۱۳۸۱ء کے مرا کالم ۸ میں یہ خبر تھی ہے

”دو برسوں کے دوران دس ہزار سے زیادہ کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے۔ تہران ۱۶ فروری ۱۳۸۱ء تہران کے ممتاز اخبار ”میزان“ کے مطابق کردستان کے ایک لیڈر عبدالحمن نے انکشاف کیا ہے کہ گزشتہ دو سال کے دوران علماء کے حکم پر دس ہزار سے زائد کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے کردوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور انہوں نے سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لیے ہتھیار سنبھال لیے ہیں۔“

امید ہے اب شیعہ دوست کو تسلی ہو گئی ہوگی کہ مذاہب اہل سنت حکومت کی پیداوار ہیں یا خود شیعہ کا وجود ہی اس لقب کا حق دار یا کفر و جاہلیت کی یادگار ہے۔

کیا سنی شیعہ خارجی فرقہ بندی کے پیش نظر اسلام کو بھی جھوٹا اور حکومت کی پیداوار بتایا جائے گا یا شیعہوں کے اصولی فرقوں اور آپس کے تضادات کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت علیؑ کی شخصیت اور تعلیم خیالی اور افسانوی چیز ہے اور عجمی حکومتوں کی پیداوار ہے۔ اگر شیعہ کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی وجہ سے ایسا کہنا صحیح نہیں تو صرف ہم صلے بچانے یا اٹھانے سے وہ حکومت کی پیداوار کیسے ہو گئے؟

سوال ۹۔ اگر حضرت بی بی عائشہؓ کو نہ ماننے والا جہنمی ہے تو اس بی بی کا قاتل

کیونکہ رضی اللہ عنہ رہ سکتا ہے۔ مہربانی کر کے تاریخ اسلام ج ۲ ص ۲۴ نجیب آبادی ملاحظہ کر کے فتویٰ صادر فرمائیں۔

الجواب۔ بطور الزام پہلی عرض یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کو نہ ماننے والے کو آپ جہنمی مان چکے ہیں۔ اس ام المؤمنین زوجۃ الرسول سے جنگ کرنے والے بیٹوں پر فتویٰ بھی آپ بتا دیں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ آپ کی جدالتِ شان کے پیشِ نظر آپ کا تذکرہ یہاں مناسب ہے۔

واقعی ام المؤمنینؓ کو مومنہ نہ ماننے والا یا آپ کی شان میں گستاخی کرنے والا ملعون اور جہنمی ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

الَّتِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ
وَإِذْ أَوْحَىٰ إِلَيْهَا أَمْرُهُمْ
(احزاب ۱۶)

ان کی مائیں ہیں۔

شیعہ مولوی مقبول صاحب نے تفسیر قمی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ بھی نازل ہوئے تھے و جواب ہم۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ نبی دین و دنیا میں امت والوں کا باپ ہے۔ دین میں تو اس طرح کہ ہر نبی اس جہت سے اپنی کل امت کا باپ ہوتا ہے کہ دائمی زندگی کی جڑ اس کی ذات ہے اور اسی سے مومنین آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ ترجمہ حاشیہ مقبول ص ۱۵۱

اس سے قطعاً معلوم ہوا کہ زوجۃ الرسول حضرت عائشہ صدیقہؓ (وحفصہؓ) ام المؤمنین ہیں۔ جیسے پیغمبر اکرمؐ روحانی اور ایمانی باپ ہیں اسی طرح امات المؤمنینؓ روحانی اور ایمانی مائیں ہیں۔ یہ نسبِ رشتہ نہیں کیونکہ پیغمبر مومنوں کے گھر میں خود شادیاں کیں اور امات المؤمنینؓ کا امت سے پردہ بھی کرایا۔ اب جو شخص امات المؤمنینؓ کو مومن نہ مانے وہ دراصل ایمانی رشتے کا منکر اور قرآن کا منکر ہے۔ عرف عام میں ایسا شخص ایمان سے محروم ماں پر الزام لگانے کی وجہ تہریمی اور مومن برادری سے خارج سمجھا جائے گا۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ وغیرہ ازواجِ مطہراتِ اہل بیتِ نبویؐ بھی ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ
وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ
يُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا وَاذْكُرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ
مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ - (احزاب ۳۴)

اور نماز پڑھا کر واور زکوٰۃ دیا کرو اور
پرہیز کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی
رہو اے اہل بیت سوائے اس کے نہیں ہے کہ
خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور
کر دے اور تم کو ایسا پاک کر دے جیسے پاک
کرنے کا حق ہے اور تمہارے گھروں میں خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو پڑھی جاتی ہیں انہیں
یاد رکھو۔ (ترجمہ مقبول ص ۵۵)

یہ سب خطابات ازواج مطہرات کو ہیں اور بنفس قرآنی وہ اہل بیت نبوی ہیں۔ اس کا منکر
قرآن کا ہی منکر ہوگا۔ جیسے حضرت سارہؓ نہ وجہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے
اہل بیت کہلوایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَهُ
اللَّهُ وَبَرَكَاتٌ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ
مَجِيدٌ - (ہود ۶۷)

ان فرشتوں نے کہا اے عورت! کیا تو امِ خدا
سے تعجب کرتی ہے حالانکہ اے اہل بیت تم پر
خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ

سزاوارِ حمد و ثنا ہے (ترجمہ مقبول)

گویا ہم نماز کے در و دیں۔ رحمت اور برکت کی جو دعائیں ابراہیم پر پڑھتے اور انک حمید
مجید سے اس پر مہر لگاتے ہیں وہ اسی آیتِ کریمہ سے ماخوذ ہے۔

جیسے یہاں مونت کو مذکر کے صیغوں سے خطاب کیا گیا اسی طرح اوپر والی آیت میں
لفظ اہل کی رعایت کے لیے مذکر کے صیغے ارشاد فرمائے گئے۔ اور یہاں عرب میں پایا جاتا،
حماسی۔ بیوی سے خطاب کر کے کتاب ہے۔

فَلَا تَحْسَبِي أَنِّي مَخْشَعَةٌ بَعْدَ كَهِ
لَشَيْءٍ ؕ وَلَا إِنِّي مِنَ الْمَوْتِ أَفْرَقٌ
شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان ۲۲ سے ازواج مطہرات کی افضلیت اور اہل بیت نبویؑ
ہونا ملاحظہ فرمائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت (دنیا کی) تمام عورتوں پر یہ فرمایا کہ ظاہر فرمائی "اے

نبی کی بیوی یا تم اور کسی بھی عورت کی طرح نہیں ہو۔۔۔۔۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا مرتبہ میرے ہاں اور نیک عورتوں جتنا نہیں ہے بلکہ تم میرے ہاں سب سے زیادہ معزز ہو تمہاری توجہ الی اللہ زیادہ رحمت دلانے والی ہے اور ثواب تمہارا سب سے بڑا ہے کیونکہ تمہارا رسول اللہ سے رشتہ ہے۔ اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ الْبَاطِنِ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ جس سے شیطان کا کام اور خدا کا ناپسندیدہ کام مراد ہے۔ بیت میں لام تعریف خصوصیت والا ہے۔ یعنی نبوت اور رسالت کا گھر اور عرب ہائش گاہ کو گھر کہتے ہیں اس لیے انساب کو بھی بیت کہا جاتا ہے۔ تمام امت کا اتفاق ہے کہ اہل بیت سے مراد ہمارے نبی کے اہل بیت ہیں۔ پھر تشریح میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ کے شاگرد، عکرمہ (دو بخیرہ) کہتے ہیں۔ ازواج نبی مراد ہیں۔ کیونکہ آیت کا آغاز انہی سے مخاطب ہے۔ رشتہ کے ہاں آلِ عباس ہیں،

بلاشبہ حضرت علیؓ، فاطمہ الزہراءؓ اور حسین رضی اللہ عنہم کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل بیت قرار دے کر اس آیت میں مندرج فرمایا ہے۔ لیکن دعا کی بدولت یہ شمول تبعی اور ضمنی ہے۔ نزولِ خاص ازواجِ مطہرات کے حق میں ہوا ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ (مفسر اہل بیت) اس پر مباہلہ کا چیلنج دیا کرتے تھے (تفسیر ماثورہ)

۳۔ کا طین بھی بد زبانوں کے حملہ سے نہیں بچ سکتے اور انجام کار ان کے حق میں مفید ہوتا ہے۔ جیسے حضرت یوسفؑ، حضرت مریم اور بنی اسرائیل کے رُہب پر بدکاری کی تہمت لگی تھی۔ اور ان کی بُرائت خاندانِ زلیخا کے بچے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نومو لو دیکے نے دی تھی۔ اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی تو سابقہ بُرائتوں سے بڑھ کر خود خدا تعالیٰ نے بُرائت کی اور سورت نور کے ۲ رکوع صرف اسی بُرائت کے لیے اتارے۔ تمام مفسرین اور محدثین اس واقعہ پر متفق ہیں۔ اللہ نے متنبہ کر کے فرمایا۔ ”اللہ تم کو نصیحت فرماتا ہے کہ اس قسم کی (ایمان و کردار میں عیب لگانے والی بات) دوبارہ کبھی نہ کرنا اگر تم مومن رہنا چاہتے ہو“

۴۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ مطہرہ

میں مناسبت و مطابقت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

الْجَنِّتِ لِلْخَيْثِثِينَ وَالْخَيْثُونَ
لِلْجَنِّتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَ
الطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ
مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَرِيمٌ

(نورع ۳)

بخشش اور اچھا رزق ہے۔

یعنی اگر تمہارے اعتقاد میں پیغمبر اکرمؐ پاک ہیں تو ان کی بیویاں بھی پاک ہیں۔ ان کے ایمان و کرم دار پر شبہ کمزار و انہیں اور اگر انکی ذیالہ آپ کی بیویاں ایمان و کرم دار کے لحاظ سے گندی ہیں تو پیغمبر اکرمؐ پر بھی حرف آتا ہے۔ ایسی اذواج زوجات الرسولؐ بننے کے بجائے گندے لوگوں کے عقد میں آتیں۔ اذواج الرسولؐ اور اہمات المومنین کے دشمن ان چار آیات پر غور کریں۔ کیا وہ ان کے حق میں بدگوئی کر کے مسلمان رہ سکتے ہیں۔ یہ کس قدر واضح بات ہے کہ بیوی کا رشتہ اس قدر محبوب اور اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اس کے دفاع اور حرمت کی خاطر قریب ترین رشتہ داروں سے بھی دشمنی ہو جایا کرتی ہے اور انسان کے جذبات نازک صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ سخت ترین کفار کو بھی اس کمینگی کی جرأت نہ تھی۔ کہ وہ حضورؐ کی اذواج مطہرات کے متعلق نازیبا بات کہنے۔ حالانکہ انہوں نے آپؐ سے دشمنی اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تھا۔ مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ پیغمبر اکرمؐ پر ایمان کا دعویٰ ایسا ٹوٹا بھی ہے جو حضورؐ پاک کی پاک بیویوں کے ایمان و کرم دار پر پاگل جانور کی طرح چھوٹ چھوٹ کر حملے کرتا ہے۔ حالانکہ ایسی معمولی سی بات اگر ان کی بیویوں کے متعلق کوئی کہہ دے۔ خواہ وہ کتنے گھٹیا اور اوباش قسم کے ہوں تو وہ لڑائی و لگنے پر اتر آئے۔ مگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی عزت و حرمت پر دونوں جہان قربانی ہو سکتے ہیں۔ کی پاک حرم کے لیے وہ ہر قسم کی بدگوئی ایمان سمجھتا ہے۔ ہم اس پر اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایسے لوگ کمینگی میں کفار سے بھی بدتر ہیں اور خدا و رسولؐ کی لعنتیں ان

کے مذہب پر اعمال پر اور عقائد پر بستنی رہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ
أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا (احزاب ۶۴)
بالتحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا
دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت
میں لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے ذلیل
کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

اسی طرح جو نام نہاد وغیرہ بازی اور مرتبہ خوانی کے شوقین سنی ان لوگوں کی مجلسوں کی
رونق کو دوبالا کرتے ہیں اور طنز و کنایہ صمیمہ کرام و افعات المؤمنین اہل بیت نبوی کے
گلے سنتے ہیں وہ جو ہر غیرت سے یکسر محروم ہیں۔ کہا جانا ہے کہ یہ بدگوئی اس وجہ سے کی جاتی ہے
کہ آپ نے حضرت علی رضی عنہ سے جنگ کی۔ حالانکہ یہ سب قاتلان عثمان منافقوں کی سازش تھی۔
تو واضح رہے کہ حضرت علی رضی عنہ نے جنگ کے بعد فریاد کیا تھا۔ ولہا بعد حرمتھا الاولى۔
نیج البلاغہ ۲۷ ص ۶۳۔ اس کے بعد بھی ان کی وہی عزت ہے جو پہلے تھی۔ گویا اس واقعہ کے
بعد بھی بعض مرتضیٰ حضرت عائشہ رضی عنہا کے ایمان اور مقام میں فرق نہیں آیا۔ جیسے سچے محبان
علی رضی اللہ عنہ الجماعت کا مذہب ہے۔ جنگ جمل کے بعد دو شخصوں نے حضرت عائشہ رضی
برا بھلا کہا تھا تو حضرت علی رضی عنہ نے ان کو ۱۰۰ اور ۱۰۰ سزا دی۔ پھر رخصت کرنے کے لیے
چند میل تک خود مشالحت کی۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی عنہ کو بھیجا اور حضرت عائشہ رضی
مکہ سے ہوتی ہوئیں مدینہ تشریف لے گئیں۔ (طبری وابن اثیر)

حضرت عائشہ رضی عنہا کا مقام حضور کی نظر میں | بخاری شریف کی چند احادیث ملاحظہ
ہوں۔

۱۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ رضی عنہا یہ جبریلؑ کھڑے
ہیں آپ کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت آپ جبریلؑ کو
دیکھتے ہیں، میں نہیں دیکھتی۔

۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں
میں سے بہت سے حضرات کامل ہو گزرے ہیں۔ مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران

اور آسیر ز وجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوئی۔ ہاں عائشہ رضی کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے ترید کی سب کھانوں پر۔
 ترید عرب کے اس مرغوب کھانے کا نام ہے جو گوشت اور روٹی سے چوری بنا کر کھایا جاتا ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض موت میں سب ازواج کے ہاں باری باری رہتے تو فرماتے میں کل کہاں ہوں گا، کل کہاں ہوں گا۔ حضرت عائشہ رضی کے گھر کے شوق میں یہ کہتے۔ جب حضرت عائشہ رضی کی باری پہنچی تو آپ مستقل یہیں ٹھہر گئے اور وفات پائی اور اسی حجرہ کور و صند اقدس بننے کا شرف حاصل ہوا۔

۴۔ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بدایا اس دن زیادہ بھجتے جس دن حضرت عائشہ رضی کی باری ہوتی۔ ایک مرتبہ تمام ازواج کے مشورہ سے حضرت ام سلمہ نے آپ سے عرض کی حضرت لوگوں سے فرمائیں کہ وہ ہدیے جہاں بھی ہوں بھیج دیا کریں۔ حضور نے بار بار اس بات سے اعراض فرما کر بالآخر یہ فرمایا۔

یا ام سلمۃ لا تؤذینی فی عائشۃ
 فواللہ ما نزل علی الوحی وانا فی لحاف
 اصر اذہ منکن غیرہا (بخاری ج ۳ ص ۵۳۲)
 اے ام سلمہ عائشہ رضی کے بارے میں مجھے
 مت تنہا۔ خدا کی قسم اس کے سوا تم میں سے کسی
 کے ساتھ بیٹھے ہوئے مجھ پر وحی نہیں اتری۔

نسب یہ ہے۔ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی بن ابو
 ذاتی حالات و علمی خدمات | تحفہ قرآن آپ کی ماں ام رومان بنت عامر بن عویمیر بن
 عبد شمس ہے۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں
 اور حضرت ابوبکر رضی عمر رضی سعد بن ابی وقاص اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہم سے بھی
 احادیث روایت کی ہیں۔ آپ سے لاتعداد صحابہ و تابعین نے روایت کی ہیں جن میں حضرت
 عبد اللہ بن عمر رضی ابن عباس رضی ابو موسیٰ اشعر رضی ابو ہریرہ رضی عمرو بن العاص رضی سائب بن زید
 عبد اللہ بن زبیر رضی عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

جب مسروق تابعی آپ سے روایت کرتے تو کہتے مجھ سے صدیقہ بنت صدیق رضی

حبیب اللہ تعالیٰ نے حدیث بیان کی جس کی سات آسمانوں سے برأت کی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے زبردست فقیہ عالم صحابی کہتے ہیں۔ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مشکل مسئلے میں اٹکے اور عائشہؓ سے جا کر ہم نے پوچھا۔ تو یقیناً اس کا جواب اور حل ہم نے ان کے پاس پایا۔ قلیبہ بن ذویب کہتے ہیں حضرت عائشہؓ صحابہؓ میں بہت بڑی عالمہ تھیں۔ آپ سے چھوٹے بڑے صحابہ کرامؓ مسائل پوچھتے تھے۔ خصوصاً علم فرائض و میراث میں امام نہری کہتے ہیں اگر تمام اندراج مطہرات اور دیگر سب عورتوں کا علم ایک پلٹے میں رکھا جائے اور دوسرے میں صرف حضرت عائشہؓ کا علم رکھا جائے تو حضرت عائشہؓ کا زیادہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کون شخص پسند ہے۔ فرمایا۔ عائشہؓ۔ میں نے کہا مردوں میں سے کون سب سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا اس کے والد ابو بکر صدیقؓ۔ آپ کی وفات رمضان ۵۸ھ میں ہوئی اور رات کو دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(تہذیب التہذیب مختصراً)

الفرض آپ کے فضائل و مناقب لا تعداد ہیں۔ ۹ سال کی عمر میں آپ کو شرف زوجیت الرسول حاصل ہوا اور ۱۸ سال کی عمر میں آپ کی گود میں حضور علیہ السلام کا وصال ہوا۔ آپ نے آخری مرتبہ مسواک و انگوٹوں سے بچا کر حضور کو کر وایا۔ آپ ہی کے حجرہ کو دفن نبوی اور روضہ اقدس ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد سب صحابہؓ سے بڑھ کر آپ ذخیرہ علم و احادیث ۲۲۰۰ کی تعداد میں مروی ہے۔ گویا ایک چوٹھائی علم سے زائد فقط آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا ہے۔ اور اسم ہا مسمیٰ ام المومنین تھیں۔ کیونکہ جیسے باپ کا نام ہے اوریاں اس کمائی کو انتظام و سلیقہ کے تحت اولاد کو کھلاتی پلاتی اور پرورش کا حق ادا کرتی ہے۔ اسی طرح ام المومنینؓ نے حضورؐ کی احادیث اور شریعت کو نہ صرف مومنین تک پہنچایا۔ بلکہ تفقہ۔ استنباط اور استدلال کا بہترین ذخیرہ تیار کر کے اپنی مومنین اولاد کے سامنے دسترخوان نبوی پرچن دیا۔ اب جو واقعی اولاد ہے وہ اپنے ماں باپ پر مطمئن ہو کر ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتی ہے اور جو لے پاگ اور دعویٰ قسم

کی ہے۔ وہ اس دسترخوان سے ناک بھجوں چڑھتی، ماں پر اعتراض کرتی اور غیروں کے آگے
دریوزہ گری کرتی ہے۔ ہر چیز اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔

مترض صاحب نے تاریخ نجیب آبادی سے جو نشانہ ہی کی ہے
قتل کا سانحہ غلط ہے کہ مروان بن حکم نے آپ کے لیے کھانے کی دعوت تیار کی۔ ایک

کنواں کھدوا کر اس میں تلواریں اور تیر رکھے اور پرمغولی سا چھپر بنا کر ام المومنینؓ کو بٹھانے کا
انتظام کیا جب آپ وہاں گئیں تو کنویں میں گر گئیں اور اسی سے وفات پائی۔ یہ بالکل غلط ہے۔
کسی مؤرخ اور صاحبِ علم کی ہمیں اس پر شہادت نہیں مل سکتی۔ نجیب آبادی صاحب زمانہ
حال کے اردو مؤرخ ہیں۔ نہ معلوم انہوں نے یہ قصہ کہاں سے لیا ہے۔ حوالہ بالکل نہیں دیا۔
سفسنی خیز اور نجیب انگیز ہونے کی وجہ سے بلاد و قدح کچھ دیا۔ مترض صاحب کو کسی قدیم
ماخذ کا حوالہ دینا چاہیے۔ ام المومنینؓ، معلمہ امت اور حبیبہ حبیب رب العالمین ہیں۔ اگر یہ
اچانک حادثہ ان کی وفات کا سبب ہوتا تو یقیناً تو اتر سے منقول ہوتا۔ جبکہ سانحہ کربلا کی طرح
حضرت عائشہؓ کا تذکرہ ہزاروں کتب میں پایا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو سب مورخین اس کا ذکر
کرتے اور قاتل پر پلچت بھجیتے۔ مدینہ طیبہ میں کرام مچ جاتا۔ اہل مدینہ مروان کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے
اور واقعہ کا ساتھ شہر برپا ہوتا۔ فرض کیجئے۔ مروان بن حکم سے یہ کینگی ہوئی۔ تو خلیفہ وقت حضرت
معاویہؓ تو شیعہ کے خیال میں بھی ام المومنینؓ کے ساتھی اور حامی تھے۔ کیا وہ مروان کی گدی
نہ پہنچ دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مروان سے شیعہ کو جو ضد و عناد ہے۔ اسی نے ان کے اسلاف کو
بے سرو پا عقل و نقل کے خلاف قصہ گھڑنے پر مجبور کیا ہے۔ تاکہ حضرت عائشہؓ کی بھی بدنامی
ہو جو اسلام دشمنوں کا شروع سے شعار چلا آ رہا ہے۔

مروان متفقہ طور پر صحابی نہیں۔ بیشتر اقوال میں تابعی ہیں۔ بعض نے ان پر نقد و جرح
بھی کی ہے۔ مگر وہ ایسی ہی بے سرو پا کہانیوں کے پیر و پیگندہ اور حقیقتِ حال سے بے خبری
پر مبنی ہے۔ ان سے امام بخاری۔ امام ترمذی۔ ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی وغیرہم جیسے
مؤدبین مصنفین نے احادیث روایت کی ہیں۔ اور سہل بن سعد جیسے بزرگ صحابی کے علاوہ
عروہ بن زبیر، علی بن الحسین، ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث جیسے فاضل تابعین نے

احادیث روایت کی ہیں۔ (تمذیب التہذیب ۱۰۷)

بعض مؤرخین نے یہ الزام لگایا ہے کہ حضرت طلحہؓ کو جنگ جمل میں اس نے شہید کیا تھا۔ ہماری تحقیق میں یہ الزام بھی غلط ہے۔ کیونکہ مروان کثر عثمانی اور طالب قصاص حضرت عثمانؓ تھا۔ حضرت طلحہؓ اسی مقصد کے لیے کمان کر رہے تھے۔ ایک شخص عمداً ایسے موقع پر اپنے ہی سالار لشکر کو مار ڈالے عقل و نقل کے خلاف ہے۔ لیکن اس واقعہ کی صحت و غلطی سے قطع نظر مروان پر کسی نے اس الزام کا ذکر نہیں کیا کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بھی قاتل ہے۔ تمام مؤرخین اور علماء و رجال حضرت عائشہؓ کے تذکرہ میں یا مروان کے ترجمہ میں اس کا اشارہ بھی نہیں کرتے۔

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب ص ۳۳۲ پر نجاشیؓ کی تنقید کے یہ لکھتے ہیں کہ ۶ھ کے آخر میں خلیفہ بنا اور ۶۵ھ میں ۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں طبقہ ثانیہ کا تابعی ہے۔

اور ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۳ پر اسماعیلی کا قول قتل طلحہؓ کا مروان پر الزام کا ذکر کیا ہے اور (بشرط صحت) اسے متداول قرار دیا ہے۔ لیکن قتل عائشہؓ کا الزام اس پر نہیں لگایا۔

علامہ سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۹۵۲ء نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سیرت پر تین صفحات کی مفصل علمی کتاب لکھی ہے اس کے صفحہ ۱۵۳ پر تذکرہ وفات کا عنوان باندھ کر طبقات ابن سعد ص ۵۱ جز ۱۵۱ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں۔ چند روز تک علیل رہیں۔ کوئی خیریت نہ چلتی تو فرمائیں میں اچھی ہوں۔ جو لوگ عیادت کو آتے۔ بشارات دیتے تو فرمائیں (جیسے برمتیؒ لکھتا ہے) کاش میں جنگل کی ایک بوٹی ہوتی۔“

اگر ایسی کوئی لخواواہ ہوتی تو علامہ صاحب اس کا ضرور ذکر کرتے (اللہ تعالیٰ روافض کی زبان سے ہر مسلمان کو بچائے)



خلفاءِ راشدین کے اوصا کا تقابلی مطالعہ

سوال ۲۱۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو جنگِ مشرکوں سے ہوئے، مثلاً جنگِ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین، مکہ، تبوک وغیرہ تو ان تمام جنگوں میں نمایاں کارروائی کس بزرگ کی ہے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہادر، عالم، عابد، سخی امین کوئی اور بزرگ بھی ہے۔ اگر کسی کا نام لینا چاہیں تو ارشاد فرمائیں۔ اس بزرگ نے بدر، احد، خندق، خیبر، حنین وغیرہ میں کتنے دشمن اسلام قتل کیے اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اثناء علی اکفار نے رسولِ خدا کے زمانے میں کتنے کافر قتل کیے اور اپنے دورِ حکومت میں اپنی تلوار سے کتنے مشرک مارے۔

الجواب۔ یہ سوال دراصل حضرت ابوبکرؓ و علیؓ کی افضلیت اور استحقاقِ خلافت سے متعلق سنی شیعہ نزاع پر مبنی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت اور اس پر کچھ دلائل ہم سوال ۳ کے تحت عرض کر چکے ہیں۔ مراجعت کر لی جائے۔ یہاں چند اصولی باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اولاً۔ شیعہ کے ہاں افضلیت اور خلافت نص پر مبنی ہوتی ہے۔ اوصافِ خاصہ پر ہرگز نہیں۔ قتال، علم وغیرہ میں کمال کے باوجود اگر نص نہ ہو تو اسے خلیفہ یا افضل نہیں کہا

جاسکتا۔ مثلاً عہدِ رضوی کی جنگوں میں سب سے زیادہ کاروائی اشتر نخعی کی ہے اور حضرت علیؑ نے بروایت شیعہ اس کے حق میں فرمایا ہے۔

کہ اشتر از برائے من چناں بود کہ
اشتر میرے حق میں ایسا تھا جیسے میں حضرت
من از برائے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں
..... و اشتر در میان مہمینہ و میرہ چوین
اور اشتر لشکر کے دائیں حصے اور بائیں حصے
شیر زیان تیغ و سنان حملہ میکرد۔
میں نیزے اور تلوار کے ساتھ شیر سبر کی طرح
(مجالس المؤمنین ص ۲۸) حملے کرتا تھا۔

اور اہل سیرت و تاریخ کے اتفاق کی روشنی میں حضرت علیؑ کے تمام اصحاب اور طرفداروں میں جو مرتبہ علم و تفقہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا تھا۔ وہ حضرت حسینؑ کا نہ تھا۔ اور نہ حسینؑ کے ہاتھوں جبل و صفین و نہروان میں چنناں مقتول ہوئے۔ اس تفاوت کے باوجود حضرت علیؑ کے جانشین حضرت حسن و حسینؑ قرار پائے۔ کیونکہ شیعہ کے یہاں ہی منصوص تھے۔ اور اشتر و ابن عباسؓ کو یہ مقام حاصل نہ ہو سکا۔ لہذا شیعہ کا حضرت علیؑ کے صحابیہ کمالات و اوصاف سے استدلال کرنا اصولاً غلط ہوا۔ ان کو نص صریح کے ثبوت پر توجہ دینی چاہیے۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے لیے اس سے واضح اور جلی نص ہم پیش کر چکے ہیں۔ کہ حضورؐ نے حضرت ام المؤمنین حفصہؓ کو بشارت دی تھی۔

ان ابا بکر یلی الخلافتہ بعدی ثم
بے شک میرے بعد خلیفہ ابوبکرؓ ہوں گے
ابو بکر فقالت من انبا قال نبانی العلیم
پھر اس کے بعد تیرے والد (عمرؓ) ہونگے
الخبیر تفسیر قمی ص ۵۲ مجمع البیان ج ۵
کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا مجھے علیم
ص ۳۱۲ تفسیر صافی ص ۵۲۳
بخیر خدا نے بتایا۔

ثانیاً۔ شیعہ اثنا عشریہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو (الیاذ باللہ) مومن اور صحیح مسلم ہی نہیں مانتے۔ اسم تفضیل کا استعمال مفضل اور مفضل علیہ کا نوع و جنس میں اتحاد چاہتا ہے۔ خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؑ کے فضائل و اوصاف میں موازنہ چاہنا یا آپ کو ان پر فضیلت دینا اس بات کا اعتراف کر لیتا ہے کہ وہ حضرات بھی ایمان و اسلام میں

حضرت علیؑ کے ہم نوع و ہم جنس ہیں اور بوجہ (عند الشیخہ) حضرت علیؑ ان سے افضل ہیں۔ اس اعتراف و استدلال سے شیعہ اثنا عشریہ اپنے مذہب سے ہی خارج ہو جاتے ہیں یہی صرف شیعہ زید یہ و تقضیلیہ کا ہے۔ اثنا عشریہ اس کے برگزیدہ مستحق نہیں۔ مگر افسوس کہ آج شیعہ تقریر و تحریر میں اور تمام مساعی میں زور صرف دو ہی چیزوں پر دیتے ہیں تعبیر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ نہ اس پر ان کی تقریر رنگین اور واہ واہ کی مستحق ہو سکتی ہے۔ ایک حضرت علیؑ کے صحابی نہ کارنامے۔ دوم جنگ حضرت حسینؑ یا زید۔ حالانکہ حضرت علیؑ شیعہ کے ہاں محبوب و مکرم صحابی کی حیثیت سے نہیں بلکہ بعد از پیغمبر امام و ہادی کی حیثیت سے ہیں یہی وجہ ہے کہ غیر صحابی ۹ اور افراد بھی حضرت علیؑ کی طرح شیعہ کو محبوب و مکرم ہیں شیعہ کو امام کی حیثیت سے بعد از پیغمبر ۳۰ سالہ زندگی کے اوصاف و کارناموں سے فقط استدلال کرنا چاہیے۔ لیکن وہ اس سے اس بنا پر کتراتے ہیں کہ اگر کھلے تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کو دیانۃً بیان کریں تو ان کا مذہب باطل ہو جاتا ہے اور اگر تفسیر کے پردوں میں مستور محض لٹریچر سے بیان کریں تو حضرت علیؑ مسلمانوں سے الگ شخصیت نظر آتے ہیں۔ اسی طرح حضرت حسینؑ کا زید کے مد مقابل ہونا شیعہ کے اصول تفسیر کے بالکل خلاف ہے۔ نہ سنت علوی و حسنی تھی نہ بعد والے کسی امام کی۔ حضرت جعفر صادقؑ کا فرمان واضح ہے۔

التقية من ديني ومن دين
أبائی ولا دين لمن لا تقية له
تقیہ میرا مذہب ہے اور میرے باپ دادا کا بھی اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین (کافی باب تقیہ)

میرے سنی بھائی اس نکتہ کو سمجھ لیں اور شیعہ کو اپنے مذہب کے خلاف اور غیر متعلقہ اصول سے گفتگو نہ کرنے دیں۔

مثلاً کسی جماعت میں سے ان کے افضل ترین فرد کا پتہ ہم دجود سے معلوم ہو سکتا ہے۔ خود مری اس کا فیصلہ کر دے۔ ۲۔ مری اس کو اس خدمت پر لگائے جو سب سے افضل سے لی جاسکتی ہے۔ جیسے استاد کسی کو جماعت کا مانیٹر بنادے اور وہ استاد کی غیر موجودگی میں کلاس کو کام کرائے۔ ۳۔ پوری جماعت کے رجحان میں وہ شخص سب سے

زیادہ درجہ رکھتا ہو۔ لم۔ تمام مضامین کے مجموعی نمبر سب سے زیادہ ہوں۔ اگرچہ بعض مضامین کے انفرادی نمبر کچھ دوسروں کی بہ نسبت کم ہی ہوں۔
ان چاروں اصول کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت حضرت علیؓ پر متحقق اور واضح ہے۔

امراول۔ سب سے بڑے مربی اور شارع اللہ تعالیٰ شانہ ہیں اس نے سورۃ والیل میں آپ کو ”الائق“ (سب سے بڑا پرہیزگار) بتایا ہے اور سب سے بڑا پرہیزگار ہی اللہ کے ہاں زیادہ معزز ہے۔
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ
بلاشبہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو بڑا متقی ہے۔

سنی شیعہ تفاسیر سے آیت بالا کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نہ دل سوال سے تحت بیان ہو چکا ہے۔ سورت نور میں اللہ پاک نے آپ کو اول الفضل فرمایا ہے۔
وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ إِنَّ يُؤْتُوا أُولِي الْقُدْرَةِ وَالْمُسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ
تم میں سے شان والے اور گنجائش والے اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں مسکینوں اور مہاجرین کو نہ دیں گے۔

بالتفاق مفسرین یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے قذف برعائشہ حدیقہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حضرت مسطحؓ کو مالی امداد نہ دینے کی قسم کھالی تھی یہاں آپ کو صاحب فضیلت فرمایا ہے جو مرتبہ عند اللہ میں افضلیت کا متقاضی ہے۔ اور مالی لحاظ سے صاحب وسعت فرمایا۔

آپ نے مغفرت خدائی کو پسند کیا تو اللہ پاک نے چند روزہ اعانت کی بندش کو بھی معاف فرمادیا۔

سورت برأت میں آپ کو صاحبہ (صاحب پیغمبر) فرمایا۔ جو صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور ثانی اشہن فرمایا یعنی دونوں میں سے دوسرا۔ اگر حضورؐ اول ہیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثانی ہیں۔ قرآن کا فیصلہ واضح ہے۔ اپنے مقام پر تفصیل گزر چکی ہے۔

امروم کے لحاظ سے بھی افضلیت واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد بخت عباد کا قیام ہی ہوتا ہے۔ نماز بالاتفاق سب سے افضل ہے اور امت سے ہی کامل ادا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (سنی شیعہ احادیث اور تائیدی حقائق کی روشنی میں) آپ ہی کو امام نماز بنایا تو آپ ہی سب سے افضل ہوئے۔ دوسری اہم عبادت حج ہے جو مالی اور جسمانی عبادت سے مرکب ہے۔ اس میں بھی امیر و پیشوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ امیر حج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کو بنایا۔ احادیث و تاریخ سے یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے۔

”ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ رمضان شوال و ذی قعدہ کے پورے دو ماہ مقیم رہے۔ پھر ۹ھ کے لیے ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا کہ وہ جا کر مسلمانوں کے حج کا انتظام کریں۔ بہر حال ابوبکرؓ اور وہ مسلمان جو ان کے ساتھ جانے والے تھے مکہ کے لیے روانہ ہو گئے (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۲)۔

پھر سورت برات نازل ہوئی۔ اس کی آیات پیش کرنے کے بعد اعلان برات کے عنوان سے لکھا ہے۔

”ابن اسحاق نے کہا مجھ سے حکیم بن حکیم بن عباد بن حذیف نے ابو جعفر محمد بن علی رضوان اللہ علیہما کی روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت برات نازل ہوئی اور اس وقت آپ ابوبکرؓ کو حج کا انتظام کرنے کے لیے روانہ فرما چکے تھے تو آپ سے کہا گیا۔ یا رسول اللہ! کیا اچھا ہو کہ آپ ابوبکرؓ کے پاس کسی کو برات کے لیے روانہ فرمائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ میری طرف سے یہ فرض کوئی انجام نہیں دے سکتا بجز میرے اہل خانہ میں سے ایک شخص کے اس کے بعد علیؓ بن ابی طالب کو بلایا اور فرمایا۔

اخرج بهذا القصّة من صدر
بواءة و اذن في الناس يوم النحر
اذا اجمعوا بمني الله لا بدخل الجنة
كافرو ولا يحج بعد العام مشرك ولا
شرع سورت برات سے اس قصہ کو لے
جاؤ اور عید کے دن لوگوں میں جب کہ وہ
منی میں جمع ہوں یہ اعلان کرو کہ کافر جنّت
میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد مشرک

يطوف بالبيت عريان ومن كان له
عند رسول الله صلى الله عليه وسلم

حج نہ کرے گا اور بیت اللہ کا تنگے طواف نہ
کرے گا جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ معاہدہ ہے وہ نادت بجال رہے گا۔

چنانچہ اس سال کے بعد کسی مشرک نے حج نہ کیا اور نہ کسی نے برہنہ ہو کر بیت اللہ کا
طواف کیا۔ ابو بکرؓ اور علیؓ رسول اللہ کے پاس واپس آ گئے (سیرت ابن ہشام ص ۵۵)
کچھ آگے یہ بھی ہے کہ جب حضرت علیؓ ابو بکرؓ کو جاملے تو آپ نے پوچھا امیر ہو کر
آئے ہو یا مامور بن کر۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مامور ہو کر۔ ہاں سورت برات نازل ہوئی ہے
تو اعلان برات حضورؐ نے میرے ذمہ لگایا ہے۔“

جیسے صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷ کتاب التفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے۔
”کہ اس سال مجھے بھی حضرت ابو بکرؓ نے یوم النحر میں ان اعلان کرنے والوں میں منیٰ
بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ تنگے طواف کرے۔ حمید کہتے ہیں کہ حضورؐ
نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ برات کا اعلان کریں۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں
کہ پھر حضرت علیؓ نے ہمارے ساتھ اہل منیٰ میں نحر کے دن برات کا اعلان کیا یعنی سورت
برات کا اول رجب سنایا، اور یہ بھی کہا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرے نہ تنگے
طواف کرے۔“

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ بدستور امیر حج رہے۔ ان کا منصب ان سے
نہیں لیا گیا۔ البتہ قومی دستور کی بنا پر نفقہ معاہدہ کا اعلان حضورؐ نے اپنے بجائے حضرت علیؓ
سے کروایا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو محض ول کیا گیا یا ان میں سورت برات کی تبلیغ
کی بھی اہمیت نہ تھی۔ وہ بڑے بے انصاف اور حقائق کے منکر ہیں۔ منصب شیوہ بھی اس طرح
بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ حضور علیہ السلام کے پاس واپس آئے تو پوچھا یا رسول اللہ!
میرے متعلق کوئی نئی بات ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ تجھ میں بدستور نیکی ہی ہے لیکن تجھے یہ حکم ملا
ہے کہ اس (نفقہ عہد) کی تبلیغ یا میں کروں یا جو میرا شہداء ہو۔ (کشف الغم ص ۱۱۱)
امیر سوم کے لحاظ سے بھی حضرت ابو بکرؓ و عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں۔ کیونکہ

سب صحابہ کرامؓ اگلاس پیغمبرؐ کے طلباء رہے ان میںوں حضرات پر بالترتیب اتفاق کیا شیخہ سنی
حوالہ جات مذکور ہو چکے ہیں۔ عہد نبویؐ ہی میں اسی ترتیب سے ان کو دیکھا جاتا تھا۔ حضرت
ابوبکرؓ صدیق اور ثانی اثین کے لقب سے اور حضرت عمرؓ فاروق اور ناطق الملک علیؓ الساہ
کے لقب سے عہد نبویؐ میں ہی مشہور تھے (رجال کشی)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام بھی ان کو اسی ترتیب سے بلاتے تھے۔ مثلاً حضرت انسؓ
سے روایت ہے کہ حضورؐ نے حکم وحی حضرت فاطمہؓ کا علیؓ سے نکاح کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ
کو اسی طرح بلایا۔

فانطلق فادع لی ابا بکر وعمر
وعثمان وعليہ وطلحة والزبیر و
بعد دھم من الانصار (کشف الغمہ)
جا اور میرے لیے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ
طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلالا اور اتنے ہی انصار
حضرات کو بلاتے آ۔

صحابہ کرامؓ کے ذہن میں ابوبکرؓ و عمرؓ اس قدر مقبول تھے کہ بطور مدح اگر کسی اور کا ذکر
ہوتا تو صحابہؓ شیخیںؓ مراد لیتے۔ مثلاً ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا کہ اے قریش یا تو باز آ جاؤ گے
یا تم پر اللہ اس شخص کو مسلط کر دے گا جس کا اللہ نے ایمان کے لیے دل آزمایا ہے۔۔۔۔۔ بعض
حاضرین نے کہا کیا حضرت ابوبکرؓ ہیں؟ فرمایا نہیں۔ کیا حضرت عمرؓ ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ
وہ جو نام مرت کرنے والے حضرت علیؓ ہیں۔ (کشف الغمہ ص ۲۸)

مجلسی نے اسی حقیقت کو یوں جل کر بد زبانی سے ادا کیا ہے ”کہ سب قریش مسلمان
اپنے دوستوں (ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما) کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اور ان کی مخالفت
نہیں کرتے تھے۔ (رجیات القلوب ج ۲)

ابو حیرام۔ خلفاء اربعہ کا اوصافِ حسنہ میں موازنہ
کا روایتی کس کی ہے کیا حضرت علیؓ

سے زیادہ بہادر، عالم، عابد، سخی، امین کوئی اور بزرگ بھی ہے۔ گو بے معنی بات ہے کیونکہ جب
قرآن پاک، عمل پیغمبرؐ اور اتفاق صحابہؓ سے ایک بات ثابت ہو جائے تو اوصافِ حسنہ کے
ایک ایک جزئیہ میں تقابل کرنا اور ایک کو کم دوسرے کو زیادہ دکھانا کوئی مستحسن بات

نہیں۔ خصوصاً ہمارے جیسے لوگ جو ان کی خاک پا کے بھی برابر نہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی امیدوار کے مجموعی قابلیت کے اضافے اور متحقی کے فیصلے سے صرف نظر کر کے ہر سوال کے جواب کا جزوی طور پر دوسرے کمتر امیدوار کے ہر سوال سے مقابلہ کرے۔ پھر دو چار سوال کے فرق کو اہمیت دے کر یہ کہنے لگے کہ یہ تانی بہتر کامیاب ہے اور پہلے کا نتیجہ غلط نکال گیا ہے۔ تاہم اس خطرناک وادی میں ہم مجبوراً اترتے ہیں تاکہ شہید کو عذر کا موقع نہ رہے۔ واضح رہے کہ مختصراً انشلیت کے اسباب تین ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ قوت ایمانی۔ ۲۔ کثیر المذاہب ہونا۔ ۳۔ ذاتی خوبیوں کا مالک ہونا۔ ہر ایک کا موازنہ ملاحظہ ہو۔

قوت ایمانی ایمان ایسی دولت ہے کہ اس کی وجہ سے اعمال میں جان اور وزن ہوتا ہے اور جوں جوں اس کی کیفیت میں اضافہ ہوا اعمال کا درجہ بڑھتا جاتا، یہی وجہ ہے کہ ہم اہل سنت کے اعتقاد کے مطابق ایمان کی دو رکعت نماز امنی کے تمام عمر کے فرائض سے افضل ہے۔ صحیحین کی حدیث معتبر کے مطابق ایک صحابی کا تین پاؤں غلہ راہ خدا میں صرف کرنا غیر صحابی کے احاد پاؤں جتنا سونا خرچ کرنے سے افضل ہے۔ گو تمام صحابہ کرام کا ایمان کامل تھا۔ تاہم اصحاب حدیبیہ، اہل احد، اہل بدر، پھر ہاجرین، عشرہ مبشرہ اور خلفاء اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بالترتیب سب سے افضل تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فوقیت مندرجہ ذیل وجوہ سے ہے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے صحابہ کرام سے فرماتے تھے۔

ما سبقکم ابو بکر بصوم و الصلوٰۃ ابو بکر راتم سے (صرف) روزے اور نماز کی وجہ سے افضل نہیں۔ بلکہ اس چیز (قوت)

ایمانی و اخلاص کی وجہ سے جو ان کے دل

(جلاس المؤمنین ص ۲۶)

میں معزز بنا دی گئی ہے۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص کو بھی میں نے اسلام کی دعوت دی اس کو کچھ نہ کچھ جبک اور نرد و اور فکر ضرور پیدا ہوئی۔ سوائے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کہ جیسے ہی میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی فوراً بلا تردد و تامل انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور

ذرا بھی دیر نہ لگائی (از ابن اسحاق حیاة الصحابہ ج ۱ ص ۵)

مگر حضرت علیؓ کو جب آپؐ نے دعوت دی تو میں تم کو بھی اللہ کی طرف بلانا ہوں جو تمہارا
ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی عبادت کا حکم دیتا ہوں اور یہ کہ لات و عمریٰ کو بالکل
چھوڑ دو۔ حضرت علیؓ نے کہا یہ ایسی بات ہے کہ کج سے قبل میں نے کبھی نہیں سنی۔ میں اس بارے
میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ اپنے والد ابو طالب سے بیان نہ کر لوں۔ آپؐ کو حضرت
علیؓ کا یہ فرمانا ناگوار گزرا۔ فرمایا اے علیؓ اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس معاملہ کو ابھی پوچھ
رکھنا۔ پھر حضرت علیؓ نے دوسرے دن از خود ایمان قبول کر لیا (بدایہ) اور اسلام لے آئے اور
ابو طالب کے ڈر سے آپؐ کے پاس چھپ چھپ کر آتے رہے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔
ظاہر نہ ہونے دیا (بدایہ ج ۳ ص ۲۲)

۳۔ اس کے برعکس حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسلام لاتے ہی ظاہر کر دیا اور کفار کی
سختیاں برداشت کرتے رہے۔

چنانچہ حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں۔ ابو بکرؓ مجھ سے چار باتوں میں بڑھ گئے پہلے اسلام
اشکارا کیا۔ مجھ سے پہلے ہجرت کی بنی کے بارے میں ہونے۔ نماز قائم کی۔ جبکہ وہ اسلام ظاہر کرتے
تھے۔ میں چھپا ہوا تھا۔ (تشریحہ المکانۃ الجدیدہ ص ۲۲)

۴۔ سالتین الی الاسلام حضرت خدیجہؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت علیؓ و ابو بکرؓ
میں سے حضرت ابو بکرؓ ہی۔ آزاد مرد بالغ تھے۔ چنانچہ اپنے اثر و قوت سے جو حضورؐ کی اعانت
اسلام کی وہ دوسروں سے نہ ہوئی۔

۵۔ اسلام قبول کرتے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضورؐ کے مشن کے مبلغ بن گئے۔ حضرت
عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے (اسلام لانے کے بعد) حضرت عثمانؓ،
حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ حضرات بھی آپؐ کی
دعوت سے مسلمان ہو گئے۔ دوسرے روز حضرت ابو بکرؓ، حضورؐ کے پاس عثمانؓ بن مظعون
ابو بلیدہ، عبد الرحمن بن عوف، ابوسلمہ بن عبد اللہ، ارقم بن الارقم کو لے کر حاضر ہوئے
اور یہ سب بھی مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ عنہم۔ (بدایہ ج ۳ ص ۲۳) حافظ ابو الحسن طریقی

یہ سب صحابہ قدیم الاسلام عشرہ مبشرہ جیسے مشاہیر ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس مکی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر یا آپ کی ترغیب سے کسی کا مسلمان ہونا کتبِ سیرت و تاریخ میں نہیں ملتا۔ ہاں حضرت ابوذر غفاریؓ کو جو از خود اسلام اور پیغمبرؐ کی تلاش میں آئے تھے۔ آپؐ نے مہمانی کھلا کر اور آمد کا مقصد پوچھ کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچا دیا تھا۔ ۶۔ قوتِ ایمانی سے حضرت ابوبکرؓ نے کفار سے بڑی تکلیفیں بھی دیکھیں۔ باوجودیکہ آپؐ نہایت اونچے خاندان کے محرز اور رئیس تھے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسلام میں یہ وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف دعوت دی۔ مشرکین چاروں طرف سے حضرت ابوبکرؓ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ کو مارا بھی اور روند بھی۔ عتبہ بن ربیعہ فاسق ان کے قریب آیا اور اپنے کئی تلے والے جوئے سے حضرت ابوبکرؓ کو مارنا شروع کیا۔ چہرے پر مارتا تھا اور آپؓ کے پیٹ پر بھی کودا جتنی کہ آپؓ کا چہرہ اور ناک نہ پیچانی جاتی تھی۔ خاندانِ بوہتم کے لوگ بھاگ کر آئے اور آپؓ کو چھڑا لے گئے۔ اور ان لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ کی موت میں شک نہ تھا۔ مگر جب ہوش میں آئے تو سب سے پہلے حضورؐ کا حال پوچھا الخ (حیۃ الصحابہ ج ۲ ص ۲۹)

ب۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضورؐ کی تکالیف میں سے سب سے زیادہ سخت تکلیف تم نے کون سی دیکھی۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں کفار اپنے مجبوروں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اتنے میں حضورؐ آگئے تو وہ سب آپؐ پر بھپٹ پڑے حضرت ابوبکرؓ تک ان کے شور و غوغا کی آواز پہنچی۔ حضرت ابوبکرؓ ہم لوگوں کے پاس سے اٹھے اور ان کے سر پر چار زلفیں تھیں اور فرماتے تھے تمہارا ناس ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ مشرکین نے حضورؐ کو تو چھوڑا اور حضرت ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے حضرت ابوبکرؓ جب گھر واپس آگئے اور شدتِ زد و کوب سے یہ حال تھا کہ سر کی جس منڈھی کو ہاتھ لگاتے وہ بال ہاتھ لگاتے ہی جھڑ جاتے اور حضرت ابوبکرؓ کہہ رہے تھے۔ تبارکت یا ذا الجلال والاكرام (انصرہ ابویعلیٰ)

ج۔ ابنِ دغنه کو جب آپ امان واپس کر چکے تو ایک کافر نے بیت اللہ شریف کو جاتے ہوئے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی حضرت ابو بکرؓ کے پاس سے مخیرہ یا عاص بن وائلؓ گزرے حضرت ابو بکرؓ نے ان سے کہا کہ تم نے دیکھا اس جاہل نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ تم نے خود اپنے ساتھ یہ کام کیا ہے حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے۔ اے رب تو کتنا بڑا بار ہے۔ کتنا بڑا بار ہے (بدایہ ۹۵۳)۔
د۔ ایک دفعہ عقیقہ بن ابی معیط نے حضورؐ کے گلے میں چادر ڈالی اور مروڑی حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ نے چھڑایا اور وہ تے ہوئے کہا اَلْقَتْلُون رَجُلًا اِنْ لَيَقُولُ رَبِّيَ اللّٰهُ۔ کیا تم اس آدمی کو قتل کرنے ہو جو کتنا ہے۔ میرا رب اللہ ہے۔

ر۔ کشف الغمہ ۲۴۵ پر ہے کہ نوفل بن خویلدؓ حضورؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔ اسی شخص نے حضرت ابو بکرؓ اور طلحہؓ کو ہجرت سے قبل رسی میں جکڑ دیا اور دن بھر رات تک عذاب دیتا رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں کو ان کی تلاش کرنی پڑی۔

بحرم تو ام میکشد چہ عفو غالیست تو نیز بر سرِ بامِ آچہ خوش تماشا یست
ایمان لانے اور قوتِ ایمانی کی بنا پر یہ شہداءؓ برداشت کرنے کی یہ صدیقی جھلک تھی۔

اب حضرت عمرؓ کی ایمانی قوت کا حال بھی سن لو۔ حضرت عمرؓ کو کچھ بعد
حضرت عمرؓ کا ایمان میں ۵۱۶ نبوت میں اسلام لاٹے۔ مگر آپؐ حضورؐ کی دعا کا مقصود اور
مراد ہیں۔ آپؐ نے دعائیں تھیں۔ اے میرے اللہ! اسلام کو عمرؓ بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعہ قوت عطا کر۔ اللہ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں آپؐ کی یہ دعا قبول کر لی چنانچہ ان کے اسلام لاتے ہی بت پرستی کی دیواریں منہدم اور اسلام کی بنیا دیں قوی ہو گئیں۔ (طبرانی حیات الصحابہ ۵۷۵)

حضرت عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ حضورؐ نے میری قمیص بکڑ کر کہا خطاب کے بیٹے اسلام لے آ۔ اور ساتھ ہی یہ دعا کی۔ اے اللہ اسے ہدایت دے۔ فوراً میرے منہ سے نکلا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ میرے اسلام لاتے ہی مسلمانوں نے اتنی زور سے نعرہٴ تکبیر بلند کیا کہ مکے کی ہر گلی میں اس کی آواز گونج اٹھی۔ (البنویم فی الجلیبہ ۷۰ اصل)
حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جب سے عمرؓ اسلام لائے ہم غالب ہوتے گئے۔

حضرت عمرؓ کا اسلام مسلمانوں کی قوت تھی۔ ہجرت اسلام کی فتح تھی اور خلافت اللہ کی رحمت و برکت تھی (بخاری)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ہی مسلمانوں نے علیؓ کو اعلانِ کعبہ میں جاکر نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ جس رات اسلام لائے تو سوچا کہ جو شخص اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے اسے بھی تباؤں۔ صبح ابو جہل کا دروازہ کھٹکھٹا کر بلایا۔ اس نے کہا اے میرے بھانجے (حضرت عمرؓ) ابو جہل کی بہن خنتمہ بنت ہشام بن المغیرہ کے فرزند تھے، تو سنو اور مقام پر آیا ہے کیوں آنا ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ پر اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں اور ان کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کی ہے۔ فرمایا کہ پھر تو ابو جہل نے وہ دروازہ میرے منہ پر مارا اور کہا اللہ تجھے اور اس چیز کو جو تو لایا ہے برباد کرے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵)

حضرت عمرؓ نے عمار بن عبد الجحیٰ کو اپنے اسلام کی خبر دی۔ وہ قریش کی طرف چل دیا۔ آپ اس کے پیچھے پوگئے۔ اس نے اعلان کیا کہ اے گروہ قریش عمرؓ بے دین ہو گیا۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے کہتے جاتے تھے اس نے جھوٹ کہا بلکہ میں نے اسلام اختیار کیا ہے۔ اور گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ان لوگوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ بھی ان سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب ان کے سروں پر آگیا آپ تنک کر ٹھٹھ گئے اور قریش آپ کے سر پر پھڑپھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا تم جو چاہو کرو میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم (مسلمان) تین سو مرد و جاہلین تو پھر (ہم باقاعدہ لڑیں) پھر یا ہم مکہ کو تمہارے لیے چھوڑ دیں گے یا تم ہمارے لیے چھوڑ دو گے (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵) واللہ بہ شہید وقال ہذا اسناد جدید قوی

آخر وہ وقت بھی آگیا کہ سب شہر آپ کے قتل پتیل آیا اور آپ کو گھر میں (غار ثور کی طرح) پناہ لینی پڑی۔ آپ کے پاس ابو عمر عاص بن وائل بھی آیا۔ اور یزید بن ابی سہل بھی آیا۔ آپ کا حلیف تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اسلام لے آیا اور تمہاری (کافر) قوم مجھ کو قتل کرتی ہے۔ عاص نے کہا۔ ہاؤ میں نے تم کو مال دی وہ ایسا

نہیں کر سکتی۔ عاص چل دیا اور لوگوں سے ملا جن سے جھگڑ بھگڑ گیا تھا۔ پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔ لوگوں نے کہا ابن خطاب کے پاس کہ وہ بے دین ہو گیا ہے عاص نے کہا اب تمہارے لیے سبیل نہیں کیونکہ میں پناہ دے چکا ہوں اور لوگوں کو لوٹا دیا (بخاری ج ۵ ص ۵۴) یہ حضرت عمرؓ کے ایمان مضبوط کار و عمل تھا کہ کفار قریش کہنے لگے کہ عمرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔ وہ اور حمزہؓ بن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ ہو گئے ہیں اور اسلام قبیلوں میں پھیلنے لگا ہے۔ تو وہ لوگ جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ ایک کاغذ پر بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ لکھیں۔ (ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵)

یہی حال حضرت عثمانؓ کا بھی تھا۔ آپ کو اپنا چچا حکم بن ابوالعاص ایک یثری چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا تھا۔ محمد بن ابراہیمؒ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ اسلام لے آئے تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص نے ان کو پکڑا اور سیلوں میں باندھ دیا اور کہا کہ تو اپنے باپ و دادا کے دین سے ایک نئے دین کی طرف پھر گیا۔ خدا کی قسم میں تجھ کو بندھا رہے دوں گا، کھولوں گا نہیں جب تک کہ تو اس دین کو نہ چھوڑے گا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کبھی بھی اس دین کو نہ چھوڑوں گا جب حکم نے دیکھا کہ یہ اپنے دین کے بارے میں انتہائی سخت ہیں تو ان کو چھوڑ دیا۔ (ابن سعد ج ۳ ص ۳۵)

لیکن یہیں تلاش کے باوجود سیرت و تاریخ کی کسی کتاب میں ایسا نہیں ملتا کہ حضرت علیؓ کے اسلام سے بھی کفار مشرک ہوئے ہوں۔ یا آپ کو کسی قسم کی تکلیف دی ہو یا آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہو یا آپ کو گرفتار کیا ہو۔ یا حضورؐ سے متعلق آپ سے باز پرس کی ہو۔ جبکہ سیرت کے موقوعہ پر حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے ابوہریرہؓ وغیرہ نے حضورؐ اور صدیق اکبرؓ کا پتہ پوچھا جب اس نے نہ بتایا تو اس زور سے منہ پرٹا پچھ مارا کہ آپ کی ہالی گر گئی (سیرت ابن ہشام ص ۱۹۹) حتیٰ کہ باقر علی مجلسی جیسے شیعہ متعصب شیعہ بھی۔ جلال الدین اور حیات القلوب میں ایک واقعہ بھی۔ تخلیق داستانہ کے ہنر کے باوجود ذکر نہ کر سکے۔ بجز اس بات کے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کو کفار نے زد و کوب کیا حضرت علیؓ و خدیجہؓ اکبرؓ کو گھریں پتہ چلا تو روتے گئے۔ ہو سکتا ہے اس کا سبب حضرت سنی ہی ہو لیکن ثبوت کے بعد تو حضرت علیؓ کی عمر ۱-۱۶-۱۷ سال کی علی خلاف الروایا

ہوگی۔ ان مواقع پر آپ کا ذکر ملنا چاہیے۔

نیکوئے غور کرنے کے قابل ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ہجرت کرنا پڑی۔ حضرت عمرؓ کے قتل کا منصوبہ بنا۔ ہجرت کی رات حضرت نبی کریمؐ اور بارہ غار صدیق اکبرؓ کی تلاش میں ۱۰۰-۱۰۰ اوٹ انعام مقرر کیا گیا تھا مگر حضرت علیؓ کو بلا خطر حضورؐ نے اپنے بستر پر سلا دیا اور یہ تسلی بھی دی کچھ کفار ہرگز کچھ نہ کہیں گے۔

پھر حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد تین دن مکہ میں ٹھہرا ایک دن بھی نہ چھپا اور اسی طرح پر پھرتا رہتا تھا۔ امانتوں کے ادا کرنے کے بعد میں نے حضورؐ کے پاس پہنچنے کا راستہ اختیار کیا (کنز العمال ج ۸ ص ۳۳۵) آخر کوئی بات تو حضرت پیغمبرؐ اور حضرات خلفائہ ثلاثہؓ میں ایسی تھی جو حضرت علیؓ میں نہ تھی۔ کہ کفار ان کے خون کے پیاسے تھے اور حضرت علیؓ کو موقع ملنے کے باوجود بھی کچھ نہ کہتے تھے۔ حالانکہ یہ حضرات مکہ کے صنعاؤ میں سے نہ تھے بلکہ منزر خانہ انوں کے اصحاب ثروت اور سردار و رئیس تھے۔ و حقیقت ان حضرات کا تمام منافع دنیوی اور عیش و سکون کی زندگی کو تھوڑ کر مکہ کے درخشاں محمد بن عبد اللہ و رسول اللہ کی اتباع کر لینا اپنی جان و مال آپ پر نثار کرنا۔ اور آپ کی دعوت کا مبلغ بن جانا ہی۔ جہاں حضورؐ کے دل میں ان کی قدر و منزلت کو سب افضل بنا رہا تھا۔ وہاں کفار کے غیظ و غضب کو بھی تیز کرتا تھا۔ اور وہ بھی حضورؐ کے بعد اسلام کے اہم ستون حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کو جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ احد کے خاتمہ پر ابوسفیانؓ نے قتل حضورؐ کی افواہ کی بنا پر اپنی جے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لیا تھا۔ جیسے صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۷ میں بھی ہے۔ ابوسفیانؓ اپنی جگہ چڑھے کہ مسلمانوں کو آواز دینے لگا۔ کیا مسلمانوں میں محمدؐ (زندہ) ہیں حضورؐ نے فرمایا مت جواب دو۔ پھر کہا کیا ابن ابی قحافہؓ ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا جواب نہ دو۔ پھر پوچھا کیا عمرو بن الخطابؓ ہیں؟ (جب جواب نہ ملا) پھر کہنے لگا یہ سب قتل ہو گئے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے۔ فرمایا۔ اللہ کے دشمن انہوں نے جھوٹ کہا۔ اللہ نے تجھے رسوا کرنے کا سامان باقی رکھا ہے۔ پھر اس نے اُعلیٰ سہیلؓ (اے پہل تو بلند ہو) کا نعرہ لگایا تو حضورؐ

آج کل شیعہ نعرہ یا علی مدو بھی اسی نعرہ کا چرہ ہے جب حضورؐ نے اسے شاکر اللہ مولانا و لامولی اکرم (ہمارا مددگار اللہ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) سکھایا ہے تو ہم کو شیعہ نعرہ کے جواب میں یا اللہ مدد اور (باقی آئندہ)

نے فرمایا کہ واللہ اعلیٰ واجل (اللہ ہی بزرگ و بڑے) پھر اس نے کہا ہمارا عزریٰ (مشکل کشا) ہے
نہما را عزریٰ نہیں۔ تب صحابہؓ نے حضورؐ کے حکم سے جواب دیا۔ اللہ ہمارا مولانا ضرور مددگار ہے
اور نہما را مولیٰ کوئی نہیں۔

سیدنا علیؓ نے بلاشبہ مدنی زندگی میں شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے مگر اس وجہ
سے کبھی اپنے کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے افضل نہیں بتایا۔ نہ صحابہ کرامؓ نے ایسا جانا۔ نہ حضورؐ
نے اپنے قول و عمل سے اس کی تعلیم دی۔

ہدایت کی کثرت اور فیضان کی بہتات اور خیر کی اشاعت یقیناً
دوم۔ کثیر الہدایت ہوتا

ہادی اور مبلغ کو بلند مرتبہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی متعدی نیکی
ہے جس کی انتہا معلوم نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی کے مرنے پر اس کے سارے
اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال کا ثواب اسے بدستور ملتا رہتا ہے۔ اولادِ صالح۔ جو والدین
کی تربیت سے اچھے کام کرے اور والدین کے لیے دعا و رحمت کرتی رہے۔

صدقہ جاریہ۔ جیسے رفاہی کاموں پر خرچ کرنا جب تک وہ مدرسہ یا مسجد باقی رہے گی بنانے
والے کو ثواب ملتا رہے گا۔

علم کی اشاعت یا تصنیف و تالیف۔ کہ جب تک اس علم یا کتاب کا وجود رہے گا عالم و مصنف
کو ثواب ملتا رہے گا۔

انبیاء علیہم السلام اسی بنا پر سب خلایق سے افضل ہوتے ہیں کہ وہ منبع علم و ہدایت ہوتے
ہیں۔ بنی نوع انسان میں علم کی حدود ہی ہیں۔ کوئی امتی جس قدر انبیاء کے علم و ہدایت کے مطابق
اعمال بجالائے گا یقیناً اس کا ثواب اپنے پیغمبر کو پہنچا رہے گا۔ من سن سنة حسنة فله اجرھا
ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت بخشی ہے
اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ آپ کی ہدایت۔ تمام اقوام۔ اور تمام زمانوں کے لیے عام ہے
اور اربعوں انسانوں نے آپ ہی کے چشمہ ہدایت۔ قرآن و سنت۔ سے اپنی پائیں بجائی ہے یہ مقام
کسی اور پیغمبر کو نہیں مل سکا۔ حالانکہ ان میں ہزار برس تبلیغ کرنے والے حضرت نوحؑ بھی ہیں ذرا
(گزشتہ سے پوچھتے) اللہ اکبر کا آخر ملنا چاہیے جو مسلمان جنگوں میں لگاتے تھے۔ منہ

کوشکست دینے والے حضرت موسیٰؑ بھی۔ مقامِ خلعت سے سرفراز حضرت ابراہیمؑ بھی۔ اور زبرد و توکل کا سرچشمہ حضرت عیسیٰؑ روح اللہ بھی علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی لیے آپ کے حق میں سر اجا میرا۔ ہادی و داعیا الی اللہ۔ اور وکل قوم ہادی کے القابات قرآن حکیم نے صادر فرمائے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بعد از پیغمبرؐ بڑے ہادی ہیں | انکار ہے کہ فیضانِ ہدایت اور اس

کی اشاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعی جانشین اور سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ عمرؓ ہیں۔ حدیثِ بالا کے بموجب تینوں قسم کے جاری و متغیری کام تا یوم قیام یادگار چھوٹے ہیں۔

قرآن حکیم کی اشاعت | قرآن کریم حسب ضرورت جس ترتیب سے اترا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے جدا ترتیب پر۔ ہر لوح محفوظ میں مقرر ہے۔ صحابہ کرامؓ

کو پڑھایا۔ لیکن مستقل مکمل کتابی شکل میں جمع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ عہدِ صدیقی میں مرتدین اور مسلمہ کذاب کے خلاف جنگوں میں کافی قراء و حفاظ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تو مفکرات و ملہم من اللہ حضرت عمرؓ کو خدشہ ہوا اور دربارِ صدیقی میں اگر عرض کی کہ قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے۔ اولاً تو حضرت ابوبکرؓ نے توقف کیا کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا میں کیسے کروں۔ پھر زمانے کا تقاضا بجانب گئے تو حضرت زیدؓ بن ثابتؓ جو مشہور قاری حافظ اور کاتبِ وحی تھے ان کی سرکردگی میں ایک جماعت کی جمع قرآن پر ڈیوٹی لگادی۔ وہ فرماتے ہیں۔

فَتَبِعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعَ مِنَ الزَّفَاعِ
وَالْأَكْتَفِ وَالْعُشْبِ وَصَدْرِ الرَّجَالِ
چنانچہ میں نے کاغذ و کپڑے کے ٹکڑوں، کندہ کی ہڈیوں، درختوں کے پتوں اور حفاظ کے سینوں سے قرآن جمع کیا۔ الخ

گویا انارہ لحاظ نہ کیا۔ رہم ہی قرآن کے محافظ ہیں، کا جو وعدہ اللہ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ پر پورا فرمادیا۔ آج ۱۴۰۰ سال سے مشرق و مغرب کے تمام مسلمان صرف ایک ہی کتاب اللہ کے عالمِ حفاظ اور قاری ہیں جس کے ایک حرف و شوشہ میں بھی تبدیلی نہیں کی گئی۔ پھر اسی قرآن کی نقلیں مزید کبر و اگر حضرت عثمانؓ نے اطرافِ اسلامیہ میں پھیلا دیں اور وحدتِ کتاب اللہ انہی حضرات کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ امتِ زمان کے بارِ احسان سے سبکدوش ہوئی

ہے۔ اور نہ ان کے درجات و ثواب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خود حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں۔

کہ قرآن پاک کی اشاعت کے سلسلے میں سب سے بڑا اور بڑھاپہ حضرت ابو بکرؓ (و عمرؓ) کو ملیگا۔
کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی نے دو گونوں کے درمیان قرآن کو جمع فرمایا۔ وہ ابو بعلیٰ (جوا تہ تاریخ
الخلاۃ ص ۶۲)

علم کا یہ شعبہ اور شجرہ طیبہ بھی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں
سنت و فقہ کی اشاعت | اقطارِ عالم میں پھیل گیا۔ آپ تمام مفتوحہ ممالک میں علماء اور حفاظ
و قرا کو بھیجتے تھے جو وہاں کے لوگوں کو تبلیغ کرتے اور قرآن و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ کوفہ میں
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم بنا کر بھیجا تو فرمایا۔
بعثت الیکم ابن ام عبد و اثرکم میں نے تمہاری طرف ابن مسعودؓ کو بھیجا ہے اور
تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔
علی نقسی

اور ان کی کارکردگی کا یہ عالم تھا کہ جب سیدنا علی المرتضیٰؓ کو فہ میں وارد ہوئے تو چار ہزار
کوفہ کے علماء تابعین نے آپ کا استقبال کیا جو سب حضرت عبداللہؓ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔
شام میں حضرت ابوالدرداءؓ کو بھیجا۔ بصرہ میں حضرت انسؓ بن مالک کی ڈیوٹی لگائی۔ بڑے
بڑے فاضل صحابہؓ پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ منعقد کر دی تھی جس میں کثرت فتوحات اور حادثات
نوکے پیش نظر ہر مسئلہ زیر بحث آتا اور صاحب فیصلہ سے مشرف ہوتا تھا۔ یہی قضایا احکام سنت
وفقہ کا وہ بہترین خزانہ ہیں جن پر فقہی مذاہب کا دار و مدار ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ اگر عمر کا علم میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور
دوسرے میں سب لوگوں کا تو حضرت عمرؓ کا علم زیادہ ہوگا۔ راوی نے جب یہ قول حضرت ابراہیم
حنفی کے سامنے ذکر کیا تو کہنے لگے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سے بھی زیادہ آپ کی توفیق کی
ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کی وفات پر فرمایا تھا۔

حضرت عمرؓ کی وفات سے علم کے ۹ حصے
رنخت ہو گئے۔

ذہبت تسعتا اعتشاد العالم

(اسد الغابہ ج ۶ ص ۶)

کتاب الاموال لابی عبید اور مسعودی وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تمام
 موفین۔ بدرہین مبلغین بظہار اور قاریوں کے بیت المال سے وظائف مقرر تھے۔
 اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہبی اور انتظامی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں
 کو مختلف کاموں پر لگاتے تھے ان کے حسن اعمال کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی
 پہنچتا تھا تو اس کے نزدیک حضور کے علمی و عملی جانشین حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ
 رضی اللہ عنہم کو بھی ان سب امور کا ثواب ملنا چاہیے۔ چونکہ روایت احادیث کے سلسلے میں شیخین
 بڑی احتیاط کرتے۔ قصہ گو و اعطوں کی تو دورہ سے تربیت کرتے تھے اور بسا اوقات حدیث پر
 شاہد بھی طلب کرتے تھے اور ان کے مختصر عمد میں تابعین کی روایت حدیث درجہ فروغ کو پہنچی
 تھی اور امور خلافت و فتوحات میں بہت مصروفیت رہتی تھی۔ لہذا ان کے علم کی بہ نسبت روایت
 حدیث کم ہوئی حضرت ابوبکرؓ سے ۱۲۲۔ حضرت عمرؓ سے ۵۳۹۔ اور حضرت علیؓ سے کچھ زیادہ ۵۸۶
 احادیث مروی ہیں حضرت عثمانؓ بھی احادیث نبوی کے ممتاز حافظ تھے و دوی جملة کثیرۃ من
 العلم (تذکرۃ الحفاظ ج ۱) علم کا ایک کثیر حصہ روایت کیا ہے لیکن کلام رسول میں تخیرو
 تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے اس لیے مرفوع روایات کی تعداد آپ سے کم مروی
 ہے۔ فقہ و استنباط میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمرؓ و علیؓ کے برابر نہ تھا لیکن آپ بھی مجتہد
 کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے صحابہ آپ کے اجتہاد سے استناد کرتے تھے بخاری کتاب
 التسل و مسند احمد وغیرہ)

علم فرائض میں آپ جماعت صحابہؓ میں ممتاز تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عثمانؓ
 انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا۔ شیخین کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں
 کا قبضہ اور اس کی مشکلات کو یہی دونوں حل کرتے تھے۔ اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ
 اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۲۶ بحوالہ تاریخ اسلام
 ندوی ج ۱ ص ۲۱)

فتوحات تبلیغ اسلام کے لیے تھیں | حضرت خلفائہ ثلاثہ کے زمانے میں باقاعدہ تبلیغی

وفود بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس

مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے لیے جاتے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ شام بن عاص اور نعیم بن عبداللہ اور ایک اور صحابی حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں بادشاہ روم کے پاس بھیجے گئے تھے۔ حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جیلد بن ایہم کے پاس دمشق پہنچے۔ وہ کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور ہر شے اس کے دربارہ کی سیاہی سے رنگی ہوئی تھی۔ اس نے کہا اے ہشام کہو ہشام نے اس سے گفتگو کی اور اللہ کے دین کی دعوت دی۔ (النعیم فی الدلائل ص ۹)

علامہ شبلی الفاروق ص ۳۹۹ پر صیغہ مذہبی کے عنوان سے رقم طراز ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلنا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشادات سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق ہوتا تھا کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ تو ایک ایک مسلمان سپاہی سادگی پاکیزگی ہوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دلوں کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔ مثلاً شطامصر کا رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

تبعیدیت اور فیضان جاری کی تیسری قسم خلفائہ ثلاثہؓ کی وہ عظیم فتوحات ہیں جن کی بدولت اسلام جزیرہ

عرب سے نکل کر تمام اقطارِ ارضی پر پھیل گیا۔ اس وقت موجود دنیا کی سب سے بڑی حکومتیں کسریٰ و قیصر اسلام کی قلمرو میں آ گئیں۔ تاریخی طور پر وہ پیغمبر اسلامؐ کی متواتر پیشینگوئیاں پوری ہوئیں جو آپؐ نے مسلم و کافر اور اپنے اور بیگانے کے سامنے اپنی صداقت پر بطور دلیل متعدد مرتبہ ارشاد فرمائیں۔ مثلاً عدی بن حاتم طائی کو

اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ **بجاء** مسلمان اس قدر مالدار ہوں گے کہ لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ اس قدر ان کی تعداد اور قوت وافر ہوگی کہ ایک عورت تنہا قادیان سے حج کرنے آئے گی اور بحیرہ واپس ہوگی۔ خلافت اور حکومت ان کو ایسی حاصل ہوگی کہ ارض بابل کے سفینہ محلات بھی ان کے ہاتھ پر فتح ہو جائیں گے۔ عدی کہتے تھے۔ میں نے دو باتیں تو دیکھ لیں۔ فراوانی دولت بھی دیکھ لوں گا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۱۵۷ مختصراً)

فتح کا نام لینا آسان نہیں۔ ایک مربع میل کا رقبہ بھی کوئی نہیں دیتا۔ اور اس پر کتنے قضیے کہنے پڑتے ہیں لیکن بالکل غیر متحملان آدمیوں اور بکریوں کے چرواہوں نے جناب معلم کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا۔ یہ اسلام کی صداقت۔ پیغمبر کے اعجاز اور صحابہ کرام کے ایمان پر ایسی زبردست دلیل ہے جس کا کوئی سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ آج کا ایران اور ان کے ہم نوا اعداء صحابہ۔ حضرت عمر و فاتحین اسلام کو مطعون کرتے ہیں حالانکہ ان کو حضرت عمر وغیرہ کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ ان کو کفر سے نجات دلا کر اسلام میں داخل کیا۔ فاتحین ایران صحابہ کرام پر ان کا غضبناک ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ توحید و رسالت کے کلمہ اسلام کی آمد پر نہ خوش ہیں نہ ایمان رکھتے ہیں اور نہ سابقہ کفار کی رسوم اور یادگاروں کو بھلا سکتے ہیں۔ ورنہ وہ سہ ہزار سالہ قدیم کافرانہ تہذیب کے جشن پر کروڑوں ڈالر خرچ نہ کرتے۔ جیسے آج میں منایا گیا۔

الغرض حضرت عمرؓ کے مفتوحہ ممالک کا کل رقبہ ۳۰۰۵۱۰۲۲ مربع میل تھا۔ یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶۰۰ مشرق کی جانب ۱۰۸۰۰۰ جنوب کی جانب ۸۳۰۰ میل تھا۔ اس میں شام۔ مصر۔ عراق۔ جزیرہ۔ خوزستان۔ عراق عجم۔ آرمینیا۔ آذربائیجان۔ فارس۔ کرمان۔ خراسان اور کرمان جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے۔ شامل تھا۔ (الفاروقؓ)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں مغربی ممالک۔ شمالی افریقہ۔ روم۔ قوقاز۔ جزیرہ قبرص اور روم کی فتوحات کا اضافہ ہوا۔ اور ان ممالک میں لا الہ الا اللہ کا جھنڈا ایسے لہرایا کہ آج تک منگولوں نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ ان فتوحات سے کروڑوں انسانوں کے حلقہ بگوش بدایت

ہونے کا ثواب حضرت عمر و عثمانؓ کے نامہ اعمال ہی میں لکھا جائے گا۔ جیسے حضرت علیؓ کو یمن بھیجتے وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

لَا يَهْدِي اللَّهُ بَك رَجُلًا خَيْرًا لَكَ مِنْ
 هَدَايَتِكَ دَعَا تَوْتِرَ لِيَهْ سُرْخِ اَوْثُولِ
 (صحیحین)

سے بہتر ہے۔

ہدایت کے ان تین شعبوں میں اول و ثانیہ میں تو حضرت علیؓ کی شرکت ہی نہیں۔

نہ آپ جمع و تدوین قرآن میں شریک تھے۔ نہ بقول شیعہ آپ کا جمع کردہ صحیفہ کسی مسلمان کو دیکھنا نصیب ہوا۔ نہ آپ کے عہد میں کوئی علاقہ یا گاؤں فتح ہوا۔ آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے سرکاری سطح پر سابقہ تبلیغی سرگرمیاں بھی رک گئیں۔ ہاں سنت و فقہ کی انفرادی اشاعت میں حضرت علیؓ کا حصہ یقینی ہے اور آپ سے ہزاروں انسانوں نے فیضِ ہدایت پایا اور آج تک اس کے اثرات موجود ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ میں یہ وصف بھی تاریخ وحدت کے عام مروج سنی ذخیرہ پر اعتماد کی بدولت تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اور حضرت علیؓ کو چہارم پیشوائے دین ماننے کا سہرا فقط اہلسنت کے سر پہ باندھا جائے گا۔ ورنہ شیعہ مخصوص لٹریچر میں عمر مجاہد حضرت علیؓ تقیہ کے پابند رہے تھے۔ اسلام کی واقعی بات کا اظہار ایک وصیت کی وجہ سے ممنوع تھا۔ آپ کے مخلص شاگرد اور قابل اعتماد مومن چند انفرادی تھے آپ کے علم کا سمندر اندر ہی اندر خشک ہو گیا حتیٰ کہ شیعہ کو اپنا مذہب رسول اور وحی رسول کے بجائے دوسری صدی کے ایک تابعی بزرگ سے روایت کرنا پڑا۔ حدیث ہے کہ ان کو یہ بھی کہنا پڑا کہ حضرت علیؓ کی خلافت برائے نام سے زیادہ نہ تھی۔ ہمیشہ خلفائے ثلاثہ کے متقدمین میں گھرے رہتے اور بدستور قدرت کے فقدان اور سختیوں کی غلامی اور بے وفائی کی شریکیت کرتے رہتے تھے۔ الخ (مجالس المؤمنین ص ۵۲)

حضرت خلفائے ثلاثہؓ کی فتوحات ملک گیری کے تحت
 محرمہ جنگ میں تبلیغی فرقہ

نہ تھیں محض تبلیغ اسلام کی خاطر تھیں۔ اپنے امراء و کمانڈروں کو تاکید و صیایہ کے ساتھ بھیجتے تھے۔ مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب شام

کی طرف لشکر روانہ فرمائے۔ جن پر امیر حضرت یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص اور شریک بن حسنہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ وداعہ تک ان کے ساتھ پیدل چلے کہ ان قدموں سے اپنی خطاؤں کو بخشتاؤں۔ پھر وہیت کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ پاک سے ڈرتے رہنا۔ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ جن لوگوں نے اللہ کے دین سے انکار کیا ہے ان سے جہاد کرنا۔ اللہ اپنے دین کا مددگار ہے۔ غدار ہی نہ کرنا۔ امانت میں خیانت نہ کرنا۔ بزدلی نہ کرنا۔ زمین میں فساد نہ پھیلانا اور جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اس کے خلاف نہ کرنا۔ تمہارا اگر تقویٰ الہی مشرک قوموں سے سامنا ہو جائے تو انہیں تین باتوں کی دعوت دینا۔ اگر مان لیں تو جنگ سے رک جانا۔ اولان کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر اسلام اختیار کر لیں تو ان کے اسلام کو قبول کرنا الخ (حیۃ الصحابہ ج ۱ ص ۲۱۹ ازہیقی وابن عساکر ج ۹ ص ۸)

حضرت عمر بن خطابؓ نے فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ لوگوں کو تین دن تک اسلام کی دعوت دینا۔ جو شخص مسلمان ہو جائے اس کے لیے وہ تمام منافع ہیں جو دیگر مسلمانوں کے لیے ہیں اور اسلام میں ان کا حصہ ہے اور جس نے تمہارا کہا لڑنے کے بعد یا شکست کھانے کے بعد مانا اس کے لیے مسلمانوں جیسا فائدہ نہیں ہے۔ یہی میرا حکم ہے اور خط لکھنے سے عرض۔ (حیات الصحابہ ج ۲ ص ۲۲۲)

خلفاء اربعہ کا ذاتی خوبیوں میں تقابل

شجاعت | بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شجاع تھے۔ اور روایات مخازی کی روشنی میں عہد نبوی کی سب جنگوں میں ڈیڑھ دو درجن کے قریب آپ کے ہاتھوں کفار مقتول ہوئے۔ جو شہیدین کے مقتولوں سے زیادہ ہیں۔ اپنی جگہ جہاد میں قتل کفار واقعی ثواب کا کام ہے۔ لیکن ایک کافر کو کلمہ پڑھوا دینا اس سے زیادہ کارِ ثواب اور اسلام کی مفید خدمت ہے۔ کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ کا کلمہ پڑھتے ہی حضرت عثمانؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ عبد الرحمن بن عوفؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ۔ عثمان بن مظعونؓ۔ ابوسلمہؓ۔ ارقم بن ارقمؓ جیسے اکابر صحابہؓ کو حلقہ گزشتہ اسلام کرا دینا اور مسلمانوں کی جماعت بنا دینا اس سے زیادہ

افضل نہ تھا؟ بقول سعدیؒ ہے

وگر خفیہ دل بدست آوری ازاں بہ کہ صدرہ لبخوں بری

مدارِ فضیلت توجہ گلوں میں شرکت - ثابت قدمی اور جرات ہے - بالفعل قتل کرنا تو
الفاظی ہے - حضرت ابوذر غفاری - حضرت سلمان فارسی - ابوالدرداء جیسے عند الشیخہ کامل الایمان
صحابہؓ سے بھی اس کا ثبوت مشکل ہے - اور اشجع الناس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف
ایک شخص نیزہ نبویؐ سے خراش کی وجہ سے بطور مجزہ قتل ہوا -

قرن نامی ایک شخص نے احد میں بروایت ابن ہشام ۹ آدمیوں کو قتل کیا - مگر بالآخر
خودکشی کر لی - حسب روایت بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ مرفوعاً حضرت خالد بن ولیدہ سیف اللہ کے
ہاتھ سے غزوہ موتہ میں فتح ہوئی اور مؤرخین کے بیان کے مطابق آپ کے ہاتھ میں ۹ تلواریں
موتہ میں ٹوٹیں - اور بلاشبہ ان کے ہاتھوں کفار زیادہ قتل ہوئے - نحوہ از ابی عامر مذکور
طبقات بن سعد ج ۲ ص ۱۳۱

معلوم ہوا کہ مقتولوں کی کثرت مدارِ فضیلت نہیں - بلکہ مجموعی طور پر اوصافِ خاصہ
ہیں - جرات صدیقی کے متعلق حضرت علیؓ فرماتے ہیں - لوگو! میں تم سے بیان کروں کہ ہم سب
زیادہ بہادر کون ہے - ؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں جب غزوہ بدر ہوا تو ہم لوگوں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جھونپڑا بنایا - اور ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا؟ ایسا نہ ہو کہ مشرکین میں سے کوئی آپ کی طرف آئے پس
خدا کی قسم اس کام کے لیے آپ کے قریب کوئی نہ آیا سوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کہ یہ
تلوار سونت کر آپ کے سر ہانے کھڑے ہو گئے جب کوئی آپ کی طرف آنے کا قصد کرتا یہ
اس کی طرف جھپٹ کر جاتے - یہ تمام لوگوں میں سے زیادہ بہادر تھے - اس کے بعد حضرت علیؓ
نے بدر کا پورا واقعہ بیان کیا - (کنز فی المنتخب ج ۵ ص ۲۴)

احد کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو قتل کرنا چاہا - مگر حضورؐ نے فرمایا
تلوار میان میں کر کے اپنی جگہ واپس آ جاؤ اور اپنی ذات سے ہمیں نفع پہنچاؤ (كشف الغمہ ص ۲۵۳)
مکی زندگی میں تنہا کفار کے زمرے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھڑانا اور تکالیف

سہنا پہلے مذکور ہو چکا ہے جو جبرأت کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ ہجرت کے موقع پر حکیم خداوندی حضورؐ کا حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لینا۔ اور رفاقت غار کے علاوہ سب سفر میں تنہا آپؐ کی حفاظت فرمانا۔ صدیقی جبرأت ہی کا خاصہ ہے۔ مولانا غلام رسول مہر ”رسولِ رحمت“ میں رقم طراز ہیں۔

”کاشانہ مبارک سے نکل کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جن کا مکان مکہ مکرمہ کے جنوبی حصے میں تھا۔ شہر سے جنوبی سمت میں چل پڑے۔ چھ میل کے فاصلے پر نور نامی پہاڑ تھا جس کے اندر (بہت اونچائی پر) ایک بڑا غار تھا راستہ سخت پتھر والا اور کٹھن تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے بچانے کیلئے تھوڑی دورت تک کندھوں پر بٹھالیا۔ چلتے وقت وہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتے گویا چاہتے تھے کہ ہر سمت سے حضورؐ کی حفاظت میں اپنی جان قربان کر دیں۔ غار کے دھانے پر پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ پہلے خود داخل ہوئے اور غار کو خوب صاف کیا۔ اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر تمام سوراخ بند کیے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ اس غار میں رسول کریمؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے تین دن اور تین راتیں گزاریں۔“

ساتھ وفات نبویؐ پر جب صحابہ کرامؓ فطرحم سے بے حال ہو رہے تھے۔ جبرأت صدیقی نے وہاں بھی رہنمائی کی۔ جب مرتدین۔ منکرین زکوٰۃ۔ مسیلمہ کے پیروکار اور منافقوں کی سازشوں سے بڑے بڑے اکابر ہر اس سال ہو گئے تو جبرأت صدیقی اور عزم صاحب رسولؐ ہی نے تنہا مقابلے کی ٹھانی اور فرمایا خدا کی قسم اگر مجھے درندے نوح و ایلین تب بھی میں اسامہؓ کے لشکر کو باہر جانے سے نہ روکوں گا۔ چنانچہ سب صحابہؓ کے حوصلے بلند ہو گئے اور تمام مشکلات پر مکمل فتح پائی۔

جبرأت فاروقی جہانِ مکہ مجھے علم ہے چھپ کر کی سوائے حضرت عمرؓ کے کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنی نوا رکھے میں لشکری اور اپنے کندھے پر کمان رکھی اور اپنے ہاتھوں

ان کو قتل کیا اور وہاں شہداء صدمہ

میں نکال کر تیر لیے اور بیت اللہ کے پاس آئے۔ سردارانِ قریش اس کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے بیت اللہ کا پورا طواف کیا پھر مقامِ ابراہیم پر نفل پڑھ کر ایک ایک مشرک کے پاس آئے اور کہا یہ چہرے ذلیل ہو جائیں گے جس کا ارادہ ہو کہ اس کی ماں اسے ناپید کر دے اور اولادِ یتیم ہو جائے اور اس کی بیوی رائد ہو وہ مجھ سے اس وادی کے پرے ملے۔ ایک بھی ان میں سے حضرت عمرؓ کے پیچھے نہ گیا۔ (منتخب کنز العمال ج ۲ ص ۳۸)

جنگِ بدر میں حضرت عمرؓ نے مشہور بہادر پہلوان اپنے ماموں العاص بن ہشام بنہ المغیرہ بن مغیرہ۔ برادر ابو جہل عمرو بن ہشام۔ کو قتل کیا (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۴۸) پھر کوئی پہلوان آپ کے سامنے آتا ہی تھا۔ جنگِ احد میں حضرت عمرؓ نے ابوسفیان سالارِ لشکر کو صرف پتھروں سے مار بھگایا۔ (سیرت النبیؐ ج ۱ ص ۳۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ساتھ گھاٹی ہی میں تھے کہ اسی اثنا میں قریش کے کچھ لوگ پہاڑ پر چڑھ آئے۔ بروایت ابن ہشام ان چڑھنے والے سالاروں کے سالار خالد بن ولید تھے۔ آخر حضرت عمرؓ بن خطاب اور مہاجرین کی ایک جماعت نے زبردست مقابلہ کر کے انہیں پہاڑ سے اتارنے پر مجبور کر دیا۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۵۳ وطبری ص ۲۱۱)

احد میں چند اور صحابہؓ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمرؓ بھی حضورؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شناخت کر لیا تو آپ مسلمانوں کے ساتھ ہو لیے اور ایک گھاٹی کی طرف چلے گئے۔ اس وقت ابوبکر صدیقؓ و عمر بن خطاب۔ علی بن ابی طالب۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ زبیر بن عوام۔ حارث بن صمہ اور دوسرے مسلمانوں کا گروہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۵)

اور حیاتِ القلوب مجلسی ج ۲ ص ۳۶۶ کی ایک طعن آمیز روایت سے شیخین کی ثابت قدمی کا اعتراف ہے۔ غزوہ خندق میں حضرت عمرؓ کو حضورؐ نے جس حصے پر متعین کیا تھا۔ اور آج وہاں ایک مسجد بھی آپ کے نام کی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے زبیرؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی (طبری ص ۲۵۲ الفاروق ص ۹۵) اسی جنگ میں عرب کے مشہور پہلوان ضرار سعدی کا تقاب کر کے حضرت عمرؓ نے

اس جنگ میں عمرو بن ود جو عرب کا مشہور پہلوان اور ۹۰ برس کا تھا۔ حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے بطور تحقیر کہا تھا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپؑ نے فرمایا میں تو لڑوں گا۔ چنانچہ جوابی حملے میں اسے ڈھیر کر دیا۔

جرات عثمانی | حضرت عثمانؓ کا اسلام کی خاطر کفار مکہ سے مظالم سہنا۔ حدیبیہ کے موقع پر تنہا۔ سفارت کے فرائض سرانجام دینا۔ قید ہو جانا مگر حضورؐ کے بغیر طواف سے انکار کرنا۔ بلوایوں کے ہاتھوں شہادت پا جانا مگر خلع خلافت نہ کرنا۔ اور باوجود حضرت معاویہؓ کے اصرار پر حرم مدینہ اور حوالہ نبویؐ کو نہ چھوڑنا آپؐ کی جرات ایمان اور اخلاص پر کھلے دلائل ہیں۔

الغرض تمام غزوات میں ان حضرات نے شہرت کی۔ لیکن قتل کے واقعات کم پیش آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات بہ نسبت حضرت علیؑ کے عمر تھے۔ حضور علیہ السلام ان سے سپاہیانہ خدمات لینے کے بجائے بطور وزیر و مشیر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اور خصوصی محافظ بھی ہوتے تھے۔ جیسے خود حضرت علیؑ نے حضرت حسن و حسینؑ سے جنگ جمل و صفین میں جنگی خدمات کم لیں۔ ہر ممکن تحفظ کی کوشش کی۔ بدر میں حضرت ابو بکرؓ و عیشیہؓ میں آپؐ کے باڈی گارڈ رہے۔ حضرت عثمانؓ آپؐ کے فرمان کے مطابق حضرت زبیرؓ کی تیمارداری میں مدینہ میں رہے۔ اور آپؐ نے ان کو تعلیمت اور ثواب کا پورا حصہ دلایا۔ احادیث میں حضرت ابو بکرؓ کی محافظانہ حیثیت رہی اور حضورؐ نے عام حملہ سے روک رکھا۔ ہاں حضرت عمرؓ نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ متعدد غزوات میں حضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو سپہ سالار بھی بنایا۔ بخاری ج ۲ ص ۶۱۲ کتاب المغازی میں سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے کہ ۹ جنگی سربراہیں حضورؐ کے بھیجے ہوئے لشکر میں تھیں۔ علیہما صۃ ابو بکر و صۃ اسامہ۔ کبھی حضرت ابو بکرؓ کو امیر لشکر بنایا اور کبھی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو۔ "امشد علی الکفار۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں الٹ دیں اور نصف معلوم دنیا کو فتح کر کے لا الہ الا اللہ کا جھنڈا گاڑ دیں۔ اس میں زیادہ کمال ہے یا بافضل و چار کافروں کو قتل کرنے میں زیادہ بہادری ہے۔ کیا بادشاہ و وزیر یا جنرل

کی کامیابی صرف اسی میں ہے کہ وہ سپاہی کی حیثیت سے دوچار قتل خود کریں۔ خدا متبرحق کو غفل دے۔

شجاعت کے اثرات میں تقابل | حضرت علیؓ تلوار سے اس قدر رعب اور اصلاحی کام نہیں کر سکے جس قدر حضرت عمرؓ نے درہ ہاتھ

میں رکھنے سے کیا۔ اپنی خلافت کے دوران حضرت عمرؓ تلوار کے بجائے صرف درہ ہاتھ میں رکھتے تھے۔ مگر آپ کے رعب و دبدبہ سے انتظام حکومت بھی ٹھیک تھا اور بڑے بڑے بادشاہ بھی تھرتھرتے تھے۔ ادھر سیدنا علیؓ ذو الفقار ہاتھ میں لے کر چل و صفین میں کشتیوں کے پشتے لگا رہے ہیں مگر مخالف کو اپنے مقصد میں کام کر دینا تو کجا خود آپ کے فوجی بھی درست نہیں رہتے۔ نہ آپ کے کنٹرول میں رہ کر اطاعت و وفاداری کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ تمنا کرتے ہیں کہ کاش معاویہ میرے دس دس سپاہیوں کے بدلے میں ایک ایک سپاہی دے دیتا تو بیچ الیہ یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ چند ناموں کے سوا شیخین کا کسی سے مقابلہ یا قتل کفار و ایات

میں نہ ملنا۔ بالکل نفی کی دلیل نہیں ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر مقتول کا نام دیتے ہم تک بھی پہنچے۔ حضرت علیؓ کے مقتولین کے بھی ابن ہشام نے درجن سے کچھ زاد نام بتائے ہیں حالانکہ قتل ان سے کچھ زیادہ ہوئے ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ مشہور کلیہ کے مطابق عدم ذکر شئی عدم وجود شئی کو مستلزم نہیں۔ دراصل شیعہ حضرات کا مذہب ہی صحابہ کرامؓ پر طعن و تبرابازی ہے وہ کسی طرح حملہ کا بہانہ تلاش کرتے ہیں۔ ورنہ۔ حضرت طلحہ۔ زبیر۔

ابو عبیدہ بن الجراح۔ سعد بن ابی وقاص۔ عبدالرحمن بن عوف وغیرہم رضی اللہ عنہم ہجرت اور جنگی خدمات میں حضرت علیؓ کے ہمسر رہے ہیں۔ ان کے مقتولوں کی تعداد بھی بکثرت ہے۔ احد کے نازک موقع پر حضورؐ کی خدمت میں۔ حضرت سعد۔ طلحہ اور ابو عبیدہ یقیناً حضرت علیؓ سے بھی آگے ہیں جیسا کہ سیرت کے طالب علم پرہیزی نہیں ہے۔ پھر کیوں شیعہ ان کی ہلاکت، خدمات بلکہ ایمان کا بھی اعتراف نہیں کرتے اور کوستے رہتے ہیں؟

درحقیقت شیعہ کو صحابہ کرامؓ سے بعض یا چند حضرات سے دعویٰ القت اس بنا پر ہے ہی نہیں کہ ان کی اسلام کی اشاعت اور نصرت پیغمبرؐ میں خدمات کم و بیش ہیں۔ بلکہ اس

کے برعکس وہ محبت و نفرت کا معیار حضرت علیؑ کی خلافتِ بلا فصل کو بناتے ہیں۔ ان کے خیال میں تین چار حضرات حضرت علیؑ کے خواہاں تھے۔ حالانکہ یہ وہم ہی ہے۔ وہ انہی کو مومن مانتے باقی سب کو بے ایمان (العیاذ باللہ) مانتے ہیں۔ خواہ وہ اسلام کے کتنے بڑے خادموں ہوں۔ یا پیغمبرِ اسلامؐ کے قریب ترین رشتہ دار ہوں۔

بلاشبہ حضرت علیؑ صحابہ کرامؓ میں بلند پایہ عالم ہیں۔ مگر حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ آپ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ بلکہ زائد تھے۔ اس پر چند شہادتیں علم میں موازنہ

علم صدیقی | ۱۔ حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کوئی صاحبِ حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے تو جواب دیا کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما ان کے علاوہ مجھے کسی دوسرے کا علم نہیں۔ (ابن سعد ج ۴ ص ۱۵۱)

۲۔ قاسم بن محمد نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ عثمان و علی رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ (ایضاً ابن سعد)

۳۔ سہل بن ابی غنیمہ نے بیان کیا ہے۔ وہ حضرات جو حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ تین نفر مہاجرین میں سے تھے اور تین نفر انصار میں سے۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمان حضرت علیؓ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہم (ابن سعد ج ۴ ص ۱۵۱)

۴۔ حضرت عائشہؓ سے ایک روایت میں ہے اور انہوں نے پوری حدیث بیان کی۔ ایسا نہیں ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے کسی نقطہ میں اختلاف کیا مگر میرا باپ اس کے میدان اور اس کی فصل تک ضرور اڑا۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں دفن کیے جائیں گے۔ ہم نے کسی کے پاس اس کا علم نہیں پایا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں کہ جس کو کسی جگہ وفات دی گئی ہو مگر وہ اس کی وفات کی جگہ دفن کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کی میراث کے بارے میں اختلاف کیا تو کسی کے پاس اس کا علم نہیں پایا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ہم انبیاءؑ کی جماعت ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں

بنایا جاتا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ (حیات الصحابہ ج ۳ از نبوی ابن عساکر ۲۹۲)
 ۵۔ علامہ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

مالغین زکوٰۃ سے نبرد آزما ہونے میں تنازعہ ہوا تو آپؐ نے نص کی روشنی میں
 حضرت عمرؓ پر اس کی حقیقت واضح کی۔ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ اہمین
 اگر خدا نے چاہا تو تم خانہ کعبہ میں کامل امن و امان سے داخل ہو گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضورؐ
 کے اس ارشاد کی تشریح کی تھی کہ اپنے بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ وہ دنیا و آخرت
 میں سے جسے چاہے پسند کر لے (کہ وہ حضورؐ کی ذات تھی) وکان ابو بکر اعلمنا حضرت ابو بکرؓ
 ہم نے زیادہ عالم تھے۔ (از انسؓ در بخاری)

حضرت ابو بکرؓ نے صحابہؓ کو بتایا کہ کلام کہتے ہیں حضرت علیؓ نے بھی آپؐ سے استفادہ
 کیا تھا۔ بہت سے علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اعلم الصحابہؓ
 تھے۔ منصور بن معافؓ نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے بعد حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی پیروی
 کرو۔ (ترمذی)،

۷۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضورؐ کے ساتھ دوران سفر بہت سے مسلمان تھے۔ آپؐ نے
 فرمایا اگر لوگ ابو بکرؓ و عمرؓ کی اطاعت کریں گے تو راہِ راست پر قائم رہیں گے۔ آنحضورؐ سے
 مروی ہے کہ آپؐ نے ابو بکرؓ و عمرؓ کے حق میں فرمایا۔ جب تم دونوں کسی بات پر متفق ہو
 جاؤ گے میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ جب
 وہ کتاب و سنت میں کوئی نص نہ پاتے تو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے قول کے مطابق فتویٰ
 دیتے تھے۔ (بحوالہ المنتقی ص ۴۲۱-۴۲۸)

۸۔ صحیحین کی حدیث میں ہے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تھا اللہ کی قسم میں ان لوگوں
 سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں درکن کے لحاظ سے، فرق کریں گے۔ شیخ ابوالسحاق الفراءؒ
 وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب زیادہ عالم تھے۔ اس مسئلہ کا حل صرف آپؐ
 نے بتلایا اور صحابہؓ نے اتفاق کیا۔

۹۔ حضورؐ کا حضرت ابوبکرؓ کو امام نماز بنانا افضلیت اور اعلم ہونے کی دلیل تھی کیونکہ آپؐ کا ارشاد ہے۔ لوگوں کو وہ نماز پڑھائے جو ان سے زیادہ کتاب اللہ پڑھنے والا ہو۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں ابوبکرؓ ہوں ان میں سے کسی اور کو جماعت کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ آپؐ ہی سب سے زیادہ سنت نبویؐ کے عالم تھے جیسے صحابہ کرامؓ مثلاً۔ وہ مواقع میں آپؐ کی طرف رجوع کرتے اور آپؐ سنت نبویؐ ان پر ظاہر کرتے اور ایسے مسائل جانتے تھے جو صحابہ کرامؓ کو معلوم نہ ہوتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۹)

۱۰۔ آپؐ کا تفوق علمی اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سقیفہ کے دن اپنی فی البدیہہ تقریر میں کوئی چیز جو قرآن میں انصار کے فضائل میں اتاری نہ چھوڑی اور نہ کوئی ایسی حدیث جو حضورؐ نے انصار کے بارے میں فرمائی تھی مگر سب کا تذکرہ کیا۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۶ والہیٹی ج ۵ ص ۱۹۱)

۱۱۔ عمدہ جاہلیت کے علوم۔ علم الانساب۔ علم تعبیر الرءیا اور خطابت میں جب آپؐ سب سے زیادہ عالم تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۴) تو علم شریعت جو صحبت نبویؐ کا عکس تھا اور آپؐ کو شرف صحبت سب سے زیادہ ملا تھا۔ اس میں آپؐ سب صحابہؓ سے بڑے عالم کیوں نہ ہوں۔

حضرت عمرؓ کا علم | ۱۔ بخاری و مسلم میں مرفوع حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے خواب میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا وہ میں نے پی لیا یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخوں میں ظاہر ہونے لگا جو پچ گیا وہ میں نے عمرؓ کو دے دیا۔ صحابہؓ نے عرض کی آپؐ نے اس کی کیا تعبیر ارشاد فرمائی۔ فرمایا دودھ سے مراد علم ہے۔

۲۔ ترمذی میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوگا تو حضرت عمرؓ ہوتے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

۳۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اجم سابقہ میں علم موجود تھے۔ اگر میری امت میں کوئی علم برآوردہ عمرؓ ہیں۔ (المفتی صاحب)

۴۔ یہ اسی الہامِ اصابتِ رائے اور فراستِ ایمانی کا اثر تھا کہ دو درجن کے قریب احکام اور قرآنی آیات اتریں۔ جیسے آپؐ نے خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ۹۶
۵۔ بروایت ابو وائل حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمرؓ کا علم نرازدو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے تو حضرت عمرؓ کا علم ان سب کے علم سے وزنی ہوگا۔ وکیعؒ کہتے ہیں۔ میں نے ابراہیم نخعیؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا خدا کی قسم حضرت عبداللہؓ نے اس سے بھی بڑھ کر بات کہی ہے۔ کہ بے شک ۹ حصے علم کے اٹھ گئے جس دن سے حضرت عمرؓ نے وفات پائی۔ (طبرانی و بیہقی ج ۹ و حاکم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے بے شک حضرت عمرؓ اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کے پڑھنے والے تھے اور اللہ کے دین کے بارے میں ہم سب سے زیادہ سمجھدار تھے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۶۹)

۶۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا گو یا کہ لوگوں کا علم حضرت عمرؓ کے ساتھ قبر میں دفنایا گیا۔ (حیۃ الصحابہ ج ۳ ص ۲۹۳ از ابن سعد)

۷۔ مدینہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فقہا کا ان کے پاس بچوں جیسا حال تھا۔ ان سب پر حضرت عمرؓ فقہ اور علم میں غالب تھے۔ (ایضاً از ابن سعد)

۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ جب تک نیکیوں کا ذکر ہوگا تو حضرت عمرؓ کو مبارک کسی جائے گی۔ بے شک عمرؓ ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے اور اللہ کے دین کے زیادہ سمجھدار تھے۔ (طبرانی)

۹۔ حضرت علیؓ سے آپؐ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ آپؐ میں خنگی۔ فراست و ہوشیار علم اور شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۵)

۱۰۔ حضرت قتیبہ بن جابرؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم میں نے حضرت ابو بکرؓ سے بہتر اور

رعایا پر شفیق کوئی نہیں دیکھا۔ اور میں نے حضرت عمرؓ کے سوا کتاب اللہ کا بڑا عالم۔ اللہ کے دین کا بڑا سمجھ دار۔ اللہ کی حدوں کو زیادہ قائم کرنے والا۔ اور لوگوں کے دلوں میں زیادہ بازعب نہیں دیکھا اور حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر زیادہ حیا والا نہیں دیکھا (ابن الاثیر رحمہ اللہ)۔
علم عثمانی جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

۲۔ آپ سے زیادہ تر احادیث حضرت زید بن خالد جہنی ابن الزبیر۔ سائب بن زید۔ انس بن مالک۔ زید بن ثابت۔ سلمہ بن الاکوع۔ ابوامامہ باہلی۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ عبد اللہ بن مقفل۔ ابوقنادہ اور ابوہریرہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین فاضل صحابہؓ نے روایات کی ہیں۔ اور تابعین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔

۳۔ ابن سعد نے حضرت عبدالرحمن بن ابی حاتمؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ کے صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر زیادہ مکمل اور بہتر طریق پر حدیثیں بیان کرنے والا نہیں دیکھا۔ مگر یہ کہ حدیث بیان کرنے سے آپؐ ڈرتے بہت تھے۔ (مبادا الفاظ حدیث میں کمی بیشی ہو جائے)۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۶)

غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ و علیؓ وغیرہ فقہاء صحابہؓ کی یہ نسبت آپؐ سے احادیث کم مروی ہیں۔ کم گوئی اور شدت حیا کا ان چیزوں پر اثر پڑ کر رہا۔ ورنہ علم میں آپؐ کم نہ تھے جیسے۔ ۴۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ مناسک و مسائل حج کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (ایضاً ص ۱۶)

۵۔ اور آپؐ کے فقہی فیصلے بدستور شیخینؓ کے ہم پلہ تھے۔ جیسے عبیدہ بن عبد اللہ بن عتبہ حضرت ابن عباسؓ کی مدح میں فرماتے ہیں... کہ میں نے کسی کو حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو جاننے والا نہ دیکھا (از ابن سعد ج ۴ ص ۱۸۳۔ حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۲۹۹)

۶۔ آپؐ کے علم میں کون شک و شبہ کہ کتاب ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی مدح یوں فرمائی ہے۔

”ایا وہ شخص جو رات بھر سجدے اور قیام میں اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا اور خدا کی رحمت کا امیدوار ہے۔ آپ فرمائیے کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں؟ بلاشبہ عظیمہ ہی نصیحت بچڑتے ہیں (زمرع ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عثمانؓ کے حق میں نازل ہوئی (اترہ فی الواحدی والحاکی والفضائل) ریاض النضر فی مناقب العشرۃؓ ۱۳۶ احلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۶

حضرت علیؓ کے علم کی بھی ایک جھلک ملاحظہ کر لیں۔
علم رضوی ۱۔ آپ بھی حضورؐ کے زمانے میں مفتی تھے۔

۲۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تو یہ پایا کہ ان کا علم چھ حضرات پر ختم ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو الدرداءؓ، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ پھر ان سب کا مار حضرت علیؓ و عبداللہ بن مسعودؓ پر ہے (حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۲۹۶)

۳۔ طبرانی کی ایک مرفوعہ حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہؓ کی شکایات کے جواب میں ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا میں نے تیری شادی اس سے کی ہے جو سب سے پہلے اسلام لائے والا اور بڑا عالم ہے اور بڑا بردبار ہے۔ (حیات الصحابہؓ ج ۲ ص ۲۹۵)

۴۔ کوفہ کے باشندوں سے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے۔ خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں اتاری جس کو میں نہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں اتاری اور کہاں کن لوگوں کے متعلق اتاری ہے۔ بے شک میرے رب نے مجھے سمجھا دیا اور فصیح زبان عطا فرمائی ہے۔

۵۔ یحییٰ بن سعید بن المسیبؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ اس مشکل مسئلہ کے لیے بناہ مانگتے تھے جس کے لیے ابوالحسن (حضرت علیؓ) موجود نہ ہوں۔ (از ابن سعد حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۲۹۵)

(نوٹ) خلفاء اربعہؓ کے علم و فضل پر اور بھی کئی شہادتیں مل سکتی ہیں جو آدمی فیصلہ نہ کر سکے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور تمام صحابہؓ کو حکم مقرر کر لے حضور نے جن کو امام نماز بنایا۔ اور اپنے بعد پیروی کا حکم دیا اور سب صحابہ کرامؓ نے ان پر اتفاق کیا۔ وہی افضل اور بڑے عالم ہیں۔

عبادت میں موازنہ | حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ آپؐ نے ایک لشکر بھیجا جو بڑی جلدی
 فتح پا کر بہت بڑی غنیمت کے کمر واپس آگیا کسی نے کہا یا رسول اللہ
 اس سے زیادہ غنیمت والا اور جلدی لوٹنے والا ہم نے لشکر نہیں دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کیا میں
 تم کو نہ بتلاؤں کہ جو لوٹنے میں ان سے بھی زیادہ سربلح ہو اور غنیمت میں ان سے زیادہ۔ وہ وہ
 آدمی ہے جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا۔ پھر سجدہ کا قصد کیا اور اس میں صبح کی نماز پڑھی پھر
 اس کے بعد نماز چاشت ادا کی وہ لوٹنے میں زیادہ سربلح رہا اور غنیمت میں بہت بڑا۔ اور
 ایک روایت میں ہے کہ وہ آدمی حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ (حیات النبیؐ ج ۳ ص ۵۱)

۲۔ حضرت یحییٰ بن سعیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شروع رات میں وتر پڑھتے اور
 جب آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو دو دو رکعت کر کے پڑھتے۔ (ایسا پڑھنا افضل ہے)
 (ابن ابی شیبہ)

۳۔ حضرت ابوبکرؓ کا مکہ میں گھر کے سامنے چوترا بنا کر نماز پڑھنا۔ سوز و گداز سے
 قرآن پڑھنا اور رونا حتیٰ کہ مشرکین کی عورتوں اور بچوں کا اسلام کی طرف مائل ہونا اور کفار کا
 شکایت کرنا۔ تکالیف دینا۔ پھر ابن دغنے کا پناہ دینا مگر حضرت کا واپس کر دینا۔ کتب سیرت
 سے حوالہ کی حاجت نہیں۔

۴۔ حضرت سہل بن سعدؓ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ نماز میں اپنی کسی جانب التفات
 نہیں کرتے تھے۔ (مختب الکثر)

۵۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب سورۃ منزل کا پہلا حصہ نازل ہوا تو صحابہ کرامؓ
 قریب قریب رمضان کے مہینے کے (ناسخ) قیام کے قیام کرتے تھے۔ اور اس سورۃ کے شروع و
 اخیر میں سال بھر کا فاصلہ تھا۔

۶۔ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے حضرت عمرؓ کی ایک بیوہ سے محض اس لیے شادی کی
 کہ ان سے رات کی نماز کا پوچھیں۔ وہ فرماتی ہیں۔ حضرت عمرؓ عشاء کی نماز پڑھتے پھر حکم دیتے
 کہ ہم ان کے سر ہانے پانی سے بھر کر پتیل کا گھڑا رکھ دیں۔ وہ رات کو بیدار ہونے تو اپنا ہاتھ پانی
 میں ڈالتے اور اپنے چہرے اور ہاتھ پر پھیرتے۔ اس کے بعد اللہ کا ذکر کرتے رہتے جب تک

ذکر کرنا چاہتے۔ پھر اس طرح کئی دفعہ بیدار ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ ساعت آجاتی جس میں یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ (طبرانی رجالہ، ثقات)

۸۔ حضرت سعید بن المسیبؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب رات کے جگر یعنی وسط میں نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔ (کنز)

۸۔ حضرت اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب جب تک اللہ چاہتا کہ وہ نماز پڑھیں وہ نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ جب ادھی رات ہوتی تو اپنے اہل کو نماز کے لیے بیدار کرتے پھر ان سے کہتے الصلوٰۃ اور یہ آیت پڑھتے۔ وَأَمَّا أَهْلُكَ بِالصَّلَاةِ سَعَى الْعَاقِبَةِ لِلتَّقْوَىٰ تَكْمَلُ (آخریہ ملک والبیہقی)

۹۔ حضرت عبداللہ بن شدادؓ نے فرمایا۔ میں نے صبح کی نماز میں حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنی۔ میں آخری صف میں تھا۔ آپ سورہ یوسف پڑھتے تھے اور اس آیت پر پہنچے اِنَّا اشْكُوا بِشَى وَحَنًا فِی الْاِلَٰهَةِ۔ میں تو صرف اللہ سے اپنے حزن و غم کی شکایت کرتا ہوں۔ (عبدالرزاق وابن ابی شیبہ)

۱۰۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے ان کے رونے کی آواز تین صفوں کے پیچھے سے سنی لی۔ (البلخیم فی الحلیہ)

۱۱۔ حضرت عثمانؓ تو گویا رئیس العابدین تھے۔ ہر روایت ابن عمرؓ آیت امن ہو قانت اِنَّا الْبَلِيلُ سَاجِدٌ وَقَدْ اِنَّا الْحَکِیْمُ وہ شخص جو رات کے اوقات میں سجدے اور قیام میں عباد کرتا ہے کا نزول حضرت عثمانؓ کی شان میں بیان ہو چکا ہے (وکنذافی حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۶)

۱۲۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان لائے اور اچھے اعمال بجالائے پھر متقی رہے اور مومن رہے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی۔ اللہ کی کریموں کو پسند کرتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۵۶)

۱۳۔ حضرت ابن عمرؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راوی ہیں کہ حضرت عثمانؓ ہیری امت میں سب سے زیادہ جبار اور شریف ہیں۔ (ایضاً)

۱۴۔ نیز حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قریش کے تین آدمی سب سے زیادہ حسین سب سے

زیادہ خوش اخلاق اور سب سے بڑے حیا دار ہیں۔ اگر آپ سے بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں گے۔ اگر آپ ان سے بات کریں تو آپ کو نہیں جھٹلائیں گے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عثمان بن عفان۔ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ (ایضاً)

۱۵۔ زہیمہ کہتی ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عمر بھر روزے رکھتے تھے اور معمولی نیند کے سوا سب رات عبادت میں کھڑے رہتے۔

۱۶۔ عبد الرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ آج میں مقام ابراہیم پر قابض ہو کر عبادت کروں گا جب میں عشاء کی نماز پڑھ کر مقام ابراہیم پر گیا تو ایک شخص نے میرے کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا۔ وہ عثمان بن عفان تھے۔ فاتحہ شروع کی اور پڑھتے ہی پڑھتے سارا قرآن ختم کر دیا۔ پھر رکوع اور سجدہ کر کے (دور رکعت پوری کیں اور) جوتا لے کر چلے گئے۔ مجھے معلوم نہیں اس سے پہلے کچھ پڑھایا نہیں۔

۱۷۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور نائلہ زوجہ عثمان رضی اللہ عنہوں سے فرماتی تھیں۔ اگر تم ان کو قتل کر دیا جھوٹا بہر حال یہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھتے اور پوری رات لگاتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۵۶)

۱۸۔ مسروق نے اشتر نخعی سے کہا تھا۔ کیا تم نے عثمان کو قتل کیا؟ ظالمو! تم نے صائم الدبر اور قائم اللیل کو قتل کیا۔ (ایضاً)

۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹ میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے تھے جو علم عمل۔ روزہ۔ تنہج۔ استقامت۔ جہاد فی سبیل اللہ اور صلہ رحمی کے جامع ہوتے ہیں۔ اللہ وافض کا ستیا ناس کرے۔

۲۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لوگوں کی شکایت کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ لوگو! علی رضی اللہ عنہ کی شکایت نہ کرو۔ بخدا وہ اللہ کی ذات میں خوب ڈرنے والے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۶۸)

۲۱۔ امام زہری حضرت زین العابدین سے بروایت حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے۔ میں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سحری کے وقت سوئے ہوئے تھے۔ تو حضور ہمارے پاس آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کیا تم نماز (تنہج) نہیں پڑھتے؟

میں نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! ہماری جان اللہ کے قبضے میں ہے۔ جب وہ اٹھانا چاہے تو اٹھادیتا ہے۔ حضورؐ واپس ہو گئے اور جواب نہ دیا۔ میں نے سنا کہ جاتے وقت فرماتے تھے اور ہاتھ ران پر مارتے تھے کہ انسان بڑا جھگڑا لو ہے۔ (حدیث الاولیاء ص ۶۸)

۲۲۔ حکایات صحابہؓ ص ۶۹ پر ہے کہ حضرت علیؓ کی عادت تشریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آجاتا تو بدن میں کنگی آجاتی اور چہرہ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور پہاڑوں پر اتارا تو وہ اس کے تحمل سے عاجز آگئے۔ اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔

۲۳۔ ابواسحاق سہدانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب رمضان کی پہلی رات میں (عبادت کے لیے) نکلے۔ قنیلین روشن تھیں۔ کتاب اللہ کی تلاوت کی جا رہی تھی تو حضرت علیؓ نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تیری قبر کو منور کر دے جس طرح پرکہ تو نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن سے منور کر دیا ہے۔ (کنز فی السنن ج ۴ ص ۲۸۴)

سناوت میں موازنہ | اس وصف میں بھی ہم بجا طور پر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بڑھ کر کسی کی سناوت و فیاضی اور ایثار مالی نہیں ہے۔ حاتم طائیؓ کے قصے ان کے مقابلے میں لاشعہ ہیں۔ ان کی فیاضی اور زہد و قناعت پر ایک شیعہ عالم محقق جیلانی نے کیا خوب شہادت دی ہے۔

انہا نفوس خود را از اموال باز داشتند
و ثبوت زہد در دنیا پیش گرفتند و رغبت بدینا
و زینت آنرا ترک کردند و قناعت با قلیل و
اکل خشن و لباس کرباس ملک خود ساختند در
حالتیکہ اموال برائے ایشان حاصل و دنیا رو
کردہ بود و آن را در میان قوم خود قسمت میکردند
و خود را با آن اصلاً آلود نمی کردند (فتح السبل ج ۱)
ترجمہ۔ تینوں خلفائے نے اپنے آپ کو مال دنیا سے
علیحدہ رکھا اور دنیا میں زہد کا طریقہ اختیار کیا
اور دنیا کی طرف رغبت اور اس کی زینت کو ترک
کر دیا اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنا اور بوٹا
کھانا اور ٹماٹ پھنسا اختیار کیا جس وقت کہ
مال ان کے لیے موجود تھے اور ان لوگوں پر
تقسیم کرتے تھے اور اپنے کو اس کے ساتھ آلودہ
نہ کرتے تھے۔

تفسیر آیات قرآنی ص ۱۳۸

۱۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم میں سے آج کون روزہ سے ہے۔ ابو بکرؓ نے کہا میں ہوں۔ فرمایا کہ تم میں سے کسی نے جنازہ کو اوداع کیا ہے۔ ابو بکرؓ نے کہا میں ہوں نے جنازہ پڑھا ہے۔ پھر آپؐ نے دریافت کیا کیا تم میں سے کسی نے صدقہ دیا ہے ابو بکرؓ نے کہا میں نے صدقہ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس شخص میں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں وہ جنتی شخص ہے۔

۲۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو بکرؓ کے مال سے جس قدر مجھے نفع پہنچا دوسرے کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔ (صحیحین)

۳۔ بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”صحبت اور رفاقت اور انفاق مال کے اعتبار سے ابو بکرؓ میرے سب سے بڑے محسن ہیں اور اگر میں کسی کو سوائے اللہ کے مقام غلت سے نوازتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلامی اخوت و محبت قائم ہے مسجد نبویؐ کی طرف کھٹنے والی کھڑکیاں بند کر دی جائیں مگر ابو بکرؓ کی کھلی رہے۔“ (ص ۶۵۳)

۴۔ ترمذی و ابوداؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے مجھیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ میرے پاس ان دنوں مال کافی تھا۔ میں نے کہا آج میں ابو بکرؓ سے بڑھ جاؤنگا چنانچہ میں نے آدھا مال لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا بال بچوں کے لیے کیا باقی چھوڑا میں نے کہا اس کے برابر۔ حضرت ابو بکرؓ گھر کا تمام اثاثہ لے آئے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا۔ گھر میں کیا باقی چھوڑا؟ عرض کیا خدا اور رسولؐ کا نام ہے

پروانے کو شمع ہے بلبل کو پھول بس صدیق کے لیے ہے خدا و رسولؐ بس
حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے کہا اس کے بعد میں کبھی ابو بکرؓ کا مقابلہ نہیں کروں گا۔

۵۔ ابن عساکر و ابن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ جس دن ایمان لائے تو ۴۰ ہزار دینار یا ۴۰ لاکھ کے مالک تھے۔ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور غلاموں کے آزاد کرانے پر۔ خرچ کر دیئے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی کہتے ہیں کہ اسلام کے دن حضرت ابو بکرؓ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ جب ہجرت الی مدینہ کی تو صرف پانچ ہزار تھے جو سب ساتھ لے لیے تھے۔ اور یہ سب مال غلاموں کو آزاد کرنے اور خدمت اسلام میں صرف کیے۔

۶۔ ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے سات وہ غلام آزاد کرانے جو سب اللہ کے رستے میں عذاب پاتے تھے (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۳۳) حضرت بلالؓ وغیرہ کی آزادی کا ذکر حیات انقلوب، کشف الغمہ وغیرہ کتب شیعہ میں بھی ہے۔

۷۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے ذمہ کسی کا احسان نہیں ہے مگر ہم اس کا بدلہ اتار چکے ہیں سوائے ابو بکر صدیقؓ کے کہ ان کا ہم پر احسان ایسا ہے جس کا بدلہ اللہ قیامت کے دن دیں گے مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا ابو بکرؓ کے مال نے (ایضاً ص ۳۸)

۸۔ حضرت اشماؓ کا بیان ہے کہ ہجرت کی رات ۵، ۶ ہزار دہم کا تمام مال آپ لے کر مدینہ چلے گئے۔ میں نے اس کی جگہ پتھر رکھ دیا اور داد ا جان کا ہاتھ لگا کر نسلی دی۔ وہ خوش ہوئے کہ تمہارے لیے خرچ چھوڑ گئے۔ حالانکہ آپ سب کچھ ساتھ لے گئے تھے (حیات الصحابہ ص ۱۸۴ ابن اسحاق)

۹۔ فتح مکہ سے پہلے بھی ایک دفعہ ہم ہزار کا سب مال حضورؐ پر خرچ کر دیا تھا اور حضرت جبریلؑ نے بواسطہ پیغمبرؐ آپ کو اللہ کا سلام پہنچایا اور یہ کہ آپ اس فقر پر راضی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں راضی ہوں (البیہیم فی حلیہ ج ۷ ص ۱۵۷)

۱۰۔ عمیر بن سلمہ دہلی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک دیہاتی عورت آئی۔ اپنی مسکنت اور بچوں کا اظہار کیا۔ آپ نے اُٹا سے بھری ہوئی بوری اور تیل اس کو دیا۔ پھر فرمایا ہم سے خیبر میں ملنا۔ چنانچہ وہ خیبر میں ملی تو آپ نے دو بوری اور منگوا کر دیں۔ (حیات الصحابہ ج ۲ ص ۱۹)

۱۱۔ اسلم مولیٰ عمرؓ فرماتے ہیں۔ بازار میں حضرت عمرؓ کو ایک نوجوان چھوٹے بچوں والی بیوہ عورت ملی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ گھر گئے۔ اپنے مضبوط پیٹھ والے اونٹ پر دو بڑے بڑے تھیلے غلے کے بھر کر لادے اور ان کے پیچ میں اور سامان خرچ اور کپڑا رکھا پھر اس کی تکمیل عورت کے ہاتھ میں بکڑا کر فرمایا۔ اسے پیچ لے جا ختم نہ ہو پائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور بھیج دے گا۔ زیادہ دینے پر ایک شخص نے تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا اس کا باپ حدیبیہ میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ خدا کی قسم میں نے اس عورت کے بھائی اور باپ کو دیکھا جنہوں نے ایک قلعہ کا عرصہ تک محاصرہ کیا۔ پھر ہم لوگوں نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ (حیات الصحابہ ج ۲ ص ۱۹۱)۔ (بخاری و بیہقی)

۱۲۔ حضرت اسلم مولیٰ عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زیادہ نیچہ کار اور فیاض و سخی حضرت عمرؓ سے بڑھ کر نہیں پایا (بخاری ص ۵۲۱)

۱۳۔ امیر المؤمنینؓ ایک دفعہ رات کو شہر کی چوکیداری کر رہے تھے۔ ایک جگہ معلوم ہوا کہ ایک عورت حالت بے ہوشی میں گرا رہی ہے۔ فوراً گھرائے۔ اپنی اہلیہ حضرت ام کلثومؓ بنت فاطمہ و علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا۔ اور تیل بگڑ۔ گھی۔ غلہ وغیرہ بھی ساتھ لے لیا۔ حضرت ام کلثومؓ نے زچہ و بچہ کو سنبھالا اور آپ نے ہانڈی میں کھانا تیار کیا۔ جب ام کلثومؓ سے بچہ پیدا ہونے کی بشارت سنی تو بہت خوش ہوئے۔ سب کو کھلا پلا کر گھر واپس ہوئے تو مالک خانہ سے فرمایا کل آنا۔ تمہارے لیے مستقل وظیفہ کا بند و بست کیا جائے گا۔ (حکایات صحابہؓ ص ۱۸۵)

۱۴۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ حبش عسہ (غزوہ تبوک) کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے سات سو اوقیہ سونا دیا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ (سورایوس کے متعلق) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار سواریاں دی تھیں جس میں پچاس گھوڑے تھے (باقی اونٹ) حسن کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ساڑھے نو صد اونٹ اور پچاس گھوڑے دیئے۔ یار اوی نے اس طرح کہا ۵۰ اونٹ اور تیس گھوڑے غزوہ تبوک میں دیئے۔ (کنز افی المنتخب ج ۵ ص ۱۳)

۱۵۔ حیات الصحابہؓ ج ۲ ص ۱۸۶ پر ہے کہ حضرت عثمانؓ نے لشکر (۳۰ ہزار) کے تہائی مسلمان کا غزوہ تبوک میں خرچ برداشت کیا تھا۔ یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ لشکر والوں کی کوئی حاجت باقی رہی جو انہوں نے پوری نہ کر دی ہو۔ اسی صفحہ پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ۱۰ ہزار دینار آپؐ کی خدمت میں بھیجے جو حضورؐ ان کو ہاتھ سے اٹھتے پٹھتے تھے۔ کبھی دونوں ہاتھوں کی پشت ظاہر ہوتی اور کبھی ہتھیلیاں۔ اور آپؐ دعا دے رہے تھے۔ اے عثمان! اللہ تیرے ہر اس گناہ کو جو تو نے چھپ کر یا علانیہ یا باطن میں کیے ہیں

اور جو کچھ کہ قیامت تک ہونے والے ہیں۔ اللہ حضرت فرما دے عثمانؓ کو کوئی پرواہ نہیں اگر اس کے بعد کوئی عمل نہ کرے۔ (منتخب ج ۵ ص ۱۲)

- ۱۶۔ حضرت عثمانؓ کو چھ مرتبہ آپؐ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ ۱۔ جب حبشہ عترت کو تیار کیا۔ ۲۔ جب مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع کرائی۔ ۳۔ جب پیر و مہم جو دی سے خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ ۴۔ جب اپنے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ کی توسیع کرنی چاہی تو فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایسا ہی گھر بنائے گا۔ ۵۔ جب آپؐ نے حضرت عثمانؓ پر بلوے اور شہادت کا ذکر کیا تو فرمایا۔ انہیں جنت کی بشارت ہو۔ ۶۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ مرتبہ اصحاب عشرہ مبشرہ بالجنتہ میں تیسرے نمبر پر آپؐ کا نام لیا۔ (صحیح ستہ)

۱۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ طبعاً فیاض تھے۔ اور ناداری کے باوجود صدقہ کرنے اور غرباء کو کھانا کھلانے کے کئی واقعات ملتے ہیں لیکن تعلقاً ثلاثہ ان مشترکہ اوصاف کے علاوہ گزشتہ بالا واقعات میں منفرد ہیں۔ خدا داد کثیر مال سے جو خدمت اسلام اور اعانت پیغمبر ان کے مقدر میں آئی اور تحریک اسلام کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اس کا جواب نہیں۔ بے شک ایک غریب یا مزدور کا دن بھر کی کمائی ساری یا کچھ اللہ کی راہ میں دینا کامل فیاضی ہے لیکن ایک امیر کا سالوں کی سب کمائی یا نصف ثلث کو اللہ کی راہ میں دینے کا حوصلہ کرنا اور اس المال بھی نہ چھوڑنا اس سے زیادہ فیاضی اور جگر گردے کا کام ہے۔ حضرت علیؓ شروع سے نادار تھے۔ آپؓ کے ذاتی و خانگی اخراجات بھی خود حضور علیہ السلام اٹھاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے سے افضل ہوتا ہے۔

نوشت است برگور بہرام گور۔ کہ دست کرم بہ ز بازوی زور

امانت بلاشبہ حضرت علیؓ امین تھے۔ اور کفار کی امانتیں۔ خواہ وہ مناع دنیوی کفار کی حلال کمائی تھی یا حرام کی۔ حضور علیہ السلام آپؓ کے سپرد کر گئے تھے۔ اور آپؓ نے ماکوں کو پہنچائیں۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ سے مقابلہ کی کیا نسبت۔ آپؓ کے پاس اللہ کی وہ عظیم ترین امانت تھی اور اس کی حفاظت فرما رہے تھے جس کے قدموں پر ساری دنیا و مافیہا قربان کی جاسکتی ہے۔

اور وہ امانت انصار مومنین کے سپرد کی گئی جن سے محبت کرنا عین ایمان ہے۔ اور نفرت رکھنا نفاق و کفر ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۹ پر قصہ اہل بخران میں ہے۔ انہوں نے آپ سے کہا ہمارے ساتھ اپنا امین نمائندہ بھیجیں حضور نے فرمایا میں ایسا امین بھیجوں گا جو امانت کا حق ادا کرے گا یعنی لو اکرے گا۔ صحابہ کرام غم منظر ہونے لگے تو آپ نے ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو کھڑا کر کے فرمایا ہذا امین ہذا الامت۔ یہ اس امت کے امین ہیں۔ کفار و کفار جہالت میں خلفاء ثلاثہ کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے۔ ابن دغنیہ نے حضرت ابو بکرؓ کو مکہ واپس لاتے ہوئے کہا تھا ابو بکرؓ تیرے جیسا آدمی نہ نکلی سکتا ہے نہ نکالا جاسکتا ہے۔ کیونکہ آپؐ نادار کو مکہ کر دیتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مہمان نواز ہیں۔ مصائب آنے پر لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔ واپس جائیں میں آپؐ کو پناہ دیتا ہوں۔ (الحزب بخاری ج ۲ ص ۵۵۲)

حضرت سیدہ خدیجہؓ نے پہلی وحی کے دن حضور علیہ السلام کے بھی یہی اوصاف بیان کیے تھے۔ بخاری

قارین کرام! ہم نے قدرے بسط سے معترض کے ذکر کردہ اوصاف حسنہ میں نہایت اختصار سے موازنہ کر دیا۔ اگر کسی کے متعلق فرد گزشت ہوئی تو ائمہ مدح فرمائے۔ دراصل اس موازنہ کے ہم اہل ہی نہیں۔ یہ صرف اللہ و رسولؐ کا کام تھا۔ انہوں نے جس کام اور منصب کا جسے مستحق بنا وہ کام لیا۔ اور خدا کی طرف سے ایمان۔ اخلاص۔ صداقت اور رحمت و کامیابی کی سندیں پائی والے صحابہ کرامؓ نے بالترتیب ان کے درجات پر اتفاق کیا۔ اور وہ حضرات خلفاء راشدینؓ کو ہم سے بہت بہتر جانتے تھے۔ تو انہی کا فیصلہ برحق ہوا۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

ہم اس بحث کا خاتمہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس اقتباس پر کرتے ہیں۔

” رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے ولی عہد کا معاملہ کرنا تو اس کے دلائل میں کہ حضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ کے سپرد امامت نماز کی جب تک کہ اس کے موقع پر آپ قبیلہ عمر بن عوف میں گئے تھے اور مسلمانوں کی فوجیں شہر سے باہر آگئی تھیں۔ اور اس موقع پر نماز کے علاوہ لشکر کا نگران بھی حضرت ابو بکرؓ کو بنایا۔ نیز مرض و وفات میں حضرت ابو بکرؓ کو امام نماز بنایا اور یہ تواتر بالمعنی ہے۔ اور ۹ھ میں ابو بکرؓ کو امیر حج بنایا اور چند بار غزوات میں بھیجا۔ مسلمانوں کے معاملات میں مجتہد حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ کو بعض غزوات میں امیر لشکر بنایا نیز یدیرہ کے صدقات کا عامل (ڈپٹی کلکٹر) بنایا حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ کی طرف حدیبیہ کے فوائد کے لیے سفیر بنایا حضرت

رازا انہ انصار و جہا



باب ہشتم

عقیدہ امامت پر ردہ تہمت نبوت کا انکار ہے

سوال ۲۱۔ کیا کوئی روایت بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابن داؤد، نسائی ان کے علاوہ مشکوٰۃ اور موطا امام مالک یعنی ان آٹھ کتابوں میں مل سکتی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن امام حسین، امام علی زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی الرضا، امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری، امام احمد، احقر، الحضر والزمان علیہم السلام، البسنت والاعت کے بارہ امام ہیں اگر نہیں تو اپنے بارہ اماموں سے ہم بنائیں جبکہ حضور نے فرمایا۔

عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يزال الاسلام عزيزا الى اثني عشر خليفة كلهم من قريش (مشکوٰۃ کیا آپ کے بارہ امام وہی تو نہیں جن کا تذکرہ تاریخ الخلفاء اور شرح فقہ الکبریٰ پر درج ہے۔ ارے ان میں تو چھٹا یزید بن معاویہ ہے۔ اس فرمان رسول من مات ولم یحور۔ امام زمانہ فقد مات میتة جاهلیتہ (منصب امامت میں) غور سے پڑھا اور سمجھ کر فیصلہ دیں۔

الجواب۔ ابن داؤد کسی کتاب کا نام نہیں۔ ابوداؤد نام ہے جو صحاح ستہ البسنت میں شامل ہے۔ افسوس کہ جو شخص البسنت کی صحاح ستہ کے نام نہیں جانتا وہ البسنت پر اعتراضات کرتا ہے بلکہ سابق سنی عالم ہونے کا مدعی ہے۔ اس نکتے جھوٹے اور پر فریب دعویٰ کی حقیقت اسی سے نمایاں ہے

اہل سنت کا معیار امامت اس حدیث کا مضمون ۱۲ خلفاء کی تعبیر سے قبل ہم اس حقیقت کو ملحوظ رکھیں کہ لفظ خلافت پر متعلق اس حدیث کو مترس اپنے فاسد مذہب اور عقیدہ امامت پر کیسے مطبق کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ حالانکہ سنی نقطہ نظر سے خلافت اور عند الشیخہ تصور امامت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ البسنت کے ہاں خلافت و

امامت ایک انتظامی عہدہ ہوتا ہے۔ جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پروری سے آپ کی جانشینی و حکمرانی کا نام ہے۔ خلیفہ نہ نبی سے افضل یا اس کے مساوی ہوتا ہے۔ نہ وہ مستقل مطاع اور نبی کی طرح مفترض الطاعت ہوتا ہے۔ نہ وہ حلال و حرام کرنے میں خود مختار ہوتا ہے۔ نہ اس پر وحی آتی ہے نہ وہ قرآن پاک اور سنت نبوی کے علاوہ کسی تیسری وحی یا آسمانی کتاب و ہدایت کا حامل ہوتا ہے نہ اس کے لیے عصمت شرط ہے۔ نہ اس سے اختلاف کفر ہے نہ اس کے نام کا کلمہ ہے۔ نہ اس کی تعلیم تعلیم نبوی کے متوازی ہے۔ نہ اس کے نام کی الگ امت بنام شیعہ فلاں ہوتی ہے۔ نہ اس کا نام بطور ورود و استعانت استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ امام و خلیفہ کا منصب صرف اس قدر ہے کہ وہ شرائط خاصہ کے تحت اس کا اہل ہو۔ اشارۃً لقص اختلاف نبوی یا انتخاب عامہ کے تحت اس عہدہ کو سنبھالے۔ اور حکومت و طاقت کے ذریعے قرآن و سنت کو نافذ کرے۔ اور انتظام مملکت کو سرانجام دے۔ تمام جائزہ امور میں اس کی اطاعت ضروری ہے اور مخالفت و انکار حرام ہے۔ اہلسنت یہاں ایسے منظم شرعی خلیفہ مقتدر کے لیے یہ شرطیں۔

۱۔ مسلمان ہو۔ ۲۔ عاقل و بالغ ہو۔ ۳۔ مرد ہو۔ ۴۔ متکلم اور سمیع و بصیر ہو۔ ۵۔ مجتہد ہو۔ ۶۔ بہادر اور صاحب الرائے ہو۔ ۷۔ عادل و منصف ہو۔ ۸۔ قریشی النسب ہو۔ ۹۔ علی قول الاصح کتابت بھی شرط ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

مذکورہ بالا سنی حدیث اسی قسم کے خلفاء کی پیشینگوئی پر مبنی ہے۔

شیعہ کے ۱۲ امام ہرگز مراد نہیں | اس حدیث کا شیعہ کے ۱۲ ائمہ کے ساتھ نہ کوئی تعلق ہے نہ ان کی امامت کے تصور کی قرآن و سنت میں کوئی گنجائش

ہے۔ کیونکہ وہ منصب رسالت کے متوازی اور ختم نبوت کے عین برعکس ہے۔ امامیہ حضرات کے اس عقیدہ کا حاصل یہی ہے کہ کوئی شخص قرآن و سنت کی تشریح سے آزادی حاصل کر کے امامی خود ساختہ شریعت پر عمل کا دعویٰ کرے جائے۔ اگرچہ وہ عملاً اس کا تارک اور ہوئی نفس کا پیروکار ہو۔ ہم یہاں شیعہ کی سب سے مستند اور عظیم مذہبی کتاب۔ اصول کافی کے کتاب الحجۃ سے شیعہ امامت کا تعارف کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے ختم نبوت کے منکر ہونے پر شک و شبہ نہ رہے۔

۱۔ امام بھی نبی کی طرح مرسل من اللہ ہوتا ہے | باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث میں ہے۔

... راوی نے پوچھا کہ امام کا مقام کیا ہے؟ تو امام یا قرآن نے فرمایا۔

بِسْمِ الصَّوْتِ وَلَا يَرَى وَلَا يَعَيْنُ الْمَلِكُ
فَقَدْ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مَنْ رُسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ وَلَا مَحْدَثٍ (کافی ص ۱۶۹)

امام فرشتہ سے وحی کی آواز سنتا ہے مگر مشاہدہ
اور مابینہ نہیں کرتا یہ پھر یہ آیت پڑھی کہ ہم نے
تم سے پہلے کوئی رسول، نبی اور محدث (امام) نہیں
بھیجا۔

اس باب میں تین اور ایسی حدیثیں بھی ہیں جن میں ”محدث“ کے عنوان سے امام کو بھی
مرسل من اللہ اور مضبوط فرشتہ تسلیم کیا ہے اور سورت حج کی آیت محولہ میں ”ولا محدث“ کا
اضافہ کر کے تحریف کی ہے۔

اہل حق شیعہ کے برخلاف ان احادیث سے یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ امامت نبوت سے کم تر
رتبہ ہے۔ کیونکہ نبی و رسول فرشتہ وحی کو دیکھتا بھی ہے اور امامت کو نبوت سے افضل کہنا قرآن کریم
اور احادیث ائمہ کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (انعام ۸۰)
ہر ایک پیغمبر کو ہم نے سب جہانوں پر فضیلت دی۔

۲۔ امام بھی پیغمبر کی طرح تجلے اللہ ہے | باب ان الارض لا تخلوا من حجة میں ہے۔ امام
علی رضا فرماتے ہیں۔

ان الحجة لا تقوم لله على خلقه الا
بامام حتى يعرف (کافی ص ۱۶۹)

امام کے بغیر اللہ کی حجت مخلوق پر نہیں ہو سکتی
حتیٰ کہ اس کا پہچانا ضروری ہے۔

حدیث ہذا میں حصر کے ساتھ حجة اللہ کو امام میں محدود کر دیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا
ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اللہ پاک یہ منصب صرف پیغمبروں کو عنایت فرماتے ہیں۔

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لَمَّا يَكُونُ
لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء ۴۴)

ایسے رسول (جو) خوشخبری دینے والے (بھی) تھے
اور ڈرانے والے بھی تاکہ ان کے آنے کے بعد

کوئی حجت باقی نہ رہے (ترجمہ مقبول)

۳۔ امام پر ایمان اور تمام دینی امور اسکی طرف لوٹنا ضروری ہے

امام جعفر فرماتے ہیں کہ جو شخص ہم اہلبیت کے امام کو نہیں مانتا

فانما یعرف و یعبد غیر اللہ ہکذا بلاشبہ وہ غیر اللہ کو مانتا اور بنجدہ غیر اللہ کی

واللہ صنلا لا۔ گمراہی سے عبادت کرتا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى

اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (نساء ۸۶)

پھر اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑو تو اسے

اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو بشرطیکہ تم اللہ

اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

معلوم ہوا کہ اولی الامر سے اختلاف کی صورت میں صرف خدا اور رسول ہی فیصلہ آخری

نہجت اور مرجع عوام ہیں۔ اگلے بعد امام ہونا تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

۴۔ پیغمبر کی طرح امام کی اطاعت بھی فرض ہے

باب فرض طاعتہ الامام میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ یقول نحن قوم

فرض اللہ طاعتنا۔ امام ابو عبد اللہ فرماتے ہیں ہم وہ قوم ہیں کہ اللہ نے ہماری اطاعت فرض کر دی ہے۔

حالانکہ قرآن پاک میں سیلوں مقامات پر یہ جملہ آیا ہے۔ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ

کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی۔ صرف ایک مقام پر اولی الامر کی اطاعت کا ذکر

ہے مگر وہ بھی ضمناً اور تبعاً ہے۔ کہ ان سے اختلاف کی صورت میں خدا اور رسول کی طرف رجوع

اور ان کی اتباع کرنی ہوگی پس عہدہ خدا اور رسول کی اطاعت پر ہی جنت کا وعدہ اور مخالفت پر

جہنم کی جگہ جگہ وعید سنائی گئی ہے۔ البتہ ایک مقام پر مخالفت رسول کے ساتھ سبیل مؤمنین کی مخالفت

پر جہنم کی وعید سن کر اجماع امت کی حقانیت پر دلیل دی ہے۔ نیز یہ ارشاد صرف اتباع نبوی کو فرض

قرار دیتا ہے۔ مَا اَنَا لَكُمْ رَسُوْلٌ فَخُذُوْهُ وَاَمَّا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر ۱) جس بات

کا تم کو رسول حکم دیں مانو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ

۵۔ ائمہ ہی اللہ کی شریعت کے والی اور اسکے علم کا خزانہ ہیں | کافی کے اس باب کا ترجمہ ہے۔ باب ان الائمة ولاية

امر اللہ و خزانة علمہ۔ نیز امام جعفر کی یہ حدیث ہے۔ ہم اللہ کی شریعت کے مالک۔ اس کے علم کا خزانہ اور اس کی وحی کا شاک ہیں۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ ہمارے عبادت کرنے سے اللہ کی عبادت کی گئی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی۔ ۱۹۳۔

حالانکہ یہ منصب صرف پیغمبروں کا ہے۔ اور ایسے واضح تعلق امیر الائمة علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک میں نہیں ملتے نہ وہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ... اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبُهْدُهُمْ اُتْقَدَرُ۔ (انعام ۱۰۶)

نے تو یہ ان لوگوں کے سپرد کی ہیں جو ان کے منکر نہیں ہیں وہ وہی تو ہیں جن کو اللہ نے راستہ دکھلایا ہے پس اسے رسول تم ان ہی کے راستے پر چلو (ترجمہ مقبول ۱۶۵)

مذکورہ بالا دعاوی اور منکبرانہ الفاظ منصب نبوت میں شرکت کے دعویٰ اور نفوذ و خود پسندی پر صریح دال ہیں۔ سمرنا غلام احمد قادیانی تو ایسے لفظ بول سکتا ہے۔ مگر ہم ائمہ اہلبیت کی طرف انہیں ہرگز منسوب نہیں کر سکتے۔

۶۔ ائمہ اللہ کا نور ہیں | اس نام کے باب میں ہے کہ امام ابوالحسن سے اللہ کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا گیا۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ (توبہ ۲۴)

کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو مونہوں سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور یعنی امامت کو پورا کرنے والا ہے اور امامت ہی نور ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرَ الَّذِيْ اَنْزَلْنَا نُوْرًا مَّامِتًا عَلٰیٰ پُر اِيْمَانٍ لِّلّٰو۔ (کافی ۱۹۶)

حالانکہ سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں نور اللہ سے مراد اللہ کی توحید ہے۔ اس کے تمام اور غلبے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر شیعہ نے اس سے وہ امامت مراد لے لی جسے عبد رسول میں بھی بقول شیعہ کسی نے تسلیم نہ کیا۔ بعد از رسول تو صراحت سے غضب کر لی گئی اور اس نور خدا امام کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا۔ (جلاء البیون ص ۱۲) اور اس منصب کو آپ کی اولاد سے ایسے دور رکھا گیا کہ وہ نور خدا آج ۱۲۵۰ سال سے ایک نامعلوم غار میں غروب ہو چکا ہے اور وعدہ خدا فی آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ (العیاذ باللہ)

یہ تو نور مصطفیٰ کا بیان ہوا۔ اگر ائمہ کے نور اللہ ہونے سے ان کی ذوات کا غیر شرع اور نورین نور اللہ ہونا مراد ہو جیسے عامہ شیعہ کا آج کل یہ عقیدہ ہے۔ نور شرک صریح ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے یہ اعلان کروائیں **هَلْ كُنْتُ الْاَبَشَرُ اَسْؤَلًا**۔ نہیں ہوں میں مگر ایک انسان رسول **قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ اِلَيَّ**۔ فرمائے بلاشر میں تمہارے جیسا آدمی ہوں مگر مجھے وحی آتی ہے تو آپ کی بشری اولاد میں سے ۱۲ حضرات کیسے غیر شرع اور نور اللہ بن جائیں؟

۷۔ ائمہ نبوت کا درخت اور ضبط ملائکہ میں | کافی ص ۲۲ میں ایک باب کا عنوان ہے۔ باب ان الائمة معدن العلم و شجرة

النبوة و مختلف الملائكة۔ امام جعفر صادقؑ نے اپنے شاگرد خثیمہ سے فرمایا۔ ہم نبوت کا درخت ہیں۔ رحمت کا گھر ہیں حکمت کے خزانے ہیں علم کی کان ہیں۔ رسالت کی جگہ ہیں۔ فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہیں۔ اللہ کے بھید کی جگہ ہیں۔ ہم اللہ کے بندوں میں اس کی امانت ہیں۔ ہم اللہ کا حرم اکبر ہیں اللہ کا ذمہ۔ اللہ کا عہد ہیں جس نے ہم سے عہد پورا کیا اس نے اللہ سے عہد پورا کیا۔ جس نے ہم سے بد عہد ہی کی اس نے اللہ سے بد عہد ہی کی۔

۸۔ ائمہ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں | کافی باب النوادر ص ۱۲ میں ہے۔ امام باقرؑ فرماتے ہیں۔ ہم ہی اللہ کی حجت ہیں۔ اس کا

دروازہ ہیں۔ اس کی زبان ہیں۔ اس کا چہرہ ہیں۔ اس کی آنکھ ہیں۔ ہم اللہ کے بندوں میں معاملات کے سرپرست ہیں۔ اور ایک روایت میں امیر المؤمنین علیؑ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں اللہ کی آنکھ ہوں۔ اس کا ہاتھ ہوں۔ اس کا پہلو ہوں۔ اس کا دروازہ ہوں۔

”انہ منہ میاں مٹھو بننا“ اسی کو کہتے ہیں۔ ہم تو پیغمبروں کی ذات و صفات میں شرکت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ خیر سے خدا بھی وحدہ لا شریک لہ نہ رہا اور اس کے بھی ہاتھ۔ آنکھ۔ پہلو زبان و خیر با اعضا تسلیم کر کے آمنہ ان پر قابض ہو گئے۔ حالانکہ اس کا ارشاد ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ اس کے مانند کوئی شئی نہیں۔ تعجب ہے اگر الگ وجود فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانا جائے تو اللہ پاک ”وَجَعَلُوا لَہٗ مِنْ عِبَادِہٖ جُزْآءً ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ حَیْثُ ۙ“ کفار نے اللہ کے بندوں کو اس کا ہرزہ بنا لیا۔ بلاشبہ انسان کھلا کافر ہے۔ سے کفر کا کھلا فتویٰ دیں اور آمنہ کو خدا کے اجزاء مانا جائے تو اسلام بن جائے؟

۹۔ آمنہ عالم الغیب ہیں | کافی میں ایک باب کا عنوان یہ ہے۔ آمنہ حجب علم غیب چاہتے ہیں غیب معلوم کر لیتے ہیں۔ ایک کا عنوان یہ ہے۔ ”آمنہ ماکان وما یكون یعنی گزشتہ و آئندہ تمام باتوں کا علم جانتے ہیں۔ ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔“ ۲۶۱ اور اس میں یہ حدیث ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ میں ضرور جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ میں جانتا ہوں جو کچھ جنت میں ہے جو کچھ دوزخ میں ہے۔ میں جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا۔ حالانکہ ایسا قول اور ایسا عقیدہ قرآن کی بیسیوں آیات کی تردید اور خاصہ خداوندی میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ جیسے اس کا ارشاد ہے وَ اللّٰہُ عَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پ۱۔ آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ کو ہے۔ وَ عِنْدَکَ مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُہَا اِلَّا ہُوَ غیب کے خزانہ اور کنجیاں اسی کے پاس ہیں ان کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ پ۲ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے۔ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبُ اِلَّا اللّٰہُ۔ پ۳۔ آپ فرمائیں آسمان و زمین کی کوئی مخلوق علم غیب نہیں جانتی سوائے اللہ کے۔

۱۰۔ آمنہ موت و حیات میں مختار ہیں اور اپنی موت کا وقت جانتے ہیں | اس عنوان کے باب ۲۵۸ میں یہ حدیث ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جو امام یہ نہ جانے کہ اسے کیا تکلیف آئے گی اور اس کا کیا انجام ہوگا تو وہ خدا کی مخلوق پر اس کی محبت اور امام نہیں ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ غیوبِ خمسہ میں فرماتے ہیں۔ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ (تفان)
 کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ وہ کب کس زمین میں مرے گا۔ نیز ارشاد ہے فَبِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا
 جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْفِلُونَ (الاعراف ۴۲)

ارشادِ قرآنی کے مطابق جب کوئی اپنے انجام اور موت کا وقت نہیں جان سکتا تو اعتراف
 امام کے مطابق۔ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی بندوں پر حجتِ خداوندی نہیں۔

باب ان الائمة و در ثوا علم النبی و جمیع
 ۱۱۔ ائمہ پیغمبروں کے ساتھ علم میں مساوی ہیں۔ (الانبیاء ۲۲۳) پر ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث بنے اور حضرت محمدؐ
 سلیمانؑ کے اور ہم حضرت محمدؐ کے وارث بنے اور ہمارے پاس تورات، انجیل، زبور اور الواح
 موسیٰؑ کی تبتیان کا بھی علم ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدمؑ سے تاحضورؐ
 سب پیغمبروں کی سنتیں یعنی انبیاء کے تمام علوم عطا فرما دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 صیر ذلك كله عند امير المؤمنين (تمام حضرت امیر المؤمنین کے سپرد کر دیئے۔

(یعنی حضرت علیؑ بعد لوازم نبی بن گئے،
 علیہ السلام ۲۲۲)

باب فیہ ذکر الصحیفة والجفر والجامعة
 ۱۲۔ ائمہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں | و مصحف فاطمة علیہا السلام میں ہے۔

کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہمارے پاس جامدہ ہے۔ جس کا ٹولے حضورؐ
 کے ذراع سے بگڑے ہے۔ اس میں تمام مخلوق کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں حلال و حرام کا بیان
 ہے اور ہر وہ چیز ہے جس کی ضرورت رامت کو ہوگی۔ حتیٰ کہ خراش اور طمانچے سے زخم کی
 بھی دیت مذکور ہے۔ جعفر کے متعلق فرمایا ہے وہ ایک بڑا مخزن ہے جس میں تمام دنیا اور مینا
 اور بنی اسرائیل کے علماء کے علوم ہیں اور یہ اتنے مقبر نہیں ہیں۔ پھر فرمایا۔ ہمارے پاس مصحف
 فاطمہ بھی ہے۔ وہ ایسا قرآن ہے جس میں تمنا سے اس قرآن جیسے سہ گنا احکام ہیں۔ خدا کی قسم
 اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ (۲۳۹)

جیسا راہ بیان - تنبیہ کے آئینے کتاب اور سنت کے برعکس مذکورہ بالا اخیالی کتب پر
 ہی اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے اور قرآن سے اس قدر جھڑپ ہے کہ اپنی طرف اس کی نسبت
 بھی نہیں کرتے۔ مخاطبین کی طرف (قرآن کم) کی نسبت کرتے ہیں اور جس مصحف کی اپنی طرف
 نسبت کرتے ہیں اس میں قرآن کے ایک حرف نہ ہونے کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ سبحان اللہ
 باب مولد النبی ص ۳۹ میں ہے۔

۱۳۔ آئمہ حلال و حرام میں مختار ہیں | وفوض احوالہم اللہ پاک نے اہلبیت کو

فہم یحلون ما یشاؤن ویحرمون ما یشاؤن ولن یشاء الا ان یشاء اللہ
 پیدا فرما کر تمام مخلوق کے امور ان کے سپرد
 کر دیے پس وہ حلال کرتے ہیں جو چاہتے ہیں اور
 حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہے۔

حضور خاتم الشریعت والنبیین کے بعد اس منصب کا کسی کو مختار ماننا شریعت محمدی پر خط
 کھینچنا ہے۔ نیز قرآنی تعلیم میں یہ عمدہ حقیقت پیغمبروں کا بھی نہیں بلکہ شائع و محل و محرم صرف
 اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کی طرف مجاز صرف ہاں معنی نسبت کی جاتی ہے کہ وہ وحی علی یا خفی کے
 ذریعے مناجات اللہ حرمت و حلت کو بیان فرماتے ہیں۔ جیسے ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ
 اے نبی آپ کیوں وہ چیز حرام کرتے ہیں جو اللہ
 نے آپ کے لیے حلال کی۔ (تحریم آیت ۱)

اور اصول کافی باب الشکر ص ۳۹۸ پر آیت اِنۡخُذُوا۟ اٰجَادَہُمْ وَوُہِبَا۟نَہُمْ لَاۤ اِبَاۡا۔ کہ
 نصاریٰ نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا بنا لیا۔ کے متعلق ہے کہ تجذا انہوں نے نصاریٰ کو اپنی عبادت
 کی طرف نہیں بلایا۔ و لکن احلوا لہم حراما و حرما علیہم حلالا فعدوہم من حیث
 لا یشعرون۔ لیکن انہوں نے ان کے لیے کئی چیزیں ار خود حلال اور حرام کر دیں اور وہ
 غیر شعوری طور پر ان کے گویا عبادت گزار بن گئے۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۴۵)

۱۴۔ آئمہ و رہبہ میں حضور کے مساوی یا افضل ہیں۔ | کتاب الحج کے ایک باب میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال ما جاءہ علی
 امام جعفر صادق فرماتے ہیں جو شریعت علیؑ لائے

أخذها وما نها عنه انتهى عنه جرى
 له من الفضل ما جرى لمحمد ولمحمد
 الفضل على جميع من خلق الله عز وجل
 المتعقب عليه كالمتعقب على الله ورسوله
 والوارد عليه في صبغة أو كبرى على حق
 الشك بالله كان أميداً لمؤمنين باب
 الذي لا يؤتى الأمانة وسبيله الذي
 الأمان سلكه بغير هلاك وكن لك يجرى
 الأمانة الهدى واحد البعد واحد -
 (اصول کافی ص ۲۲۵ طبع کتب اچھی)

ہیں میں وہ لیتا ہوں جس سے وہ روکیں رکنا
 ہوں۔ آپ کا وہی مرتبہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
 کا ہے آپ کو تمام مخلوق پر برتری ہے حضرت علی
 پر اعتراض کرنے والا خدا و رسول پر اعتراض کرنے والا
 ہے کسی چھوٹی شہرہ بات کو آپ پر رد کرنے والا اللہ
 کے ساتھ گویا شریک کرتا ہے ایسا المؤمنین ہی وہ دروازہ
 میں جس کے ذریعے اللہ تک پہنچا جاتا ہے اور وہ
 راستہ ہیں جو اس کے خلاف چلے گا ہلاک ہوگا اسی
 طرح کیے بعد دیگرے آئمہ ہدایت کی شان ہے۔

کافی ص ۳۹۹ میں ایک باب یہ ہے ”کہ سب لوگوں کے
 پاس کچھ بھی حق نہیں ہے بجز اس کے جو ائمہ سے نکلے اور
 ۱۵۔ اہل حق صرف ائمہ کے پاس ہے“

جو چیز ان سے نہ نکلے وہ باطل ہے۔“ اس میں امام باقرؑ کی کئی احادیث ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس سے قرآن پاک بھی باطل ٹھہرے کیونکہ بالاتفاق وہ ان ائمہ سے نہیں نکلا۔
 نہ وہ اس کے راوی ہیں۔ نہ جامع و ناقل۔ بقول شیعہ ان کا قرآن تاہنوز لوگوں کے پاس آیا ہی
 نہیں۔ وہ امام مہدی صاحب النار کے پاس ہے۔ تمام سنن محمدیہ اور احادیث صحیحہ یہ بھی باطل
 ہوئیں کیونکہ ان کو براہ راست حضورؐ سے نقل و روایت کرنے کا حق صرف حضرت علیؑ و جنینؑ
 کو تھا۔ کیونکہ یہی زیارت و صحبت نبویؐ سے مشرف ہوئے تھے۔ مگر تمام شیعہ ائمہ پر گواہ ہے
 کہ ان بزرگوں نے حضورؐ کے ارشادات بہت ہی کم۔ دو چار فیصد ہی نقل کیے۔ باقی سب
 ارشادات نبویؐ صحابہ کرامؓ نے ہی نقل کیے۔ عند الشیخ امام باقرؑ و جعفرؑ نے جو کچھ ارشاد فرمایا
 ہے مشکل پانچ فیصد ہی اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ان کی روایات کا
 مصدر و منبع غالباً وہی جعفر۔ جامعہ صحیفہ مصحف فاطمہؑ۔ اور ۲۰ اطلاعی معروہ والے
 صحیفے میں جو خود ساختہ اور وہمی ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ سے ان کو ذرا بھی تعلق نہیں۔

مہند آپ تابعی ہیں۔ تابعی کی مرسل روایات مطلقاً حجت نہیں۔ خصوصاً جب کہ آپ سے روایت کرنے والے اصحاب بشیہ علم جرح و تعدیل کی روشنی میں نہایت مجروح۔ بلکہ کذاب و محدثی تو ان پر کیا اعتماد کیا جائے۔ الغرض اس اصول سے تمام شریعت کا صفایا ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ ائمہ کا منکر و مخالف بھی کافر و مرتد ہے | حیات القلوب ج ۲ ص ۶۸۴ پر ہے کہ حضور نے فرمایا

یا علی ہر کہ منکر امامت تست بعد از من اے علی میرے بعد جو تیری امامت کا منکر ہے چناں است کہ انکار رسالت من کردہ باشد (یعنی خلیفہ بلا فصل نہیں مانتا) وہ میری زندگی و رجعت من

نیز اسی کتاب میں ج ۲ ص ۶۲۳ پر یہ فتویٰ بھی موجود ہے۔

وہ مجاہدین و انصار جو بیعت علی نہ کرتے سے (مرتد ہو گئے اور امیر المؤمنین کی مخالفت کی اور اس کے دشمنوں (ابوبکرؓ وغیرہ) کی مدد کی وہ تمام کفار سے بدتر ہیں (العیاذ باللہ)

نیز ملا باقر علی مجلسی نے یہ بھی نقل کیا ہے۔ "کہ جو علیؓ کو حسب عقاید شیعہ پہچانے وہ مومن ہے اور جو انکار کرے وہ کافر ہے۔ جو کوئی دوسرے کو آپ کی بیعت میں شریک کرے وہ مشرک ہے۔" حیات القلوب ج ۲ ص ۵۲۲

۱۷۔ ائمہ سب انبیاء سے بھی افضل ہیں | ملا باقر علی مجلسی کہتے ہیں۔

اکثر علماء شیعہ را اعتقاد آئند کہ حضرت امیر و سائر ائمہ افضلند از سائر پیغمبران و حدیث مستفیضہ بلکہ متواترہ اند ائمہ خود دیں باب روایت کردہ اند حیات القلوب ج ۲ ص ۵۲۲

اکثر علماء شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت امیر اور سب ائمہ افضل ہیں اور سب انبیاء علیہم السلام سے اور اپنے ائمہ سے اس پر مشہو بلکہ متواتر احادیث روایت کرتے ہیں

عصر حاضر کے شیعہ حجتہ الاسلام سید محمد کاظم ثرعتیہ رنجی البلاغہ مترجم کے دیباچہ ص ۴ طبع شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور پر لکھتے ہیں۔

"الغرض بعد از کلام ربانی سعادت علم و دانش کا حشر چمکا کر ہے تو خطبات علی علیہ السلام کیوں

نہ ہو؟ ہمارے لیے حضرت علی علیہ السلام کی ذات والامفات سرایہ حیات ہے۔ جو مخصوص من اللہ ہے۔

معلوم ہوا کہ شیعہ کے ہاں قرآن کے بعد شادات رسول کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف خطبا علی ہی سرچشمہ علم و دانش ہے۔

قائمن کرام بخوف طوالت یہ سلسلہ میں ختم کرتا ہوں۔ آپ کو یقین ہو چکا ہوگا کہ شیعہ دراصل ختم نبوت کے منکد اور امامت کے پردہ میں۔ اپنے بزرگوں کو نبی مانتے ہیں۔ آخر حجب وہ برسل من اللہ۔ حجتہ اللہ۔ آخری مرجع مفترض الطاعتہ۔ شجرہ نبوت۔ مہبط ملائکہ۔ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں۔ تمام پیغمبروں کا علم رکھتے ہیں۔ مرتبہ میں ان سے افضل ہیں۔ منقل آسمانی کتب اور وحی و امام کے مالک ہیں۔ شریعت الہی اور احکام خداوندی کا واحد مصدر۔ منبع اور خزانہ ہیں۔ حلال و حرام میں خود مختار ہیں۔ معصوم ہیں۔ بعد از قرآن صرف ان کا کلام ہی علم و دانش کا سرچشمہ ہے اور ان سے اختلاف رکھنے والا بھی کافر و مرتد ہے۔ ان اوصاف کے باوجود وہ کیسے نبی نہیں ہیں۔ آخر نبوت و رسالت کس عہدہ یا وصف کا نام ہے جس سے حضور نہ فرما رہے ہیں مگر آئمہ محروم ہیں۔ خدا را کوئی شیعہ مجتہد و فاضل اس نکتہ کو حل کر دے۔ امامی عقیدہ کے موجدین اور صاحب کافی کو انکار نبوت کا یہ الزام صریح نظر آرہا تھا۔ ان ابواب کے بعد فوراً یہ باب باندھا کہ آئمہ گزشتہ پیغمبروں جیسے ہیں مگر ان کو نبی کہنا مکروہ ہے۔ پھر یہ حدیث امام جعفر سے نقل کی کہ حلال و حرام پر اطلاع تو ہم سے حاصل ہوگی مگر نبوت ہم میں نہیں۔ نیز یہ فرمان بھی کہ آئمہ رسول اللہ کے مرتبہ و منصب پر ہیں مگر وہ پیغمبر نہیں ہیں اور ان کو اتنی بیویاں جائزہ تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جائزہ تھیں اس کے علاوہ وہ تمام باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمزلہ تھے ص ۲۷۔

اللہ اللہ! کس قدر وضاحت کے ساتھ ختم نبوت کا انکار اور اپنی نبوت کا اعتراف ہے۔ چارے زائد از واج کا امام کے لیے حلال نہ ہونے کا عذر لنگ بھی عی۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ کا ایک بے گناہ ہے۔ ورنہ یہ بات نبوت کی حقیقت یا لوازم میں سے نہیں بلکہ ان کے خصائص میں سے ہے۔

شیعہ درباطن ائمہ کو نبی مانتے ہیں | خود متذہب علماء شیعہ نے ائمہ کو درپردہ صراحتہ پیغمبر و نبی تسلیم کیا ہے۔

ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

۱۔ مرتبہ امامت نظیر مرتبہ نبوت و مثل آنست بلکہ چنانچہ نبوت رسالتے است از جانب خدا بواسطت ملک امامت نیز فی الحقیقت نبوتے است بواسطت نبی۔

امامت کا مرتبہ نبوت کا مقابل ہے اور اس کی مثل ہے بلکہ جیسے خدا کی جانب سے بواسطہ فرشتہ پیغمبری ہے۔ امامت بھی فی الحقیقت بواسطہ نبی ایک نبوت ہے۔

(حیات القلوب ج ۳ ص ۸۱)

یقیناً امام کا مقرر کرنا کہ درحقیقت بحسب معنی یہ ایک نبوت ہے۔ امت کے اختیار میں نہ ہوگا۔

۲۔ بالفرض ورت نص تعین امام را کہ فی الحقیقت نبوتے است بحسب معنی البتہ باجتناب امت نخواہد بود (حیات القلوب ج ۳ ص ۱۲۳)

امامت کا منصب نبوت کی نظیر و مثل ہے۔ کیونکہ دونوں میں تمام مکلفین پر تمام دنیا کے امور میں سرکاری و حکومت ہوتی ہے۔

۳۔ منصب امامت نظیر نبوت است زیرا کہ ہر دو ریاستے عام است بر ہمہ مکلفین ورجیع امور دنیا و حیات القلوب ج ۳ ص ۲۳

بحوالہ مقدمہ حدیث تطہین ص ۱۲۰)

۴۔ امام طوسی شیخ الطائفہ تہذیب الاحکام کتاب المزار ص ۳۳ پر رقم طراز ہیں۔ کہ وہ فرشتوں کے آئے جانے کا مقام اور

ہم مختلف الملائکہ و مہبط الوحی وحی کے اترنے کی جگہ ہیں۔

۵۔ ملحق بملقب بملافیض۔ منہاج النجات ص ۲۸ طبران میں لکھتے ہیں۔

ملحق بملقب بملافیض۔ منہاج النجات ص ۲۸ طبران میں لکھتے ہیں۔

جو صفات نبی میں شرط ہیں وہی امام میں شرط ہیں سوائے نبوت کے۔ امام صادقؑ نے فرمایا جو منصب رسول اللہ کا تھا اسی کا ہم نے دعویٰ کیا سوائے نبوت اور نکاح کے۔

کل ما شرط فی النبی من الصفات فهو شرط فی الامام ما خلا النبوة قال الصادق علیہ السلام کل ما کان لرسول اللہ قلنا مثله الا النبوة

الغرض شیعہ کی ایسی تصریحات کی کمی نہیں جن میں لفظ امامہ کی نبوت کے انکار و اعتراف میں اختلاف ہے مگر بالظاہر بالاتفاق نبوت کا اعتراف اور ختم نبوت کا انکار ہے۔ آخر شیعہ کا یہ حصے اصول تفسیر اس قریب دہی میں کام نہ دے گا تو کہاں دے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہ ایسے الحاد کے متعلق کہتے ہیں۔

یا کوئی یہ کہے کہ پیغمبر خاتم نبوت ہیں لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہ کہا جائے لیکن نبوت کا معنی۔ یعنی ایک انسان کا منجانب اللہ مخلوق کی طرف مبعوث ہونا اور واجب اطاعت گناہوں سے معصوم اور بقا علی النطا سے محفوظ ہونا۔ آپ کے بعد آئمہ میں موجود تھا تو ایسا شخص نہ ندیق ہے۔

اقول ان النبی خاتم النبوة ولكن معنی هذا الكلام انه لا يجوز ان یستوی بعدہ احد بالنبی۔ واما معنی النبوة و هو كون الانسان مبعوثا من الله تعالى الى الخلق مفترض الطاعة معصوما من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فهو موجود فی الامة بعدة فذلك هو الذندیق (المسوی شوح موطاج ۲۸۵)

نیز تفہیمات البیہ ۲۲ میں بھی عقیدہ امامت کو ختم نبوت کے منافی بتاتے ہیں۔

لیکن ان شیعہ کی اصطلاح میں وہ امام مقرر الطاعت۔ مخلوق کے لیے مقرر کیا ہوا ہے اور وحی باطنی امام کے لیے جائز کہتے ہیں پس یہ درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے

ایما باصطلاح ایشان مفترض الطاعة منصوب للخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویز می کنند در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء مے گفتند یا تشدد۔

ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کے یہ دو حوالے مقصد بالاکمی وضاحت اور ہمارے استدلال کے مؤید ہونے کے علاوہ ان سادہ لوح علماء و عوام اہلسنت کے لیے بھی سمر و بصیرت ہیں جو شیعہ لٹریچر اور ان کے عقائد سے یکسر غافل ہیں۔ ان کو اپنے حبیب مسلمان اور ختم نبوت کا قائل جاننے

ہیں۔ اور مرزائیوں کے متعلق ان کے سیاست باز لیڈروں کے بیانات سے دھوکہ میں آجاتے ہیں حالانکہ ظاہر سانپ سے یہ مارا سستیں زیادہ موزی اور خطرناک ہیں۔

شیعہ ائمہ کے دعاوی اور مرزا قادیانی کے دعاوی کا سرسری معائنہ | ہم بزرگانِ اہلبیت کو مذکورہ بالا تمام

دعاوی سے میرا اور انہیں تقیہ باز مفسدِ دین گروہ کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ مگر واضح ہونا چاہیے کہ دھل و تمییس اور افتخار و سراریں۔ اہل باطل کیسیاں اصول سے اپنی تحریکیں چلاتے ہیں۔ شیعہ حضرات نے تعلیمات نبوی اور قرآن سے گلو خلاصی کے لیے جہاں قرآن پاک کی صحت و سالمیت کا انکار کیا۔ آپ کے تمام شاگردوں کو مرتد اور منافق کہا۔ نبوت کے انکار کے لیے ”عقیدہ ایامت“ کو آڑ بنایا۔ چونکہ یہ عقیدہ پورے اسلام کی بیخ کنی کرتا تھا۔ اور اسے آشکارا کرنا انتہائی خطرناک تھا۔ لہذا عقیدہ تقیہ کو ایما دیا۔ اور تمام مذہب کے ۹ حصے اس کے حوالے کیے۔ جیسے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ
ولا دین لمن لا تقیۃ لہ ذباب التقیۃ ۲
بلاشبہ دین کے ۹ حصے تقیہ یعنی مذہب کو چھپانے اور جھوٹ بولنے میں ہیں جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

یعنی مذہب شیعہ کا صرف دسواں حصہ ظاہر و باطن میں کیسیاں ہے گو وہ بھی قرآن و سنت کے مخالف ہو۔ ورنہ ۹ حصے ظاہر و باطن میں مخالف ہیں۔ شیعہ جو ظاہر کریں گے وہ مراد نہ ہوگی بلکہ اس کے خلاف ہوگی اور جو باطن مراد ہوگی اسے نفلوں میں کبھی ظاہر نہ کریں گے اس کے خلاف کہیں گے۔ تمام عقلا و اسے جھوٹ ہی کہتے ہیں عقیدہ ایامت بھی زیر زمین تحریک سے پیدا ہوا چنانچہ امام باقرؑ فرماتے ہیں۔

ولا یۃ اللہ اسرہا الی جبریل علیہ السلام واسرہا جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم واسرہا محمد الی علی واسرہا علی الی من شاء اللہ ثم انتم تنیعون ذلک الی اللہ نے حضرت علیؑ کو امام بنانا بطور راز جبریلؑ کو بتایا۔ جبریلؑ نے یہ راز حضورؐ کو بتایا۔ حضرت محمدؐ نے یہ راز صرف حضرت علیؑ کو بتایا۔ حضرت علیؑ نے یہ راز مشیت خداوندی سے کسی کو بتایا

ان قال ولا تذيعوا حديثنا

(اصول کافی ص ۲۲۵)

(اب وہ انکارا ہو گا) تم اس کو مشہور کرتے ہو۔۔۔

تم ہرگز ہماری امامت اور باتوں کو شہرت مت دو۔

سبحان اللہ عقیدہ امامت کیا ہی راز تھا کہ حضرت سید بن طاہر و غیرہ علی کو معلوم ہوا اور باقی فرشتے۔ انبیاء اور حضرت فاطمہ و حسنین بھی اس سے غروم رہے۔ پھر قرآن میں یہ کیسے ذکر ہو سکتا تھا۔ یہ راز سرستہ خاندان نبوت کے لوگوں کو بھی معلوم نہ تھا۔ اصول کافی میں ایک لمبی حدیث ہے کہ امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید شہید کے سامنے اتول ناجی تحقق نے مسئلہ امامت بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ میرے باپ مجھے ایک دسترخوان پر کھانا کھلاتے تھے ٹھنڈے کر کے دیتے تاکہ میرا منہ نہ چلے۔ گرم روٹی سے تو مجھے بچایا مگر جسم کی آگ سے بچانے کی کوئی فکر نہ کی کہ مجھے مسئلہ امامت بتایا اور مجھے نہ بتایا؟

ایک حدیث میں امام نے فرمایا۔ تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادا کا مذہب ہے جو تقیہ نہ کرے وہ لامذہب (کافر) ہے۔ ہماری امامت کو ظاہر کرنے والا منکر امامت کی طرح ہے۔ (ابن ابی عمیر) ہمان روایات سے اس مسئلہ کے درپے نہیں ہیں کہ آج شیعہ اپنے ائمہ کے ارشادات کی کھلی مخالفت کر کے علی الاعلان یا کسی نہ کسی رنگ میں جو امامت کے عقیدہ کو ظاہر کرتے ہیں وہ اپنے ائمہ کے فتویٰ کی دوسے کھلے بے دین اور امامت کے منکر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ چلیے شیعہ نے تقیہ کی اگر میں رفتہ رفتہ الحاد پھیلایا اور حسب اعتراف مجلسی امامت بواسطہ نبی نبوت ہے۔ کافقہ نکالا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی رفتہ رفتہ دعویٰ کیے اور نبوت کی سیٹھ تک بایں دلیل جا پہنچے۔ کہ خاتم الانبیاء کی مہر سے ایک شخص مثل نبی اور بر وزی نبی بن سکتا ہے۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ بجایا جاسکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ملفوظات مرزا ج ۵)

دعویٰ نبوت | ائمہ شیعہ کی طرح مرزا کے کلام میں استفادہ ہے کہ لاہوری گروہ کو نبی کے بجائے مجدد ماننا پڑا۔ ایک طرف یہ کہتا ہے۔ ”وہ مسیح موعود جو آخری زمانہ کا مجدد ہے۔ وہ میں ہی ہوں۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۹)

دوسری طرف یہ کہتا ہے

آدم نیز احمد مختار
در برم حجامہ ہمارا

اچھے دادا است بہر بنی راجا
منم مسیح ز مال و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشند (زبانی القلوب) ۲

۹۹ داداں جام را بتام (نزول المسیح)
ہو شخص مجھ میں اور بنی مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم میں فرق کرتا ہے اس نے مجھ نہیں
جانا اور نہیں پہچانا۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷)

محدثیت کا دعویٰ | جیسے شیعہ ائمہ نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا اسی طرح مرزا نے بھی کیا۔
”اس عاجز کے رسالہ فتح الاسلام، توضیح المرام، ازالہ اوہام میں
جس قدر ایسے الفاظ ہیں کہ محدث ایک منیٰ میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت ہر ذی نبوت ہے یا یہ
کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں صرف سادگی سے ان کے
لغوی معنوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ مجھے حقیقی نبوت کا سرگز دعاوی نہیں۔ (حقیقۃ النبوت ص ۹۱)
از میاں محمود احمد

بباطن نبوت کا اعتراف | پھر شیعہ علماء کی طرح باطن نبوت کا اقرار بھی ہے۔
”ان (بروزی و ظلی) معنوں کی رو سے مجھے نبوت اور رسالت
سے انکار نہیں اس لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا ہے اگر خدا تعالیٰ سے
غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر تبارک و تعالیٰ اس کو پکارا جائے۔
(استعداد ایک غلطی کا ازالہ ص ۳)

شیعہ ائمہ کی طرح تشریح سازی اور تخریم و تحلیل بھی کی۔ رسالہ الرعین ص ۴ میں لکھتا ہے۔
”یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان
کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب التشریح ہو گیا پس اس تشریح
کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔

منکر جہنمی ہیں | ائمہ شیعہ کی طرح مرزا اپنے منکروں کو کافر اور جہنمی کہتا ہے۔
۱۔ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں
کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)

ب۔ اے مرزا! جو شخص میری پیروی نہ کرے گا اور سبیت میں داخل نہ ہوگا وہ خدا اور

رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔ (رسالہ معیار الاختیار ص ۱)

لفظی ختم نبوت کا اقرار آمد شیعہ کی طرح لفظی ختم نبوت کا قائل تھا۔

”نہ مجھے دعویٰ نبوت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کا بل سے جانتا ہوں اور حکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔ اُن جناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔۔۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ سے ہی ہم کلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ بعض وجود شہادت نبوت کے رنگ سے رنگین کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک میں ہوں۔ (شہادۃ المہمین ص ۲۸)

شیعہ

شیعہ بھی کہتے ہیں تمام مسلمانوں سے ان کا الگ خاص مذہب ہے۔ کلمہ نماز۔ وزہ حج تمام دینی امور میں ان کے طریقے اور وسائل الگ تھلک ہیں۔ متن قرآن۔ تفسیر حدیث فقہ اصول عقاید اعمال غرض ہر شعبہ میں لٹریچر بھی الگ ہے۔ وہ کسی عام مسلمان سے نہ قرآن و سنت سیکھتے ہیں۔ ان کے پیچھے نہ نماز پڑھتے ہیں۔ ملت قادیانیہ کی طرح ملت شیعہ علی

مسلمانوں سے قطع تعلق مرزا کا کتاب ہے

فروق کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا۔ (حاشیہ تحفہ گوشت و زبد ص ۲۱) غیر احمدیوں سے دینی امور میں الگ رہو۔ (نہج المصلی ص ۳۸۲)

میں تم کو تاکید منع کرتا ہوں کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھو (الحکم فروری ص ۱۹۳)

کہلاتے ہیں۔ امت محمدیہ کہلانے پر کبھی فخر نہیں کرتے۔

معاملات میں قطع تعلق قادیانی کسی

رشتہ نہیں دیتے۔ نہ ان کا جنازہ پڑھتے ہیں دیکھیے انوارِ خلافت ص ۹۲-۹۱

شیعہ بھی مسلمانوں سے رشتہ ناٹھ نہیں کرتے نہ ان کا جنازہ پڑھنا جائز سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی تفتیہ کر کے سنی کا جنازہ پڑھے تو یہ دعا کرتا ہے۔ اے اللہ اس کی قبر کو آگ سے بھر دے۔

کلمہ میں علیحدگی | شیعہ تو صدیوں سے اپنا کلمہ الگ پڑھتے ہیں۔ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ
 و خلیفۃ، بلا فصل۔ مگر قادیانیوں نے رستمہ میں ناجائز یا میں ایک مسجد پر
 یہ کلمہ لکھا۔ لا الہ الا اللہ احمد رسول اللہ (بحوالہ جہان ۱۰ دسمبر ۱۹۷۴ء)

تمام مسلمان کنجریوں کی اولاد ہیں۔ | مرزا کہتا ہے۔
 ہر مسلمان مجھے مانتا ہے اور میری دعوت قبول کرتا ہے
 الاذریۃ البغایا۔ مگر کنجریوں کی اولاد نہیں مانتی۔ (آئینہ کمالات اسلام)
 شیعہ کے امام جعفر صادقؑ بھی فرماتے ہیں۔

واللہ یا ابا حمزۃ ان الناس
 کلہم اولاد البغایا ما خلا شیعتنا
 اے ابو حمزہ خدا کی قسم سب لوگ کنجریوں کی
 اولاد ہیں۔ سوائے ہمارے شیعہ کے۔
 (روضہ کافی)

تمام مسلمان سونتریز اور لختی ہیں | مرزا کا یہ شعر مشہور ہے۔

ان العدی صاروا خنازیر الفلا
 و نساءھم من دونھن الا کلب
 میرے دشمن جنگلوں کے سور ہیں اور انکی عورتیں کتوں سے بڑھ کر ہیں۔ (نجم المدیٰ ص ۱)
 شیعہ کے امام صادق امت محمدیہ (غیر شیعہ) کے متعلق فرماتے ہیں۔
 هذه الامة انشباہ الخنازیر
 و فیہا هذه الامة الملعونة
 یہ امت خنزیریوں جیسی ہے۔ اور اسی باب
 میں ہے کہ یہ کیسی ملعون امت ہے۔
 (اصول کافی ج ۳ ص ۳۳۳)

تمام مخالفین مسلمانوں کو قتل کرنے کے منصوبے | خلیفہ قادیان کہتا ہے۔
 ”ابن زمانہ بدل گیا ہے۔ دیکھو
 پہلے جو مسیح آیا تھا اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا۔ مگر اب مسیح اس لیے آیا کہ اپنے مخالفین
 کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ (عرفان الہی ص ۹)
 شیعہ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور کو رحمت کے لیے بھیجا ہے مگر قائم آل محمد

(مہدی) کو عذاب کے لیے بھیجا۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۱) چنانچہ آپ ۳۱۳ مومنوں کو ساتھ لے کر تمام امت محمدیہ سے جنگ کریں گے اور امام حسینؑ کا انتقام لیں گے۔ حتیٰ کہ روضہ مجید کو گرا کر (الحیاذ باللہ) شیخین کی لاشوں کو باہر نکالیں گے اور انتقام لیں گے (اصول کافی) حضرت عائشہؓ کو بھی قبر سے نکال کر حد لگائیں گے اور حضرت فاطمہؓ کا بدلہ لیں گے (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۱)

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کی توہین | مرزا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت حسینؑ تک کی توہین کی ہے۔ "مسیح"

کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ پویش رانی، نہ زائد نہ عاید۔ نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین، خدائی کا دعویٰ کرنے والا (مکتوبات احمدیہ ص ۲۷)

اوشیعو! تم مردہ حسینؑ کا ماتم کیوں کرتے ہو۔ تم میں ایک زندہ حسینؑ (مرزا) موجود ہے۔
 صمد حسینم در گریبانم (الحیاذ باللہ)

شیعی احادیث میں یہ بہت طویل اند و ہنناک موضوع ہے۔ محفقر یہ کہ پنج تن۔ مہر عومہ بارہ آئمہ اور ان کو شرکار فی النبوة و اجزائے محمدانے والے شیعہ کے سوا امت کا ایک فرد بھی نہیں جس پر خصوصاً یا عموماً لعنت اور تہرآنہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ حضرت ابو بکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ جملہ صحابہ کرامؓ۔ اہمات المؤمنینؓ خصوصاً حضرت عائشہؓ و حفصہؓ بنات رسولؐ البتوت انکار و طعن در نسب و اما دکان رسولؐ آپ کے چچے۔ خالو جان۔ چچا زاد و بھوپچی زاد برادران تمام صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کو نام بنام یا عموماً لعنتیں کی گئی ہیں۔ یا ان کو ماننے والی تمام امت کو کافر ملعون اور روزخا کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمارؓ۔ ابوذرؓ و عذیبہؓ سلمان فارسیؓ اور مقدادؓ کے ایمان میں بھی کٹیرے نکالے گئے ہیں جن کے متعلق ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف ابوالانس و الانبیاء حضرت آدمؑ کی توہین کا حوالہ کافی ہے۔

اصول الکفر ثلاثۃ الحصر
 والا ستکبار والحسد فاما الحصر
 فان ادم علیہ السلام جبن نفی عن
 کفر کے اصول تین ہیں۔ لالچ۔ تکبر اور حسد۔
 لالچ تو حضرت آدمؑ علیہ السلام نے کیا جب
 درخت سے روکے گئے تو لالچ نے ان کو کھانے

الشفقة حله الحاص على ان اكل
منها (الاصول کافی ج ۲ ص ۲۸۹)

مرزا محمود حقیقۃ الرؤیا ص ۱۲ پر لکھتا ہے۔

مکہ و مدینہ کی توہین | ”قادیان تمام بستیوں کی ماں ہے پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا۔ تم ڈرو کہ تم میں سے کوئی کاٹا نہ جائے پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جاتا ہے۔ کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔“

مکہ اور مدینہ کی توہین اور اہل مکہ کے کافر خدا کے کھلے منکر اور رومی عیسائیوں سے بدتر و لمپیہ ہونے پر امام جعفر کی شہادت اصول کافی ج ۲ ص ۲۹۹ پر مفصل ذکر چکی ہیں۔ مراجعت کر لیجئے۔
مکہ کے سوا دوسری جگہ کا حج | ہے۔ (الفصل کم دسمبر ۱۹۳۲ء) ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح خلیفہ قادیان لکھتا ہے۔ ہمارا سالانہ جلسہ ایک قسم کا حج ہے۔ خدا نے قادیان کو اس کام (حج) کے لیے مقرر کیا ہے۔ (برکات خلافت ص ۵)

شیعہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص حضرت حبیبؑ کی زیارت کو جائے ایسا ہے جیسے حج کرنے گیا ہو اور عمرہ بجالا یا ہو۔ ابن قولویہ نے معتبر سند کے ساتھ حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص شہادتِ حبیبؑ کے بعد آپ کی قبر کی زیارت کرے حق تعالیٰ میرے ایک حج کا ثواب اس کے لیے نکھیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے تعجب کیا تو فرمایا۔ ایک دو چار نہیں بلکہ میرے ۹۰ حجوں کا ثواب ملے گا۔ (جلاء العیون ص ۳۲۴)

نیز فروع کافی ج ۲ ص ۵۸ پر ہے کہ جو غیر عبید کے دن حضرت حبیبؑ کا حق پہچان کر زیارت کرنے آئے اس کو ۲۰ حج مبرور ۲۰ عمرہ مقبول اور ۲۰ نبی مرسل کے ہمراہ حج کرنے کا ثواب ملے گا۔

نوٹ۔ عشرہ محرم میں تزییوں کی ساخت اور گلی گلی پھرانان نبوی ۹۰ حجوں کے ثواب کمانے کا سنا طریقہ ہے۔

قارئین کرام! اسلامیت کی حقیقت اور اس کے مضمرات میں جا کر ہم نے تفصیل اس لیے

کی کہ شیعہ اسی مایہ ناز مسئلہ سے عوام کو گمراہ کرنے اور مسلمانوں کو خاسخ از ایمان قرار دیتے ہیں۔ مگر اس کا حاصل ختم نبوت سے انکار مسلمانوں سے علیحدگی کے سوا کچھ نہیں۔ جیسے آپ قادیانیت کے ساتھ موازنہ سے معلوم کر چکے ہیں۔ شیعہ چونکہ قادیانیوں سے زیادہ پر ہنگام اور ہوشیار ہیں۔ اور تقیہ کی آڑ میں بالکل سیدھے مسلمان بن جاتے ہیں۔ اس لیے انکار ختم نبوت کی وجہ سے تکفیر سے اپنا بچاؤ کر لیتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت سے مسلمانانِ پاکستان کو ۱۹۷۲ء تک ہمارا کامیابیوں کا مبارک دن نصیب ہوا اور قادیانیوں کو قومی اسمبلی نے بالاتفاق کافر قرار دے کر آئین میں جو نئی دفعہ شامل کی وہ امامت کے متعلق ایسا عالی عقیدہ رکھنے والوں کو بھی شامل ہے۔ ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ سابقہ مترہ عنوانات متعلقہ امامت کو اس پر جانچ لیں۔

آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲۶۰ میں دفعہ ۲ کے بعد نئی دفعہ یہ ہے۔

”جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الفاظ کے کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا اسی قسم کے دعویدار کو نبی یا مصلح ماننا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے تحت مسلمان نہیں۔“ اور تفسیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ میں یہ تشریح بھی شامل کر دی گئی ہے کہ

”جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے۔ عمل کرے یا پرچار کرے اسے اس دفعہ کے تحت سزا دی جاسکے گی۔“ (نوٹ: وقت راولپنڈی ۱ ستمبر ۱۹۷۲ء)

شیعہ کے آئمہ مراد نہ ہونے پر دوسری دلیل | سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ حدیثِ زبیر بحث میں شیعہ کے مزعومہ ۱۲ ائمہ برگ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی امامت نبوت سے بھی افضل ہے اور انہیں ماننے پر ختم نبوت کا انکار ہے۔

اب ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ حدیث میں عزتِ اسلام اور اس کے غلبہ کی ہر پیشینگوئی ہے وہ بالاتفاق ان بزرگوں کے زبیر خلافت پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سوا

باقی احضرات کو منصب خلافت و امامت عطا ہی نہیں ہوا۔ جو حدیث بنیامین مذکور ہے۔ مثلاً صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۲ پر ہے یكون اثنا عشر اميرا۔ اسی طرح جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۱ پر ہے۔ یكون من بعدی اثنا عشر اميرا۔ کہ میرے بعد ۱۲ امیر و حاکم ہوں گے۔ خلافت محدودہ کے لیے بالاتفاق حکومت اور رعایا پر حکمرانی شرط ہے۔ چنانچہ شیعہ کی اصول کافی ج ۱ ص ۲۲ پر یہ باب ہے۔

باب ما يجب من حق الامام على الرعية
و حق الرعية على الامام۔
یعنی رعایا پر خلیفہ کے اور خلیفہ پر رعایا کے حقوق۔

اس میں یہ حدیث ہے کہ امام باقرؑ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کا امام پر کیا حق ہے؟
قال يقسم بينهم بالسوية وليعدل في
الرعية
کہ انصاف سے لوگوں میں مال تقسیم کرے
اور رعایا میں عدل برقرار رکھے

امام باقرؑ سے ایک دوسری مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔
امامت اس آدمی کی ہی درست ہو سکتی ہے جس میں تین خصلتیں ہوں۔ جسے تقویٰ گناہوں
سے روکے جس کا حلم و موصوفہ غصے پر غالب ہو جو اپنے ماتحتوں پر اچھی حکومت کرے۔

حتی یكون كالوالد الرحيم وفي رواية
اخری یكون للرعية كالاب الرحيم
یہاں تک کہ مہربان والد کی طرح ہو اور دوسری
روایت میں ہے کہ رعیت کے لیے مہربان باپ
کی طرح ہو۔ (۱۶۰ ص ۴)

اسی طرح ایک باب کا عنوان ہے۔ باب ان الارض كلها للامام۔ سب زمین پر
حکومت امام کا حق ہے۔ اور اس میں یہ ہے کہ ”جو مسلمان بنجر زمین آباد کرے اس کا خراج
امام اہل بیت کو ادا کرے۔“

ان تمام روایتوں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کے لیے ظاہری حکومت۔ رعایا کے لیے فیصلے کرنا
اور ان کے معاملات میں تصرف کرنا۔ خراج لینا اور مال تقسیم کرنا شرط ہے۔ اور مرفوع حدیث
نے توشیح کی ”منصوص امامت“ کا بھی ابطال کر دیا ہے۔ کہ ارشاد نبوی کے مطابق ہر وہ
شخص جائز خلیفہ اور امام ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ اور عصمت بھی شرط نہیں۔

بلکہ تقویٰ کے زور سے گناہوں سے بچنا یعنی عدالت۔ ضروری ہے۔

اصول کافی قرۃ ۱۲ طبع لکھنؤ میں یہ صراحت ہے۔ ”در بیشک امامت (خلافت) دین کی باگ مسلمانوں کا نظام اور دنیا کی اصلاح اور مومنوں کی عزت ہے۔ بے شک امامت دین اسلام کی بڑھنے والی جڑ ہے اور اس کی بلند شاخ ہے۔ بے شک امام کے ساتھ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ حج اور جہاد کے فرائض ادا ہوتے ہیں۔ فے اور صدقات کی کثرت ہوتی ہے اور حدود۔ احکام شرعیہ کا جاری کرنا۔ ملکی سرحدوں اور بلاد اسلامیہ کی حفاظت ہے۔ وہ اللہ کے حلال کو حلال بتاتا ہے حرام کو حرام اور قائم کرتا ہے حدودِ خدا کو اور دفع کرتا ہے دشمنوں کو دینِ خدا سے اور بلاتا ہے دینِ خدا کی طرف لوگوں کو الخ (کافی اردو ج ۱ ص ۲۳)

جب خلافت و امامت کے لیے اقتدار۔ اجراءِ حدود۔ جہاد وغیرہ کا بھی مشروط ہونا ظاہر ہو چکا تو ان شرائط پر حضرت حسن و علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما بھی مشکل پورے اترتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تو خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر کے بیعت خلافت کر لی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریباً ساڑھے چار سال حکومت کی مگر کافی کے یہ اوصاف وہاں نظر نہیں آتے۔ آپ کے دورِ خلافت میں نہ مسلمان منظم تھے۔ نہ دنیا کی اصلاح اور مومنوں کی عزت نظر آتی ہے۔ نہ اسلام بڑھنے والی جڑ اور بلند شاخ کی صورت پیدا کر سکا۔ افراتفری کے دور میں مقبوضہ علاقوں کو سنبھالنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ اور حضرت معاویہ ان پر قابض ہوتے گئے۔ جیسے پہلے کتب شیعہ و تاریخ سے مسطور ہو چکا ہے۔

حدود و احکام شرعیہ کے نفاذ نہ کر سکنے کے متعلق خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کافی کی ایک لمبی تقریر میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔ ”مگر مجھ سے پہلے خلفائے ایسے کام کیے جن میں عملاً انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کی

نافضین لعہدہ مغیرین لسنہ
ووجلت الناس علی ترکھا وحولتھا الی
مواضعھا والی ما کانت فی مہد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتفرق عنی
آپ کا عہد ٹوڑنے والے اور سنت بدلنے والے
تھے۔ اگر میں لوگوں کو ان باتوں کے چھوڑنے
پر آمادہ کروں اور سب کام اپنی جگہ درست
کردوں جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

تلاض ہیں۔ عورتیں غیر مردوں کے تحت دیکھ رہے ہیں۔ مگر خاوندوں کو واپس نہیں کرتے۔ حالانکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اگر کوئی کام خلاف شرع ہوتے تو ضرور ان کو بدلتے کیونکہ امام کا سب سے بڑا فریضہ ہی یہی تھا۔ جیسے اصول کافی میں ہے کہ زمین پر بہر صورت امام ہوتا ہے۔ تاکہ اگر مسلمان دین میں کچھ اضافہ کریں تو وہ رد کر دے اگر کوئی بات کم کر دیں تو وہ تکمیل کرے۔ دوسری روایت میں ہے کہ امام کا کام یہ ہے کہ وہ حلال و حرام کو پہچانے اور لوگوں کو خدا کی طرف بلائے۔ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم ان کے کارناموں سے الفت کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود فقیہ ہونے۔ اختلاف کا حق رکھنے اور خلافت کی بدولت خود مختار ہونے کے قضاۃ کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ وہی پہلے فیصلے جاری رکھو۔ اقصوا جاکنتم نقصون حتی یکون الناس جماعۃ او اموت کما مات اصحابی۔ جلیسے پہلے فیصلے تم کرتے تھے اسی دستور پر پہلے فیصلے کرتے رہو حتیٰ کہ سب لوگ ایک جماعت ہو جائیں۔ یا اپنے اصحاب (خلفاء سابقین) کی طرح میں فوت ہو جاؤں۔

صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۶ پر یہ لفظ بھی ہیں۔ فانی اکوۃ الاختلاف میں اختلاف کو ناپسند کرتے ہیں۔

عجب ہے کہ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ بزدلی۔ موقع پرستی اور ملاہنت کا الزام شیعہ نے خود آپ ہی کے خطبات میں نہیں لگایا بلکہ ہر زمانہ میں شیعہ علماء۔ اس سوال کے جواب میں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر شیعوں کا مسلک کیوں نہ ظاہر کیا۔ متعہ کو کیوں نہ رائج فرمایا وغیرہ۔ یہی کہتے آئے ہیں چنانچہ شیعہ کے شہید ثالث نور اللہ شوستری بھی لکھتے ہیں۔

دیگر آئندہ چوں حضرت امیر درایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابو بکر و عمر را معتقدان و ایشان را بر حق میدانند قدرت بر آن نداشت کہ کار سے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشان داشتہ باشد..... تا آنکہ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت امیر نے اپنے ایام خلافت میں دیکھا کہ اکثر لوگ (بلکہ سب) حضرت ابو بکر و عمر کی حسن سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو برحق جانتے ہیں تو قدرت اس بات پر نہ پائی کہ آپ ایسا کام کریں جو

حضرت بنابر مصلحت وقت ایشان را بجال
نمود و در نماز تراویح داشت حاصل کلام
آنکه ایشان را در ایام نام خلافت پیش نبود
(مجلس المؤمنین ص ۱۵)
نام سے زیادہ نہ تھی۔

ان کی خلافت کے فساد پر دال ہو۔۔۔ جتنی کہ
حضرت امیرؑ نے مصلحت وقت کی خاطر ان کو
(نماز تراویح میں) برہ حال خود رکھا۔ خلاصہ کلام
یہ ہے کہ آپ کی خلافت ان دنوں (بھی) برائے

اور ہمارے معاصر محمد حسین ٹھکونے بھی حامد حسین وغیرہ کی اتباع میں "تجلیات صداقت"
میں یہی کچھ لکھا ہے۔ حالانکہ حضرت امیر المؤمنینؑ اگلے اپنے نظریہ کے خلاف کسی ملامت کرنے والے
کی پرواہ کرتے یا مصلحت وقت کی خاطر مداخلت کو گوارا کرتے تو حضرت معاویہؓ کو معزول نہ
کرتے۔ آپ کے مطالبہ کے باوجود حضرت عثمانؓ کے قصاص میں تاخیر نہ کرتے۔ پھر کبھی جبل و
صفین میں ۱۰ ہزار مسلمانوں کے خون کی ندیاں نہ بہتیں جس کے نتیجے میں رائے عامہ بالآخر آپ
سے بظن و متغیر ہوئی۔ منظم حکومت۔ عراق و حجاز کے سوا آپ کے ہاتھ سے نہ جاتی۔ حضرت امیر
معاویہؓ کبھی برسرِ اقتدار نہ آسکتے۔ اور امت میں تاہنوز ختم نہ ہونے والی تفرقہ بازی کبھی پیدا نہ ہوتی۔
مگر ہمارا ایمان ہے کہ دل و زبان میں ایک مرد مومن حضرت علیؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب نقصانات مصلح
مخالفین کے طعنے حتیٰ کہ جان عزیز تک کی قربانی منظور کر لی مگر اپنے نظریے کے خلاف کرنا جو اغوی
اور جرات کے خلاف جانا۔ اور زبان و دل کے تعابیر اور تفسیر بازی کو کسی صورت میں منظور نہ کیا۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ظاہر میں کچھ باطن میں کچھ۔ کا آپ پر منافقانہ الزام ہمیں سننے کا حوصلہ نہیں۔
اگر تیسرے حضرات یہ واقعی اور سیدھی بات مان لیں کہ حضرت علیؑ صاف گو پاک باطن اور نڈر تھے جو
کچھ قولاً و فعلاً تاریخ و نقولِ کثیرہ کی روشنی میں آپ نے کیا وہی آپ کا مذہب برحق اور عقیدہ تھا
جو آج تک جمہور اہل اسلام کا مذہب چلا آرہا ہے۔ تو ہم بھی اپنے مفاد کے خلاف یہ کہہ دیں گے کہ
طبعاً از خود حضرت علیؑ اہل شام کے حق میں کشیدگی اور غیر درستانہ جذبات رکھتے تھے۔ زندگی
میں ماسی پر عمل ہوا۔ ان کے متعلق احکام الحاکمین ہی بہتر فیصلہ کرے گا۔ ہم حضرت معاویہؓ کی بہ نسبت
حضرت علیؑ سے زیادہ الفت و محبت رکھتے ہیں۔ اور حتیٰ الامکان اتباع کر کے کسی کی بدگوئی نہیں
کرتے۔

الحاصل ۲۲ حضرات ائمہ اہل بیت شیعہ مذہب میں کبھی مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں سے صرف ایک سیاسی حاکم حضرت علیؑ کے عہد میں بھی اسلام عزیز و غالب نہ رہا تھا۔ تاہم دیگر اہل چہرہ رسد مذہب اہلسنت میں آپ چوتھے امام تھے۔

ائمہ اہل بیت مراد نہ ہونے پر تفسیری دلیل | کبھی بھی امت میں مسلم اور خبیث علیہ تفسیری دلیل انکے مراد نہ ہو سکتے کی یہ ہے کہ اہل امارت

نہ ہوئی اور حدیث کا مصداق وہ ہیں جو کلہم تجتمع علیہ الامۃ (البوداؤد ج ۲ ص ۵۸۸) کے امتیاز سے موصوف ہوں۔ لہذا اس حدیث کا مصداق اگر یہ بارہ ائمہ ہوتے تو انہیں مقسم قریب کے عنوان سے ذکر کیا جاتا۔ یعنی کلہم من بنی ہاشم کہا جاتا یا کلہم من ذرینہ کہا جاتا۔ کلہم من قریش سب قریش سے ہونگے۔ کے عنوان سے مقسم بعد کا ذکر نہ کیا جاتا کیونکہ دو چند چیزوں کی وحدت یا اشتراک ذکر کرنا ہوتا ہے قریشی وحدت وحسن سے ذکر کیا جاتا ہے مثلاً اگر حضور علیہ السلام اور حضرت علیؑ کی خاندانی قربت کو بیان کرنا ہو تو بنو ہاشم بلکہ بنو عبد المطلب سے اس کا تعارف صحیح ہوگا۔ اور بنو اسمعیل کا عنوان بلاغت و مفاد کے خلاف ہوگا۔ اب آئیے حدیث کے اصل مفہوم و مصداق کی طرف جس کی وضاحت مختصر حق کو درکار ہے۔

حدیث کا مفہوم | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں خلافت علی منہاج النبیوت کے حاملین مراد نہیں بلکہ خلفاء سے مراد مطلق امراء ہیں جن میں اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور

برے بھی۔ یہ صرف ایسے بارہ امراء و حکام کی خبر دی جا رہی ہے جن کی حکومت تمام قلمرو اسلام میں مسلم ہوگی اور ان ۲ حکام تک ایک ہی بیک وقت خلیفہ۔ ایک دار الخلافہ اور ایک ہی جھنڈا ہوگا تو انہیں خلیفہ کہنا حکومت کے لحاظ سے ہے۔ جیسے ترمذی و بخاری کے حوالہ سے اثنا عشر امیرؑ کے لفظ گزر چکے ہیں۔ صرف حضورؑ کی جانشینی کے لحاظ سے ہرگز نہیں حقیقی خلافت اور مجازی خلافت ہر دو کے سربراہان اس مطلق خلافت میں جمع ہو سکتے ہیں۔ سنن ابی داؤد شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی حکومت پر پوری امت کا اتفاق ہوگا۔ کلہم تجتمع علیہ الامۃ (البوداؤد ج ۲ ص ۵۸۸) اس قبہ سے معلوم ہوا کہ خلفاء بنو عباس میں سے کوئی اس کا مصداق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے جھنڈے دو تھے

کہ اس وقت سپین میں بھی خلفاء بنو امیہ بالکل خود مختار تھے۔ عصر حاضر کے حکمران بھی اس کے ماتحت نہیں آسکتے کیونکہ یہ بھی بجائے ایک حکومت یا جھنڈے کے ماتحت ہونے کے بجائے متعدد مستقل و آزاد خود مختار حکومتوں میں منقسم ہیں۔ یہاں صرف تین اشکال باقی ہیں۔

۱۔ حضرت علیؑ ان بارہ افراد میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں جبکہ آپ کے عہد میں حضرت معاویہؓ بھی امیر تھے۔ جواباً گزارش ہے کہ اس وقت خلافت کا جھنڈا صرف ایک یعنی حضرت علی المرتضیٰؑ کا تھا ان کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ خلافت کے مدعی ہرگز نہ تھے۔ بلکہ ان کی حیثیت خلیفہ برحق حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ گورنر کی تھی۔ اور وہ اپنی اسی حیثیت پر قائم تھے۔ جب تک کہ نئے خلیفہ انہیں شہادت عثمانؓ کے حملہ شہادت سے مطمئن نہ کر دیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں حضرت امیر معاویہؓ کے اس موقف کی خود حضرت امیر معاویہؓ سے ہی تصریح نقل کی ہے۔ — جیسے طبری وغیرہ کے حوالے سے ہم بھی سوال ۱۱۔ ۱۲ کے تحت بیان کر چکے ہیں — پس جب وہ اس عبوری دور میں ایک مستقل خلافت کے مدعی نہ تھے تو یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت دو خلیفہ تھے۔ خلیفہ برحق حضرت علی المرتضیٰؑ تھے اور حضرت امیر معاویہؓ عبوری طور پر ایک اجتہادی غلط فہمی سے اس پوچھی خلافت کو تسلیم کرنے سے رکے ہوئے تھے۔ پھر حضرت امام حسنؑ کے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کرنے کے بعد یہ اختلافات بھی ختم ہو گئے اور جمہور اہل سنت نے حضرت علی المرتضیٰؑ کی سابقہ حکومت کے برحق ہونے پر اجماع کر لیا اور اسی طرح یہ پوچھی خلافت بھی کلام جمع علیہ الامۃ کے ماتحت آگئی اور یہ اجماع عام ہے کہ وقت حکومت ہو یا بعد الحکومت بہر حال حکومت جمع علیہ ہونی چاہیے۔

اب، حضرت امیر معاویہؓ ان بارہ حکام میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں جبکہ آپ نے حضرت علیؑ سے اختلاف کیا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اس وقت بارہ میں معدود ہیں۔ جب حضرت امام حسنؑ نے اپنی حکومت بھی ان کے سپرد کر دی اور اس وقت تمام مسلمانوں کا جھنڈا ایک ہو گیا تھا۔ اس دور میں سے تا وفات ۲۰ سال تک حضرت معاویہؓ کلام جمع علیہ الامۃ کا یقینی مصداق تھے۔ (بحوالہ عنقات ص ۳۸۴ از علامہ خالد محمود)

۲۔ حضرت امیر معاویہؓ کا بیانیہ بیعت کے مقابل عبد اللہ بن زبیرؓ خود مختار حکومت کے مدعی

تھے۔ ان بارہ میں شمار ہو گا یا نہیں۔ جو اب اگر ایشیہ ہے کہ مجبوراً اہل سنت کے نزدیک یزید بن ابیہارہ میں شامل نہیں۔ علامہ حافظ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں ایک قول اور ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں بے شک اس کو شمار کیا ہے مگر یہ ایک قول کی حکایت یا ان کی ذاتی رائے ہے۔ اجماعی مسلک نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قرۃ العینین میں رقمطراز ہیں۔

یزید بن معاویہ خود انہیں میاں
ساقط است کجبت عدم استقرار و مدت
منہد با وسوسہ سیرت او۔ (قرۃ العینین ص ۲۹۸)
یزید بن معاویہ اس شمار سے باہر ہے کیونکہ
مختد بہادت تک اسے استقرار نہ رہا۔ اور
اس کی شیر بری تھی۔

مجتبائی دہلی،

مگر شیوخ حضرات کو شرح فقہ اکبر و تاریخ الخلفاء کے بیان سے اتنا جزیرہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ ان کے چوتھے امام نے یزید کے ساتھ ۵۰ دن دسترخوان پر کھانا کھایا۔ ہدایا اور مالی نقصانات وصول کیے۔ حرہ میں یزید کی مخالفت نہ کی۔ بلکہ روضہ کافی ص ۲۳ کے بیان کے مطابق خود کو یزید کا مجبور غلام کہا اور علماًً بعبیت کر لی۔ یزید کے نامبارک دور میں حادثہ کربلا واقعہ حرہ جیسے عظیم حادثات پیش آئے مگر ان کی زیادہ تر ذمہ داری ماتحت عملہ اور فوج پر ہی آتی ہے اور براہ راست اس کی طرف نسبت نہ کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ عہد مرقضوی میں جمل و صفین میں اسے کہیں زیادہ مسلمانوں کی عزت اور جانوں کا نقصان ہوا۔ جبکہ براہ راست کہاں آپ کے ہاتھ میں تھی۔ بلاشبہ حضرت مرتضیٰؑ و یزیدؑ میں تعادل کا سوال نہیں مگر امت میں فرقہ بندی کے پیش نظر ایک نا صبی یزید کے خلاف مواد کو حضرت علیؑ کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔ تو یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ جیسے حادثہ کربلا کی ذمہ داری بیشتر اہل کوفہ۔ ابن زیاد اور شمر پر ہے اور حرہ کی چند سیاسی شاطروں اور درندہ صفت فوجیوں پر ہے۔ اسی طرح جمل و صفین کے خون ڈرامے۔ بلوایان عثمان اور سبائیوں کے (بالتفاق مورخین) میں منت ہیں گو وہ حضرت علیؑ کے فوجی ہیں۔ اس طرز ادا سے یزید سے دفاع مقصود نہیں بلکہ حضرت علیؑ سے دشمنوں کی زبان بند کرنا ہے۔ ان بارہ میں مروان بن حکم کے بجائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شمار کرنا زیادہ موزوں ہے۔ یہی حضرت امام مالکؒ کی رائے ہے اور یہی محدث ابن جوزیؒ کا فیصلہ ہے۔

اس حدیث کی تفہیم کے متعلق ایک اہم بات یہ ہے کہ اس روایت کے کسی طریق میں ان بارہ خلیفوں کی کوئی دینی تینا منقول نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

لم یروا الحدیث لمدحهم والثناء علیہم
بالدین وعلیٰ ہذا اطلاق اسم الخلافة
فی ہذا الحدیث بالمعنی المجازی ولما
حدیث الخلافة من بعدی ثلاثون
سنة فالمراد خلافة النبوة۔
یہ حدیث ان خلفاء کی دینی مدح و ثناء میں مروی
نہیں۔ بنابرین خلافت کے لفظ کا اطلاق اس
حدیث میں مجازی معنی کے طور پر ہے۔ ہاں اس
حدیث میں خلافت سے مراد حقیقی معنی خلافت
نبوت ہے۔ ”خلافت میرے بعد تیس سال

ہوگی۔“ فتح الباری

یہ بے شک صحیح ہے کہ بارہ امراء کی اس روایت میں لا ینزال ہذا الدین عنی زیرا آیا ہے
کہ یہ دین ان بارہ امراء کے زمانے تک ضرور غالب رہے گا لیکن اس غلبے سے مراد دین کا داخلی
غلبہ نہیں کہ ان کے زمانے میں تمام لوگ بڑے نیک اور دین دار ہوں گے بلکہ مراد دین کا خارجی غلبہ ہے
کہ کوئی غیر مسلم بیرونی طاقت مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو سکے گی۔ اور رقبہ اسلام ہر مخالف سلطنت
کے لیے ارض منیع و محفوظ ہوگا جس کی طرف ہر غیر مسلم طاقت کو رخ کرنے میں رکاوٹ ہوگی۔ جیسے
کتب تاریخ میں ہے کہ جب خلافت مرتضوی میں اندرونی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر روم کے بادشاہ
نے مقبوضات علوی پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہؓ نے اسے لٹکارا ”اور رمی کتے! میں اور علیؓ
بھائی ہیں۔ اگر تو نے ان کے علاقہ کا رخ کیا تو میں ان سے صلح کر کے ان کی طرف سے تمہارا ایسا
مقابلہ کروں گا کہ اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔“ چنانچہ شاہ روم سہم گیا اور حملہ کی جرأت
نہ کی۔ عزیز کا معنی دین کا خارجی غلبہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی منقول ہے۔

لا ینزال ہذا الدین عنی زیرا منیعاً الی
انفی عشر خلیفۃ (مسلم ج ۲ ص ۱۹)
یہ دین غالب اور بیرونی حملوں سے محفوظ رہے گا
جب تک بارہ خلفاء ہوں گے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ یہاں عزیزہ جو نادین کی صفت ہے۔ ان بارہ امراء کی
صفت نہیں۔ اگر ان بارہ میں بعض ظالم اور غلط کار بھی ہوں مگر عوامی سطح پر دین غالب رہے تو
ایسا بسا اوقات ہوا ہے۔ دیگر پہلوؤں سے اللہ نے دین کی خدمت لے کر اسے مضبوط کیا ہے۔

حدیث کے مصداق کو نئے بارہ افراد ہیں

ان کی تعین میں واقعی ابہام اور اختلاف ملتا ہے
مہلب کہتے ہیں۔ میں کسی کو بھی نہ ملا جو اسکی قلیقت

کا دعویٰ کرتا ہو۔ چند اقوال یہ ہیں۔

۱۔ ان بارہ میں سے کچھ جو چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ گنتی ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔

۲۔ اس وقت تک اسلام کا غلبہ رہے گا۔ جب تک مسلمان حکومتوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ
۱۲ ہوگی۔

۳۔ یہ بارہ حضرات وہ ہوں گے جو امام مہدی کی وفات کے بعد ولایت سنبھالیں گے کتاب
دانیال میں ہے کہ امام مہدی کی وفات کے بعد پانچ افراد ان کے بڑے بیٹے کی نسل سے پھر پانچ
چھوٹے کی اولاد میں سے فائز حکومت ہوں گے۔ ان پانچ کے بعد پھر بڑے بیٹے کی نسل میں
سے ایک شخص والی حکومت ہوگا اور اس کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوگا اور اسی بنو ہاشم
اس صورت میں یہ حدیث خالص شرائط الساعۃ کے سلسلے میں شمار ہوگی۔ النضر محمد بن نے
تمام مختلف اقوال ذکر کر دیے مگر عند الشیخہ ۱۲ بزرگوں کو کسی نے شمار نہیں کیا۔

راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور میں جن بارہ حکمرانوں کی خبر دی گئی ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ۲۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ ۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔

۴۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ ۵۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ۶۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔ ۷۔ عبدالملک

۸۔ ولید۔ ۹۔ سلیمان۔ ۱۰۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ۔ ۱۱۔ یزید بن عبدالملک۔ ۱۲۔ ہشام

بن عبدالملک۔

ہشام بن عبدالملک آخری خلیفہ ہیں جن کے عہد تک مسلمانوں کا جھنڈا ایک رہا بعد میں

ولید بن یزید کے دور سے بنو امیہ کا نہ وال شروع ہو گیا۔ قاضی عیاض۔ خلافت کی عزت و قوت

اسلام اور اجتماعی امور کی درستی خلیفہ واحد پر سب کا اتفاق مراد لے کر ولید سے خلل مانتے

ہیں۔ شیخ الاسلام ابن حجر قاضی عیاض کے قول کو بہتر اور راجح کہتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء السلطانی)

علامہ سیوطی متعدد اقوال اس بحث میں نقل کر کے آخر میں کہتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بارہ خلفاء کا وجود بلا تسلسل تا قیامت مراد ہے جو اپنے اپنے عہد

میں عمل بالحق کریں گے۔ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو محدث مسند دہلوی نے اپنی مسند کبیر میں روایت کی ہے۔

لَا تَهْلِكْ هَذِهِ الْأُمَّةُ حَتَّى يَكُونَ مِنْهَا
اثنی عشر خلیفۃ کلہم یعمل بالحدیث
و دین الحق منهم رجلا من اہل
بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بنابرین ۱۲ میں سے ۸ خلیفے تو گزر چکے ہیں۔ خلفاء الراشدین، حضرت حسن، حضرت معاویہ، حضرت ابن الزبیر، حضرت عمر بن عبد العزیز، بنو عباس میں سے منقرضی باشند کو اس میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسا نیک تھا۔ جیسے عمر بن عبد العزیز، بنو امیہ میں نیک تھے۔ اسی طرح طاہر باشند بھی عدل و انصاف والا تھا۔ اب دو کی انتظار ہے ایک ان میں مہدی ہیں جو اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۸)

حدیث من مات کی بحث

امامت میں اسی سیاق سباق میں ”کہ امام وقت کی اطاعت ضروری ہے ورنہ رب قدیر کی دائرہ و گیر سے خلاصی نہ ہو سکے گی۔“ یہ جملہ یعنی مقولہ تو ہے۔ مگر اس سے نہ حدیث نبوی بتایا۔ نہ اثر و نفوذ علی الصحابی بتایا۔ نہ کسی کتاب کا حوالہ ہے۔ ہمارے علم میں بھی اس کا صحیح حدیث نبوی ہونا نہیں ہے۔ جب تک اس کے ماخذ اور سند کا پتہ نہ چلے۔ اور نہ مستعرض بتائے۔ اصولاً ہمیں اس کا جواب دینا لازم نہیں۔ ہاں اس کے قریب المعنی ایک اور حدیث حضرت قتادہ صاحب سند نے بھی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

صلوا خمسکم و صوموا شہرکم و اداؤا زکوٰۃ
اموالکم و اطیعوا امیرکم اذا امرکم بتد خلو
جنة و بکم (منصب امامت ص ۱۸)

اس حدیث سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم اپنے حاکموں اور امراء کی اطاعت

کرو۔ سو الحمد للہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ وہ نظام خلافت کے قائل اور خلیفہ کی تمام جائز باتوں میں اطاعت واجب کہتے ہیں۔ اور یہ بات لانا احادیث سے ثابت ہے۔

شرعی احکام استطاعت سے واجب ہوتے ہیں۔ اور کئی احکام کا وجوب۔ زمان۔ مکان۔ اور خاص حالات و شرائط کے تحت ہوتا ہے۔ اور شرط یا قید کے فقدان سے اس حکم کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ انقلابات زمانہ اور ضرورہ دہر سے نظام خلافت پر اثر پڑا اور مسلمان متحدہ حکومتوں اور ریاستوں میں تقسیم ہو گئے اور ان کو باضابطہ خلیفہ مل نہ سکا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب سب لوگ مرند سمجھے جائیں گے اور عہدِ جاہلیت کے احکام ان پر مرتب ہوں گے۔ اور اس کے برعکس یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر کسی جگہ مسلمانوں کی سیاسی حکومت قائم ہو اور اس کا سربراہ خلافت علی منہاج النبوة کے اوصاف و شرائط پر پورا نہ اترے تو اس کی جائز باتوں میں بھی اطاعت نہ کی جائے یا علمِ بغاوت بلند کیا جائے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں افراط و تفریط کے ذیل میں آئیں گی۔ ایسی صورت میں اسلامی سیاست و قوانین کو سامنے رکھ کر یہی قدر مشترک نکالا جائے گا کہ تمام مسلمان اس کوشش میں ضرور رہیں کہ سب دنیا میں ان کا مرکز خلافت ایک ہو اور تمام حکومتیں آزاد اور خود مختار ریاستیں ہونے کے باوجود عالمی طور پر ایک ایسا سربراہ ضرور بنالیں جو بڑے بھائی کی طرح ان کی حکومتوں کی نگرانی کرے ان کے سرحدی جھگڑوں کا نصفیہ کرے اور تمام ممالک اسلامیہ کا یہ متحدہ ہلاک غیر مسلم قوتوں کے ساتھ بھی معاہدے اور خارجہ جہد پالیسی اختیار کر سکے اور جب تک ایسی صورت میسر نہ آئے ہر ملک کے باشندے اپنی حکومتوں سے صحیح تعاون کریں۔ اطاعت کریں اور شرعی احکام نافذ کرنے کے لیے حکومت کو مجبور کریں۔ فرض کیجئے کہ ان تمام ترکوت شوں کے باوجود۔ حکومت شرعی قوانین جاری نہیں کرتی جیسے پاکستان وغیرہ میں مشاہدہ ہو رہا ہے اور لوگ خلیفہ شرعی کی اطاعت سے باوجود منہا کے محروم ہیں۔ تو اس کا وبال ان حکومتوں پر ہو گا یا ان قومی نمائندوں پر جو اسمبلیوں میں جا کر اپنے فرائض سرانجام نہیں دیتے بلکہ ظالموں کا ترنوالہ بن کر قوم سے خیانت کرتے ہیں ایسی صورت میں کسی شرعی دفعہ سے یا غفل و آئین کی رو سے ان تمام عسائی مسلمانوں کو زمانہ جاہلیت کی طرح ایمان و نجاتِ اخروی سے محروم مانا جائے گا۔ مجبوری کے تحت ان حالات میں مقامی حکام کی جائز باتوں میں اطاعت ایسی ہوگی جیسے ایک شرعی خلیفہ کے

عمال اور نمائندوں کی ہوتی ہے اور اطیعوا امیرکم کے فرامین بلاشبہ ان چھوٹے چھوٹے سرکاری افسروں اور نمائندوں کو بھی حاوی ہوں گے۔

اصول کافی ج ۲۲ پر یہ باب ہے۔ باب ما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنصیحة لائمة المسلمين واللزم بمجاہدتهم۔ پھر ایک حدیث میں حضور کا یہ فرمان ہے۔

ثلاث لا یغفل علیہن قلب امر مسلم
اخلاص الامر للہ والنصیحة لائمة المسلمين
واللزم بمجاہدتهم فان دعوتهم محیطة
من ورائهم۔
تلاوت لا یغفل علیہن قلب امر مسلم
اخلاص الامر للہ والنصیحة لائمة المسلمين
واللزم بمجاہدتهم فان دعوتهم محیطة
من ورائهم۔

اور ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے۔
عن ابی عبد اللہ قال من فارق جماعة
المسلمین قید شبر فقد خلع ربة
الاسلام من عنقه
امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جو مسلمانوں کی جماعت
سے بالشت بھر علیحدہ چلے اس نے اسلام کا پٹہ
اپنے گلے سے نکال دیا۔

یہ تبلیغی احادیث وضاحت سے اس امر پر دال ہیں کہ اجتماعی نظم و نسق کے لیے حکام اور ان کے
ماتحت نمائندوں کی جائز امور میں اطاعت ضروری ہے جب سب مسلمان یا ان کی اکثریت جائز امور
میں اس سربراہ کی اطاعت کرنے لگے تو وہ سیاسی حاکم و امام ہے تو اب کسی کو بلا مسئلہ شرعی کے اس
سے انحراف و مخالفت جائز نہیں۔ اور جماعت مسلمین سے بالشت بھر انحراف گویا اسلام سے انحراف
ہے۔ اب اس کی خیر خواہی لازم ہے کیونکہ ایسے ائمہ و حکام کی دعوت سب کو شامل ہے۔ گویا اس مسئلہ
میں سستی شیعہ کا اختلاف نہیں ہے۔

اگر کسی صاحب کوشش ہو کہ اس سے مخصوص عند الشیخہ بارہ ائمہ مراد ہیں۔ تو سیاق و الفاظ اس
کے متحمل نہیں۔ اور نہ وہ حضرات سیاسی سطح پر ابھر کر اطاعت کا مقام حاصل کر سکے

اب مذکورۃ الصدر حدیث اگر ثابت ہے تو اس کا یہی مفہوم ہے
حدیث من مات کے معانی
مسلم مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کی جائز امور میں اطاعت ضروری

ہے اور بلاوجہ اس کی اطاعت نہ کرنا یا مخالفت کرنا گویا زمانہ جاہلیت کا دستور اپنانا ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت ہے تو خود شیعہ پر عظیم حجت ہے کیونکہ ان کی تاریخ کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ مسلمان سیاسی حکام و پیشواؤں کی انہوں نے کبھی اطاعت نہیں کی۔ بلاوجہ مخالفتیں روح اسلام کے خلاف مقاصد کے لیے بنائیں کیں۔ خود بھی کئی مصائب و محن میں الجھے اور حکومتوں کو بھی پریشان کیا اور مسلمانوں کے مسائل کو حتی الامکان الجھایا اور حکام کا کہنا ہی کیا ہے۔

نور علیفہ راشد رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور پریشان کیا۔ جیسے بیخ البلاغہ روضہ کافی کے بکثرت خطبات ان کی شکایت و مذمت میں بھرپور ہیں حضرت معاویہؓ سے مصالحت اور بیعت کی وجہ سے حضرت حسنؓ پر انہوں نے قاتلانہ حملہ کیا۔ مذل المؤمنین بتایا۔ برسوں تک حضرت حسنؓ کے اس عمل و فیصلہ پر اطمینان و ایمان کا اظہار نہ کیا۔ سیدنا حسینؓ سے جو سلوک ان لوگوں نے کیا وہ کسی کہ و مرہ سے مخفی نہیں۔ حضرت زین العابدینؓ نے تمام شیعوں سے دل گرفتہ ہو کر یزید سے مصالحت و حمایت کی ٹھانی اور یزید سے عطیات لیتے رہے۔ واقعہ جہ میں کوئی شرکت نہ کی۔ یزید نے بھی حضرت زین العابدینؓ اور ان کے متعلقین کی حفاظت کا خصوصیت سے حکم دیا۔ حضرت باقرؓ و جعفرؓ نے سیاست کو طلاق دے کر صرف علمی مشغلہ اختیار کیا اور مدینہ منورہ کو ہی جگمگایا۔ مگر کافی باب امکان کی روایت کے مطابق آپ کے سترہ حمایتی شیعہ بھی نہ تھے ورنہ آپ شاہ وقت کا ضرور مقابلہ کرتے۔ بعد والے آئمہ کو تو مزید قحطِ جمال شیعہ کا شکار ہونا پڑا۔ اور موجود چند ابوالہوسوں کو خوب سنائیں۔ اور حضرت صاحب العصر مہدیؑ تو ساڑھے گیارہ سو سال سے نامعلوم غائب ہیں ۱۲۳۳ مومنین کے انتظار میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ تمام امور باحوالہ ہم سابق ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں بطور مثال و اشارہ کافی ہے۔

الغرض امام زمانہؑ سے مراد کچھ بھی ہو۔ شیعہ نے یقیناً ان کی مخالفت کی اطاعت سے الخوف کیا اور زمانہ جاہلیت کی موت۔ قتل و غارت۔ ان کو نصیب ہوئی۔

۴۔ بیشتر شیعہ اس حدیث کو حضرت مہدیؑ منتظر پر چسپاں کرتے ہیں اور ان کا لقب ہی امام عصر و امام زمانہؑ مشہور کیا ہے باقی معنی بھی یہ حدیث نتیجہ کے تحت مخالف ہے کیونکہ حضرت امام زمانہؑ سے اگر یکم ازکم پہچان اور رویت ہی مراد ہو۔ تب بھی تمام شیعہ ۱۱۵۰ سال سے ان کی

معرفت سے محروم ہیں۔ آخر کس نے امام کو دیکھا کس نے ان کی عملی زندگی مشاہدہ کی۔ کون جانتا ہے کہ
 امام موصوف۔ نماز روزہ کیسے ادا کرتے ہیں۔ ان کے عبادت کے دیگر معمولات کیا ہیں۔ ان کی معاشرتی
 زندگی کیسی ہے۔ ان کی عائلی زندگی کس طرح گزرتی ہے۔ وہ امامت کے فرائض کیسے سر انجام دیتے
 ہیں۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض کس کو اور کیوں کراوا کرتے ہیں۔ ان کی ظاہری وضع
 قطع اور شیعہ کے لیے اسوہ حسنہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شیعہ کا کوئی فرد یا کوئی جماعت نہ ان باتوں
 کو معلوم کر سکتی ہے نہ ان کے پاس کوئی ذریعہ ہے۔ اگر نائب امام یا سفیر و ترجمان امام کا کوئی
 فرضی و خلاف شرع امامیہ عہدہ ہے تو پھر پہچان صرف اسے ہی ہوگی اور تو کسی کو نہیں۔ پھر ان کو
 بھی نہ زیارت کا شرف حاصل ہوا نہ ہی ہاتھ ملانے کا۔ کیا معلوم ان کے کان میں جو آواز گونجتی تھی وہ
 کسی ناربی مخلوق کے اس فرد کی ہوجن کی اسلام و انبیاء سے روزِ اول سے دشمنی ہے۔ کیا معرفت
 امام اسی جہالت کا نام ہے؟ اگر معرفت سے مراد اطاعت ہے اور حدیث کا بھی یہی مطلب و
 تقاضا ہے۔ ورنہ نفس پہچان۔ رویت یا کلام۔ بلا اطاعت و ایمان۔ تو کفار کو انبیاء علیہم السلام
 سے بھی حاصل رہا ہے پھر اس معرفت نے ان کو فائدہ نہ دیا۔ تو شیعہ آٹھ عشرہ سب سے زیادہ
 مسکین اور قابلِ رحم فرقہ ہے جن کا امام خود اپنی کے خوف سے ہجر ۵ سال سے غارِ سرمن رسی میں جا
 چھپا ہے اور تائبانہ زور باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہے۔ حالانکہ شیعہ کے بقول ان کے ہم مذہب ایران جیسی
 حکومت بھی قائم ہے۔ شیعہ ”امامت“ کا منشاء و مقصد تو صرف یہ تھا کہ امام زمانہ تازہ بہ تازہ
 احکام دے اور زمانے کے تقاضے کے مطابق شیعہ کی رہنمائی کرے۔ بدعات کا خاتمہ کرے۔ قوانین
 اسلام کا نفاذ کرے اور لوگوں کو ان پر عمل کروائے۔ مشکلات میں ان کا ساتھ دے۔ دینی اختلافات
 رفع کر دے۔ یہ مقصد تو از خود دفن ہو گیا۔ اور شیعہ امام زمانہ کی اطاعت اور تسلیم و تربیت سے
 یکسر محروم ہو گئے۔ آج ان کے پاس منسوخ شدہ امامتوں کے کچھ ارشادات ہیں۔ وہی ان کے مذہب
 کا ڈھانچہ ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ بھی ”ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور“ کا
 مصداق ہیں۔ اور شیعہ آج حضرت جعفر و باقر کے سینکڑوں ارشادات کی کھلی خلاف ورزی
 کر کے غیر موصوم، خالص، شریعتداروں، نام نہاد مجتہدوں، بلکہ فاسق و فاجر زکروں کی پیروی کرتے
 ہیں۔ جو مسائل آج امامیہ کا شمار میں اور ان کی ترجیح پر ہی سب کو شیعہ مکرور ہو رہی ہیں۔ مثلاً

کلمہ اذان ترک تبقیہ۔ اشاعت مذہب عزاداری جمیع اقسام وغیرہ تمام تر ائمہ کی تعلیمات کی خلاف
 میں۔ قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ اصولِ شیعہ کے مطابق ایک امام کے اقوال صرف اس کی زندگی تک حجت
 اور معمول بہا میں بعد از وفات امام بھی نیا۔ احکام بھی نئے۔ تبھی تو ہر زمانے کا امام جدا مانا گیا۔ ورنہ
 ایک امام ہی کافی تھا۔ جسے شیعہ خدا، اقصی الامۃ کہا جاتا ہے۔ اگر آپ کے ارشادات حجتِ دائمہ ہوتے
 تو آپ کی وفات سے۔ لوگوں کے ذہن سے از خود مٹ تو نہ گئے تھے رہتی دنیا تک آپ کے ملنے
 والوں کے ذریعے راہنمائی کا کام دے سکتے تھے پھر کیوں امام حسنؑ، پھر امام حسینؑ، علیؑ کو یکے بعد دیگرے
 امام مانا گیا۔ اور ایک کی زندگی میں دوسرے کو کبھی امام و حجت نہ مانا گیا۔ اگر ایک امام کی سنت اور
 ارشادات دائمہ حجت ہوتے تو پھر ائمہ میں اختلاف نہ ملتا۔ حضرت علیؑ کا خلفائے ثلاثہ سے تعاون۔
 حضرت حسینؑ کا زید سے مقابلہ۔ حضرت علیؑ کی حضرت معاویہ سے جنگ۔ حضرت حسنؑ کی مصالحت و
 بیعت۔ حضرت حسینؑ کی یزید سے جنگ اور حضرت زین العابدینؑ کی بیعت و مجبورانہ علانی علیٰ ہذا
 الفیاس تصادات نہ ملنے۔ یہ تمام حقائق اس بات پر دلالت ہیں کہ ہر امام اپنے اپنے زمانے کا مستقل
 ہوتا ہے۔ سابقہ امام کے اقوال و افعال اس کے ہاں منسوخ ہوتے ہیں۔ ایک پخیر وقت کی طرح وہ
 زمانہ کے مسائل حل کرتا اور لوگوں سے اتباع کروانا ہے۔

اگر امام سابق کے ارشادات۔ اس کی وفات کے بعد بھی حجت اور واجب العمل ہیں تو پخیر
 آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس منصب کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر عقیدہ امامت کے اختراع کی ضرورت
 ہی کیوں ہوئی۔ کیا آخری دین کے علمبردار۔ شریعتِ ابدیہ کے ناچار۔ سید و آقا، نامدار۔ سیدِ بریل
 محمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال زندگی کے تمام مسائل کے لیے کافی نہ تھے۔ یا کیا وہ
 حضورؐ کی وفات سے ہی آپ کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ ہزاروں صحابہ کرامؓ کو ہزاروں ارشادات
 یاد تھے اور وہ ان پر عمل کرتے اور دوسروں کو تبلیغ کرتے تھے۔ مگر ایک شیعہ کے نزدیک وہ تمام
 حضرات۔ دین۔ علم اور ایمان سے اس لیے کورے تھے کہ انہوں نے از سر نو حضرت علیؑ کے سامنے
 زانوئے تلمذ نہ کیا اور ان سے علم و شریعت کا سرِ رشتہ تعلیم استوار نہ کیا۔ اس کا مطلب واضح تر
 ہے کہ ارشاداتِ محمدیہ بھی عند الشیخہ ہدایت کے حامل اور دائمی راہنما نہ تھے۔ یہ سیدِ حضرت علیؑ
 نے ہی۔ اور اسی طرح حضرت علیؑ سے یکے بعد دیگرے حضرت مہدیؑ تک پہنچی۔ اور پھر یہ سلسلہ ایسا

جام ہوا کہ شیعہ حضرات کو بہت پیچھے چاکر مانچوس یا چھٹے امام سے رابطہ قائم کرنا پڑا۔ حالانکہ ان کے ارشادات سے تمسک اب ایسا ہی ہے جیسے کوئی پیغمبر آخر الزماں کا امتی حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے ارشادات سے تمسک کرے۔ کیونکہ شیعہ کے نزدیک امامت نبوت کی طرح ہے۔ اور ایک امام کا دوسرے سے اختلاف ایک پیغمبر وقت کے دوسرے پیغمبر وقت سے اختلاف کی طرح ہے۔

حاصل کلام یہ نکلا۔ شیعہ کو معرفت امام اس کی اطاعت سے ہی مقید ہے۔ اور اطاعت کے لیے ارشادات و اعمال کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ اور حضرت مہدی غائب سے اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ تو معرفت امام سے جہالت اور اطاعت سے خروجی میں سنی شیعہ برابر ہو گئے۔ نتیجہ کو لازم دہی کا موقع نہ رہا۔

کچھ شیعہ نے اس مشکل کو بھانپ کر یہ عذر لنگ ضرور تراشا ہے کہ کافی حضرت مہدی کی مصدقہ ہے اس پر عمل گویا حضرت مہدی کی تعلیمات پر عمل ہے۔ مگر یہ بوجہ مردود ہے۔

اولاً۔ تمام شیعہ علماء کو اس پر اتفاق نہیں۔ بھلا امام معصوم۔ ایک غیر معصوم شخص کی تمام مرویات کو بلا رد و قرح کیسے تصدیق کر کے ہذا کاف شیعہ کہہ سکتا ہے، تو اسکے پونے دو صد سال بعد پیدا ہوا ہے۔

ثانیاً۔ اگر ایسا ہو تو یہی کتاب کافی سمجھی جائے۔ مگر شیعہ تین اور اہم کتابوں کو بھی اصولی اور واجب الاتباع مانتے ہیں۔ اور مزید دسیوں کتب کو جزو مذہب اور قابل اطاعت سمجھتے ہیں۔ یہ تو کھلا شرک ہوا۔ یا فرمان امام کی تکذیب و تردید ہوئی۔

ثالثاً۔ شیعہ علماء کو بلا چون و چرا کافی کی تمام روایات ماننی چاہئیں۔ مگر وہ اس کی ہزاروں روایات سے آج گریزاں ہیں اور غلط ماننے پر مجبور ہیں۔ جیسے کلام اللہ کی تحریف والی روایات بعض کے نزدیک یا جو روایات بھی آج ان کے رواجی مذہب کے خلاف ہوں۔

جاہلیت کی موت کیوں ہوگی؟ | امام زمانہ کو پچانتے اور عدم پہچان پر جاہلیت کی موت کی وعید شیعہ کے طور پر بطور تخلیط ہے کہ جیسے عہد جاہلیت میں لوگوں کا اجتماعی نظام نہ تھا۔ ہر قوم و قبیلہ خود مختار تھا۔ اور مسلسل لڑائیاں اور فتنے رونما ہوتے تھے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں میں اجتماعی نظام کی وحدت نہ ہو کوئی منظم حکومت اور سربراہ

مملکت نہ ہو تو گویا جاہلیت کا دور ہے۔ انتخاب خلیفہ کے ذریعے اس کا ازالہ ضروری ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز کی سازش اور مصطفیٰ کمال کے خونی انقلاب سے جب ترکی سے خلافت کا خاتمہ ہوا تو ترکی خلافت کے نام سے تحریکیں مختلف ممالک میں بیدار ہوئیں۔ متحدہ ہند میں بھی اس کا زور رہا حضرت مولانا عبد اللہ سندھی جیسے حضرات اس حالت کو عہد جاہلیت کی یادگار ہی جانتے تھے۔ گویا یہ حدیث بغیر معنی انشاء ہے۔ کہ مسلمان نظام خلافت کو ضرور قائم کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ایسا متحدہ نظام خلافت حاصل نہ ہو سکے تو سب لوگ عہد جاہلیت کی طرح کافر سمجھے جائیں گے۔ اور ارتداد کا فتویٰ ان پر لگے گا۔ کیونکہ عہد جاہلیت میں بھی ”امت مسلمہ“ کے تحت شدید ایک قریش کی جماعت کو مومن مانتے ہیں۔ اور کتب تاریخ و سیرت بھی محد و افراد کا رسوم جاہلیت سے پاکلا مومن ہونے کا پتہ دیتی ہیں جیسے زید بن عمرو بن نفیل۔ ورقہ بن نوفل۔ متعدد راہبان وغیرہم۔

امام زمان کا ایک اور مصداق | یہ بھی مطلب بعض علماء کرام بتاتے ہیں۔ جیسے امام اہلسنت مولانا عبد الشکور کھنوی نے انجم دورِ قدیم میں۔ زیر بحث

حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ کا لیا تھا کہ امام زمانہ سے مراد آسمانی کتاب ہو اور مطلب یہ ہو کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام یعنی کتاب اللہ پر ایمان نہ لائے اور اس کی اتباع نہ کرے۔ وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور امام کا اطلاق کتاب اللہ پر ہوا جیسے۔

وَمَنْ قَبْلَهُ كِتَابٌ مُّؤَمَّنٌ إِمَامًا وَرَحْمَةً اور اس سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب (شہادتھی) درانی لیکہ امام اور رحمت تھی۔ (ہود: ۲۶)

جب تورات امام و رحمت ہے تو قرآن مجید بدرجہ اتم امام و رحمت ہے۔ اور نثر نہ کتاب پر امام کا اطلاق اور آیات میں بھی آیا ہے جیسے سورۃ یس میں ہے۔

إِنَّا نَحْنُ الْحَقُّ الْمُبِينُ وَنُكَتِبُ مَا قَدَّمُوا وَآتَاهُمُ كُلُّ شَيْءٍ حَصِيبًا فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ۔ (رپ: ۲۶)

جاتے ہیں ان سب کو ہم بکھتے جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں (از روئے علم و شمار) جمع کر لیا ہے۔

روشن امام سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا اعمالنامہ۔ سورۃ سبأ میں اعمالنامہ کی تائید ہوتی ہے۔
 وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ الْآفَاتِ اور نہ اس (ذرے) سے چھوٹی چیز اور نہ بڑی
 کتبِ مبینہ ہے اور نہ بڑی۔ مگر یہ کہ کھلی کتاب میں سب
 مذکور ہے۔

الغرض لغت و شرع کی رو سے امام زمان قرآن مجید کو کہنے پر کوئی امتناع نہیں جب شیعی
 امام زمان کی اتباع ناممکن ہے۔ سنی ائمہ کو شیعوں نہیں مانتے۔ تو بہتر یہی ہے کہ بالاتفاق قرآن کو
 امام زمانہ تسلیم کر کے اس کی اتباع سے جنت اور رضائے مولیٰ کی سند حاصل کی جائے۔ اور نزاع
 کا خاتمہ ہو جائے۔

باب نہم دین میں بدعات کا موجب کون ہے؟

سوال ۲۲۔ کیا کسی آدمی کو دینِ مصطفیٰ میں کمی بیشی کرنے کا اختیار یا حق ہے۔ اگر نہیں تو حضرت
 عمرؓ کا اذان میں ”الصلوة خیر من النوم“ نماز تراویح باجماعت۔ چار گھنٹوں پر نماز جنازہ کا
 اتفاق کرنا۔ متعہ کو حرام قرار دینا۔ تین طلاقیں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دینا
 اور قیاس کو اصول قائم کرنا کہاں تک درست ہے اور کیا یہ صراحتہ مداخلت فی الدین نہیں جو
 ناجائز اور حرام ہے۔

الجواب۔ اہل السنۃ والجماعت کثر سمع اللہ
 اہل سنت دین میں کمی بیشی کے قابل نہیں | کے مذہب حق میں دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 میں کسی شخص کو ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کے بجائے کسی آسمانی وحی اور نزول کتاب
 کے قابل نہیں۔ خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کو بھی شریعت سازی۔ تحریک و
 تحلیل میں خود مختار۔ مضبوط وحی اور معصوم دینی پیشوا ماننے کے لیے تیار نہیں جیسے خداوند تعالیٰ کے
 بجائے کو مشکل کشا۔ حاجت روا۔ غیب دان اور رازق نہیں مانتے۔ اسی طرح بیت اللہ شریف
 کے علاوہ کسی جگہ کو قبلہ عبادت نہیں مانتے نہ کسی بقعہ کی زیارت کو حج یا اس سے افضل مانتے ہیں
 گویا ایک قرآن ایک پیغمبر ایک معصوم پیشوا اور ایک کعبہ کی وحدت پر یقین رائج رکھتے ہیں۔

عقائد و اعمال کا شیعہ اضافہ ایک نظر میں

یہ صرف اور صرف شیعہ مذہب کا خاصہ ہے کہ جہاں انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب عمر کی محنت شاقہ سے تیار کردہ و تعلیم یافتہ مسلمان جماعت کے ایک ایک فرد کو خاسخ از ایمان قرار دیا۔ مثلاً اصول کافی ج ۲ ص ۳۲۴ باب قتلہ المؤمنین میں ہے۔ حران بن اعین نے امام باقرؑ سے کہا کہ ہم کس قدر تھوڑے ہیں کہ ایک کبریٰ بھی نہیں کھا سکتے۔ فرمایا میں اس سے زیادہ عجیب تم کو بتاتا ہوں۔

المہاجرین والہ انصار ذہبوا الی - وانشاء ربیدہ - ثلاثہ - کہ تمام مہاجرین و انصار مرد ہو گئے تھے۔ پھر ہاتھ کے اشارہ سے تین افراد کو مستثنیٰ کیا۔

یہاں مثنیٰ رجال کشتی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ امام باقرؑ نے فرمایا۔ تین کے سوا سب صحابہ شہر مند ہو گئے تھے۔ سلمانؓ۔ ابوذرؓ۔ مقدادؓ۔ راوی نے عمارؓ کا پوچھا تو فرمایا۔ وہ بھی حق سے پھر گیا تھا پھر لوٹا۔ نیز فرمایا۔ اگر تم ایسا صحابی پوچھو جس نے شک (فی الامامۃ) نہ کیا ہو اور اس کے دل میں (کفر کی بات) داخل نہ ہوئی ہو تو وہ صرف مقداد ہیں۔ پھر حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ پر بھی تنقید کی ہے۔ انتہی۔ متنبہ سند کیا تھا حضرت صادقؑ نے مرفوعاً یہ روایت بھی کی ہے کہ اسے یحییٰؑ اگر تیرے علم کو مقداد پر پیش کریں وہ کافر ہو جائے۔ اور اے مقداد اگر تیرے صبر کو مقداد پر پیش کریں وہ کافر ہو جائے۔ رجیات القلوب ج ۲ ص ۶۴۳۔

بحوالہ رجال کشتی و کتاب اختصا ص

— وہاں حضورؐ کی شہریت کے ایک ایک مسئلہ کو ختم کر کے منوازی شہریت اپنے خود ساختہ مثل پیغمبرؐ و معصوم ائمہؑ سے تصنیف کرادی۔ کیونکہ وہ ہی اللہ کی شہریت کے والی اور اس کے علم کا خزانہ تھے۔

دکافی ص ۱۹۳ اور یحیٰ لون مایشاءون و یحی مون مایشاءون۔ دین مصطفیٰؐ کے جس حرام کو چاہیں حلال کر دیتے ہیں اور جس حلال کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں کے منصب کے مالک تھے۔ (دکافی ص ۱۹۴)

اور مذہب شیعہ کے مؤسس حضرت صادقؑ المتوفی ۴۸ھ نے تو صراحتاً ارشاد قرآنی (درجہ ۱۱) کے بغیر فرمادیا تھا۔

ما جاء به علی اخذہ و ما نفی عنہ انتفی
جہی لہ من الفضل ما جہی لمحمد

جو احکام علیؑ لائے ہیں میں وہ لیتا ہوں اور جس سے وہ روکیں رکھتا ہوں۔ آپ کو وہی فضیلت ملی ہے جو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے۔

(اصول کافی ص ۱۱۷ دیکھو)

جیسے تفصیل ۲۱۳ کے تحت گزر چکی ہے۔ چنانچہ اس منصب کی رو سے (قبولِ شیعہ) ائمہ اہل بیت کی جو نئی شریعت وجود میں آئی اس میں حضور پاک کی ازواج مطہرات و اموات المؤمنین پر لعنت بھیجنا کارِ ثواب ہو گیا۔ (فروع کافی ج ۳ ص ۳۲۲) آپ کے خسران محترم۔ و اما دول اور جانثاروں پر تبراج و مذہب بن گیا۔ (روضہ کافی ص ۲۴۵، ۲۴۶) انبیاء سے ائمہ کو افضل ماننا ایمان بن گیا راجح القلوب ج ۲ ص ۲) ائمہ موت و حیات اور آسمان و زمین کے بھی مالک ہو گئے۔ (تحقیق الیقین ص ۴۳۶) بداد کے عنوان سے خدائے علام الغیوب کو بھی مستقل سے جاہل بتایا گیا (اساس الاصول ص ۴۱۹) دینِ اسلام کو چھپانا اور جھوٹ بولنا کافی کے باب النقیۃ اور باب الاحکام کی تعلیم سے واجب ہو گیا۔ عقل و غیرت اور تمام مل کے اتفاق سے حرام زنا کو بھی منہ کے نام سے سب سے افضل بتایا گیا۔ منہ کے چند فضائل بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت سید عالمؑ نے فرمایا (العباد باللہ) جو شخص مومنہ (شیعہ عورت سے) منہ کرے گویا اس نے خانہ کعبہ کی ستر مرتبہ زیارت کی (عجالتہ حسنہ ص ۶۱ ترجمہ رسالہ منہ)

۲۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا جو شخص منہ کر کے غسل کرے۔ ہر ہر قطرے کے بدلے اللہ تعالیٰ ستر ستر فرشتے پیدا کرتے ہیں جو قیامت تک اسی کے لیے مغفرت مانگتے ہیں (ولعنت میکند) اجتناب کنندہ ازاں را۔ کہ منہ سے پرہیز کرنے والے (شیعہ) پر پتا قیام قیامت لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (مفتی الامال ج ۲ ص ۲۲۸)

بلکہ سید زادیوں کی عصمت بھی محفوظ نہ رہی کہ تہذیب الاسلام طوسی میں ہے لا باس بالمتعة بهاشمیتہ ج ۲ ص ۱۹۲ کہ ہاشمی عورت سے منہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ منہ نہ کرنا لا ناقص الايمان ٹھہرا و روی ان المومن لا یکمل حتی یتمتع (القیقہ ص ۳۳) حدیث ہے کہ مومن منہ کیے بغیر کامل نہیں ہوتا۔ بلکہ تفسیر منہاج الصادقین ج ۱ ص ۱۸ میں صراحت کر دی۔

من تمتع مرة کان درجته کدرجة الحسين ومن تمتع مرتین درجته کدرجة الحسن ومن تمتع ثلاث مرات کان درجته کدرجة علی بن

جو ایک دفعہ منہ کرے اس کا درجہ حضرت حسینؑ کی طرح ہے اور جو دو مرتبہ منہ کرے اس کا درجہ امام حسنؑ کی طرح ہے۔ اور جو تین دفعہ منہ کرے اس کا درجہ علی بن ابی طالبؑ کے درجہ کی

ابن طالب ومن تفتح أربع مرات فلن فتحه
 کدر جنتی (ذریر آیت والمحصنات پٹ)
 میرے درجہ کی مانند ہے۔ (العیاذ باللہ الف مرتبہ)
 غیر شیعہ اولاد علی بن ابی طالب پر کونٹ پھینکا جائے ہو گیا۔ شیعہ کے شہید ثالث نے بڑے فخر سے یہ اشتعار
 لکھے ہیں۔

اذ العلوی تابع ناصبیا جندھبہ فها هو من ایہ

حضرت علیؓ کی اولاد کا جو فرد ناصبی مذہب کی تابعداری کرے وہ اپنے باپ کا نہیں ہے۔
 ناصبی وہ ہوتا ہے جو ایم المؤمنینؓ پر غیر کو مقدم کرے (مجلس المؤمنین ص ۳۸۲)
 وكان الکلب خیرا منه طبعاً لان الکلب طبع ایہ فیہ
 اس سے تو کتا بھی طبیعت میں بہت بہتر ہے۔ کیونکہ کتے میں اپنے باپ کی خصلت پائی جاتی
 ہے۔ اور مشہور شیعہ حمران بن ابدین (از اصحاب باقرؑ) خلوص و اعتقاد سے کہا کرتا تھا۔

رشتہ امامت تھا تا صاحب العصر منہ است
 و ہر کہ از ان تجاوز کند خواہ علوی باشد یا غیر
 علوی از او بیزارم۔ (مجلس المؤمنین ج ۱ ص ۳۴۶)
 بلکہ حق الیقین ص ۶۳۶ پر بلا قری علیؑ مجلسی نے لکھا ہے۔ "کہ خلفائ ثلاثہ۔ معاویہؓ، یزید اور
 دیگر مخالفین اہل بیت سے بیزار ہیں کے علاوہ خلفاء اسماعیلیہ اور زیدیہ سے بھی بیزار ہیں واجب
 ہے۔ کیونکہ انہوں نے امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ کی نسل سے جو شیعہ ہوئے وہ اسماعیلی کہلاتے ہیں اور حضرت
 زید بن امام زین العابدینؑ کی نسل سے جو شیعہ و اہل بیت کے تابع چلے وہ زیدیہ کہلاتے ہیں۔ الفرض
 اثنا عشریہ نے اپنے ان سادات بھائیوں کو بھی نہ چھوڑا۔

صوفی درندہ و نول تیرے غمزہ سے تبا خالقہا گر ہے ویراں تو خرابات خراب

حضرت عمرؓ کا دامن بدعت سے پاک ہے | آدم بر سر مطلب۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ پرچین مسائل
 کی کمی بیشی کا الزام لگایا گیا ہے۔ وہ مذہب ابست
 کے مطابق مرتع غلط ہے۔ افسوس کہ شیعہ حضرات تحقیق و دانش سے ذرا کام نہیں لیتے۔ حضرت عمرؓ

یاد رکھنا کہ اگر کسی کو قسمی میں اگر مطاعن تصنیف کر دیتے ہیں۔

سوال میں مذکور مسائل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

۱۔ البداؤ دومۃ - نسائی ۵۷ - موارد الفہام ۸۵ -
الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ | طحاوی ۸۲ میں حضرت ابو محمد رحمہ کی روایت ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب فجر کی آذان دو تو

قل بعد حی علی الفلاح الصلوۃ خیر
 حی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم کہو کہ
 من النوم - نماز نیند سے بہتر ہے

قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲ میں لکھتے ہیں صحیح ابن خزمہ۔

شیدہ بھی یہ جملہ کہنے کے قائل ہیں۔ شیعہ کی معتبر کتاب الفقیہ ۵۹ باب الاذان میں ہے کہ کوئی
 حرج نہیں۔ الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ بطور تفسیر کہا جائے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آذان میں
 حی علی الصلوۃ کے بعد الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ کہا جاتا تھا۔ (طحاوی ج ۱ ص ۸۲ نیل الاوطار ج ۲
 انطربانی و بیہقی)۔

ابن سید الناس عجمی کہتے ہیں۔ ہذا اسناد صحیح اور حافظ ابن حجر بخیر النجیر ۵۷ پر لکھتے ہیں۔
 سندہ حسن۔

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ سنت میں سے یہ ہے کہ فجر کی آذان میں حی علی الصلوۃ کے بعد
 الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ کہا جائے۔ (طحاوی ج ۱ ص ۸۲ - نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲ از دار قطنی
 و بیہقی، ابن سید الناس اور ابن حجر بخیر النجیر میں اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ راز افادات شیخ محترم
 علامہ صفدر مدظلہ)۔

شیدہ کو منالطہ موطا امام مالکؒ کی اس روایت سے لگا ہے کہ مؤذن نے صبح کو حضرت عمرؓ کو
 اٹھاتے ہوئے کہا۔ الصلوۃ خیر من النوم۔ فامروہ عمران یجعلہا فی اذان الفجر مگر سنت نبویؐ
 سے قطعی ثبوت کے بعد حضرت عمرؓ کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ اس کلمہ کا استعمال صبح کی آذان کے
 بغیر نہ کیا جائے۔

تراویح کا ثبوت

بخاری شریف ج ۱۸ پر حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے۔

”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ایک الگ جگہ نماز کے لیے بنادی۔ میرا گمان ہے کہ وہ چٹائی کا ایک چھپر تھا۔ آپؐ نے کئی راتیں اس میں نماز پڑھی آپؐ کے صحابہؓ نے بھی آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

اسی صغیر پر حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جوہ یا چھپر میں، دیکھا تو لوگوں نے آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ یہ دو یا تین راتیں عمل ہوا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں بیٹھ رہے اور باہر نہ نکلے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔

انی خشیت ان نکلت علیکم صلوة
مخفی خوف ہوا کہ تمہارے شوق کے پیش نظر نماز
شب تراویح تم پر فرض نہ ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ نفس تراویح کا ثبوت باجماعت خود حضورؐ سے ثابت ہے۔ فرضیت کے اندیشہ سے آپؐ نے عداومت نہ کی۔ عہد صحابہؓ میں جب یہ اندیشہ نہ رہا تو حضرت عمرؓ نے سب صحابہؓ کو اس کے اتفاق اور موجودگی میں اس سنت نبویؐ بالجماعت کو التزاماً زندہ فرما دیا۔ چونکہ یہ التزام دوام نیا تھا تو بطور تعوی استعمال اسے ”نعمت البدعة ہذیہ“ کیا ہی یہ نیا اچھا کام ہے۔ سے تعبیر فرمایا۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس مقام پر لکھتے ہیں۔

فصلی فیہا الیالی۔ اس جملہ میں اصل تراویح کا ثبوت ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز رمضان کی راتوں میں پڑھی۔ یہ ۲۰ رکتیں ہیں۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ۹ ترویجے ۳۶ رکتیں ہیں وتر کے ماسوا۔ آپؐ کا استند لال اہل مدینہ کے عمل سے ہے۔ ہمارے اصحاب حنفیہ شافعیہ۔ حنبلیہ کا استند لال بیہقی کی باسناد صحیح اس روایت سے ہے۔

عن السائب بن یزید الصحابی قال
کانوا یقومون علی عہد عمر بن عبد العزیز
حضرت سائب بن یزید صحابیؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان
حضرت عمرؓ کے عہد میں اور اسی طرح حضرت

رکعتہ وعلیٰ عہد عثمان وعلیٰ رضی اللہ عنہما مثله (بجوالہا شیعہ بخاری ج ۱ ص ۱) عثمان وعلیٰ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ۲۰ رکعت
 عنہما مثله (بجوالہا شیعہ بخاری ج ۱ ص ۱) تراویح پڑھتے تھے۔

جب حضرت عثمان وعلیٰ رضی اللہ عنہما نے بھی اسی پر عمل کیا اور کرایا اور کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول و فعل
 پر کبیرہ کی بلکہ تحسین و تائید فرما کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فقیہ و تابع سنت ہونے پر گویا شہادت دی تو اس
 کے جواز پر کیا شبہ ہو سکتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نور اللہ قبر محمد کما نور مساجدنا اللہ
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کو روشن کرے جیسے ہماری مساجد کو روشن کیا۔ (شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید
 ج ۳ ص ۳۳ فضائل عمر رضی اللہ عنہ) کتب شیعہ میں رمضان میں بعد از نماز عشاء ۲۲ رکعت نماز پڑھنے کا حکم ہے
 آئمہ کی طرف سے اور حضور کا رمضان میں بعد از عشاء صحابہ کو تراویح پڑھانا منقول ہے۔
 (فروع کافی ج ۳ ص ۳۹۹ از افادات تولسنوی)

بخاری ج ۱ ص ۱۸۱ پر یہ باب ہے۔ باب التکبیر علی الجنائزۃ اربعاً
 چار تکبیر نماز جنازہ کا ثبوت پھر پہلی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے۔ فخرج بهم الی
 المصلی وکبر علیہ اربع تکبیرات کہ بخاشی کی موت کی خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز گاہ
 کی طرف چلے۔ صف بنائی اور تم تکبیروں سے ان پر نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسری حدیث حضرت
 جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور نے احمہ بخاشی پر چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ کتب اہلسنت میں
 اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں سلف و خلف تم تکبیروں پر اتفاق رکھتے ہیں۔ شاید کسی صاحب
 نے فعل نبوی سے بے خبری کی وجہ سے اس کے خلاف کہا سنا ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید فرما کر
 اس سنت نبوی کو قانونی شکل دے دی ہو تو شیعہ نے بغض و دشمنی کی وجہ سے اسے ایجاد و عزم قرار
 دے دیا ہو۔

بلکہ کتب شیعہ سے بھی فعل نبوی سے چار تکبیریں ثابت ہیں۔
 فروع کافی ج ۱ ص ۱۸۱ پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے۔
 عجب اللہ تعالیٰ نے حضور کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا تو آپ یوں نماز پڑھتے تھے۔
 کبر و تشهد تم کبر و صلی علی النبیین تکبیر کہتے اور خدا و رسول کی گواہی دیتے پھر کبر
 صلی اللہ علیہم ثم کبر و دعاء المؤمنین کہتے اور مؤمنین کے لیے دعا کرتے پھر توحہ پڑھتے تھے۔

ثم كبر الرابعة والصرف ولم يدع
للبيت
دعاء کرتے۔

معلوم ہوا کہ اہلسنت کے ہاں مطلقاً اور عند الشیوخ حضورؐ کا پچھلا تعامل (آیت ولا تصل علی احد کے بعد) تم تکبیروں سے نمازِ جنازہ پڑھانا اور بعد از سلام دعا نہ کرنا تھا۔

اب شیعہ کے مابین ناز و دل پسند اور محبوب فعل متنع متنع کی حرمت خود حضورؐ سے ثابت ہے | کی باری بھی آگئی کہ مطاعن فاروقی میں کسی اور بات کا ذکر کریں یا نہ کریں۔ متنع کا ذکر ضرور کریں گے۔

متنع کے عند الشیوخ فضائل بطور نمونہ گزر چکے ہیں متنع کی تعریف ملاحظہ کر لیں۔

کوئی مرد و عورت مقررہ وقت اور مقررہ اجرت سے بغیر گواہوں اور ولی کی اجازت کے ایجاب و قبول (رضامندی) کر کے تعلق قائم کریں۔ شیعہ کے ہاں اسی کا نام متنع ہے مسلمان اسے زنا بالرضا سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو بھند و پاک میں شاپان روافض کی یادگار ”یا زنا حسن“ میں بتواتر ہے۔ اور اسی وجہ سے بے دین حکومتیں رضامندی سے اس فعلِ تنہج کو قابلِ گرفت و تفسیر نہیں مانتی ہیں۔

سنی شیعہ کے اتفاق سے متنعہ عورت ایک بازاری و کسی کا حکم رکھتی ہے۔ کوئی بھی اس میں زور و جبر کے شرائط تسلیم نہیں کرتا۔ نہ زوجیت کے حقوق دیتا ہے اور نہ اسے باندی مانتا ہے۔ متنعہ عورت کی ”بازاری“ اور بیوی نہ ہونے کی حیثیت پر کتب شیعہ سے دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ولیس فی المنعۃ اشہاد ولا اعلان متنعہ میں نہ گواہ ہوں گے نہ اعلان ہوگا۔

(تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۱۸۹)

۲۔ ادنی ما یبتر زوجہ قال کف من امام جعفرؑ سے پوچھا گیا کم از کم کتنی اجرت پر زوالج متنعہ ہوگا۔ فرمایا۔ گندم کی ایک تھیلی۔ (ایضاً)

حالانکہ بیوی کے مہر میں مہین مقبول رقم شرط ہے۔

۳۔ متنعہ: مکان پانچ ہیں۔ مرد۔ عورت۔ مہر۔ وقت مقررہ۔ ایجاب و قبول کا لفظ

دگواہ شرط نہیں، تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵

۴۔ عن ابی عبد اللہ قال ذکرلہ
المتعة اھی من الاربع قال تزوج منها
الفافانہن مستاجرات -

۵۔ وقال ابو جعفر لیس من
الاربع لانہا لا تطلق ولا تزوت وانما
ھی مستاجرة (تہذیب ج ۲ ص ۱۸۸)

۶۔ سئل ابو الحسن علیہ السلام
عن المتعة اھی من الاربع فقال لا و
فی رواية ولا من السبعین وانما ھی
مستاجرة (کافی ابواب المتعة ص ۲۸)

۷۔ وصاحب الاربع النسوة یتزوج
منہن ما شاء بغیر ولی ولا شہود فاذا
انقضی الاجل بانث منه بغیر طلاق و
يعطیہا النشئ الیسیر (صدق الامام
الصادق، فروع کافی ابواب المتعة ص ۲۸)
فرمائی۔

۸۔ عن ابی عبد اللہ قال لا تكون
متعة الا بامرین اجل مسہمی واجر
مسہمی (ایضاً ص ۲۵)

۹۔ کئی آدمی ایک ہی عورت سے بار بار متہ کر سکتے ہیں۔ ذرا رہنے امام باقرؑ سے پوچھا
ایک آدمی متہ کرے اور شرط ملت ختم ہو جائے پھر دوسرا اس سے متہ کرے جب وہ اس سے
جدا ہو تو پہلا متہ کرے اور اس سے جدا ہو اسی طرح تین دفعہ ہو اور (بیک وقت) وہ تین

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کیا کیا زانیہ متہ چار
میں سے ہے فرمایا (نہیں) ہزار سے عقد کر لو۔
کیونکہ یہ کراہی دار (پیشہ ور) ہیں۔

امام باقرؑ نے فرمایا یہ چار عورتوں میں سے
نہیں کیونکہ نہ طلاق پاتی ہے نہ وارث بنتی ہے
بلکہ یہ کراہی دار ہے۔

امام ابوالحسن (رضا) سے پوچھا کیا کیا زانیہ متہ
چار (منکوحہ) عورتوں میں سے ہے۔ فرمایا نہیں
ایک روایت میں ہے کہ یہ ۷ (بانڈیوں) میں سے
بھی نہیں۔ یہ کسی ہے۔

اور چار بیویوں کا خاوند متہ والی عورتوں میں
سے جس کے ساتھ چاہے بغیر ولی اور گواہوں
کے عقد کر لے۔ جب مدت مقررہ ختم ہوگی تو
بلا طلاق یہ جدا ہو جائے گی۔ مرد اسے کچھ پیسے
دے دے۔ (امام صادقؑ نے اس کی تصدیق

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ متہ صرف دو باتوں
سے ہوگا۔ وقت مقررہ ہو اور اجرت مقررہ
ہو۔

۱۰۔ کئی آدمی ایک ہی عورت سے بار بار متہ کر سکتے ہیں۔ ذرا رہنے امام باقرؑ سے پوچھا
ایک آدمی متہ کرے اور شرط ملت ختم ہو جائے پھر دوسرا اس سے متہ کرے جب وہ اس سے
جدا ہو تو پہلا متہ کرے اور اس سے جدا ہو اسی طرح تین دفعہ ہو اور (بیک وقت) وہ تین

مردوں سے متنعہ کرے۔ کیا اب بھی پہلے کے لیے حلال ہوگی۔ فرمایا ہاں۔ جتنی دفعہ چاہے۔ یہ کہ نہ او
 عورتوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ یہ کراہیدار ہے۔ اور یہ باندیوں کے قائم مقام ہے۔ (الضمان ۳۷)
 ۱۔ معلوم ہونا چاہیے کہ عقدہ متنعہ میں عورتوں کی تعدد و معین نہیں ہے اور نفقہ۔ کھانا پینا
 مکان۔ لباس مرد پر لازم نہیں ہے۔ نیز اس جوڑے میں دراشت بھی نہ ہوگی یہ تمام امور دائمی
 عقدہ نکاح میں ضروری ہوتے ہیں۔ (تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵)

شبیہ عبارات سے تفصیل ہم نے اس لیے کی تاکہ متنعہ کے زنا ہونے کا آپ کو یقین ہو جائے۔
 اس رضا مندی طرفین میں نہ گواہ ہیں نہ اعلان۔ نہ نفقہ ہے نہ وراثت نہ طلاق ہے نہ اس کی عدت
 بلکہ یہ ایک کراہیدار عورت ہے جس کے ساتھ گھڑی دو گھڑی یا ایک دو دن کے لیے بھی تعلق
 قائم کیا جاتا ہے۔ (تہذیب ج ۲ ص ۱۹) امام نے ان کو باندیاں بھی نہیں فرمایا بلکہ ولامن سبجین
 کہہ کر صراحتہ تردید کر دی۔ ہاں بعض روایات میں بمنزلۃ الاماء فرمایا۔ یعنی چادر سے زائد رکھنے
 میں باندیوں کے قائم مقام ہیں۔

اس انتہائی غش و جیاسوز فعل کی حرمت پر تمام ملل و ادیان کی عقل و نقل و سوا فرقہ شبیہ
 متفق ہیں۔ بلکہ جن بزرگان اہل بیت کی طرف ان شہوت پرستوں نے اس کی نسبت کی ہے وہ
 بھی اپنے گھر کا ذکر سن کر آگ بگولا ہو جاتے تھے۔ اگر نکاح کی طرح متنعہ بھی واقعی جائز ہوتا تو
 ناراض کیوں ہوتے۔

امام باقرؑ سے عبداللہ بن عمیر نے کہا آپ کی بیویاں۔ بیٹیاں۔ بہنیں اور چچا کی بیٹیاں یہ
 کام کرتی ہیں؟

فاعر ض ابو جعفر حین ذکر نساء و
 بنات عمہ (تہذیب الاحکام طوسی ج ۲ ص ۱۸۶)
 امام باقرؑ نے متنعہ بھیر لیا جب اپنی عورتوں اور
 چچا زاد بیٹیوں کا ذکر ہوا۔

بلکہ شبیہ کے ذمہ دار علماء و مجتہدین جب متنعہ کی مدح و مصالح میں۔ منبر و محراب حسینی پر
 رطب اللسان نظر آتے ہیں اور مستقل کتابیں لکھتے ہیں وہ بھی اپنے گھر میں اس فعل شنیع کو کبھی
 جائز نہیں سمجھتے نہ برداشت کرتے ہیں۔ تو پھر ایسے لوگ عوام شیعہ خصوصاً عزاباؤ کی بہن بیٹیوں کے
 حق میں اس کے جواز کا فتویٰ کیوں دیتے ہیں۔ کیا وہ اس دورخی پالیسی پر خدا کا ذرا خوف نہیں

کرتے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ اَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ اللہ کے ہاں بڑی ناراضگی کی یہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں ہو۔

پھر کیا شیخہ امیروں۔ نوابوں۔ جاگیرداروں۔ مسندوں۔ زکروں۔ بے دین و نام نہاد سیدوں کی ہوس رانی ہی کے لیے یہ شرمناک مسئلہ مباح کر لیا گیا ہے تاکہ شیخہ مذہب زندہ رہے۔ کیونکہ اس مذہب کی بقا کے یہی لوگ ذمہ دار ہیں۔ اور ان کی روح یہی مسئلہ ہے۔ بے غیرتی کا طرہ امتیاز صرف شیخہ کا یہ مسئلہ ہی نہیں بلکہ وہ مقام مخصوص کو بطور عارت مانگنے پر کسی وقت بھائی وغیرہ کو بھی دینے کے قائل ہیں۔ الاستبصار ج ۳ ص ۱۳۸ پر ہے کہ حسن عطار نے امام صادق سے مانگی ہوئی شرمگاہ کے متعلق پوچھا۔ قال لا بأس بہ۔ فرمایا۔ کوئی حرج نہیں۔ بیوی سے در و بر لواطت جائز کہتے ہیں۔ امام باقرؑ نے فرمایا لا بأس اذا رضیت۔ جب بیوی راضی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۲۴۳) کچھ لوگ خوف خدا پس پشت ڈال کر اور فحشاء کا لبادہ اوڑھ کر یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ یہ متنو عہد نبوی میں رائج تھا اور فلاں فلاں اس کی مثالیں ہیں۔ حالانکہ بالفرض یہ بے حیائی۔ عہد جاہلیت کی یادگار۔ عہد نبوی میں ابتدائی عہد کے لیے کچھ تسلیم کی بھی جائے تو اس سے اس کی ابداحت کیسے ثابت ہو جائے گی۔ قرآن کریم نے رفتہ رفتہ مصالح کے پیش نظر مسلم معاشرہ کی قوت کے مطابق۔ برائیوں کا ازالہ کیا اور حرمت نازل فرمائی ایک وقت میں نماز و زکوٰۃ نہ تھی اور شراب۔ جو ا وغیرہ رائج تھا۔ تو کیا بعد والی فرضیت یا حرمت سے قطع نظر کر کے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام میں یہ عبادات فرض نہیں اور شراب و جو ا حلال ہیں۔ ظاہر ہے کہ آخری دور حلت و حرمت ہی کو دیکھا جائے گا۔ جب اللہ پاک نے بار بار یہ ارشاد فرمادیا۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ ذُرِّيَّتِهِمْ حَافِظُونَ اَلَا عَلٰی اَرْوَاحِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غٰیِبُوْا مِّنْ عَيْنِ رَبِّهِمْ (مومنون۔ معارج)

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی ازواج کے یا اپنے ہاتھ کے مال (لوٹندوں) کے کہ اس صورت میں وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں۔

اور حضرت ابن عباسؓ جیسے جبر امت و ترجمان قرآن نے اس کی تفسیر میں یہ فرمادیا۔
 ”متعہ شروع اسلام میں تھا۔ ایک آدمی کسی شہر میں آتا وہاں جان پہچان نہ ہوتی تو کسی
 عورت سے اقامت کی مقدار شادی کرتا وہ اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کے کام
 درست کرتی۔ حتیٰ کہ جب آیت اَلْاَعْلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ نَازِل ہوئی تو ابن عباسؓ
 فرماتے ہیں ہر فرج اس کے سوا حرام ہے۔ (ترمذی ص ۲۴۳)

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زن متعہ نہ ہوئی ہے ورنہ اس سے عقد کے لیے گواہ۔ اعلان میراث
 نفقہ۔ نوداد۔ طلاق۔ عدت وغیرہ ہوتی۔ نہ باندی ہے ورنہ بیع۔ ہبہ۔ آزادی وغیرہ اس میں نافذ
 ہوتی۔ تو اس آیت نے صراحتہ متعہ کو حرام کر دیا۔

اور بر روایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام نے منع فرمادیا۔

۱۔ قال نہی عن متعة النساء يوم
 خيبر وعن اكل لحوم الحمير الاهلية
 (مشکوٰۃ ص ۲۴۲)

فتح خیبر کے دن حضور نے عورتوں سے متعہ
 اور پالتو گدھوں کے گوشت سے روک دیا۔

۲۔ ان عليا قال لابن عباس ان
 النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن المتعة
 وعن لحوم الحمير الاهلية (من خيبر
 (بخاری ج ۲ ص ۶۴)

حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ سے فرمایا بلاشبہ
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعہ سے اور
 پالتو گدھوں کے گوشت سے خیبر کے دنوں سے
 ممانعت فرمادی۔

۳۔ عن علي عليه السلام قال
 حرم رسول الله لحوم الحمير الاهلية
 ونكاح المتعة (استبصار ج ۳ ص ۱۲)

حضرت علیؓ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر لوگدھے اور عقد متعہ
 کی حرمت کر دی ہے۔

۴۔ حضرت ابن عباسؓ اول متعہ میں رخصت کے قائل تھے۔ آپ کو آپ کے غلام نے کہا یہ
 تو انتہائی مجبوری کی حالت اور عورتوں کی قلت وغیرہ کی وجہ سے تھا۔ فقال ابن عباس نعم
 (بخاری ج ۲ ص ۶۴)۔ (یعنی رجوع تسلیم کر لیا)

مزید کی روایات بھی متعہ کی حرمت اور ابن عباسؓ کے رجوع پر صریح دال ہیں۔

قرآن و سنت اور اجماع صحابہؓ سے اس کی تحریم کے بعد کیا اب بھی اس کو جائز کہا جائے گا پھر تو گدھے بھی حلال ہوں گے؟ چہ خوب۔

علاوہ ازیں یہ کسی صورت میں قابل تسلیم نہیں کہ بلا شہود و اعلان یہ عقد متعہ شیعہ اور متعہ دوریہ عہد نبوی میں واقع ہوا تھا کیونکہ یہ انتہائی بے غیرتی اس وقت نہ تھی وہ صرف نکاح متعہ تھا۔ یعنی گواہوں کی موجودگی میں مدت مقررہ کے لیے باقاعدہ نکاح ہوتا تھا جسے متعہ یا نکاح موقت کہا جاتا تھا۔

”امام جعفرؑ سے پوچھا گیا۔ کیا عہد نبوی میں لوگ بغیر گواہوں کے عقد متعہ کرتے تھے؟ قال لا۔ فرمایا نہیں۔ شیعہ علامہ طوسی اس پر کہتے ہیں کہ اس حدیث میں گواہ کے بغیر متعہ کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ اس کا بیان ہے کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ بلا گواہ نکاح متعہ نہ کرتے تھے۔ انہم ماتذوجوا الابینۃ و ذالک ہوا لا فصل انہوں نے کبھی نکاح متعہ نہ کیا۔ سوائے گواہوں کے اور یہی افضل ہے۔ (تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۱۸۶۔ استبصار ج ۳ ص ۱۸) کتب اہل سنت کے مطابق تو اس نکاح موقت میں نفقہ اور سکنی بھی لازم تھا۔

ایک شبہ کا ازالہ | کچھ لوگ آیت نکاح ”والمحصنات“ کے جملہ ”فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ“ سے اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّى کی قید قرأت شاذہ یا منسوخہ نکال کر۔ حلت متعہ ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ اثبات احکام کے لیے قرأت شاذہ و منسوخہ سے استدلال ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں یہ مفید مطلب بھی نہیں ہے کیونکہ جارحہ و راستمتناع (جماع) سے متعلق ہے۔ عقد کے متعلق نہیں اور عقد متعہ میں تو تعین مدت شرط ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب مکوہ سے نفع اٹھا لو یعنی جماع کرو۔ تو مکمل مہر ادا کرو۔ یا اس طور طال مٹول نہ کرو کہ پوری عمر کے بعد مہر ادا کریں گے۔ اگر اِلیٰ اجل عقد سے متعلق ہو تو لازم آئے گا کہ متعہ عمر بھر کے لیے جائز نہ ہو حالانکہ شیعہ عمر بھر کے لیے متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ لفظ استمتناع متاع بمعنی نفع سے نکلا ہے۔ عقد متعہ کے لیے صریح نہیں۔ جیسے دوسری آیات میں ہے۔

فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاَقِهِمْ کَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاَقِكُمْ۔ (پ ۱۵۶۱)

پس انہوں نے اپنے حصے سے نفع اٹھایا اور تم نے اپنے حصے سے ویسے ہی نفع اٹھایا۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِمَا مَعْرُوفٍ۔

ساتھ نفع پہنچانا ہے۔

وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْثِقِ قَدَرًا

البتہ ان کو نیکی کے طور پر کچھ نفع پہنچا دو دیہ

نفع پہنچانا، صاحبِ عقد و ریاس کی حیثیت کے موافق لازم ہے۔

قُلْ تَسْتَعْوِذُونَ فَأَنْتُمْ مَصِيدُ كُمْرِ الْنَّارِ

تم کہہ دو کہ (چند روزہ) نفع اٹھا لو کہ تمہاری

بازگشت تو یقیناً جہنم ہی کی طرف ہے۔

الترض اس تفصیل سے جب یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ حرمتِ متعہ پر قرآن کریم کتبِ فریقین سے

سنت نبوی اور اعلانِ مرتضوی متفق ہیں۔ تو بعض کتبِ تاریخ میں حضرت عمرؓ کی طرف نسبت کا

معنی صرف یہ ہے کہ آپ نے اس کی حرمت کو نمایاں اور شائع کیا اور کسی کے لیے اختفاء نہ رہا۔

تزارت باز لوگوں کے لیے سخت قانون بنا دیا۔ تشریہ حلیہ کو ایسا حق حاصل ہے۔

۱۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱ پر یہ باب باندھا ہے۔ باب من اجأ

طلاق ثلاثہ معا بائن میں

طلاق الثلاث لقول الله تعالى الطلاق مَرَّتَيْنِ

فَامْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ۔ طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو بند رکھنا ہے یا اچھی

طرح چھوڑنا ہے۔

امام بخاریؒ کے اس استدلال کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّىٰ

تَنْكِحَ رَجُلًا غَيْرَكَ۔ پس اگر تیسری طلاق دے دی تو یہ عورت اس کے بعد حلال نہیں تا آنکہ کسی اور

مرد سے نکاح (و جماع) کرے۔ تبین طلاق کے وقوع اور حرمتِ منظمہ پر دلالت کرتی ہے۔

امام شافعیؒ کتاب اللام میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا یہ ظاہر مفہوم اس

بات کی دلیل ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی بھی دی جائیں تو وہ عورت اس خاوند کے لیے حرام ہے

اکٹھی سے مراد یہ ہے۔ یعنی ایک مجلس میں دے دے۔ انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق پھر کہ انت طالق

جو فان طلقھا من بعد کا مفہوم ہے۔

۲۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۳ اور بخاری ج ۲ ص ۹۱ اسی باب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت

ہے۔

ان رجلا طلق امرأته ثلاثاً فزوجت
 قطعت فسل النبي صلى الله عليه وسلم
 افحل للادل قال لا حتى يذوق عسيلتها
 كما ذاق الاول
 ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس
 عورت نے دوسری جگہ نکاح کر لیا پھر طلاق
 پائی۔ تو حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کیا وہ
 پہلے خاوند کے لیے حلال ہوئی فرمایا نہیں یہاں

تک کہ اس کا مزہ ثانی خاوند چکے جیسے پہلا چکے چکا ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۵ میں لکھتے ہیں کہ طلق ثلاثاً کا جملہ اس کو چاہتا ہے کہ
 اس نے تین طلاقیں اکٹھی دے دی تھیں اور یہی مطلب علامہ علی بن عمدة القاری ج ۹ ص ۳۳۶
 میں بیان فرماتے ہیں۔

۳۔ دارقطنی ج ۲ ص ۴۳۱ اور سنن کبریٰ ج ۴ ص ۳۳۴ اور مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶ اور نصب الرایہ ج ۳
 پر بسند صحیح حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض
 کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بجا لیتے ہیض ایک طلاق دے دی ہے آپ نے فرمایا طلاق ہو گئی لیکن
 رجوع کر لے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ بتلائیں لو انی طلقته ثلاثاً تا کان یحل لی ان اراجعها
 قال لا کانت نین منک وتکون معصیة اگر میں اس کو تین طلاقیں دوں تو کیا مجھے
 حلال ہے کہ رجوع کر لوں؟ فرمایا نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جائے گی اور تو گنہگار ہی ہوگا۔

۴۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۴۱ ابوداؤد ص ۳۰۳ طیبی ص ۱۶۲ ابن ماجہ ص ۱۴۹ دارقطنی ج ۲ ص ۴۳۹ اور مستدرک ج ۲
 پر حضرت رکانہ ثنی روایت ہے کہ میں نے بیوی کو طلاق بائن دے کر حضور سے پوچھا تو آپ نے دو قسم
 قسم دے کر پوچھا کیا تو نے ایک ہی کا ارادہ کیا؟ قلت واللہ اے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث
 صحیح ہے اور ابوداؤد و حاکم ابن حبان وغیرہ اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ (تلمیح الغیر ص ۳۱۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تین طلاقیں کے بعد رجوع کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم اس کو قسم نہ دیتے۔ (انہ افادات استاذیم صفدر مدظلہ)

اس مسئلہ میں بہت معمولی اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور محدثین امام بخاری سے لے کر
 حافظ ابن حجر صاحب بلوغ المرام تک اس کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں تین ہیں۔ حضرت عمر بن
 عباسؓ۔ عائشہؓ۔ روایت عن علیؓ فقہا و تمام جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے۔ رسول السلام

ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ ابن تیمیہؒ ابن قیمؒ اور دودر حاضر کے اہل ظاہر وغیرہ تین تین کو ایک شمار کرتے ہیں مثلاً شیعہ مفاد بھی اسی میں ہے۔ ان کی اہم دلیل مسلم ج ۱ ص ۱۸۱ اور مستدرک ج ۲ ص ۱۹۶ کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے۔ لوگوں نے اس معاملے میں جلدی کی جس میں ان کے لیے تاخیر تھی۔ کیا بہتر ہو کہ ان کی تین طلاقیں کو تین شمار کریں تو آپ نے تین جاری کر دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو راوی کو نسخ کا علم نہیں جیسے علامہ حارمی کتاب الاعتبار ص ۱ پر امام شافعیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں دے کر رجوع کا حق پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ ۲- امام نسائی ج ۲ ص ۸۳ پر اس حدیث کو باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة میں پیش کر کے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ غیر مدخول بہا سے متعلق ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کوئی شخص ایک مجلس میں یوں کہے۔ انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق تو ایک طلاق ہوگی۔ باقی دو کا وہ عورت محل ہی نہیں۔

۳- مولانا حبیب الرحمن اعظمی انارالمطبوعہ میں مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پہلے لوگ بجائے تین طلاقیں کے ایک ہی دیتے تھے۔ عدت گزر جاتی تو عورت جہاں چاہتی نکاح کرتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دو سال حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس کے بعد لوگوں نے تین طلاقیں دینا شروع کر دیں۔ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ لوگ جلد بازی پر اتر آئے ہیں۔ پہلے لوگوں کو ایک طلاق کے بعد سوچنے سمجھنے اور رجوع کا موقع تھا۔ مگر اب لوگوں نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ تین دے دیتے ہیں۔ لہذا ہم بھی تین نافذ کریں گے۔

ابحدیث عالم مولانا محمد صدیق اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں۔ "تین طلاق کو جو ایک ساتھ دی جائیں۔ طلاق بائن قرار دینا خلیفہ ثانیؒ کا ایک تفسیری اقدام ہے اور امام کو وحدت تفسیر میں زیادتی کا اختیار ہے کمی کا نہیں جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جلا دیا تھا جو الوہیت علیؓ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ حالانکہ اسلام میں کسی جرم کی سزا جلانا نہیں ہے (کشف الاستار ص ۱۳۵)

یہ جواب شیعہ کے مقابلے میں ایک توجیہ یا قدرے مسکت ہے۔ ورنہ صحیح جوابات وہی پہلے ہیں۔

قیاس شرعی حجت ہے | قیاس کو اصول قائم کرنے کا حضرت عمرؓ پر مخصوص الزام بھی حضرت عمرؓ سے دشمنی کا آئینہ ہے۔ ورنہ چند اہل ظاہر کے سوا تمام صحابہؓ تابعین اور ائمہ دین اس کی مشروعیت پر متفق ہیں۔ اور اس کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

جیسے ارشادِ ربانی ہے۔ **وَإِنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ** (نحل ۶۴) اور تمہاری طرف ہم نے یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اسے تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دو اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

اور اگر وہ اس کو اپنے رسولؐ اور والیانِ امر کے سامنے پیش کر دیتے تو ان میں سے جوابات کی نہ تک پہنچ جانے والے ہیں وہ اس کی حقیقت (ونساء ۱۱۶)

کو سمجھ لیتے۔ (ترجمہ مقبول)

قرآن پاک میں غور و فکر اور حقیقی احکام تک رسائی پانا، صاحبانِ علم و خرد کا کسی امر میں سوچنا اور قرآن و سنت میں چھان بین کر کے اس کا حکم نکالنا ہی ”قیاس“ کہلاتا ہے۔ سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ قیاس مثبت احکام نہیں ہے۔ مظہر احکام ہے۔ چونکہ تاقیات رہنے والی نسلِ انسانی کے لیے ہزاروں نئے مسائل کے احکام کی ضرورت ہوگی۔ قرآن و سنت میں ہر ہر چیز کا حکم مذکور نہیں ہو سکتا۔ نصوص متنابہ ہیں اور حادثات و قائل غیر متنابہ ہیں۔ لہذا شرعی قیاس و اجتہاد کی گنجائش تکمیلِ دین کی ایک ضرورت ہے۔ (کنزانی الملل والنحل ج ۲ ص ۱)

قیاس کے لغوی معنی تقدیر اور تسویر کے ہیں اور اصطلاح میں قیاس اس چیز کا نام ہے۔ **انما القياس ان تحجز العلة من الحكم** (حجۃ اللہ ۱۴۲۵) قیاس یہ ہے کہ تو کسی منصوص حکم سے علت نکالے اور پھر اس پر حکم دوہرایا جائے۔ **المنصوص ویدار علیہ الحكم** (حجۃ اللہ ۱۴۲۵) یعنی قیاس کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کے احکام میں غور کر کے ہر حکم کی وجہ دریافت

کی جائے اور جب ایسی وجہ غیر مخصوص و نسخے احکام میں پائی جائے تو ان کو احکام منصوصہ پر بذریعہ علت قیاس کر کے ان پر علت یا حرمت کا حکم لگایا جائے۔ یہاں چار چیزیں ہوں گی۔
 مقیس علیہ حکم۔ علت۔ مقیس۔ مثلاً شراب کی حرمت منصوصہ ہے یہ مقیس علیہ ہے۔ اس کی علت نشہ آور اور مخرب عقل ہونا اور حکم حرام ہونا ہے۔ اب بھنگ، چرس وغیرہ کو بھی قیاس بر شراب حرام کہا جائے گا کیونکہ علت حرمت یعنی نشہ آور ہونا ان میں پایا جاتا ہے۔
 اصول قیاس سنت نبوی سے بھی ثابت ہے حضرت معاذ بن جبل کو مین میں بھیجتے وقت آپ نے فرمایا۔

کیف تقضی اذا عرض لك قضاء قال
 اقضی بكتاب الله قال فان لم تجد
 بكتاب الله قال فبسنة رسول الله
 قال فان لم تجد في سنة رسول الله
 قال اجتهد رأيي ولا اقول فضرب
 رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره
 وقال الحمد لله الذي وفق رسول
 رسول الله لما يرضى به رسول الله
 (رواه الترمذی والبوداؤد والدارمی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۲۲)
 تو کیسے فیصلے کرے گا جب مقدمات پیش ہوں گے
 تو فرمایا اللہ کی کتاب سے کروں گا۔ آپ نے
 پوچھا اگر تو اللہ کی کتاب میں وہ بات نہ پائے
 تو فرمایا اللہ کے رسول کی سنت سے کروں گا۔
 پوچھا اگر تو رسول اللہ کی سنت میں بھی وہ بات
 نہ پائے تو فرمایا اپنی رائے غور سے استعمال کروں
 گا اور کوتاہی نہ کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر
 رسول اللہ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا
 سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے رسول کے
 قاصد کو بھی اس بات کی توفیق دی جو رسول اللہ کو پسند ہے۔

قیاس کی حجت اور جواز پر یہ صحیح حدیث بڑی اہم اور واضح ہے۔
 ممکن ہے کہ قیاس سے عندئذیہ کو اس بنا پر ہو کہ ان کے آئمہ کو اس کی حاجت نہ تھی کیونکہ
 وہ ان کے بقول مضبوط وحی تھے۔ اور وحی ان پر آتی تھی۔ ان پر منزلہ ۱۲ صحائف میں تمام مسائل
 کی تفصیل موجود تھی۔ لیکن اپنے پیروکاروں کے لیے انہوں نے عقل و قیاس کی حجت مراحۃ بیان
 فرمائی ہے۔

شیعہ کی اصول کافی جیسی اہم اور معتبر کتاب کا آغاز ہی کتاب العقل والجہل سے ہوا ہے۔

جیکہ ہماری کتب کا آغاز کتاب الایمان بدو الوحی کتاب الطہارت سے ہوتا ہے۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وحی الہی کا قبیح کون ہے اور محض عقل کا غلام ہے دام بلکہ اپنے قرآن و سنت کی خلاف مسائل کو دھکوں سلوں سے ثابت کرنے والا کون ہے۔

ساتویں امام موسیٰ بن جعفر نے اپنے شیعوں میں فرمایا۔
 ان الله على الناس حجتين حجة ظاهرة وحجة باطنة فاما الظاهرة فالرسول والائمة عليهم السلام واما الباطنة فالعقول (اصول کافی ص ۱۶)

اب تو عقل و قیاس کی حجیت میں کوئی شک نہ رہا۔ بلکہ وہ انبیاء و ائمہ کے بالمقابل حجت باطنہ ہے۔ اگر دنیوی امور میں عقل کی راہنمائی حجت ہے۔ تو فصوص کے تعاون سے غیر منصوص احکام میں عقل قیاس سے راہنمائی حاصل کرنا بدربہ اولیٰ حجت باطنہ ہوگا۔

علماء امت بھی قیاس کو اصول شرعی مانتے ہیں اور اس سے متنبط مسائل کو بدعت نہیں کہتے۔ خود شیعہ علماء کو قیاس سے ظاہری انکار کے باوجود مفسر نہیں۔ کیونکہ زندہ سلسلہ امامت ماننے کے باوجود وہ اجتہاد کی ضرورت کے قائل ہیں اور اجتہاد بغیر قیاس شرعی کے ہو نہیں سکتا۔ جن مسائل میں ان کو قول امام نہیں ملتا وہ قیاس و اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ گویا جسے حرام کہتے ہیں، اسے ہی کھاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے ہاں مجتہد کے مرنے سے اس کے اجتہادات و فتاویٰ باطل ہو جاتے ہیں تو ایک مسئلہ میں دسیوں متضاد اقوال مل جاتے ہیں۔

سوال ۲۳۔ کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی ایک نبی کی بھی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ نبی کی وفات پر امت نے اپنے پیغمبر کا خلیفہ اجماع سے بنایا اگر ہو تو نام ارشاد فرمائیں۔

الجواب۔ یہ وہی سوال ۹ والا مقدمہ ہے جسے پھر قے کر دیا گیا ہے۔ ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں سلسلہ نبوت جاری تھا۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی اس کا جانشین بنتا تھا۔ سیاست کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھ میں تھی۔ بالضرر اگر اجماع و شوری سے وہاں

استخلاف نہ ہوتا اس کی وہاں ضرورت ہی نہ تھی۔ امت محمدیہ میں سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا ہے
وہی الٰہی بند ہو چکی تو خلیفہ کے تعین کی ایک صورت اجماع و شوریٰ سے ہوگی۔ جیسے اس امت کے
متعلق اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَاَتَوْا
الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُورٰی بَيْنَهُمْ
(شوریٰ ع ۵۹)

اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز
پڑھتے ہیں اور ان کا معاملہ باہمی مشورہ سے
رہے، ہوتا ہے۔ (ترجمہ مقبول)

لہذا اس امت کا سابقہ اہم پر قیاس مع الفارق ہے اور اصول قرآن سے کھلا انحراف ہے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس پردہ شیعہ بدستور اہل نبوت (بنام امامت) کے قابل اور ختم نبوت
کے منکر ہیں۔ تبھی تو مسئلہ خلافت کو سابقہ انبیاء کی خلافت پر قیاس کرتے ہیں۔ سابقہ اہم میں سے
بھی شیعہ کے پاس صرف ایک مثال ہے کہ حضرت یوشع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ وصی تھے
جو حضرت موسیٰؑ کے نامزد کردہ تھے۔ امت کا انتخاب میں دخل نہ تھا وہ صرف ماننے پر مامور
تھے تو حضورؐ کا وصی و جانشین بھی اسی صفت میں چاہیے تھا۔

حالا نگہ یہی قصہ شیعہ عقیدہ امامت کا استیصال کر دیتا ہے کیونکہ حضرت یوشع بن نون حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے قریبی رشتہ دار یا علم زوہر اور نہ تھے۔ وہ امت کے صالح نوجوان تھے۔ حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی بہت خدمت کی اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت اور جانشینی کلیم اللہ سے سرفراز فرمایا۔
اگر امامت کا شیعہ تصور درست ہوتا۔ تو حضرت موسیٰؑ کے بھتیجے حضرت ہارونؑ کے دو صاحبزادے
ہی آپ کے بعد وصی و جانشین بلا فصل بنائے جاتے۔ یا حضرت موسیٰؑ کے داماد کالوب بن یوحنہ
یا کالاب بن یاقنہ نامزد خلیفہ بلا فصل ہوتے۔ (طبری ص ۴۳)

مسلماً سب مؤرخین و مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ یوشع بن نونؑ پیغمبر
تھے۔

فحولت النبوة الی یوشع بن نون (طبری ص ۴۳)
نبوت حضرت موسیٰؑ سے حضرت یوشعؑ کی طرف
منتقل ہو گئی۔

تھران اللہ عن وجل لما انفصلت الاربعون
پھر چوبیس سال پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے

سنة بعث يوسف بن نون فاخبرهم بان
 نبى وان الله قل امروا ان يقاتل الجبارين
 فبالعوة وصد قوه فهزم الجبارين
 واقتحموا عليهم فقتلوهم الخ
 (طبری ج ۱ ص ۲۳۶)

نے کفار پر خوب حکم کیا اور ان کو تہ تیغ کیا۔

حضرت یوشع بن نون کو مبعوث کیا۔ انہوں نے
 قوم موسیٰ کو بتایا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ
 نے ان کو جبارین کے ساتھ جنگ کا حکم دیا ہے
 تو سب امت نے آپ کی بیعت کی اور تصدیق کی
 تو حضرت یوشع نے جبارین کو شکست دی انہوں

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین پیغمبر تھے حضور خاتم النبیین کا جانشین پیغمبر یا ۱۰۰٪
 پیغمبر ان اوصاف کا حامل نہیں ہو سکتا۔ رہے باقی اوصاف یعنی امت کا ان کی بیعت کرنا۔ ان کے
 ماتحت ہو کر جہاد کرنا۔ کفار جبارہ کو شکست دینا۔ ان کو قتل کر کے ان کے ممالک پر قابض ہونا وغیرہ
 اللہ کے فضل و کرم سے نبی آخر الزمان کے جانشینان حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ میں کما حقہ پائے
 گئے۔ سب قوم نے بالاتفاق ان کی بیعت کی اور تصدیق کی۔ اسے ہی اجماع سے تعبیر کیا جاتا ہے چونکہ
 اس بیعت و تصدیق سے ان کی خلافت اظہر من الشمس ہو گئی تو حجاز اجماع کی طرف نسبت کی جاتی
 ہے۔ ورنہ حقیقۃً خلیفہ بنانے والے صرف اللہ ہیں۔ جیسے آیت استخلاف در سورہ نور میں اپنی طرف

نسبت کی ہے۔ لیستخلفنم فی الارض جب وہ ایسے حالات و وسائل کا سلسلہ بنا دیتے ہیں جن
 سے خلافت ظاہر ہو جاتی ہے تو کبھی وسائل کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔ جیسے رزق معطی بدل
 میت محی۔ صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ مگر اسباب کی طرف مجازاً نسبت عرف میں جائز و مشہور ہے تبھی تو
 رزق معطیہ حیوۃ کا سبب بننے والوں کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور ذلت و موت کا سبب بننے والوں
 کی مذمت کی جاتی ہے۔ سب امت محمدیہ نے ان خلفاء راشدین کے ماتحت ہو کر جہاد کیا جابر
 کفار کو شکست دی۔ انہیں قتل کیا اور ان کے ممالک کو ختم کر کے دعوت محمدی کو خوب پھیلا دیا۔

الحاصل یہ قصہ اور شیعہ کی دلیل۔ اہلسنت کی زبردست برہان اور مذہب شیعہ پر سیف برہان
 ہے کہ ان کے خیالی میں وصی پیغمبر آخر الزمان برگزہ کامیاب نہیں ہوا۔ امت نے ان کی بیعت و تصدیق
 نہ کی۔ ان کے ماتحت ہو کر کبھی کفار سے جہاد نہ کیا۔ نہ کافروں کا گز بھر رقبہ ہی فتح ہوا بلکہ علی النکس
 بقول شیعہ ان کے ہاتھوں میں مغلوب ہوئے۔ ان کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا (جلال العمون ص ۱۸)

ان کے حقوق تلف کیے گئے اور ان کی دعوت ہی تقیہ و خفا کی نذر ہو گئی اور جابرہ ان پر غالب ہوئے یہی وجہ ہے کہ تاجنوز شیعہ کا نام و شیون ختم نہ ہوا۔ شیعہ بھائیوں کو اگر مزید اصرار ہے تو ہم تاریخ کے بطون سے یہ امر بھی واشگاف کر دیتے ہیں کہ اہم سابقہ میں بھی غیر نبی اگر خلافت کے منصب سے سرفراز ہوتا تو باقاعدہ شوریٰ و اجماع سے ہوتا۔

علامہ ابن خلدون حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات سے بادشاہ طاوت تک بنی اسرائیل کے سیاسی نشیب و فراز کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

وكان اصراهم شوري فيختارون للحكم في عامتهم من شاور و وید فعون للحر من يقوم بها من اسباطهم ولهم الخيار مع ذلك على من يلي شيئا من امرهم و تارة يكون نبيا يبرهم بالوحى واقاموا على ذلك نحو من ثلثمائة سنة لم يكن لهم ملك مستفحل والملوك تناوشهم من كل جهة الى ان طلبوا من نبهم شمویل ان يبعث عليهم ملكا فكان طاوت ومن بعد داود فاستفحل ملكهم ليومئذ وقهر واعداهم۔
(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۶۸)
اور یہ دشمنوں پر غالب ہو گئے۔

کیا یہ ۳۰۰ سال کا نظام بنی برہنوری سب باطل سمجھا جائے گا؟ حالانکہ کبھی پیغمبر وقت بھی اس منصب پر آتے رہے۔ اس تحقیق کے بعد اب ہم بھی شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں۔
۱۔ کیا سابق کسی پیغمبر کی مثال مل سکتی ہے کہ اس کی وفات کے ساتھ ہی اس کی سب محنت ضائع اور امت مرند ہو گئی ہو۔

۲۔ کیا کسی امت نے اپنے پیغمبر کے جانشین کا بھی انکار کیا اور اس پر غضب و ظلم کا الزام لگایا۔

۳۔ کیا کسی سابق امت نے بھی اپنے پیغمبر کے سب اصحاب و تلامذہ کو بے دین اور برا بھلا کہا۔

۴۔ کیا کسی سابق پیغمبر کا جانشین بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہا اور مظلوم و مقہور رہا اور اس کی دعوت و وصایت، تقیہ کے پردوں میں گم ہو کر رہ گئی۔

۵۔ کیا کسی پیغمبر کے رشتہ داروں اور امت میں بھی خلافت کے مسئلہ پر سر پٹول ہوا یا تقریباً وجود میں آئی۔ اگر ان سب امور کا جواب نفی میں ہے تو کس قدر حیرانی اور تعجب کی بات ہے کہ اہم سابقہ تو اپنے پیغمبر کی تعلیم کی لاج رکھیں۔ سابقین امت کر مرتد و منافق کہہ کر اسے ضائع نہ کریں جانشین پیغمبر کا انکار نہ کریں۔ اس پر غضب و ظلم کا الزام نہ لگائیں بلکہ ان کی بیعت و تصدیق کر کے ان کے ماتحت ہو کر جہاد کریں۔ ممالک فتح کریں۔ اپنے پیغمبر کی دعوت و تعلیم کو تقیہ کے خلاف میں چھپانے کے بجائے علی الاعلان تبلیغ کریں۔ اپنے پیغمبروں کو کامیاب و مسطاع کہیں۔ ان کے کارناموں پر فخر کریں۔ مگر شیچہ اپنے پیغمبر کی تعلیم کو ناکام بتائیں۔ پیغمبر کے تمام اصحاب و تلامذہ کو منافق و مرتد کہیں۔ واقعی خلفاء پیغمبر کی بیعت و تصدیق کے بجائے افتراق و بغاوت کی طرح ڈالیں یا بقول خود سچے جانشین کو اپنے مقاصد میں ناکام اور دعوت کو مستور و مکتوم کہیں۔ انصاف سے آپ ہی بتلائیں کہ ان مسائل میں یہود و نصاریٰ کی فکر بہتر تھی یا شیخہ حضرات کی؟

ع ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

باب دوم

کلمہ طیبہ اور چند روئی مسائل

سوال ۲۴۔ عام ملاں شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ علی دلی اللہ تعالیٰ سے ثابت کریں۔ ارشاد فرمائیں کہ الصلوٰۃ تنیر من النور۔ تراویح۔ الخیات سبحانک اللہم۔ ورود کبھی۔

دروغ تاج۔ نماز میں ماتھ باندھنا۔ اٹا وضو۔ قوالی۔ قبروں پر حال کھیلنا۔ طبلے کی سترال پر سہارا
 کیا دھوپیں شریف عرس شریف پرستی دروازوں سے گزرتا دھینڈہ کس پارے اور رکوع سے ثابت
 ہے۔ علی ولی اللہ کو آیت ولایت اور آیت اولی الامر میں قدرت نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔
 اور حدیث مصطفیٰ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 مکتوب علی باب الجنة لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ اخر رسول اللہ
 قبل ان یخلق اللہ السموات والارض بالقی عام۔ مودۃ القربی۔ ریاض النضیۃ۔
 ینابیع المودۃ ص ۲۵۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۵۔

اگر اس پر بھی نہ سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

الجواب۔ اسلام میں کلمہ طیبہ کی جو اہمیت ہے وہ کسی عقلمند سے مخفی نہیں ہے کلمہ شہادت
 ہی وہ دروازہ ہے جس سے گزر کر ایک کافر مسلمان ہوتا ہے۔ مستحق دوزخ مستحق بہشت بنتا ہے
 دشمن خدا ولی خدا بن جاتا ہے۔ بے گناہ اپنا ہو جاتا ہے۔ مباح الدم محفوظ الدم ہو جاتا ہے۔ بلکہ
 پوری زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔ فکر کا رخ اور احکام کی لائن ہی بدل جاتی ہے۔ کلمہ پڑھنے
 سے وہ کفار کی برادری سے نکل کر مسلمان برادری کا فرد بن جاتا ہے۔ سابقہ نبوی اس سے جدا از بند
 انکار از کلمہ ہو جائے گی اور عزت ناب مسلمان خاتون کا اس سے نکاح درست ہو جائے گا۔ اس کی
 تاباں اولاد بھی مسلمان سمجھی جائے گی۔ اس کی جان مال عزت وغیرہ ہر چیز کا محافظ کلمہ ہو گا مرنے
 پر اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور تاقیامت اس پر مومنین اور ملائکہ رحمت کی دعائیں بھیجے جائیں گے
 ہو گا کلمہ نہائی انقلابی پیغام ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد وحید اور مشن
 اصلی اسی کی تبلیغ تھی۔ باقی سارا دین اسی کے ضمن میں آجاتا تھا۔ کفار نے سب سے زیادہ انبیائیں
 انبیاء و مومنین صاف دین کو اسی کلمہ کی بنا پر پہنچائیں اور تمام مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا۔ اسی کلمہ کی
 بدولت مسلمانوں نے کفار سے جہاد کر کے انہیں تہ تیغ کیا۔ خود محمد نبوی کے ابتدائی کئی دور میں
 صرف کلمہ طیبہ ہی کی تبلیغ و تلقین جاری رہی۔ پھر اس کے کلمہ کے ماننے اور انکار کرنے والوں کو
 ”عقیدہ آخرت“ سنا کر انجام سے باخبر کیا جاتا تھا۔ دس سال کے بعد لیلۃ معراج میں صرف
 نماز پنجگانہ کی فرضیت ہوئی۔ پھر جہاد۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج۔ قربانی وغیرہ اسلام کے شعار نوید طیبہ

ہی میں اترے ۔

جیسے عقیدہ توحید میں کمی بیشی مسلم و کافر کی تفریق پیدا کرتی ہے۔ عقیدہ رسالت میں حک و اضافہ کفر و اسلام کی جنگ برپا کر دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کلمہ طیبہ میں ترمیم و اضافہ اور نقص و کمال سے جو دو فرقتے پیدا ہوں گے ان میں سے ایک مسلمان ہوگا ایک کافر ہوگا کیونکہ جب توحید و رسالت کی طرح کسی کا وحدت کلمہ پر ایمان و اتفاق نہیں وہ مسلم برادری کا فرد کیسے بنے کلمہ طیبہ میں اختلاف کو ماننا یا ایسے جملہ کا اضافہ کرنا جو قرآن و سنت اور سیدل مومنین سے ہرگز ثابت ہو۔ اپنے کفر کا کھلا اعتراف کرنا ہے۔ یا پھر ۹۷ سب دنیا کے ۹۰ کروڑ مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا ہے۔ اس قدر اسم کفر و اسلام کے بابہ الاعتیاز اور تعلیمات نبویہ کی روح کلمہ طیبہ کو انی مذکورہ فی السؤال باتوں سے مشابہت کیسے دی جاسکتی ہے۔ یا موازنہ درست ہے یا جو فی نفسہ اسنت یا سنجہ میں اور ان کے ترک یا اظہار پر کفر و اسلام کے احکام مقرر نہیں ہوتے۔

خط فرق مراتب گر نغمی زندیقی ۔

کفر و اسلام میں فارق کلمہ طیبہ ہو اور قرآن اس کا ذکر نہ کرے۔ یا سنت نبویؐ اسے نہ بتائے یا اس میں اختلاف کی گنجائش ہو؟ یہ ناممکنات میں سے ہے۔ مدار کفر و اسلام کلمہ طیبہ وہی ہے جس کا قرآن پاک نے بار بار اعلان کیا۔ پیغمبر خاتم النبیینؐ نے عمر بھر اس کی تبلیغ کی اور ہزاروں کفار کو براہ راست پڑھا کر ملتقہ اسلام میں داخل کیا۔ اور سب مسلمان تاملوں اس پر اسی طرح متفق اور ایمان رکھتے ہیں جیسے توحید و رسالت۔ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب آئیے اور معلوم کیجئے کہ خدا و رسولؐ اور تمام مسلمانوں کا مصدقہ کلمہ کون سا ہے جس سے فرقہ شنیدہ کو اختلاف ہے اور اسے ناقص مانتے ہیں۔

کلمہ الہدایت ہی قرآن نے سکھایا | منصفہ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی قرآن نے سکھایا ہے۔ اس کے دوجز ہیں۔ توحید کا اقرار ہے لا الہ الا

اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور رسالت محمدؐ کا اقرار ہے محمد رسول اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

متحدہ الفاظ و تعبیرات میں قرآن پاک نے سینکڑوں آیات میں اس کلمہ کو بیان فرمایا ہے مثلاً توحید کے سلسلہ کی آیات کا نمونہ مع ترجمہ مقبول یہ ہے۔

۱- وَاللّٰهُمَّ اِلٰهَ وَاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (بقرہ ۱۹۲)

اور تمہارا مبود محبوب دیکھتا ہے۔ سوائے اس حمان رحیم کے اور کوئی محبوب نہیں ہے۔

اللہ تو وہی دیکھتا محبوب ہے۔

دو خدا بنائے سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ محبوب دیکھتا ہے۔

اور سوائے خدا کے کوئی محبوب نہیں ہے۔

ایسی بات کی طرف اُجاوہو ہمارے اور تمہارے مابین مساوی ہے کہ ہم سوائے خدا کے کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ اسکا کسی کو شریک بنائیں۔

تم کہہ دو میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں اور سوائے خدا کی تار و زبر دست کے کوئی اور مبود نہیں ہے۔

۲- اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَاحِدٌ (نساء ۲۳)

۳- لَا تَتَّخِذُوا الْاِلٰهِيْنَ اَنْثٰنًا هُوَ اِلٰهٌ وَاحِدٌ (نحل ۶۶)

۴- وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ (آل عمران ۶)

۵- تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا (آل عمران ۷۶)

۶- قُلْ اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (ص ۴۶)

نہیں ہے۔

سوائے اس کے کوئی محبوب نہیں ہے پھر تم کہہ دو بیکے چلے جاتے ہو۔

۷- لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنۢى تُوَفَّقُوْنَ (فاطر ۱۶)

۸- اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡ اٰمَنۡتَ بِهٖ یٰۤاِسْرَآئِیْلُ (یونس ۹۶)

۹- لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحِیۡ وَیُمِیۡتُ (اعراف ۳۶)

۱۰- هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (حشر ۳۶ تین مرتبہ)

۱۱- لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ (انبیاء ۶)

۱۲- اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (طہ ۱۶)

جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی محبوب نہیں ہے۔

سوائے اس کے اور کوئی محبوب نہیں ہے وہی جلالتا ہے اور وہی مارتا ہے۔

وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی محبوب نہیں چھپی اور کھلی کا جاننے والا۔

سوائے تیرے کوئی محبوب نہیں ہے تو پاک ہے۔

یقیناً خدا میں ہی ہوں میرے سوا کوئی محبوب نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔

۱۳۔ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذْ رَقِبِلَ لِّهٖمْ لَا
اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ (صافات ۲۶)

۱۴۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔

(آیۃ الحکسی)

۱۵۔ فَاَعْلَمَ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(پ ۶۲۶۶)

رسالت محمدیہ پر مبنی ملاحظہ ہو۔

۱۔ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

(بقرہ ۳۳۶)

۲۔ وَالْقُدْرَانِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ (یس ۱)

۳۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رُسُوْلُ اللّٰهِ
اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف ۲۰۶)

۴۔ وَاِنَّهٗ يَعْلَمُ اَنَّكَ لَوْسُوْلُهُ (منافقہ)
رسول ہو۔

۵۔ ثُمَّ جَاءَكُمْ رُسُوْلٌ مَّصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَكُمْ لَتَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔

(آل عمران ۹۶)

کہا جاتا ہے کہ اسم محمد کی صراحت کے ساتھ یکجا تذکرہ دکھانا چاہیئے تو وضاحت یہ ہے
کہ پارہ ۲۶ میں ”محمد“ نام کی مستقل سورت موجود ہے۔ اس کی دوسری آیت میں رسالت محمد
کو یوں ذکر فرمایا ہے۔

وَاٰمَنُوْا بِمَا نَزَّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَهُوَ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ

(اور وہ نیک لوگ) ایمان لائے جو کچھ محمد
(مصطفیٰ) پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار

جب ان سے کہا جاتا تھا کہ سوائے خدا کے کوئی
معبود نہیں ہے تو یہ اکثر اہی کرتے تھے۔
اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ اور قائم
ہے۔

اس بات کا یقین رکھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
نہیں۔

حکمت والے قرآن کی قسم ہے۔ یقیناً تم ان رسولوں
میں سے ہو۔

اے آدمیو میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام لائے
ہوں۔

اور اللہ بھی یہ جانتا ہے کہ تم بے شک اس کے
رسول ہو۔

پھر ایک رسول تمہارا پاس والی چیزوں کی تصدیق
کرتا آئے گا۔ تم ضرور بر ضرور اس پر ایمان لانا
اور اس کی مدد کرنا۔

کی طرف سے حق ہے۔

اور دوسرے رکوع میں توحید کا اعلان یوں کیا ہے۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
پس یہ سمجھ لو کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔

اور اس سے متصل سورت فتح میں کلمہ رسالت یوں سکھایا گیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
أَشِدُّوا عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءَ بَيْنَهُمْ
محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو بھی حقیقتاً ان کے
ساتھی ہیں وہ کافروں پر بھاری ہیں اور آپس
میں رحم دل۔

اپنے اپنے موضوع میں یکجا ذکرِ ظہر من الشمس ہے۔

بلکہ کئی آیات میں یکجا ذکر فرمایا ہے مثلاً۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا
فَاعْبُدُونِ
اور ہم نے تم سے پہلے ایک رسول بھی ایسا بھیجا
کہ اس کی طرف ہم یہ وحی نہ کرتے رہے ہوں
کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میری
ہی عبادت کیا کرو۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ
الَّذِي جُمِعَ لِي الْكَرُّ وَالشَّيْءُ
وَالْأَرْضُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (اعراف)
نہ کہہ دو کہ اے آدمیو! میں تم سب کی طرف
خدا کا پیغام لانے ہوں۔ وہی خدا جس کا اختیار
آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی میرا ہے
اس کے اور کوئی معبود نہیں۔

ان فرض سینکڑوں آیات صرف کلمہ توحید و کلمہ رسالت کی ہی تعلیم دیتی ہیں۔ ایک آیت بھی
قرآن پاک میں ایسی نہیں بتلائی جاسکتی جس میں حضرت علیؑ اور آپؐ کی اولاد کی امامت کا ذکر
ہو۔ یا لفظ علیؑ کو مبتدا بنا کر۔ ولی اللہ اس کی خبر بنائی گئی ہو۔ یا وصیؑ رسول اللہؐ و خلیفۃ، بلا فصل
کے خود ساتھ الفاظ کا اشارہ بھی ملتا ہو جو شیعہ کا مخصوص کلمہ ہے اور اسی کے اقرار پر ایمان
و کفر کی ان کے دارالافتاء سے سند ملتی ہے۔

اگر شیعہ عقیدہ امامت اصول دین میں سے ہوتا تو توحید و رسالت کے برابر سینکڑوں

آیات کریمہ میں اس کا ذکر ملتا۔ امنوا باللہ ورسولہ کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد کے اسماء گرامی بھی ملتے۔ چلیے ایک ہی آیت میں علیؑ ولی اللہ کی صراحت ہی مل جاتی۔ اگر امامت اصول دین سے ہوتی تو ہر پیغمبر اس کے ساتھ مبعوث ہوتا۔ ان کے کلموں کے ساتھ امام کا کلمہ بھی ہوتا۔ مگر تاریخ کا ایک ایک ورق اس کے خلاف کہتا ہے۔ مثلاً پہلے انبیاء علیہم السلام کے کلمے صرف اسی قدر تھے۔

لا الہ الا اللہ آدم صفی اللہ۔ لا الہ الا اللہ نوح نجی اللہ۔ لا الہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ۔ لا الہ الا اللہ اسماعیل ذبیح اللہ۔ لا الہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ۔ لا الہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ۔
گویا لا الہ الا اللہ سب انبیاء کا متفقہ کلمہ تھا۔ جز و ثانی میں رسالت کے بجائے دوسرے اوصاف کا ذکر فرمایا۔ اور آخری پیغمبر کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فرما کر قصر رسالت کی تکمیل اور متوازی عقیدہ امامت کی بیخ کنی کر دی۔ اگر امامت اصول دین میں سے ہوتی یا جزو کلمہ بننے کی صلاحیت رکھتی تو کبھی اس کے اخفاء اور لقیہ و کتمان کا حکم نہ ملتا۔ حضرت جبریل کے سوا سب فرشتے حضور کے سوا سب انبیاء کرام حضرت علیؑ کے سوا سب اہل بیت اس رازِ سرستہ سے بیخبر نہ رکھے جاتے۔ اور ظاہر کرنے والوں کو اصحابِ غدیر و مکرہ بے وقوف بلکہ بے دین ذلیل اور نورِ آخرت سے محروم نہ کہا جاتا۔ جیسے کہ اصول کافی باب الکتمان ص ۲۲۱ سے ان سب امور کی صراحت سابقاً ذکر ہو چکی ہے۔ بلکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی طرح کچھ بچہ کی زبان سے اس کا اعلان کرایا جاتا۔
شیعی شہادت کا ازالہ | شدید متعرض کا یہ جملہ کہ علیؑ ولی اللہ کو آیت ولایت اور آیت اولی الامر میں قدرت نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے صریح جھوٹ

ہے۔ آیت ولایت مع شیعہ ترجمہ یہ ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ زَاكِعُوْنَ وَمَنْ
يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ (مائده ۸۶)

سوائے اس کے نہیں کہ حاکم تمہارا اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو اللہ کو اور اس کے رسول کو دوست رکھے گا وہ گروہِ خدا میں داخل ہیں اور گروہِ خدا

ہمیشہ غالب رہیں گے۔

اگرچہ مولوی مقبول مترجم نے ترجمہ میں دو غلطیاں کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہم راکون کا ترجمہ اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں کیا حالانکہ رکوع و زکوٰۃ دو مختلف حکم ہیں۔ ایک میں انہماک دوسرے کی طرف توجہ سے مابین ہے۔ نماز و رکوع میں توجہ صرف الی اللہ چاہیئے۔ سائل کے سوال کی طرف توجہ شروع کے منافی اور ادائیگی عمل کثیر کی بنا پر مفسد نماز ہے۔ یہاں وہم راکون کا ترجمہ مندرجہ ذیل آیات کی طرح ہے۔

۱۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا
وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ (حج)
اے ایمان والو! رکوع کرو۔ سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔

۲۔ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي
وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ
اے مریم! اپنے رب کے آگے جھک جا۔ سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

۳۔ وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

دوم یہ کہ والذین امنوا کا ترجمہ بھی ہضم کر گئے جس سے حضرت علیؓ کی مراد لیتے ہیں تاہم الفاظ قرآنی اور ترجمہ میں شیعہ کا کلمہ علی ولی اللہ الخ کا اشارہ بھی نہیں ہے۔

شیعہ بڑی چالاکي سے اس آیت کا شان نزول حضرت علیؓ کے حق میں مانتے ہیں۔ اور حالت رکوع میں انگوٹھی زکوٰۃ میں دینے کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ مگر یہ پوچھ باطل ہے۔

اولایہ قصہ ضعیف قسم کی تفسیروں میں تعلیمی کی روایت سے بتایا جاتا ہے۔ تعلیمی اور اس کا شاگرد واقعی اور اسی طرح فقیہ ابوالمخازی کا طالب لیل اور کمزور ہیں۔ ان کی مولفات موضوعات و اکاذیب کا پلندہ ہیں۔ (المنتقى ۶۱۲) ان کے علاوہ کسی سند صحیح سے حضرت علیؓ کے حق میں

شان نزول مذکور نہیں بلکہ سیاق و سباق حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں شاہد ہے۔ یا عام مومنین مراد ہیں جن میں حضرت علیؓ بھی داخل ہیں۔ جیسے عبدالملک نے امام باقرؓ سے اس کی تفسیر میں پوچھا تو فرمایا اس سے سب مومن مراد ہیں۔ اس نے کہا بعض لوگ حضرت علیؓ مراد لیتے ہیں یہ سن کر امام باقرؓ نے فرمایا۔ اہل ایمان میں علیؓ بھی شامل ہیں۔ ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ علی

بن طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے ناقل ہیں کہ سب مومن و مسلم اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں (المعتقی ص ۶۱۲)
 ثانیاً والذین امنوا وغیرہ جمع کے صیغوں سے حضرت علیؓ کو مراد لینا بابت غلط ہے ورنہ
 حضرات حسینؓ، فاطمہؓ اور ابوذرؓ وغیرہ مومنین کا ملین اس سے خارج ہوں گے اور ان سے
 دوستی شرعاً و مافیہ نہ ہوگی کیونکہ ان کا کلمہ حضرت تخصیص چاہتا ہے۔

ثالثاً۔ عبد بن ابی بنی باتفاق مؤرخین حضرت علیؓ انقضیٰ صاحب انصاب نہ تھے نہ آپ پر زکوٰۃ
 فرض تھی۔ پھر وہ علیؓ مخصوص یوتون الزکوٰۃ کا مصداق کیسے بنے؟

رابعاً۔ اگر صرف حضرت علیؓ مراد ہوں اور ولایت و محبت صرف ان سے واجب ہو تو فاق
 حِزْبِ اللّٰهِ هُمْ الْغَلْبُوعُونَ۔ بلاشبہ اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے کی پیشینگوئی باطل
 ہوگی۔ کیونکہ تاہنوز ولایت علیؓ کے مدعی شیعہ حضرات غالب نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کے اعتراف کے
 مطابق قرون ماضیہ میں ان پر وہ عذابات (خداوندی) ٹوٹے جن کا اثر آج تک محو نہیں ہوا۔
 تو معلوم ہوا کہ والذین امنوا سے مراد تمام صحابہ کرامؓ نہیں جن کی کامیابی غلبہ اور نجات کی
 اس آیت میں پیشینگوئی دی ہے اور انہیں حزب اللہ فرمایا ہے۔

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ
 اللّٰهِ هُمُ الْمُغْلِبُونَ
 یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں۔ سنو اللہ کا لشکر ہی
 (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہونے والا ہے۔

جو بالاتفاق عہد رضوی تک تمام دنیا پر غالب و حکمران بنے اور ان کے پیروکار آج تک
 غالب ہیں اور شیعہ کا دعویٰ ہے کہ شہادت عثمانؓ تک سب امت نے حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ
 دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تو امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایک گروہ حضرت علیؓ کا معاون
 تھا۔ دوسرا مخالف تیسرا غیر جانبدار تھا۔ شیعہ کا یہ بھی اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کا معاون گروہ
 دشمن و مغلوب و مقهور رہا۔ اور مخالف و غیر جانبدار گروہ غالب رہے۔ اگر آیت نہ اسے شیعہ کا
 استدلال اور تفسیر درست ہوتی تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ الغرض اس آیت کریمہ کو کلمہ طیبہ سے کوئی
 تعلق نہیں۔ اگر کوئی سید زوری سے کشید کرے تو بیل بنے گا۔ لا ولی کم الا اللہ و رسولہ و
 المؤمنون۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ شیعہ کا کلمہ ہے نہ اس سے کلمہ کی عرض و غایت شہادتین کا اعتراف
 حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح مندرجہ ذیل آیت اولی الامر سے بھی کلمہ ثابت نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ
وَالرَّسُولِ (نساء ۸)

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور
فرمانبرداری کرو اس کے رسول کی۔ اور اپنے میں
صاحبان اختیار کی اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف
ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

اس آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ آخر اس میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ
وخلیفۃ بلا فصل کا کون سا جملہ ہے۔ یا کون سا لفظ اس پر دل ہے۔ کیا یہ صراحتہ افترا علی اللہ
نہیں ہے جو صرف کفار کا شیوہ تھا جیسے ارشاد ہے۔ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ اس سے
بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر بھی جھوٹ بولے۔ اگر اپنی موضوع روایات کے پیش نظر اولی الامر
میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شامل مانا جائے تو قطع نظر اس سے کہ وہ روایات اور ایسا استدلال ہرگز
اہل سنت کے لائق توجہ نہیں۔ یہاں سے کلمہ پر بنے گا۔ لا طاعة الا للہ و للرسولہ و لا ولی الامر
منکم۔ ظاہر ہے کہ اسے کلمہ طیبہ اور اس کے مفہوم سے ذرا تعلق نہیں۔ نیز اولی الامر کی اطاعت مشروط
ہے۔ ان سے اختلاف ممکن ہے۔ تنازع کی صورت میں ان سے اعراض کر کے خدا اور رسول کی طرف
لوٹنا اور فریقین کی بات کو قرآن و سنت پر پرکھنا واجب ہے حالانکہ صاحب کلمہ وہ ہستی ہوتی
ہے جس کی بات مطلقاً حجت ہو اور اس سے اعراض و انکار کی ذرا گنجائش نہ ہو۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول کا خاصہ ہے لہذا انہی کے نام پر یہ کلمہ چلے گا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

کلمہ طیبہ پر کتب شیعہ سے اہل شہادتیں

کلمہ اہلسنت ہی رسول اللہ نے سکھایا | قرآن کے بعد اب سنت نبوی کو دیکھو۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین
پر مشتمل ہی کلمہ سب دنیا کو پڑھایا سکھایا تھا۔

۱۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے وقت حضور و حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ

پڑھایا۔

تَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَانْ مُحَمَّدٌ
رَسُولُ اللهِ فَقُلْتُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا
اللهُ وَانْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ -

(روضہ کافی ص ۲۹۸)

تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے
میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے
بغیر کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے
رسول ہیں۔

۲۔ اللہ نے پھر وحی کی کہ اے محمد لوگوں کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کریں۔ (حیات القلوب ج ۳ ص ۳)

۳۔ جب اللہ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اجازت دی تو حضور سے یوں اعلان کر دیا۔
بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبده و
رسوله واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وحج البیت وصیام شہد رمضان۔
(اصول کافی ج ۲ ص ۱۲)

یہاں نہ شیعہ امامت کا ذکر ہے نہ خمس وغیرہ شیعہ کے مخصوص احکام کا جس سے معلوم ہوا
کہ اصلی اسلام وہی ہے جو اہلسنت کا ہے۔ اور حدیث جبریل کے عنوان سے اسی طرح ارکان اسلام
کا ذکر بخاری مسلم وغیرہ کتب اہلسنت میں متواتر ہے۔

۴۔ جب آپ خلعت نبوت سے سرفراز ہو کر غار حرا سے گھر پہنچے تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔
بگو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لے اور
قریش کو بھی شہادتین کی دعوت دی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۶۳)

۵۔ اسعد نامی مدینہ کے ایک شخص سے حضورؐ نے فرمایا۔
شمار امیونم لبسوء شہادت بوجدت
خدا و پیغمبری من (حیات القلوب ج ۲ ص ۳۱۵)

۶۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے حضرت ابوسفیانؓ والد معاویہؓ کو شہادتین کی تلقین کی تو
وہ یہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

فقال اشهد ان لا اله الا الله و
اشهد ان محمداً رسول الله
تو اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر
کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت
محمد اللہ کے رسول ہیں۔

۷۔ ایک سفر میں ایک لاغرا عربی کو آپ نے اسی کلمہ کی تلقین کی۔
گواشہد ان لا اله الا الله واشہد ان محمداً رسول الله (حیات القلوب ص ۶۵)

۸۔ ایک یہودی لڑکے نے حضورؐ سے گفتگو کی اور پھر شہادتین کا کلمہ پڑھنے لگا (ابن ابی
۹۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اربع من كن فيه كان في نور الله
وسلم اربع من كن فيه كان في نور الله
عز وجل من كان عصمة امره شهادة
ان لا اله الا الله واني رسول الله -
ومن لا يحضره الفقيه ج ۱ ص ۵۶)

۱۰۔ سید الشہداءؑ کو حضورؐ نے اسی کلمہ کی ترغیب دی تو وہ بول اٹھے۔

اشہد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۵)
سنت نبویؐ کی دس شہادتوں کے بعد صحابہ اہلبیتؑ کی شہادتیں ملاحظہ ہوں۔

وفات کے وقت حضرت سلمان فارسیؓ
صحابہ اہلبیتؑ نے بھی یہی کلمہ پڑھا یا پڑھا یا پڑھا۔
یہ کلمہ پڑھا۔

۱۱۔ اشہد ان لا اله الا الله
وحده لا شريك له واشہد ان
محمد اعبداً ورسوله (حیات القلوب ص ۶۵)
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ
بغیر کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت
محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۱۲۔ حضرت علیؑ نے خندق کے موقع پر عمر و بن ود کو اسی کلمہ کی دعوت دی تھی (کشف الغمہ ص ۲۴)
نیز اپنے اور اہل شام کے درمیان اسی کلمہ کی وحدت کا ذکر فرمایا تھا۔

والظاہر ان دینا واحد ونبینا واحد
ودعوتنا فی الاسلام واحدة ولا تستزیدہم
حالانکہ ظاہر ہے ہمارا رب ایک ہے اور ہمارا
نبی ایک ہے ہماری اسلام میں دعوت ایک ہے

فی الایمان باللہ والنصدیق برسولہ و
لا یستزید و ننا الامر واحد
(نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۲۵)

یہ متفق ہیں۔

آپ نے یہاں امامت کا ذکر نہیں کیا معلوم ہوا یہ خود ساختہ عقیدہ ہے۔

۱۳۔ جب ابوسفیان شفاعت کرانے کے لیے اہل بیت کے ہاں پہنچا تو حضرت حسن ۳ ماہ کے بچے نے کہا۔

بگو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تامل
شفاعت کنم نزد جد خود (حیات القلوب ص ۲۴۵)

تو یہ کلمہ پڑھ لے تاکہ میں تیری اپنے نانا کے ہاں
سفارش کروں۔

۱۴۔ ایک شخص نے حضرت حسن سے پوچھا اسلام کیا ہے تاکہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

حضرت فرمود گوا شہدان لا الہ الا اللہ
وان محمد عبده ورسوله (ایضاً ص ۲۴۵)

تو حضرت حسن نے فرمایا تو کہہ دے کہ میں اللہ
کی توحید اور حضرت محمد کی عبدیت و رسالت کی

گواہی دیتا ہوں۔

۱۵۔ لان اصل الایمان کیونکہ ایمان کی

انما ہو شہادتان فجعل جبر خدا اور رسول

حضرت باقر و جعفر نے بھی یہی کلمہ سکھلایا

کے وجود کی شہادت ہے۔ جیسے سب حقوق میں دو
گواہ معتبر ہیں اسی طرح ایمان میں یہ دو گواہ ہیں
معتبر ہیں بجز بندہ خدا کی توحید اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہے تو
وہ تمام ایمان کا اقرار کرتا ہے۔

شہادتین کما جعلہ فی سائر الحقوق
شاهدان فاذا اقر العبد للہ عن جبل
بالواحد اثبتة و اقر لرسول صلی اللہ علیہ
وسلم بالرسالة فقد اقر بجملة الایمان
(من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۳۰) بحوالہ منہاج التبلیغ

۱۶۔ قال الصادق علیہ السلام

لقتوا موتا کم شہادۃ ان لا الہ الا اللہ
وان محمد ارسل اللہ (من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۳۱)

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اپنے مردوں
کو یہ کلمہ یاد دلایا کرو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

۱۷۔ عن ابی عبد اللہ قال کان ذلک الكنز لوحاً من ذهب فیہ مکتوب بسم اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (تفسیر قمی ج ۲)

امام جعفر فرماتے ہیں ان تینوں کے خزانے میں ایک سونے کی تختی تھی جس میں بسم اللہ کے ساتھ یہ کلمہ لکھا تھا۔

۱۸۔ حضرت ابو طالب بیان ائمہ ولادت و وفات کے وقت اہلسنت کا کلمہ پڑھتے تھے | ہے کہ حضرت علیؑ نے

پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور یہ کہا۔ اشهد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ (تحفۃ الاولیاء ص ۲۸)

۱۹۔ حضرت علیؑ نے وفات کے وقت یہی کلمہ پڑھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ (کاروان اسلام ص ۱۹۹ از رئیس احمد جعفری)

۲۰۔ بروایت جلال العیون ص ۵۵ حضرت صادقؑ نے ولادت کے وقت کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا۔ آپ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے (چودہ ستارے ص ۲۵۳)

۲۱۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے بھی ولادت کے وقت یہی کلمہ پڑھا جیسے حضورؐ نے پڑھا تھا (جلد العیون ص ۲۶)

۲۲۔ امام تقیؑ نے بھی یہی کلمہ تیسرے دن آنکھیں کھول کر پڑھا (جلد العیون ص ۳۷)

۲۳۔ امام العصر حضرت مہدیؑ نے بھی ولادت کے وقت یہی کلمہ پڑھا۔

حضرت صاحب العصرؑ بچوں دیگر ائمہ حضرت امام مہدیؑ نے دیگر ائمہ کی طرح خدا و شہادتین فرمود (جلد العیون ص ۵۸)

۲۴۔ حضرت مہدیؑ کی ماں پہلے مشرک تھی۔ پھر اہل جنت کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئی چنانچہ

جلد العیون کی روایت ہے کہ وہ حضرت فاطمہ الزہراؑ سلام اللہ علیہا کو خواب میں ملیں اور

شکایت کی کہ امام حسنؑ عسکری مجھ پر ظلم کرتا ہے اور مجھے دیکھنا نہیں چاہتا پس حضرت فاطمہؑ نے

فرمایا وہ تجھے کیسے دیکھے حالانکہ بخدا شکر بیاوری و بر مذہب ترستی پس بگو اشهد ان لا الہ

الا اللہ وان ابی رسول اللہ حالانکہ تو خدا کے ساتھ شرک کرتی ہے۔ اور عیسائی مذہب پر ہے۔

تو گواہی دے کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور میرے باپ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

یہی خاتون حضرت حسن عسکریؑ کی بیوی اور صاحب الزمر امام زمانؑ کی ماں ہیں (جلد العیون ص ۵۸۲)

یہاں تک ۲۴ دلائل قاہرہ سے ثابت ہو چکا کہ مکلفین کا یہ مقدس زمین گروہ جو عند الشیخہ
 حجة اللہ ہیں۔ سب اہل سنت کا مذہب رکھتے تھے۔ یہی کلمہ شہادتین پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔
 اسی پر جیتے اور مرتے تھے۔ یہی ان کی زندگی کا مشن تھا اگر یہ کلمہ ناقص یا ادھورا ہوتا تو وہ کبھی
 یہ کلمہ نہ پڑھتے پڑھاتے۔ بلکہ شیعہ کا مکمل کلمہ پڑھتے پڑھاتے۔ کلمہ الہدیت پر اعتراض اور اس سے
 اعتراض دراصل خدا و رسولؐ سے انکار اور مذہب الہدیت سے دشمنی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیعہ کو کفر کے
 اندھیرے سے نکال کر ہدایت کی روشنی نصیب کرے۔

اب کائنات کی دیگر اشیاء کی شہادت بھی ملاحظہ ہوں۔
سب کائنات یہی کلمہ پڑھتی ہے | ۲۵۔ ایک فرشتہ غیب نے آواز دی کہ اے گروہوں اور
 صوامع والو۔ یہود و نصاریٰ۔

ایمان آورید بخدا و رسولؐ اور محمدؐ نزدیک ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول محمدؐ پر جس
 شہد بیرون آمدن اور حیات القلوب مہم کے دنیا میں آنے کا وقت قریب آگیا ہے۔
 ۲۶۔ حضورؐ کی بشارت دینے والے دس ہزار فرشتوں کی قیدیوں پر لکھا ہوا تھا۔ لا الہ الا
 اللہ محمد رسول اللہ (حیات القلوب مہم)
 ۲۷۔ حضرت جبریل علیہ السلام چار جہتوں سے زمین پر لائے۔ سبز علم زمین پر لکھا ۱۱ اس پر سفیدی
 سے دوسطروں میں لکھا تھا۔ لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۹ بحوالہ
 منہاج التبلیغ)

۲۸۔ زمانہ طفولیت میں پہاڑوں اور جنگلوں نے آپؐ پر یوں سلام کیا۔
 السلام علیک یا صاحب القول العدل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔
 (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۲)

۲۹۔ تخلیق آدمؑ کے وقت حضرت اسرافیلؑ نے ایک مہر نکالی جس کی دوسطروں میں یہی کلمہ لکھا
 تھا اور وہ مہر حضورؐ (حضرت آدمؑ) کے کندھوں پر نقش فرمادی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۴)
 ۳۰۔ بہشت محمدیؐ سے قبل تمام پرندوں، فرشتوں اور درختوں نے کہا لا الہ الا اللہ محمد
 رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۴)

۳۱۔ حضورؐ کی چاندی کی انگوٹھی پر یہی کلمہ لکھا تھا اور ایک دوسری پر صدق اللہ لکھا تھا۔
(ایضاً ص ۱۰۹)

۳۲۔ عرش الہی پر یہی کلمہ لکھا ہوا تھا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا (حیات القلوب ص ۲۸۱)

۳۳۔ شب معراج میں اسی کلمہ شہادتین کی آپ نے ملا (اعلیٰ میں گواہی دی) (حیات القلوب ص ۲۸۱)

۳۴۔ جبرئیلؑ پر یہی کلمہ تھا۔ جو آپ کے کندھوں کے مابین تھی۔ ایک سطر میں لا الہ الا اللہ

دوسری میں محمد رسول اللہ لکھا تھا۔ (حیات القلوب ص ۲۸۱)

۳۵۔ بہشت سے کچھ لائینیں لائی گئیں۔ اور ہر قبیل پر نوشتہ تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد

رسول اللہ۔ (ایضاً ج ۲ ص ۹۵)

۳۶۔ گرگوں نے آپ کو گزرتے دیکھا تو یہی کلمہ شہادتین پڑھا۔ (حیات القلوب ص ۲۸۱)

۳۷۔ تقدیر کی قلم نے بھی حکم وحی یہی کلمہ رقم فرمایا۔

اللہ نے قلم کو وحی کی کہ میری توحید لکھ پس قلم یہ

و بسوئے قلم وحی نمود کہ بنویس توحید مرا

کلام الہی سننے سے ہزار سال مبہوش رہا جب

پس قلم ہزار سال مدہوش گردید از شنیدن کلام

بہوش میں آیا تو پوچھا اس پر وردگار کیا چیز

الہی و چوں مبہوش باز آمد و گفت پروردگار

لکھوں۔ اللہ نے فرمایا لکھ۔ لا الہ الا اللہ

چہ چیز بنوسیم فرمود کہ بنویس لا الہ الا اللہ محمد

محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵)

۳۸۔ براق کی پیشانی پر یہی کلمہ لکھا تھا۔

مکتوب بین عینیہ لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له محمد رسول اللہ۔

(احتجاج طبرسی ص ۲۸)

۳۹۔ جب آپ کسی نگریزے کو ماتھ لگاتے تو وہ گواہی دیتا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (تاریخ الأئمہ ص ۱۸۰ بحوالہ منهاج التبلیغ ص ۲۶)

۴۰۔ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں نجد میں نے جنگوں میں ہرن دیکھے۔

کہ تسبیح و ذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نے گفتند۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۲)

اذان و اقامت وغیرہ میں کلمہ طیبہ
 رسالت محمدیہ کا ذکر ہر اس چیز میں ہے جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ حیات القلوب میں کیا خوب لکھا ہے۔ اور اللہ کا ارشاد ہے **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** اور ہم نے تیرا ذکر تیرے لیے بلند کر دیا پس کوئی آدمی اخلاص کے ساتھ کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ کی آواز بلند نہیں کرتا مگر وہ محمد رسول اللہ کی شہادت کی بھی آذان میں۔ اقامت میں۔ نماز میں۔ عیدوں میں۔ جمعہ میں۔ اوقات حج میں اور خطبہ نکاح میں ضرور آواز بلند کرتا ہے **ریحیات القلوب ج ۱ ص ۱۳۵**

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ **ورفعنا لک ذکرک** کے تحت آذان۔ اقامت۔ خطبہ۔ کلمہ شہد وغیرہ میں صرف توحید و رسالت کی شہادت ہوگی۔ امامت وغیرہ کا ذکر خالص بدعت اور حرام ہوگا چنانچہ تیسری پچھٹی صدی میں جن عالمی دین دشمنوں نے آذان میں شہادت رسالت کے بعد شہدائے علیا امیر المومنین الخ سے اضافہ کیا تو معتبرہ شیعہ علماء نے ان پر لعنت و پھسکار برسائی۔ چنانچہ شیعہ کی معتبر اور اصح کتاب من لا یحضرہ الفقیہ باب الاذان میں اہلسنت کی طرح آذان ذکر کر کے یہ لکھا ہے **والمقصود لعنہم اللہ زاد وافی الاذان اشہد ان علیا امیر المومنین و خلیفۃ بلا فصل الخ۔** کہہ کر پڑھنے کی نعت ہو۔ انہوں نے یہ الفاظ آذان میں ٹھہھا دیے۔ اور فروع کافی باب بدو الاذان والاقامۃ میں ہے کہ جو شخص مؤذن کو اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے سنے اور پھر یہی کلمہ دہرائے اور ان پر یہی اکتفاء کرے یعنی تیسری شہادت امامت کا ذکر نہ کرے، تو اس کو بڑا ثواب ملے گا۔ اس باب میں شیعہ کی امامت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ضمن نفی کی گئی ہے۔

شہادتین کا کلمہ ہی کامل ایمان ہے | ۴۲۔ جمیل بن دراج نے ایمان کے متعلق حضرت صادقؑ سے پوچھا

تو آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی۔ راوی نے پوچھا کیا یہ عمل نہیں ہے؟ فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا عمل بھی ایمان سے ہے تو فرمایا ایمان ثابت نہیں ہوتا بغیر عمل

نقال شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ قال البیس هذا عمل قال بلی قلت فالعمل من الایمان قال لا یتثبت له الایمان الا بالعمل والعمل

کے اور عمل ثابت نہیں ہوتا بغیر ایمان کے۔

۳۳۔ ایک دن حضرت جبریلؑ بصورت اعرابی خدمت رسولؐ میں آئے حضرت نے ان کو پہچانا۔ انہوں نے پوچھا۔ اے محمدؐ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا اللہ۔ یوم الآخرت۔ ملائکہ کتب۔ انبیاء۔ بعث بعد الموت پر ایمان لانا۔ کہا سچ کہتے ہو۔ اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ اور محمدؐ عبیدہ و رسولہ زبان پر جاری کرنا۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔ بیت اللہ کا حج کرنا جبریلؑ نے کہا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ (تحفۃ الابرار ترجمہ جامع الاخبار از ابن بابویہ قمی ص ۵)

اس حدیث جبریلؑ میں جو باتیں مذکور ہیں وہی اہل سنت کا مذہب ہیں۔ شیعہ کی مخصوص باتیں اس میں ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا مذہب اہل سنت اور ان کا کلمہ خدا کی تعلیم پر قائم ہے۔

۳۴۔ حضرت جبریلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اس وقت آئے جب وہ آگ میں پھینکنے کے لیے تختہ میں رکھے ہوئے تھے تو کہا کیا آپ کو مجھ سے کوئی حاجت ہے فرمایا خاص تم سے کوئی حاجت نہیں۔ پروردگارِ عالم سے ضرور حاجت ہے اس وقت جبریلؑ امین نے ایک انگشتی ان کے حوالے کی جن میں یہ لکھا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ الجأت ظہری الی اللہ و فوخت امری الی اللہ۔ میں نے اپنی پشت اللہ کی پناہ میں دی اور معاملہ اسی کے سپرد کر دیا، پس خدا نے آگ کو حکم دیا۔ یَنَارُ کُوْنِیْ بُدْدًا وَّ سَلَامًا (حاشیہ ترجمہ مقبول ص ۳۹۲)

معلوم ہوا۔ اسی کلمہ اہل سنت کی برکت سے اللہ نے مہربانی فرمائی غیر اللہ سے مدد مانگنا اور یا علی مدد کے نعرے لگانا ملتِ ابراہیمی میں شرک ہوا۔

۳۵۔ تفسیر عیاشی اور انصال میں جناب رسول خداؐ سے یہ حدیث مروی ہے کہ جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں گی اس کو خدا کے سب سے بڑے نور میں جگہ ملے گی اس کے ایمان کی سپر یہ کلمہ ہو۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ترجمہ مقبول ص ۵۸)

۳۶۔ حضرت علیؑ قیامت میں یہی کلمہ پڑھیں گے۔ یقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(کشف الغمہ ص ۱۱۹)

۳۷۔ قیامت کے دن حضورؐ کے ہاتھ میں جو لواء الحمد ہوگا اس کی تین سطروں میں بسم اللہ الحمد

لہذا رب العالمین اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوگا۔ (کشف الغمہ ص ۴۸)

شیعہ علماء کا اعتراف حقیقت | ۴۸ - قاضی نور اللہ شونیزی ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اول نکتہ اسلام مبنی است بر اصل شہادتین
شہادت واحدیت و شہادت رسالت
و یا اینکه ہر ایک از کلمات لا الہ الا اللہ محمد رسول
اللہ و از وہ حرف است (مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۲۱)

پہلا یہ کہ اسلام مبنی ہے دو گواہیوں کی بڑ پر۔
توحید کی گواہی اور رسالت کی گواہی اور
یہ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں سے ہر ایک
کے بارہ بارہ حروف ہیں۔

۴۹ - خواجہ نصیر الدین محقق طوسی نے اپنے رسالہ عقاید کے آغاز میں لکھا ہے۔

اعلم ایہا الاخ الصالح العزیز ان
اقل ما یجب اعتقادہ علی المکلف ہوما
توحۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
(مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۲۸)

اے نیک بھائی جان لے کہ کم از کم جس چیز کا اعتقاد
رکھنا مکلف پر فرض ہے وہ لا الہ الا اللہ محمد
رسول اللہ کا معنی ہے۔

۵۰ - مشہور شیعہ لیڈر حسن بن صباح نے کہا تھا لوگ کہتے ہیں کہ میں نے دین و مذہب نیا

نکالا ہے بخود باللہ اس سے کہ میں نیا مذہب نکالوں۔ اور جو دین میں رکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کا یہی دین و مذہب تھا اور تاقیامت سچا مذہب یہی ہے اور رہے گا۔

واکنوں دین من دین مسلمان است اشہد
ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ
(مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۳۱۲)

اور اب میرا دین مسلمانوں والا دین ہے۔ میں
خدا کی توحید اور حضرت محمد کی رسالت کی گواہی
دیتا ہوں۔

گو اسے مبنی بر ترقیہ ہی مانا جائے دین مسلمان کی بنیاد صرف شہادتین کو تسلیم کیا۔

۵۱ - شیعہ کے موجودہ شریعتیہ ار محمد کاظم ایرانی لکھتے ہیں۔

و اگر کافر شہادتین بگوید یعنی بگوید اشہد
ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد عبیدہ و رسولہ
مسلمان میشود (توضیح المسائل)

اگر کافر شہادتین پڑھے یعنی کہ دے کہ میں
اللہ کی توحید کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی عبدیت اور رسالت کی گواہی دیتا ہوں تو مسلمان

ہو جاتا ہے۔

”قصہ لذیذ و حکایت دراز تر گفتیم“ کے تحت کلمہ طیبہ کا کتب معتبرہ شیعہ سے ہم نے اثبات کیا ہے۔ شیعہ کے آئمہ ہول یا علماء و مجتہدین سب کلمہ اہلسنت ہی کے قائل ہیں اس میں اختلاف صرف متاخرین دورِ حاضر کے ذاکروں نیم ملاؤں اور مفاد پرست لیڈروں کو ہی سوچا ہے۔ ان تمام دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ آج کے شیعہ ان کے آگے تسلیم ختم کر لیں اور خدا و رسول کی خلاف ورزی کر کے نئی راہ کفر و ضلالت نہ نکالیں اسی میں ان کی بھلائی ہے۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب عام مسلمان اور حکومت مجبور ہو کر کلمہ طیبہ کی حفاظت اور دفاع میں ان سے وہی سلوک کرے جو ختم نبوت کے دفاع میں قادیانیوں سے کیا گیا کیونکہ جیسے مشرک خدا کے انکار سے نہیں بلکہ ایک اور الہ و حاجت روا کے اضافے سے خارج از اسلام ہے۔ قادیانی حضرت محمد رسول اللہ کے انکار سے نہیں بلکہ ایک نئے پیغمبر کے اضافے سے خارج از اسلام اور کافر ہے۔ اسی طرح امامی۔ لالہ الہ اللہ محمد رسول اللہ کے انکار سے نہیں بلکہ اس پر ایک نئے کلمے کے اضافے سے خارج از اسلام قرار پائے گا۔

شیعی شبہات کا ازالہ | شیعہ کا غیر متبر اور رطب و یابس لٹریچر سامنے رکھنے سے یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ عقیدہ امامت کا رسالت کے ساتھ تذکرہ نہیں ملتا۔

تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ امامت و ولایت کو جز و کلمہ بنانے کی تعلیم آئمہ نے نہیں دی اور نہ ہی اسلام کی صحت و صداقت کو اقرار امامت سے مشروط قرار دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقیدہ امامت ایمان کا جزو ہے اسے ماننے بغیر کوئی شخص عند الشیخہ کامل الایمان نہیں ہو سکتا۔ جیسے اصول کافی ”باب ان الاسلام یحقن بدم“ میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر سے اسلام و ایمان میں فرق کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ اسلام وہ ظاہر مذہب ہے جس پر سب لوگ ہیں کہ لالہ الہ اللہ کی گواہی اور حضرت محمد کی عبدیت اور رسالت کی گواہی نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج بیت اللہ کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا پس یہی اسلام ہے اور ایمان اس کے ساتھ امر امامت کی معرفت کا نام ہے اور اگر اسلام کا اقرار کرے اور امامت کو نہ پہچانے وہ مسلمان گمراہ ہو گا۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۵)

ہم اہلسنت پر یہمہ وجوہ یہ روایت حجت نہیں شیعہ پر بائیں معنی اُحجت ہے کہ وہ صرف معرفت امام

کے مکلف ہیں جو فعل قلبی ہے۔ اسے اسلام کے برابر اقرار میں لانا یا کلمہ کا جزد بنانا گمراہی ہے۔ انہیں ہے
 ائمہ اربعہ اور شاد امام کی رو سے ہر ایسی روایت مردود ہوگی جس سے امامت کا رسالت کے ساتھ اقرار
 میں تلازم تشریح ہوتا ہو خواہ مناقب کی ہو یا عقاید کی۔

۲۔ جب قرآن و سنت صرف شہادتین کے اقرار پر ہی متفق ہیں تو ایسی روایت مردود ہوگی
 جو اس کے خلاف تیسری شہادت کا ضمیمہ لگائے کیونکہ امام صادق کا فرمان ہے :-

۱۔ لا تقبلوا علینا خلاف القرآن
 فاننا نمتثل ما عندنا بموافقة القرآن و
 السنة (کتاب الخصال)
 قرآن کے برخلاف حدیثیں ہمارے ذمے نہ لگاؤ کیونکہ
 اگر ہم حدیث بیان کریں تو قرآن و سنت کے موافق
 بیان کرتے ہیں۔

۲۔ کل شیء مردود الی الکتاب و
 کل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فهو
 زخرف۔
 ہر چیز کتاب اور سنت نبوی کی طرف لوٹائی جائیگی
 اور جو حدیث کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ بناوٹی
 ہے۔

۳۔ ما لم یوافق من الحدیث القرآن
 فهو زخرف (اصول کافی ص ۶۹)
 جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ ملمع سازی ہے

اس سے ہر قسم کی رطب و یابس روایات کا جواب ہو چکا جن سے دہوکہ کھا کر شیعہ کلمہ بدل دیتے
 ہیں۔ اب شہر کی حدیث مصطفیٰ بر روایت از حضرت جابر کی حقیقت ملاحظہ ہو۔ اس پر ایک حوالہ ریاض
 النضرہ کا ہے جو البسنت کے محب طبری کی تالیف ہے۔ مناقب عشرہ مبشرہ میں عمدہ کتاب ہے۔ مگر
 عام کتب مناقب کی طرح ضعیف روایات سے خالی نہیں ہے۔ کلمہ طیبہ کے لیے نصوص قرآنیہ اور احادیث
 معتبرہ متواترہ درکار ہوتی ہیں۔ کتب مناقب سے استدلال تو استہزا کے مترادف ہوتا ہے۔ ہم بھی
 اس کتاب سے چاروں خلفاء کے نام سے کلمے دکھا سکتے ہیں۔ مثلاً ریاض النضرہ ص ۱۳ پر ہے لا الہ
 الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق عثمان الشہید علی الرضا عرش الہی پر یہ کلمہ لکھا ہے۔
 چونکہ عرش الہی جنت سے افضل ہے۔ تو یہ کلمہ بہ نسبت تسبیحی کلمہ کے بہت افضل اور واجب الایمان
 ہو گا۔ شیعہ جب اسے نہ مانیں تو ان کا کلمہ ہم کیسے مان لیں۔

علاوہ ازیں ریاض النضرہ ص ۱۴ پر حوالہ صریح خیانت ہے کیونکہ وہاں انور رسول اللہ کے لفظ ہیں۔

علی ولی اللہ کے نہیں حضرت علیؑ کے چچا زاد برادر نبویؐ ہونے کا کوئی بھی منکر نہیں۔

ہی نیایع المودۃ - تذکرۃ الخواص اور مودۃ القربی - کے حوالے تو یہ کتابیں نہایت مجروح اور غیر معتبر ہیں نہ باب ہونے کی وجہ سے ہم انہیں دیکھ نہ سکے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ بیاض النضرہ کی طرح ان کا حوالہ بھی غلط اور محض مرعوب کرنے کے لیے منتشر نہ تو نہیں دیا۔

سبب ابن جوزی کی کتابیں وہی ہیں | واضح رہے کہ تذکرۃ الخواص جسے اعلام الخواص بھی

کھلیہ وغیرہ - جن سے شیعہ اہل سنت کے خلاف استدلال کرتے ہیں اور ایسا مواد ان کو انہی کتب میں ملتا ہے۔ یہ سبب ابن جوزی کی تالیفات ہیں۔ جو مشہور علامہ ابو الفرج ابن جوزیؒ کا نواسہ تھا مگر برائے نام نہی تھا بیاطن شیعہ تھا اور اپنی تالیفات سے شیعہ ہی کو فائدہ پہنچایا۔ اس کا نام یوسف بن قز علی المتوفی ۵۸۷ھ ہے۔ میران الاعتدال ۶۸۷ھ میں ہے۔ یوسف بن قز علی المتوفی ۵۸۷ھ و اعظم مؤرخ تھے۔ کتاب مرآۃ الزمان لکھی۔ اس میں منکر کہانیاں لکھتا ہے میں اسے نقل کر وہ مواد میں ثقہ نہیں جانتا بلکہ جانبداری اور زلیات سے کام چلاتا ہے۔ پھر وہ رافضی ہو گیا اس پر ایک کتاب بھی شیخ نجی الدین سوسی نے کہا میرے دادا کو جب سبب ابن جوزی کی وفات کا علم ہوا تو فرمایا اللہ سپریم نہ کرے وہ رافضی تھا۔

اس کی کتاب تذکرۃ خواص الامۃ ص ۳۷ طبع نجف اشرف باہتمام شیعہ میں اس نے یہ عقیدہ لکھا ہے۔ قلت فی شرط الامام ان یکون معصوماً لا یقع فی الخطاء غلطی میں نہ پڑے۔

اسی طرح لسان المیزان ج ۶ ص ۳۲۸ اور جواہر المصنئۃ فی طبقات الخلفیہ ص ۲۳۱ پراس پر جرح موجود ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳۳ پراس طرح جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”یہ شخص اپنی تالیفات میں قم قم کی محتاجی اور قسط سالی کا ذکر کرتا ہے اپنی اغراض کے لیے مکرور بلکہ موضوع احادیث سے استدلال کرتا ہے۔ لوگوں کے حسبِ منشا و مرضی کتابیں لکھتا تھا تاکہ ان کے مرضی درست ہو اور وہ اس کو اس کا ذنبوی فائدہ دیں اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر بھی کتابیں لکھتا تھا تاکہ بادشاہوں سے اپنے مقاصد حاصل کر سکے۔ اس کی عادت صرف و غلط گوئی تھی اس سے پوچھا گیا

تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا کون سے شہر میں؟ یہی وجہ ہے کہ اس کی بعض کتابوں میں
خلفاء راشدین وغیرہم کبار صحابہ کی بدگوئی پائی جاتی ہے اور بطور تقیہ ان کے مذہب میں تلبیس
کرتا ہے اور بعض میں خلفاء راشدین کی تعظیم بھی پائی جاتی ہے۔

یہ بے نتیجہ حوالہ جات کی حقیقت جن کی وجہ سے قرآن وحدیث کے متفقہ کلام طیبہ کو بدلا گیا
اور اہل سنت کو الزام دیا گیا۔

التحیات و نماز بھی ثابت ہے | شیعہ کا یہ کہنا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم تراویح التحیات سبحانک
اللہم۔ درود بھی تاج۔ نماز میں ہاتھ باندھنا۔ الثنا وضو

کس پائے اور رکوع سے ثابت ہے ایک لغو بات ہے کیونکہ یہ امور کلمہ طیبہ کی طرح اہم اور بڑا
کفر و اسلام نہیں ہیں کہ لفظ قرآن ہی میں مذکور ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ”رسول کی اطاعت
کرو۔“ بخود تمہیں دیں لے لو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ۔ تو جو حکم ارشاد نبوی سے ہو گا وہ
بھی قرآن سمجھا جائے گا۔ الصلوٰۃ خیر من النوم کا ثبوت از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہم ذکر کر چکے ہیں۔
تراویح پر بھی مفصل روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ کتب شیعہ سے مزید سنت نبوی ملاحظہ ہو۔

۱۔ عن ابی عبد اللہ قال کان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل
شہر رمضان زاد فی الصلوٰۃ فانا ازید
فازید وا (استبصار ج ۱ ص ۴۶)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں جب ماہ رمضان
شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں
اضافہ فرماتے ہیں بھی زیادہ پڑھتا ہوں تم بھی زیادہ
پڑھا کرو۔

۲۔ امام جعفر صادقؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں ہر رات کو
نفل اس سے زیادہ پڑھتے جو پہلے پڑھا کرتے تھے۔ اول رات سے بیسویں رات تک ۲۰۔۲۰ رکعات
روزانہ پڑھتے تھے۔ (استبصار ص ۴۲)

۳۔ عن ابی جعفر صلی فی اول
شہر رمضان فی عشرين لیلة عشرين
رکعة (استبصار ص ۴۲)

امام باقرؑ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
یکم رمضان سے بیسویں تک ۲۰۔۲۰ رکعت
تراویح پڑھتے تھے۔

۲۰ رکعت کی اس نماز کو نفل سے تعبیر کرنا صرف فقہی اختلاف ہے۔

اب تشہد والتحیات کے متعلق بھی سنئے۔

نہ راز رکھتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے تشہد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔
التحیات للہ والصلوات والطیبات الخ دوسرے تیسرے دن بھی پہلے دن والا جواب دیا کہ التحیات
للہ والصلوات الخ۔ نہ راز رکھتا ہے کہ جب میں نکلنے لگا تو امام کی دائرہ بھی سپر ہاتھ مارا اور کہا کہ یہ امام
کبھی کامیاب نہ ہوگا (رجال کشی ص ۱۸۱ از افادات تونسوی)

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کو روز اول اس تشہد نبوی سے جو خدا کی تناء صلوة و سلام پر پیغمبر
واصحاب و شہادتین پر مشتمل ہے۔ جذبہ ہے۔ نواسۂ رسولؐ سے اس کے خلاف کہلوانا چاہتے ہیں۔
وہ جب سنت نبویؐ چھوڑ کر ان کی بات نہیں مانتے تو یہ شیعہ ناراض ہو کر ایم کی دائرہ بھی نوچتے گستاخی
کرتے اور بدو عادی کے کمرے سے نکلتے ہیں۔ واقعی ان مجال اہل بیت کی دشمنی اور ایذا رسانی کا جوا
نہیں۔

میرے سامنے ”دینیات کی دوسری کتاب“ پرانے جماعت سوم ایک رسالہ ہے جسے سر شمس الدین
نے ۱۹۵۳ء سے تمام پنجاب کے لیے منظور فرمایا تھا۔ اس میں شیعہ کی نماز میں قعدے اور سلام کا طریقہ
کے عنوان سے تشہد کا یوں ذکر ہے۔

اشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ
واشھد ان محمد اعبدا ورسولہ
کہ حضرت محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔
پھر درود کے بعد یہ بھی ہے السلام
علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بخیر کوئی معبود نہیں
جو اکیلا اور لاشریک ہے اور گواہی دیتا ہوں
سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور
اس کی برکتیں ہوں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے
تمام نیک بندوں پر۔

ترتیب کے اختلاف کے سانچہ بھی اہلسنت کا تشہد والتحیات ہے۔ ایک جگہ میں بھی کمی بیشی نہیں
اور تشہد کا ہر کلمہ بطور مفہوم قرآن ہی سے ثابت ہے۔ التحیات کی تناء سورۃ فاتحہ سے ثابت ہے۔
شہادتین پر دلائل کا انبار مذکور ہو چکا ہے حضور پر درود و سلام صلوا علیہ وسلم و التسلیم سے ثابت
ہے جو بآلہ الصالحین صحابہ کرام پر درود و سلام کے متعلق یہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو ھو الذی

يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا
 نبی کے صحابہؓ...! وہ خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں تاکہ تم کو اندھیروں
 سے نور کی طرف نکالے اور اللہ موتوں پر خوب مہربان ہے۔

کیا تشہد سے اس قدر تشبیہ کو حید ہے کہ اب بھی اسے ثابت عن القرآن نہ مانیں گے۔
 نماز کے اول میں ثنا کے متعلق ثبوت یہ ہے۔

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع
 کرتے تو سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک
 پڑھتے تھے (یعنی عاشق بخاری ص ۱۳۱، نیز مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۱ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۳۵ زاد المعاد
 ج ۱ ص ۵۲ پر بھی یہ ثنا ثابت ہے۔

اب بالترتیب ان جملوں کا ثبوت قرآن پاک سے ملاحظہ ہو۔

وَسَبِّحْهُ بَكْرَةً وَأَصِيلًا (احزاب)
 وَانْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحْ بِحَمْدِهِ
 (بنی اسرائیل)

صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کر و۔
 ہر چیز سبحانک اللہم وبحمدک پڑھتی ہے مگر تم نہیں
 سمجھتے۔

تبارک اسم ربک (الرحمن)
 إِنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا (الجن)
 لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ (انبیاء)

تیرے رب کا نام بڑی برکت والا ہے۔
 بلاشبہ ہمارے رب کی شان بلند ہے۔
 تیرے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔

رہے درود لکھی اور تاج۔ تو واضح رہے کہ یہ باتورہ از پیغمبر و صحابہؓ نہیں ہیں بلکہ بعد کے
 بزرگوں نے عشق نبویؐ سے سرشار ہو کر عربی میں جو آپ کو خراج عقیدت پیش کیا اور رحمت کی
 دعا کی ہے۔ ان کا نام درود پیر گلیہ حقیقین اہلسنت کے نزدیک درود تاج کے بعض الفاظ موہم
 شرک ہیں ان سے احتراز بہتر ہے۔ ان کی اسناد اور فضائل بھی کچھ معتبر نہیں ہیں۔ تاہم عشق نبویؐ
 سے ان کو پڑھا جائے اور کوئی لفظ خلاف شرع نہ ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے حضورؐ کی مدح و توصیف
 میں نعت پڑھی جائے جو ہر زبان میں جائز ہوتی ہے۔ اگر حضرت علیؓ و حسینؓ کی مدح میں قصائد
 جائز نہیں تو آپؐ کی مدح میں آپ کے لیے دعا و ترجم کے اضافہ کے ساتھ ایسے کلمات بدرجہ اولیٰ جائز

ہیں۔ اگر شیخ میں محبت نبوی کا جذبہ ہو تو ایسا اعتراض نہ کرتے۔

نماز میں ہاتھ باندھنا قرآن سے ثابت ہے | سورہ کوثر میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور رخ کریں۔

نہ کے معنی جس طرح قربانی کرنے کے لغت میں آئے ہیں اور مفسرین اس سے تفسیر کرتے ہیں اسی طرح لغت میں ”دست راست را بر چپ گزاردن“ (قاموس) بھی آیا ہے۔ نماز کے ساتھ ذکر اس پر قرینہ ہے۔

نَزِدُّوْهُمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ۔ اللہ کے آگے عاجز ہو کر کھڑے ہو۔ ”ہُمْ فِیْ صَلٰۃٍ تَتِمُّ خَاشِعُوْنَ“ وہ مومن کامیاب ہیں جو نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ سے قنوت اور خشوع پیدا کرنے کا حکم واضح ہے۔

قنوت و خشوع ظاہر و باطن میں لازمی ہے۔ ظاہری خشوع نماز میں آداب سے ہاتھ باندھنے سے ہوگا۔ کوئی عقلمند اس کا انکار نہیں کرتا۔ عرف عام میں ادب اور عاجزی کو دست بستہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً محاورہ ہے ”میرے والدین کی خدمت میں دست بستہ سلام و آداب عرض کریں۔“ علاوہ انہیں قنوت سکون کے ساتھ لازم ہے۔ وضع یدین کی حالت عین سکون یا اس سے قریب تر ہے اور ار سال یدین سکون سے بعید ہے۔ فطری بات ہے کہ بندش سے سکون ہوگا اور ار سال کھلے رکھنے سے حرکت ہوگی۔ بالفعل حرکت نہ بھی کی جائے مگر یہ کیفیت قریب حرکت ہے جو منافی سکون ہے۔ فقید۔

شیعہ مذہب میں عورتوں کو تو ہاتھ باندھنے کا حکم ہے حالانکہ مردوں کی بہ نسبت وہ زیادہ ساکن و خاشع ہوتی ہیں۔ تو مردوں کو بدرجہ اولیٰ ہاتھ باندھنے چاہئیں تاکہ اس کیفیت سے وہ سکون کا کامل درجہ حاصل کریں۔ جو عادتہ ان کی متحرک اور فعال زندگی کی ضد ہو اور قَوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ کا آئینہ دار ہو۔

تحفۃ العوام میں ہے کہ ”اگر زن باشند دست بر بینه بگذارند“ اگر عورت نماز پڑھے تو ہاتھ سینے پر رکھے۔ فروع کافی ج ۱ ص ۱۹۸ پر بھی عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا حکم ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ باب آداب المرأة فی الصلوة میں ہے۔

فاذا قامت المرأة فی صلاتها
جمعت بین قدیمہا ولم تفرج بینہا
ووضعت یدھا علی صدرھا مکان
تذیبہا۔
جب عورت نماز پڑھنے لگے تو پاؤں اکٹھے رکھے
کشادہ نہ کرے۔ اور ہاتھ سینے پر پستانوں
کی جگہ رکھے۔

اگر عورت کے لیے سینہ پر ہاتھ باندھنا ادب ہے تو مرد کے لیے ناف پر باندھنا کیوں ادب
نہیں۔ (الفرق بینہما)

اہل سنت والجماعت کی وضع یدین پر اپنی دلیل یہ ہے۔

۱۔ عن قبیصة بن وہب عن ابيه
قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یؤمنافیاخذ شمالہ بيمينہ رواہ الترمذی
وابن ماجہ، مشکوٰۃ ص ۷۶
قبیصہ بن وہب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں امامت کرتے
تو اپنا بائیں ہاتھ دائیں سے پکڑتے۔

۲۔ مؤطا امام مالک ۵۵ پر باب وضع الیدین علی الاخری فی الصلوة موجود ہے جس کی ایک
روایت یہ ہے۔

من السنة وضع الیدین احداھا
علی الاخری فی الصلوة وتجعیل الفطر
والاستیناء بالسحور۔
نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھنا سنت
ہے۔ افطار میں جلدی اور سحری کھانے میں
تاخیر بھی سنت ہے۔

ان روایات کے راوی خود امام مالک ہیں معلوم ہوا کہ آپ کا عمل بھی یہی تھا۔ آپ کی طرف
جو متاخرین فقہاء مالکیہ نے ارسال یدین کی نسبت کی ہے۔ وہ مرجوح ہے۔

ترتیب وضو بھی قرآن سے ثابت ہے | افسوس کہ شیعہ حضرات اہلسنت سے بغض کی وجہ
سے قرآن پاک میں مذکور ترتیب کو بھی "الٹاؤ"

سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود قرآنی مخالفت کرتے ہیں۔

سے برعکس زندگی نام نمنہ کا فور۔ آیت وضو مندرجہ ذیل ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَجْزَلُ إِلَى الْكُعْبَيْنِ - (پ ۶۶)

اے مومنو! جب نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو پھر ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

اس ترتیب قرآنی میں منہ دھونا - بازو دھونا - سر کا مسح کرنا اور پاؤں دھونا ہے اہل سنت اسی مذہب پر ہیں۔ اور یہ ترتیب سنت بھی ہے۔ امام احمد کے نزدیک فرض ہے۔ مگر شیوہ نے تو فحاشی قرآن کی حد کر دی کہ پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور پھر اس پر مسح بھی کرتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ دھونے میں کیا نقص رہ گیا تھا کہ پھر مسح سے اس کی تکمیل کی۔

بازو بھی اٹھے دھوتے ہیں کہ کہنیوں سے شروع کرتے اور انگلیوں سے پانی بہاتے ہیں۔ حالانکہ اگر قرآن کا منشا یہ ہوتا تو ایدیکم من المرافق کہا جاتا۔ کہ کہنیوں سے ہاتھوں تک دھوؤ مگر قرآن پاک نے ایدیکم الی المرافق کہا کہ ہاتھوں سے شروع کر کے کہنیوں تک دھوؤ۔

اعتقادِ اثنیہ پاؤں دھونے کے قابل ہی نہیں۔ مسح واجب کہتے ہیں۔ حالانکہ قرأتِ ستہ میں تو ارحکم - بفتح لام پڑھا جاتا ہے کیونکہ فاعسوا پر مطوف ہے اور ایک قرأت میں کسرہ جوار کے طور پر ہے۔ عقلاً بھی پاؤں کا دھونا واجب ہے کیونکہ سب سے زیادہ یہی عضو گرد و غبار سے بلکہ گندگی سے ملوث ہوتا رہتا ہے جس کا ازالہ دھوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ برخلاف سر کے کہ بالاتفاق اس پر مسح فامسوا کے تحت فرض ہے کیونکہ سب سے کم تر وہ گرد و غبار سے متاثر ہوتا ہے۔ بالوں کی وجہ سے عادتہ پانچ دفعہ دھونا اور خشک کرنا دشوار تھا۔ نہ رحلت نے آسانی کی بنا پر دھونے کے قائم مقام مسح رکھ دیا۔ ان ربك حکیم علیم۔

سنتی بدعات کی وجہ سے

رہیں نام نہاد سنتیوں کی بدعات۔ قوالی، قبروں پر حال کھیلنا، طبلے کی سرتال پر سر مارنا۔ گیارھویں شریف۔ عرس شریف، بیہشتی دروازوں سے گزرنا وغیرہ۔ تو ان کا حکم علماء اہل سنت کے نزدیک وہی ہے۔ جو شیعہ کی بدعات۔ عزاداری۔ ماتم سینہ کو بی نہ خیر زنی۔ دوہڑے خوانی۔ سوز خوانی۔ ضرتیخ۔ تہذیبیکہ پرستی۔ ماتمی جلوس۔ ماتمی مجالس۔ صحیحہ پوشی وغیرہ کا ہے۔

کوئی سنی مستند عالم خواہ بریلوی ہو یا دیوبندی والحمد للہ۔ ان بدعات کو سنت یا کارِ ثواب نہیں جتلا سکتا۔ یہ صرف عوامِ بانیئمِ مللِ خطرۃ ایمان کے افعال ہیں جو مذہبِ اہلسنت سے ہرگز نہیں دراصل یہ اس بات کا ردِ عمل ہے کہ سنیوں کا یہ جہلاد طبقہ شیعہ کے ماضی جلوسوں اور رسومات میں شرکت کرتا ہے تو بدعت کے اثرات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

ورنہ تجربہ بشاہد ہے کہ جو عوامِ اہلسنت اہل تشیع کے ماحول اور پروپیگنڈے سے دور رہتے ہیں وہ بہت کم ان بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو ان بدعات سے پاکدامن ہیں وہ شیعہ کی رسوم و بدعات سے بھی دامن کشاں رہتے ہیں۔ میرے سادہ سنی بھائی اگر اس نکتہ پر غور کر لیں۔ اپنے مذہب و اعمال پر پختہ ہو جائیں شیعہ کو غیر سمجھ کر ان کی کسی محفل و رسم میں شرکت نہ کریں تو وہ نہ صرف شیعہ کا تر قمر بننے سے بچ جائیں گے۔ بلکہ رفض و تشیع کا زور ٹوٹ جائے گا اور ان کا وہ عددی گھمنڈ خاکستر ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ نصابِ تعلیم الگ کر کے تمام احکام و شعائرِ اسلامیہ کو مسخ کرنا چاہتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی
رسولہ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

۱۰ مئی ۱۹۷۶ء بروز پیر

کاتب: محمد لوئیس حنیف بمقام وڈاکانہ خاص کالی صوبہ خاں
ضلع گوجرانوالہ۔



کتاب مراجع و مصادر

کتاب اہل السنۃ

- ۱۔ قرآن کریم
- ۲۔ صحیح بخاری
- ۳۔ صحیح مسلم
- ۴۔ طحاوی
- ۵۔ فتح الباری
- ۶۔ جامع ترمذی
- ۷۔ ابوداؤد
- ۸۔ مجمع الزوائد للہیثمی
- ۹۔ نسائی
- ۱۰۔ ابن ماجہ
- ۱۱۔ مؤطا امام مالک
- ۱۲۔ المسوئی شرح المؤطا
- ۱۳۔ مشکوٰۃ
- ۱۴۔ دارقطنی
- ۱۵۔ مسند احمد
- ۱۶۔ سنن کبریٰ بیہقی
- ۱۷۔ مستدرک حاکم
- ۱۸۔ تہذیب الاوطار
- ۱۹۔ الریاض النضرہ
- ۲۰۔ موارد النعمان
- ۲۱۔ کنز العمال

- ۲۲۔ نصب الرایہ
- ۲۳۔ سیرت ابن ہشام
- ۲۴۔ سیرت رسول رحمت
- ۲۵۔ سیرت النبیؐ شامی
- ۲۶۔ الفاروقؓ
- ۲۷۔ تاریخ طبری
- ۲۸۔ تاریخ ابن خلدون
- ۲۹۔ ابن اثیر
- ۳۰۔ تاریخ اسلام نجیب آبادی
- ۳۱۔ تاریخ اسلام ندوی
- ۳۲۔ البدایہ والنہایہ
- ۳۳۔ شرح فقہ اکبر
- ۳۴۔ تاریخ الخلفاء
- ۳۵۔ الاصابہ لابن حجر
- ۳۶۔ طبقات ابن سعد
- ۳۷۔ تفسیر ابی کثیر
- ۳۸۔ تفسیر قرطبی مائمی
- ۳۹۔ تفسیر درمنثور
- ۴۰۔ تفسیر آیات قرآنی
- ۴۱۔ تفسیر کبیر رازی
- ۴۲۔ تفسیر الانقان
- ۴۳۔ الاستیعاب

- ۵۹- محمدیہ پاکٹ بک
۶۰- ریت المصطفیٰ مولانا ادیس کاندھلوی
۶۱- المنقذ من المنہاج
۶۲- قرۃ العینین
۶۳- منصب امامت
۶۴- حجة اللہ البالغہ
۶۵- موضوعات کبیرہ ملا علی قاری
۶۶- شہادت النجم کھنوی محرم ۱۳۵۶ھ
۶۷- سیرت حلبیہ
۶۸- جنازۃ الرسولؐ
۶۹- مسلمان حکمران از رشید اختر ندوی
۷۰- عرف شذی
۷۱- رجاء بینہم
۷۲- دانا دینی و دانا دینی

- ۴۴- شرح مسلم للنووی
۴۵- میزان الاعتدال
۴۶- میزان الکبریٰ للشحرانی
۴۷- تقریب التہذیب
۴۸- تحفۃ اثنا عشریہ
۴۹- ازالۃ الخفاء
۵۰- عدالت حضرت صاحب کرامؑ
۵۱- مسند اہل بیت
۵۲- بیاض ترمذی از علامہ صفدر
۵۳- حدیث ثقلین
۵۴- حیاۃ الصحابہؓ
۵۵- حلیۃ الاولیاء
۵۶- کشف الاسرار
۵۷- عجبات از علامہ خالد محمود
۵۸- اہل سنت پاکٹ بک

کتاب شیعہ

- ۱- اصول کافی
۲- فروع کافی
۳- روضہ کافی
۴- رجال کشی
۵- منج البلاغہ - عربی / اردو
۶- تہذیب الاحکام
۷- الاستبصار
۸- من لایحضرہ الفقیہ
۹- ترجمہ مقبول
۱۰- حیات القلوب
۱۱- جلاء العیون
۱۲- مجالس المونیین
۱۳- کشف الغمہ
۱۴- تجلیات صداقت
۱۵- تفسیر منہج الصادقین

- ۱۷۔ مفتی الآمال
 ۱۸۔ توضیح المسائل
 ۱۹۔ شرح نہج البلاغہ فیض الاسلام نقوی
 ۲۰۔ شرح ابن ابی الحدید
 ۲۱۔ احتجاج طبرسی
 ۲۲۔ کتاب خصال لابن بابویہ
 ۲۳۔ روحۃ الصغائر
 ۲۴۔ اعلام الوری
 ۲۵۔ وجودہ ستارے
 ۲۶۔ تحفۃ العوام
 ۲۷۔ مسالک الافہام
 ۲۸۔ مجمع البیان
- ۲۹۔ تفسیر قمی
 ۳۰۔ تفسیر حسن عسکری
 ۳۱۔ تفسیر صفائی
 ۳۲۔ ارجح المطالب
 ۳۳۔ منہاج النجات لملا فیض
 ۳۴۔ کتاب الحدائق
 ۳۵۔ دینیات کی دوسری کتاب
 ۳۶۔ حملہ حیدری
 ۳۷۔ درہ نجفینہ
 ۳۸۔ خلاصۃ المصائب
 ۳۹۔ فلک النجات
 ۴۰۔ تنقیح المقال
 ۴۱۔ مقدمہ بانغ فدک

۴۲۔ فی ظلال نہج البلاغۃ

مبلغ دس ہزار روپیہ انعام

ہر اس شخص کے لیے جو بدلائل یہ ثابت کر دے۔ جس کا فیصلہ عدالت کے جج صاحبان کریں گے۔ کہ اس کتاب کے مسائل قرآن و حدیث اور فریقین کی متبر کتابوں کے خلاف ہیں۔ یا رسول خدا و اہل بیت کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔
 نیز حوالہ جات غلط ثابت کرنے والے کو فی حوالہ ۱۰۰ روپیہ انعام دیا جائیگا۔

محقق اہل سنت مولانا محمد میاں ابوالوی مدظلہ العالی کی شرہ آفاق تصانیف

صفحہ ہدیہ

۱۵۰	۳۳۶	عدالت حضرات صحابہ کرامؓ (عظمت صحابہ پر خاص علمی تحقیقی کتاب)
۲۰۰	۵۶۰	سیف اسلام (یعنی ہزار سوال کا جواب)
۱۹۵	۴۸۰	تحفہ امامیہ (اسلام اور تشیع میں تمام اختلافی مسائل پر لا جواب کتاب)
۱۳۰	۳۲۰	ہم سنی کیوں ہیں (۱۱۰ شیعہ سوالوں کا مدلل جواب)
۳۰	۱۶۷	حرم ماتم اور تعلیمات اہل بیتؑ (ماتم اور سینہ کوئی کی تردید پر رسالہ)
۴۰	۱۴۴	سنی مذہب سچا ہے (صداقت اہل سنت پر ایک کامیاب تحریری مناظرہ)
۲۷	۹۶	مسلمان کسے کہتے ہیں (اسلام کے عقائد اعمال، اخلاق اور دعائیں)
۱۲۰	۲۸۰	شیعت اور اسلام (یعنی مجموعہ رسائل) (عقائد شیعہ) (تاریخ شیعہ) (۱۰۰ سوالات وغیرہ)
۲۳۶		شرف صحابیتؓ

مذہب حضرت علی المرتضیٰؑ (زیر طبع)

مقام اہل بیت عظامؑ (زیر طبع)

الکوفۃ و علم الحدیث (زیر طبع)

الامام الاعظم ابو حنیفہؒ (زیر طبع)

بن حافظ جی
ضلع میانوالی

مکتبہ عثمانیہ

ہر قسم کی اسلامی
کتابیں ملنے کا پتہ